بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سبحٰنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

مقالہ برائے پی ایچ ڈی

علم حدیث میں سندھ کا حصہ

زیر نگرانی

جناب ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین صاحب (مدظلہ العالی) فاضلِ حدیث
منشی فاضل، ایم۔اے عربی، ایم۔اے فارسی، پی ایچ ڈی، استاذ و صدر
شعبۂ تقابلِ ادیان و ثقافتِ اسلامی جامعہ سندھ، جام شورو۔

تحقیق و تقدیم

حکیم محمد قاسم عینی بن حکیم محمد عیسیٰ

۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء

فہرست مضامین ورجال۔

(ل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال۔

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحٰبہٖ اجمعین وازواجہ الطیبٰت الطاہرات امہات المومنین وعلیٰ عبادہ الصٰلحین۔

اما بعد! یہ مقالہ، بعنوان، "علم حدیث میں سندھ کا حصہ" پیشِ خدمت ہے۔
مجھے اپنی تعلیم وتعلم کے زمانے سے ہی حدیث ورجال حدیث سے بے حد شوق وشغف رہا تھا اور جب میں نے اسلامیات میں ایم۔اے کا امتحان پاس کیا تو یہ مصمم ارادہ کیا کہ مجھے اسی مضمون میں پی ایچ ڈی بھی کرنی ہے۔

چنانچہ اس ریسرچ کے لئے میں نے اندرونِ ملک کی تمام یونیورسٹیوں کا جائزہ لیتے ہوئے جامعہ سندھ کا انتخاب کیا۔ اور خوش قسمتی سے، جناب ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین صاحب استاذ وصدر شعبۂ تقابل ادیان وثقافت اسلامی جامعہ ہذا سے رابطہ پیدا ہوا۔ جنہوں نے بکمال لطف ومہربانی میری ہمت افزائی فرماتے ہوئے مجھے یونیورسٹی میں داخلہ دلا دیا۔

حسن اتفاق سے مقالہ کا مضمون بھی میری پسند کا ہی منتخب ہوا۔ یعنی ......

"علم حدیث میں سندھ کا حصہ" جو حدیث ورجال حدیث سے متعلق ہے۔ میں نے بصد خوشی قبول کیا۔ لیکن، بقول حافظ شیرازی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) "ے کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا" سندھی طبقات المحدثین کے کوائف وحالات اور علمی کارنامے وخدمات کا جمع وتدوین، اگرچہ مجھے میرے ~~سندھ سے حب واشتیاق~~ کے باعث بہت آسان نظر آرہا تھا۔ لیکن یہ، فی الحقیقت ایک انتہائی پرخار ودشوار گزار سفر تھا۔ اس سلسلے میں میری اپنی کم مائگی کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی دقت کتب حوالہ کی کم یابی تھی۔

شوق وشغف

تاہم میں نے بحکم مَنْ جَدَّ وَجَدَ "(جس نے کوشش کی اس نے پالیا) وبقول حافظ موصوف رہ "ے ہرچہ بادا باد ماکشتی درآب انداختیم" کمر ہمت باندھ کر اپنا کام شروع کرلیا۔ اور اس مہم کو سر کرنے کے لئے بہت سے مراکز علم وفن، مثلاً:۔ دار العلوم کھڈہ کراچی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد مجلس علمی کراچی، جنرل لائبریری جامعۂ سندھ جام شورو، جنرل لائبریری جامعہ بلوچستان کوئٹہ، دار العلوم رفیقیہ ککلکٹری لاڑکانہ، کتب خانہ مولانا محمد عظیم صاحب شیدا، نصیرآباد سندھ، دار العلوم مولانا... حبیب احمد صاحب خارانی اور مدرسہ مطلع العلوم بروری روڈ کوئٹہ بلوچستان وغیرہ سے استفادہ کرتا رہا۔ جب میں نے محدثین ورجال سندھ کی چھان بین میں کتب رجال کی ورق گردانی شروع کی تو دیکھا کہ

ان لوگوں کے، اس میدان میں، قافلے پہلی صدی سے رواں دواں ہیں - اور پھیر ہر قرن و زمانے کے ہر مرحلہ و منزل اور ہر مدارسہ و مکتب میں ان کا چرچا سنائی دے رہا ہے - لھٰذا ضروری تھا کہ ان کے تمام طبقات (متقدمین و متاخرین) کے مشائخ و محدثین پر ایک جامع مقالہ لکھا جائے - تاکہ وادی سندھ کی مردم خیزی و علم پردازی کے کارنامے پوری طرح نمایاں ہو جائیں - اور یہ ظاہر ہو کہ اس خطہ سعیدہ کا عرب سے ہزاروں میل بعید ہونے کے باوجود بھی علم حدیث میں کتنا بڑا حصہ رہا ہے -

اس بنا پر میں نے اپنی مہم کا آغاز قرن اول سے ہی کیا - لیکن خوف ضخامت کے باعث مقالے کو صرف ایک ہزار سال کے رجال تک محدود رکھا -

یہ مجموعہ، اپنی نوعیت کا، ایک نہایت مفید اور جامع تذکرہ ہے - جس میں علاقۂ سندھ کے ہزار سالہ علمائے کرام و مشائخ عظام کو سینکڑوں کتب نایاب و نوادر کے سطور و حواشی سے بڑی کوشش و کاوش سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر یک جا کیا گیا ہے - اور تذکرہ ہذا کی ترتیب و تبویب حسب ذیل طریقہ پر کی گئی ہے -

(۱) **مقدمہ :-** تمہید و تشکر کے بعد اس مقالہ سے متعلق ضروری امور و مواد سے روشناس و آشنا کرانے کے لئے، بطور پیش خیمہ ایک مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے -

(۲) **تذکرہ :-** رجالِ مقالہ کو قرون کے اعتبار سے دس ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے - اور ہر باب میں ایک صدی کے رجال اور ان کے کارناموں کا تذکرہ قلمبند کیا گیا ہے -

تشکر

حمد و ثنائے خدا (جل شانہٗ) اور درود مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے بعد میں جامعۂ سندھ کے اقتدار اعلیٰ اور متعلقہ حکام کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے اس برگزیدہ مضمون پر طبع آزمائی و خدمت گزاری کا موقع عنایت فرمایا۔ (اور یہ سب کچھ جناب ڈاکٹر مظہر بقا صاحب سابق صدر شعبۂ اسلامیات جامعہ کراچی کی رہنمائی و حوصلہ افزائی کے طفیل میسر آیا)

بالخصوص! جناب ڈاکٹر ابو الفتح صاحب استاذ و صدر شعبۂ تقابل ادیان و ثقافت اسلامی جامعہ سندھ جام شورو کی قیادت میرے لئے باعث فخر و واجب تشکر ہے۔ اور حقیقت میں یہ، میری بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ مجھے ایسے ایک بزرگ صفت و اعلیٰ شخصیت فاضل استاذ کی رہبری و رہنمائی نصیب ہوئی۔ جو اس مہم کے دوران میری، ہر نشیب و فراز میں، کما حقہ، رہنمائی فرماتے رہے۔

میں اس سلسلے میں جناب ڈاکٹر مظہر بقا صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے مجھے، اپنا مراسلہ گرامی ساتھ کر کے جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب (مدظلہ العالی) صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ کی خدمت میں بھیجا۔ اور پھر ڈاکٹر صاحب موصوف کے بیشمار احسانات ہیں کہ انہوں نے اس مقصد عظمیٰ کی تحصیل میں میری رہبری فرماتے ہوئے ڈاکٹر ابو الفتح صاحب تک رسائی میں میری معاونت فرمائی۔

داخلہ کے بعد حسن اتفاق سے، جناب مولانا ابو سعید غلام مصطفےٰ صاحب قاسمی ناظم اعلیٰ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدر آباد کا شرف ملاقات نصیب ہوا۔ میں ان کا ہمیشہ شکر گزار رہونگا کہ انہوں نے اپنے مفید مشوروں اور علمی معلومات و روحانی فیوضات سے مجھے مستفید و مستفیض فرمایا۔ اور اکیڈیمی کے اس موضوع پر مطبوعات عنایت کر کے کافی حد تک میرا بوجھ ہلکا کر دیا۔

اس کے بعد میں اپنے ان تمام کرم فرما احباب کا، رہین منت رہونگا جو میرے کام کے دوران ہر ہر مرحلے پر حسب ضرورت امدادی کتب کی فراہمی میں امداد و تعاون فرماتے رہے۔ جن میں میرے فرزندان سعید، مسٹر محمد اعظم جان اور ڈاکٹر محمد نور جان (اسعدہما اللہ تعالےٰ فی الدارین) کی خدمات بھی قابل داد ہیں۔ اور مندرجہ ذیل مخصوص معاونین کا بالخصوص ذکر کرنا باعث مسرت ہوگا۔

جناب قاری محمد شفیع صاحب بلوچ معاون انچارج کتاب خانہ جامعۂ سندھ جام شورو

جناب مولانا عبد الستار صاحب خارانی خطیب جامع مسجد یک مینار فیروز آباد لطیف آباد نمبر ۱۲

جناب ملک محمد رمضان صاحب بلوچ مدیر اعلےٰ اخبار ساربان مستونگ۔

جناب محمد سعید صاحب نعمانی ناظم تنظیم جانی برادرز اوستہ محمد۔

جناب پیر صاحب فردوس شاہ ناظم اعلےٰ فردوس العلوم (عربی مدرسہ) فردوس کالونی اوستہ محمد

جناب عبد العلیم صاحب کیٹلاگر کتاب خانہ جامعۂ سندھ جام شورو۔

جناب محمد ظفر حسین صاحب ناظم کتاب خانہ مجلس علمی کراچی۔

جناب کاظمی صاحب ناظم کتاب خانہ جامعہ بلوچستان کوئٹہ

جناب میر محمد خان صاحب بگٹی کنٹرولر جامعہ بلوچستان کوئٹہ

جناب پیرزادہ سلطان الطاف علی صاحب پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج اوستہ محمد
جناب اللہ دتہ صاحب ناظم کتاب خانہ گورنمنٹ سائنس کالج کوئٹہ۔
جناب مولانا ابوبکر صاحب قصر قندی خطیب جامع مسجد و ناظم کتاب خانہ پی آئی اے کراچی۔
جناب مولانا قادر بخش صاحب خارانی ملازم پی آئی اے کراچی۔
جناب مولانا محمد اکبر صاحب خارانی خطیب جامع مسجد ایرپورٹ کراچی۔
جناب مولانا حبیب احمد صاحب خارانی ناظم جمعیت بلوچستان و مہتمم مدرسہ شمس العلوم خاران۔

خصوصاً،

میرے شفیق اساتذۂ گرامی جناب علامۂ دہر و فاضل عصر حضرت مولانا محمد عظیم صاحب شیدا اور جناب علامۂ زمان و فاضل دوران حضرت مولانا محمد رفیق صاحب خارانی خوشنویس مہتمم دار العلوم رفیقیہ کلکٹری لاڑکانہ سندھ کے مجھ پر لامتناہی احسانات ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
اَجْمَعِیْنَ!

محمد قاسم غنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

برصغیر میں اسلام کا پہلا مطلع

سندھ، برصغیر پاک وہند میں وہ مبارک خطہ ہے جو آفتاب اسلام کا سب سے پہلا مطلع اور علوم محمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلا منبع بنا تھا۔ یہ وہ قابل تبریک سرزمین ہے جس پر سب سے پہلے اسلامی جھنڈا لہرایا گیا۔ اور جس کا ہر خطہ وہر چپہ علم برداران اسلام کے قدموں سے متبرک ومشرف ہوا۔ اور یہ وہ خوش نصیب علاقہ ہے جس کا قرون اولیٰ ہی میں عاشقان رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم سے علاقہ رہا۔

مخدوم امیر احمد عباسی لکھتے ہیں[1]: "اما بعد! ان السند من البلاد السعیدۃ التی ہبت علیہا النفحۃ الاسلام فی مجر تاریخہ وادرکتہ العنایۃ الالٰہیۃ ورفرف علیہا علم الاسلام فی اواخر القرن الاول ونبغ فیہا نوابغ من العلماء والشعراء والادباء وساہم اہلہا العرب فی الدین والعلم" ترجمہ: پس، بے شک سندھ ان سعادت مند علاقوں سے ہے جن پر اسلام کی خوش بو، اس کی شروع تاریخ سے مہک اٹھی۔ اور اسے عنایات خداوندی نے پالیا۔ اور اس پر قرن اول کے آخری سالوں میں اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ اور اس میں علماء، شعراء ادیبوں کی جماعتیں وارد ہونے لگیں۔ اور اس کے باشندے دین وعلم میں عرب سے ہمسری کرنے لگے۔

مولانا غلام رسول مہر اس باب میں لکھتے ہیں[2]: "سندھ وہ خطہ تھا جہاں مسلمانوں کے قدم سب سے پہلے پہنچے۔ اور انہوں نے جابجا درس گاہیں قائم کرلیں۔ اس کے بعد صدیوں تک باہر سے اہل علم وفضل کی آمد جاری رہی۔ وہ سب سے پہلے سندھ ہی پہنچتے تھے۔ اور ان میں سے اکثر وہیں بیٹھ جاتے تھے" علامہ عبد الحی الحسنی وغیرہ نے بھی اس سلسلے میں سندھ کی اولیت کے حق میں بیان دیا ہے[3]۔

اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ برصغیر پاک وہند میں اسلام کا پہلا مطلع سندھ ہے۔ اس باب میں آگے، ان شاء اللہ تعالےٰ، تفصیل سے بحث کی جائیگی۔

ف ۱:- مقدمہ بذل القوۃ ص ۱ (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی ۱۹۶۲ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۲ھ

ف ۲:- تاریخ سندھ ج ۲ حصہ ۶ ص ۹۷۸ (مولانا غلام رسول مہر) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۹ء۔

ف ۳:- مقدمہ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱ (مولانا عبد العلی بن علامہ عبد الحی الحسنی لکھنوی) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن

وادیٔ سندھ میں روحانی سرچشمے۔

وادیٔ سندھ، نہ صرف علوم ظاہری و علمائے شریعت کا مرجع و مرکز رہی ہے، بلکہ اسے علوم باطنی و مشائخ طریقت کا بھی مسکن و ماویٰ ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہاں بیرون ملک سے بھی وقتاً فوقتاً اولیائے کرام و مشائخ عظام تشریف فرما ہوتے رہے۔ جو فلک سندھ کے شمس و قمر بن کر اس تاریک خطہ کو اپنی تعلیمات باطنی و فیوضات روحانی کے انوار و شعاعوں سے چمکاتے رہے اور مسافرانِ "قالوا بلیٰ" کے لئے مشعل راہ بن کر انہیں رہبری و رہنمائی کرتے رہے۔
اسی طرح اندرون ملک میں بھی ہر قرن و ہر زمانے میں بڑے بڑے صاحب کشف و کرامت اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہے جن کے انہار فیوضات و انوار کرامات سے وادیٔ سندھ میں روحانی سرچشمے پھوٹے اور یہ سرزمین ہمیشہ پھلتی پھولتی اور چمکتی دمکتی رہی ہے۔
میں یہاں ان ابتدائی صفحات میں، تحصیل برکت و سعادت کی خاطر چند ایک اہل اللہ و مشائخ سندھ کی ایک اجمالی فہرست و مختصر تذکرہ شامل مقالہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں شاید ان کے اسمای گرامی اس مہم میں میری مشعل راہ بن جائیں۔

(۱) حضرت مخدوم لعل شہباز قلندرؒ [۱] حضرت سید عثمان بن سید کبیر الدین بن سید صدر الدین، عرف مخدوم لعل شہباز قلندر مروندی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) حضرت سیدنا امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد سے ہیں۔ ایک روایت میں آپ کے دادے کا نام صدر الدین کی بجائے شمس الدین ہے۔ آپ ساتویں صدی کی ایک عظیم شخصیت اور مشہور و معروف اہل اللہ اور صاحب حال و قال ولی اللہ تھے۔ آپ کی کرامتیں بیش از بیان ہیں۔ مترجمین لکھتے ہیں کہ سیوھن شریف میں آپ کی آمد سے پہلے کچھ فاحشہ عورتیں سکونت پذیر تھیں۔ آپ کی وہاں تشریف آوری اور مبارک قدموں کی برکت سے ان کی بدکرداری کا خاتمہ ہوا۔ جس دن آپ وہاں تشریف فرما ہوئے اس دن جو بھی ان عورتوں کے پاس گیا وہ برے کام پر بالکل قادر نہ ہو سکا۔ صبح کو ان عورتوں کو آپ کی تشریف آوری کا پتہ چلا تو سمجھیں کہ یہ سب کچھ پیر صاحب کے اثر سے ہوا ہے۔ وہ فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہو کر تائب ہوئیں۔
آپ بہت بڑے درجہ و رتبہ اور عزت و عظمت کے مالک ہیں۔ پورا سندھ آپ کا مرید و معتقد ہے۔
شیخ مروندی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ۶۷۳ھ ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بمقام سیوھن شریف وفات پائی۔
آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ سندھ اور دور و دراز علاقوں سے عقیدتمند و حاجتمند اشخاص وہاں حاضر ہو کر اپنی اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے دست بہ دعا ہوتے ہیں۔ آپ کا وجود مسعود زندگی میں اور اس کے بعد بھی سندھ کے لئے باعث رحمت و سعادت ہے۔

(۲) حضرت سید عبد اللطیف شاہ بھٹائیؒ [۲] (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) آپ سید حبیب شاہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ تارک آپ کا لقب ہے۔ سندھ کے عظیم بزرگ اور مشہور خدارسیدہ و ولی کامل تھے۔ آپ کی کرامتیں بے شمار ہیں لیکن سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ "امّی" (ان پڑھ) ہونے کے باوجود بھی معارف قرآن و حدیث کے عارف عالم تھے۔ آپ بہت اونچے درجے کے صوفی، شاعر اور مبلغ اسلام تھے۔ آپ کے صوفیانہ اشعار و کلام قرآن و حدیث اور پیغام خدا اور رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اور بے حد معنی خیز و موثر ہیں۔ اور ہر جا و ہر کجا بہت بڑی دلچسپی و خلوص و اعتقاد سے سنے اور سنائے جاتے ہیں۔ بھٹائی گھوٹ نے ۱۱۶۵ھ میں بمقام بھٹ وفات پائی۔ آپ کا مزار زیارتگاہ عام و خاص ہے۔

[۱]: تحفۃ الکرام (اردو) حصہ ۳ صفحہ ۲۲۸ تا ۲۲۹ (مولانا علی شیر قانع) مترجم اختر رضوی۔ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۹ء
[۲]: تحفۃ الکرام (اردو) حصہ ۳ صفحہ ۳۰۳، تذکرہ علمائے ہند اردو صفحہ ۳۹ (محمد ایوب قادری) مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی۔

(۳) حضرت مخدوم نوح[۵۱] بن نعمت اللہ بن اسحاق (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد سے ہیں۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے فاضل اور ولی کامل تھے۔ آپ کی کرامتیں بے شمار و بے حساب ہیں۔ مترجمین لکھتے ہیں کہ جب آپ سات (۷) دن کے تھے کہ آذان سنی اور صاف و شستہ الفاظ میں کلمہ طیبہ پڑھا۔
ایک دفعہ ٹھٹھہ میں سید جلال بن سید علی شیرازی کے یہاں بیٹھے تھے کہ مخدوم نوحؒ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما گذرے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ تمہیں جناب رسول مقبول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بلاتے ہیں۔ جب مخدوم وہاں دربار میں پہنچے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ انہیں اچانک ایک لکھی ہوئی تختی ملی انہوں نے اس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سبق پڑھا۔ جب سر اٹھایا تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دیدار سے مشرف ہوئے۔ اور از سر نو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سبق پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ، یہ میری اولاد سے ہے۔ آپ نے ۹۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت پنیو نار یجو درویش[۵۲] (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) آپ ایک عظیم المرتبت اور صاحب کرامت ولی اللہ تھے۔ ایک رات اپنی جھونپڑی میں ذکر الٰہی میں مشغول تھے کہ چند سوار وہاں پہنچے اور زبردستی آپ کو راہ دکھانے کے لئے ساتھ چلنے کے لئے بیت مارے۔ درویش مجبوراً چلے۔ ابھی چند قدم نہیں گئے تھے کہ گھوڑوں کے سم پتھروں سے ٹکرانے لگے۔ انہوں نے کہا کہ پنیو یہاں پتھریلی زمین تو نہ تھی۔ یہاں پتھر کہاں سے آئے؟ فرمایا کہ یہ زمین نہیں۔ کوہ قاف ہے جیسے تم نے سنا ہوگا۔ یہ کہہ کر انہیں وہیں چھوڑا اور خود واپس اپنی جھونپڑی میں تشریف لائے۔ درویش پنیو نے ۹۰۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ

(۵) حضرت سید مراد شیرازی[۵۳] (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) آپ کے آباؤ اجداد شیراز سے ٹھٹھہ میں آکر آباد ہوئے تھے۔ آپ بہت اونچے درجے کے ولی اللہ تھے۔ ایک دفعہ شیخ طلحہ ملتانی ٹھٹھوی نے آپ سے دریافت کیا کہ "پیری کیا چیز ہے"؟ اتفاقاً وہاں ایک بلی مری پڑی تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے اس مردہ بلی کو آواز دی کہ اٹھو بلی فوراً اٹھ کھڑی چل پڑی۔ فرمایا کہ "پیری یہ ہے"۔

(۶) حضرت شیخ طلحہ[۵۴] (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) آپ شیخ بہاء الدین ملتانی کی اولاد سے ہیں۔ آپ صاحب حال و قال اہل اللہ سے تھے۔ ایک دفعہ شاہ صاحب سید مراد شیرازی نے آپ سے کہا کہ "شیخیت کیا چیز ہے"؟ آپ نے بازار سے ایک کافر دکاندار کو منگا کر منبر پر بٹھایا کہ تقریر کرو۔ اس نے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی، تو فرمایا کہ "شیخیت اسے کہتے ہیں"۔

(۷) حضرت شیخ ہوتی لاکھا[۵۵] (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) آپ دشت کے کملائے اولیاء اللہ و فضلائے اہل اللہ سے تھے۔ ایک رئیس کا لڑکا برسوں سے بہت دور کے ایک علاقہ میں قید تھا۔ آپ نے اسے چشم زدن میں بازو میں پکڑ کر مجلس میں حاضر کر دیا۔ شیخ ہوتی جب فوت ہوئے تو لوگوں کے ساتھ خود بھی شامل ہو کر اپنی نماز جنازہ پڑھی۔

(۸) حضرت شیخ ابراہیم بن ناگو در تھیبہ[۵۶] (رحمۃ اللہ علیہ) آپ صاحب کرامت اور ولی کامل تھے۔ مترجمین لکھتے ہیں کہ شیخ کی وفات کے دن ان کا لڑکا "مومن" نامی گجرات میں قید تھا۔ وفات کے وقت اسے آواز دی کہ بیٹا مومن! آکر مجھے غسل دو۔ اس نے وہاں آواز سنی اور عرض کیا کہ میں قید میں ہوں۔ آپ نے ادھر کو ہاتھ بڑھا کر کہا بیٹا میرا ہاتھ تھام کر آجاؤ۔ چنانچہ لڑکا ہاتھ پکڑ کر خدمت میں حاضر ہوا۔

(۹) حضرت مخدوم حمزہ[۵۷] (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) آپ ٹھٹھہ کے اولیائے کبار سے تھے۔ علی شیر قانع لکھتے ہیں کہ حاجی حمزہ (ٹھٹھہ کے ایک باشندہ) حجاز میں بڑی مدت رہنے کے بعد وطن واپس آنے کے لئے بہت پریشان تھا۔ مگر ذرائع مفقود تھے۔ آخر کار کسی شخص کی نشاندہی پر وہ مخدوم حمزہ کی خدمت میں پہنچا اور انہیں وطن پہنچانے کے لئے بہت الحاح وزاری کی تو مخدوم نے اسے آنکھ جھپکنے میں ٹھٹھہ پہنچا یا۔ قانع روایت کرتے ہیں کہ مخدوم کی نماز جنازہ حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔

(۱۰) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب التکبیر[۵۸] (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی کے فرزند ہیں۔ آپ واصل باللہ اور کامل ولی اللہ تھے۔ اپنی نماز جنازہ میں امام کے ساتھ خود تکبیریں کہدیں۔ اس لئے آپ کو صاحب التکبیر کہا جاتا ہے۔

تلک عشرۃ کاملۃ

۵۱ - تحفۃ الکرام (اردو) حصہ ۳ صفحہ (مولانا علی شیر قانع) مترجم اختر رضوی - مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۹ء طبع
۵۲ - تحفۃ الکرام صفحہ ۲۵۵ ۵۳ - تحفۃ الکرام صفحہ ۵۴ ۲۲۳ - تحفۃ الکرام ۵۵ - تحفۃ الکرام ۵۶ ...
۵۸ - مقدمہ فتح ی تاسیسہ (مولانا نجم الدین ...)

کراچی

سندھ میں طلوعِ اسلام کا ایک تاریخی جائزہ

ارباب سیر و تاریخ کی متفقہ روایات و بیانات کی رو سے سندھ و بلوچستان سے اسلام کی سلسلہ جنبانی خلفائے راشدین کے قرون سے شروع ہوتی ہے۔[1]

چنانچہ مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ دیبل (سندھ) پر ۱۵ھ میں امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دوران واقع ہوا۔[2]

حضرت مغیرہ بن ابی العاص (صحابی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے جو بحرین اور عمان کا .... حاکم تھا، صحابہ مجاہدین کی ایک فوج لے کر سرزمین سندھ کو شرف قدوم بخشا۔[3]

پھر خلیفہ سوم امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مہمات سندھ میں بڑی دلچسپی لیتے ہوئے مکران و قندابیل کے سپہ سالار حضرت عبد اللہ بن عامر رضی کو حکم بھیجا کہ سندھ و ہند کے حالات معلوم کرنے کے لئے کوئی موزوں شخص وہاں بھیجا جائے۔

چنانچہ اس مہم کی خاطر حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حکیم بن

۱ـ معجم البلدان ج ۳ ص ۴۸۱ (علامہ ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی ۶۲۶ھ) مطبوعہ بیروت ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء

۲ـ فتوح البلدان ص ۶۱۳ (علامہ ابو العباس احمد بن یحییٰ البلاذری م ۲۷۹ھ) مطبوعہ ڈخویہ۔

۳ـ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۵، ۲۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

جبلہ کو سندھ روانہ کیا۔ جب حکیم بن جبلہ نے دورۂ سندھ سے واپس آ کر وہاں کے حالات کی ناسازگاری کا ذکر کیا تو آپ رض نے وقتی مصلحت کے پیشِ نظر سندھ پر لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔[۱]

آپ رض کے بعد امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کے دوران وادی سندھ پر خاص توجہ مبذول فرمائی اور ۳۸ھ/۳۹ھ میں تاغر بن دعر اور حارث بن مرہ کی سرکردگی میں اس علاقہ پر ایک فوجی مہم بھیجی۔
مجاہدین کامیاب و فتح یاب ہو کر مال غنیمت کے ساتھ ساتھ بیشمار غلام و کنیز بھی ساتھ لے گئے۔ کہتے ہیں کہ سندھی جنگی قیدی اتنے تھے کہ ایک دن میں... مجاہدین پر ایک ہزار کنیز و غلام تقسیم کئے گئے۔[۲]

خلافتِ راشدہ کے بعد جب سارے ممالک اسلامیہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت مستحکم ہو گئی تو انہوں نے سندھ کو اپنی خاص نظروں کے سامنے رکھا۔ چنانچہ آپ کے حکم و مشورہ سے متعدد بار سندھ پر لشکر کشی کی گئی۔ آپ کے عہد خلافت میں مندرجہ ذیل مشہور سپہ سالاروں نے مختلف مواقع و مہمات میں وادیٔ سندھ کو تہ و بالا کر دیا۔ مثلاً مہلب بن ابی صفرہ جنہوں نے ۴۴ھ/۶۶۴ء میں اس سرزمین کو تاخت و تاراج کیا۔ بارہ ہزار اشخاص کو قیدی بنا کر لے گئے۔[۳] عہ

[۱] فتوح البلدان باب فتوح السند (اردو ۱۳) علامہ ابو العباس احمد بن یحیٰ البلاذری م ۲۷۹ھ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی سنہ ۱۹۶۰ء
[۲] فتح نامہ سندھ (اردو) ص ۹۹-۱۰۰ (مولانا اختر رضوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۶۳ء

[۳] علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۲۸ (شاہ چمین زرانی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۳ء و
عہ انسائیکلو پیڈیا (اردو) ج ۱ ص ۱۰ (ڈاکٹر عبد الوحید ایچ ڈی لندن) مطبوعہ فیروز سنز لاہور سنہ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء۔

اِس کے بعد عبد اللہ بن سوار نے چڑھائی کی اور کامیاب ہوئے پھر سنان بن مجتق الھذلی اور اس کے بعد راشد بن عمرو ازدی نے اس علاقے پر گھوڑے دوڑائے اور فتوحات حاصل کیں [1]۔

اس کے بعد عبد الملک بن مروان کے زمانۂ خلافت میں سندھ کی طرف پھر سے ایک میلان ورجحان ابھر آیا۔ چنانچہ حجاج بن یوسف والی عراق وحجاز نے پہلے سعید بن اسلم کو اس کی مہم پر بھیجا۔ اور اس کے بعد مجاعہ بن سعید التمیمی کو اس ملک کی عملداری وسرداری پر مامور کیا [2]۔

گو کہ ان ادوار میں مملکت سندھ پر اسلامی حکومت کا کوئی مستحکم تسلط وقبضہ نہیں تھا اور یہ تمام یورش وحملے محض وقتی وہنگامی ہوا کرتے تھے۔ لیکن تاہم ان مہموں کی بدولت سندھ وعرب کا باہمی رابطہ وواسطہ قائم ہو کر ان کے قبائل کا تبادلہ وسلسلۂ آمد ورفت جاری وساری ہو گیا تھا۔

حتے کہ سندھ کی مہتم بالشان فتوحات کا زمانۂ مبارک آ گیا۔ جبکہ حضرت محمد بن قاسم بن عقیل الثقفی نے مورخہ ۱۰۔ رمضان المکرم ۹۳ھ ہجری (علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو علاقۂ سندھ فتح کر کے دیبل پر اسلامی جھنڈا لہرایا [3]۔

---

[1] فتوح البلدان (اردو) ص۴۱۳ باب فتوح السند (علامہ ابو العباس احمد بن یحییٰ البلاذری م ۲۷۹ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی
تاریخ ابن اثیر (الکامل فی التاریخ) ج۳ ط۲۳۱ (شیخ ابو الحسن علی بن محمد بن محمد م ۶۳۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۲۹۰ھ۔

[2] تاریخ ابن خلدون ج۲ ص۲۰۰ (اردو) علامہ عبد الرحمن بن خالد م ۸۰۸ھ / ۱۴۰۶ء ـ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

[3] تذکرہ علمائے ہند فارسی ص۳ (مولانا رحمٰن علی م ۱۳۲۵ھ) مطبوعہ نولکشور ۱۹۱۴ء۔ طبع ۳۔

عرب میں سندھی قبائل کی آمد

سندھی متعدد قبائل مثلاً سیابجہ، زط اور اندرغار وغیرہ طلوع اسلام سے پہلے عرب علاقوں میں پہنچ گئے تھے۔ معتمد محققین و مستند مورخین کا بیان ہے کہ سیابجہ اسلام سے قبل خلیج فارس کے ساحلوں میں سکونت پذیر ہو چکے تھے۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کے دوران سیابجہ اور زط کی ایک محافظ فوج بحرین میں "الخط" کے مقام پر متعین تھی۔[1] جنہوں نے جنگ یمامہ میں مرتدین کا ساتھ دیکر اسلامی فوج سے لڑائی کی۔ مولانا محمد اسحٰق بھٹی لکھتے ہیں،

"البتہ تاریخ کی ورق گردانی سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان کے (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ) عہد خلافت (ذی الحجہ ۱۱ھ) میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زیر کمان یمامہ کے مقام پر مرتدین کے خلاف جو جنگ لڑی گئی اس میں ہند و سندھ کے اُن ہندوؤں اور جاٹوں نے بھی حصہ لیا تھا جو بحرین اور بلاد سواحل میں متوطن تھے۔"[2]

علامہ ابوالعباس احمد بن یحیٰی م ۲۷۹ھ البلاذری کے بیان[3] کے مطابق ۱۷ھ/۶۳۶ء میں اسواریوں نے (بیرونی قبائل جو شاہ کی فوج میں تھے) اسلامی سپہ سالار سے ان شرائط پر معاہدہ کیا تھا (جس کی حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے توثیق فرما دی تھی)

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۷۵-۳۲۳ (علامہ بلاذری م ۲۷۹ھ) مطبوعہ ڈخویہ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج ۱ ص ۲۸۹
[2] فقہائے ہند ج ۱ ص ۲ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع اول ۱۹۷۴ء
[3] فتوح البلدان ص ۳۷۵ (علامہ بلاذری م ۲۷۹ھ) مطبوعہ ڈخویہ

(۱) وہ (اسواری) مسلمان ہو جائینگے۔

(۲) انہیں فوجی ملازمت میں اونچی تنخواہ پانے والے سپاہی کے برابر تنخواہ دی جائے۔

(۳) انہیں کسی بھی عرب قبیلے سے منسلک ہونے کا آزادانہ اختیار ہوگا۔

(۴) چوتھا یہ کہ وہ صرف غیر عربوں سے جنگ کرینگے۔[۱]

پھر سیابجہ اور زط نے بھی ان کی تقلید میں اسلامی حکومت سے اسی طرح کا معاہدہ کیا۔ اور عرب کے قبیلہ بنو تمیم کے موالی بن گئے۔[۲]

اور یہ سیابجہ ۳۶ھ/۶۵۶ء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے دوران البصرہ کے خزانوں کی حفاظت و نگہداشت پر متعین ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیا۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ کوفیوں کی وہ فوج جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اعانت کیلئے آئی تھی اس میں سیابجہ اور زط کی ایک جماعت شامل تھی۔[۳]

سیابجہ، زط اور اندرغار سندھی قبائل تھے۔ انہیں ایرانی قیدی بنا کر لے گئے تھے۔ اور ان سے خدمت لیتے۔ پھر یہ لوگ ایرانی فوج میں شامل ہو گئے۔[۴]

---

[۱][۲] اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج۱۱ ص۸۰۴۔ مطبوعہ دانش گاہ پنجاب لاہور

[۳] فتوح البلدان ص۳۷۶ (علامہ بلاذری) مطبوعہ ڈخویہ

[۴] " " " " " " " "

اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج۱۱ ص۸۰۴۔ مطبوعہ دانش گاہ پنجاب لاہور۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے فاضل مولفین لکھتے ہیں، "اسی طرح الجوالیقی (المعرب طبع زخاؤ لائپزگ ۱۸۶۷ء، ص ۸۲) اللیث کے حوالے سے لکھتا ہے، "یہ سندھی ہیں" اور لسان العرب ج ۳ ص ۱۱۸-۱۱۹ (ابن السکیت م ۸۰۷ء) تاج العروس ج ۲ ص ۵۶ میں بھی اس کی تائید کی گئی ہے" ص

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ اپنی مشہور کتاب "الکامل فی التاریخ" میں "زط" کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ایک سندھی قوم تھی جو البصرہ میں قید خانوں کی محافظت پر متعین تھی ۱ے

پھر امیر معاویہ م ۶۰ھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سندھی تارکین (وطن) و قبائلیوں کو البصرہ سے منتقل کر کے سواحل شام اور انطاکیہ میں آباد کرا دیا۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں، "امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ۴۹/۵۰ھ میں سواحل کی طرف البصرہ کے زط (جاٹ) اور السیابجہ کی ایک قوم منتقل کی۔ اور ان میں سے بعض کو انطاکیہ میں بسایا۔ انطاکیہ میں سندھی جاٹ قوم کا محلہ "زط" کے نام سے مشہور ہے" ص۲

ص اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور (دانش گاہ پنجاب لاہور) ج ۱۱ ص ۴۸۰ -

۱ے الکامل فی التاریخ ص ۱۶۱ ج ۳ (علامہ ابن الاثیر) مطبوعہ مصر ۱۲۹۰ھ

ص۲ فتوح البلدان ص ۱۶۲ (علامہ ابوالعباس البلاذری م ۲۷۹ھ) مطبوعہ - ڈخویہ

الکامل فی التاریخ ج ۳ ص ۲۲۱ (امام ابوالحسن علی بن محمد ابن الاثیر م ۶۳۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۲۹۰ھ -

پھر محمد بن قاسم نے فتح سندھ کے بعد ۹۳ھ میں بہت سے "زط"..... حجاج کے پاس عراق بھیجے تھے جنہیں حجاج نے خلیفہ ولید بن عبد الملک کے پاس شام بھیجا اور ولید نے ان کو انطاکیہ میں منتقل کر دیا۔[۱]

چنانچہ ان کی نسل سے صدہا محدثین و رواۃ حدیث پیدا ہوئے۔ جن میں سے تیسری صدی کے ثقہ محدث اور مشہور راوی حدیث شیخ عباس بن عبد اللہ الانطاکی السندی قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے الانطاکیہ میں علوم حدیث کی ایک درسگاہ قائم کر کے سینکڑوں محدثین پیدا کیئے۔[۲]

۱ے فتوح البلدان ص ۲۴۴ (اردو) علامہ ابو العباس احمد بن یحیٰ م ۲۷۹ھ۔ مترجم سید ابو الخیر مودودی مطبوعہ:۔ نفیس اکیڈمی کراچی سنہ ۱۹۷۰ء

۲ے تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۱۹ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ
Indias Contribution to Hadith p. 196-97. (Dr Mohammad Ishaq) University of Dacca, 1955.

اِن جنگی واقعات وتاریخی حالات کا تفصیلی بیان ہمارا اصل مقصود نہیں۔ بلکہ ان کے تذکرے سے صرف یہ واضح کرنا مطلوب تھا کہ وادی سندھ پر طلوع..... اسلام اپنے طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ اور انہی فتوحات و مہمات کے نتیجہ میں ہزارہا عرب سرزمین سندھ میں آکر آباد ہو گئے۔ اور صدہا فرزندانِ مہران کو دولتِ ایمان حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ دیارِ حبیب صلے اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم کی باریابی و علمِ حبیب صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی فیض یابی نصیب ہوئی۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق لکھتے ہیں۔ (ترجمہ) عرب اپنے ابتدائی حملوں میں اپنے ساتھ بیشمار جنگی قیدی لے گئے جنہوں نے آخرکار اسلام قبول کیا اور مسلم علاقوں میں..... سکونت پذیر ہو گئے[۱]۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بھیجی ہوئی مہم میں ہزاروں کی تعداد میں قیدی عرب لے جائے گئے جنہیں مجاہدین میں تقسیم کیا گیا[۲]۔

اِسی طرح فتح سندھ کے بعد محمد بن قاسم نے بہت سے سندھی جاٹ اور سیابجہ عراق بھیجے جنہیں خلیفہ ولید بن عبد الملک کے حکم سے الانطاکیہ میں آباد کرایا گیا[۳]۔ جن کا تفصیلی بیان گذشتہ باب میں ہو چکا ہے۔

علاوہ ازیں کئی اور قومیں اپنے اہل و عیال اور اسباب و مال کے ساتھ عرب..... لے جائی گئی تھیں جنہیں واسط کے ضلع کاشغر اور مکہ معظمہ وغیرہ میں بسایا گیا تھا[۴]۔

۱۔ Indias Contribution to Hadith p. 197. (Dr. Muhammad Ishaq) Dacca 1955.

۲۔ فتوح البلدان باب فتوح السندھ ص۶۱۳ (علامہ ابو العباس احمد بن یحیٰی البلاذری م ۲۷۹ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی سنہ ۱۹۶۰ء
فتح نامہ سندھ ص۹۹ (مولانا علی بن حامد کوفی مترجم اختر رضوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ سنہ ۱۹۶۳ء ترجمہ اردو از سید ابو الخیر مودودی۔

۳۔ فتوح البلدان باب فتوح السندھ

۴۔ انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۱۹۱ (ڈاکٹر محمد اسحٰق) مطبوعہ ڈھاکہ بنگلہ دیش سنہ 1955ء۔

اہلِ سندھ کی ایک قابلِ ذکر و لائق فخر سعادت۔

ان مہاجرین سندھ میں بعض ایسی سعید ہستیاں بھی نکلیں کہ خاندانِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی جگہ حاصل کر کے اپنی قوم و ملک کے لئے باعثِ عزت و سعادت بن گئیں چنانچہ حضرت حیدان (جو سندھی خاتون تھیں) نے حضرت سیدنا علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) کے حرم پاک میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ جن کے بطن سے سیدنا علی (زین العابدین) کے دو فرزند سیدنا امام زید اور سیدنا عمر پیدا ہوئے۔[1]

امام ابن قتیبہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم المتوفی ۲۷۶ھ اپنی مشہور کتاب المعارف میں لکھتے ہیں، "وَاَمَّا زَیدُ بن علی بن الحُسَیْن (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) فکان یکنیٰ اَبَا الحُسَیْن وَاُمُّہ سِنْدِیَّۃ"[2] ترجمہ:- اور مگر زید بن علی بن الحسین رضی اللہ تعالےٰ عنہم پس ان کی کنیت ابو الحسن تھی اور ان کی والدہ ماجدہ سندھی خاتون تھیں۔

علامہ ابن عساکر علی بن حسن بن ہبۃ اللہ المتوفی ۴۹۹ھ سیدنا ~~زید بن علی~~ علی بن الحسین (رضی اللہ تعالےٰ عنہما) کی اولاد کے باب میں لکھتے ہیں، "وعمر و زید (رضی اللہ تعالےٰ عنہما) لام ولد تسمی حیدان فہذہٖ ام زید بن علی السندیۃ"[3] ترجمہ:- اور عمر اور زید (رضی اللہ تعالےٰ عنہما)

---

[1] تاریخ طبری ج۹ ص۲۶۳ (اردو) علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری م ۳۱۰ھ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء، امام ابو حنیفہ رض کی سیاسی زندگی ص۱۲۳ (علامہ مناظر احسن گیلانی۔) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی طبع سنہ ۱۹۶۸ء۔
رجال السند والہند ص۱۰۹ (قاضی ابو المعالی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۸ء۔
الکامل فی التاریخ ج۵ ص۱۰۶ (علامہ ابو الحسن علی بن محمد ابن الجزری م ۶۳۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۲۹۰ھ۔

[2] المعارف ص۹۵ (علامہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ م ۲۷۶ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۹۰ھ

[3] تاریخ ابن عساکر ج۶ ص۱۵-۱۶ (علامہ ابن عساکر علی ابن حسن بن ہبۃ اللہ م ۴۹۹ھ) مطبوعہ دمشق ۱۳۲۹ھ

ایک ام ولد کنیز سے ہیں۔ جس کا نام "حَیدان" ہے۔ پس یہی خاتون (حیدان) حضرت زیدبن علیؓ کی سندھی والدہ ہیں۔

علاوہ ازیں سندھی مہاجر عورتیں عرب معاشرے میں اپنے حسن کردار و اعلے اطوار کی بدولت نہایت منظور نظر و مرغوب خاطر ہو چکی تھیں۔ اس سلسلہ میں قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں، "وَالظاہر ان ام یزید بن عمر السندیۃ ھی حبابۃ جاریۃ یزید بن عبد الملک وکانت جواری السند مشہورۃ فی العرب فی القیام علی مصالح الاولاد واداء الواجبات فی تربیتھا وحسن خدماتھا ولذا کان العرب یرغبون الی السندیات فی تربیتھا اولادھم وقیام ابنائھم"[1]

ترجمہ:- اور ظاہر یہ ہے کہ یزید بن عمر کی سندھی والدہ یہی یزید بن عبد الملک کی کنیز حبابہ ہی تھیں۔ اور سندھی کنیزیں عرب میں اولاد کی اچھی پرورش و اصلاح اور ان کی... عمدہ تربیت و اچھی خدمات کے فرائض کی انجام دہی میں مشہور تھیں۔ اور اس لئے عرب اپنے بچوں کی پرورش و تربیت اور نگہداشت کی خاطر سندھی عورتوں میں بے حد دلچسپی رکھتے تھے

---

[1] رجال السند والہند ص ۹۵ (قاضی ابو المعالی اطہر علی مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ہند ۱۹۵۸ء۔

عرب میں سندھی فضلاء و محدثین

صرف یہ نہیں کہ سندھی قبائلی و مہاجرین یا جنگی قیدیوں نے عرب میں ساکن و مکین ہو کر محض وہاں کے شہری بننے کا اعزاز حاصل کیا۔ بلکہ ان کی نسل سے بیشمار سعادتمند نفوس علم و فضل کی دولت سے بھی مالامال ہو گئے۔ اور وہاں درس گاہیں قائم کر کے علوم حدیث و قران کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔ اور اہل عرب کے استاذ حدیث و ائمہ مذہب بننے کا شرف بھی حاصل کیا۔ مثلاً ——

امام اوزاعی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

امام ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی جو ۸۸ھ میں بمقام بعلبک (شام) پیدا ہوئے عرب میں تحصیل علوم کے بعد شام میں تدریس و تحدیث اور تصنیف و تالیف میں اپنی عمر عزیز وقف و صرف کر دی۔

آپ کے سمندر علم و فیض سے سیکڑوں ہزاروں عرب شائقین سیراب و فیضیاب ہوئے۔ مزید براں آپ مجتہد و بانی مذہب بھی تھے۔ قرنوں تک آپ کا مذہب شام و.... اندلس میں رائج رہا۔ آپ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے۔

علاوہ ازیں امام موصوف کثیر الروایت راوی و امام حدیث اور استاذ المحدثین بھی تھے کتب صحاح ستہ وغیرہ آپ کی روایتوں سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔

آپ کے مفصل حالات مع حوالہ جات آپ کے باب میں بیان کئے جائیں گے

ابومعشر نجیح

آپ بھی عرب میں پیدا ہوئے - اور وہاں تحصیل علوم کی - فراغت کے بعد مدینہ منورہ میں حدیث و روایت کا ایک ادارہ قائم کر کے ہزارہا خلق خدا کو مستفید و مستفیض کرتے رہے

۱۶۰ھ میں خلیفہ المہدی کی خواہش و درخواست پر آپ نے بغداد شریف میں جاکر ایک مدرسہ جاری کیا - اور عمر کے آخری لمحوں تک حدیث و مغازی اور فنون شریعت کی تدریسی و تصنیفی خدمات سرانجام دیتے رہے - اور ہزارہا فضلا و محدثین پیدا کئے -

محمد بن ابی معشر

آپ کی پیدائش و تحصیل علوم بھی عرب میں ہوئی تھی - پھر اپنے والد ماجد کے مدرسہ میں علوم الحدیث کے درس و روایت اور نشر و اشاعت میں زندگی بسر کی - اور سینکڑوں علما و فضلا و ائمہ حدیث پیدا کئے - مثلاً امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی امام ابو حاتم رازی ، امام ابن ابی الدنیا عبید بن سفیان م ۲۸۱ھ امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری م ۲۳۰ھ وغیرھم -

السندی بن شماس

آپ قدماء محدثین سندھ سے ہیں - آپ یا آپ کے آباء و اجداد قرون اولیٰ میں سندھ سے ہجرت کر کے عرب پہنچے - اور البصرہ میں سکونت اختیار کی - اور فضلائے تابعین حضرت عطا بن ابی رباح اور حضرت امام محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ) وغیرہ سے سماعت و تحصیل حدیث کر کے وہاں تادم زیست خلق خدا کو فیض علوم پہنچاتے رہے - آپ سے موسیٰ بن اسمٰعیل اور حوثرہ بن اشرس وغیرہ نے حدیث کی تحصیل کی ہے

شیخ خلف بن سالم الحافظ المخرمی

آپ کی درس گاہ بغداد شریف کے مشہور محلہ "المخرم" میں واقع تھی جہاں آپ نے اپنی پوری زندگی اس فن شریف کی نشر و اشاعت میں صرف کر کے صدہا فضلا و محدثین پیدا کئے۔ مثلاً امام ابو زرعہ، امام ابو حاتم الرازی، شیخ احمد بن خیثمہ ۲۷۹ھ، شیخ یعقوب بن شیبہ ۲۶۲ھ، شیخ محمد بن ادریس الحنظلی، شیخ عثمان بن اسد الدارمی ۲۸۰ھ، شیخ جعفر بن محمد الطیالسی ۲۸۲ھ اور شیخ ابو القاسم عبداللہ بن محمد البغوی ۳۱۰ھ وغیرہم۔

شیخ علی بن موسیٰ الدیبلی

شیخ علی بن موسیٰ دیبل سے ہجرت کر کے بغداد شریف تشریف لے گئے اور وہاں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو کر تادم زیست درس و روایت حدیث سے علماء و فضلا اور خلق خدا کو مستفید و مستفیض کرتے رہے۔

آپ کے تلامذہ و رواۃ میں شیخ خلف بن محمد الدیبلی مشہور امام حدیث گذرے ہیں

شیخ ابان بن محمد

آپ کی پیدائش سوب میں ہوئی۔ آپ شیخ صفوان بن یحییٰ الکوفی کے بھانجے تھے۔ شیخ ابان قدمائے رجال سندھ سے شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے خود تحصیل حدیث حضرت امام موسیٰ الکاظم ۱۸۳ھ سے کی۔ اور الکوفہ میں تدریس و تحدیث سے صدہا محدثین پیدا کئے۔ آپ کے تلامذہ و رواۃ میں آپ کے ماموں صفوان بن یحییٰ، احمد بن محمد القلانسی احمد بن ابی عبداللہ وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ آپ مشہور مصنف تھے۔ "کتاب النوادر" آپ کی تصنیف ہے۔

رجاء السندی الحافظ

حافظ رجاء السندی کی پیدائش اور تعلیم و تربیت عرب میں ہوئی تھی
آپ اسفرائن میں علوم حدیث کی تدریس و تحدیث کا ایک اعلیٰ ادارہ
قائم کر کے اہل عرب کو بالعموم اور اپنے خاندان کو بالخصوص فیض پہنچاتے رہے
عرب میں آپ کا گھر بیت الحدیث اور آپ کا گھرانا حفاظ حدیث شمار
ہوتا تھا۔

امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ، بکر بن خلف، شیخ ابو حاتم الرازی وغیرہم
جیسی ہستیاں آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتی ہیں۔

محمد بن رجاء الحافظ

شیخ محمد بن رجاء الحافظ اور ان کے فرزند محمد بن محمد بن رجاء الحافظ
نے اپنے والد رجاء السندی کی درس گاہ میں تادم زیست علوم
حدیث کی درس و روایت کے ذریعے قابل قدر خدمات انجام دیں۔

شیخ احمد بن السندی

آپ تیسری صدی کے محدثین سندھ سے ہیں۔ جو ترک وطن کر کے عراق کے مرکزی
شہر البغداد میں جا بسے۔ اور وہاں کے ائمہ حدیث بالخصوص شیخ بن ابراہیم الدورقی (۲۴۶ھ)
سے تحصیل حدیث کی۔ پھر خود البغداد اور البصرہ میں درس حدیث کا شغل جاری کیا۔
جہاں خلق خدا آپ سے فیضیاب ہوتی رہی۔ آپ کے تلامذہ و رواۃ میں شیخ عبداللہ
بن عدی الجرجانی مذکور و مشہور ہیں۔

ان محدثین کا یہ بالکل ایک اجمالی تذکرہ ہے۔ جن کا تفصیلی بیان آگے ان کے عنوان میں کیا جائیگا۔

اسی طرح شیخ خلف بن محمد الموازینی الدیبلی نے بغداد شریف میں، شیخ عباس بن عبداللہ الانطاکی نے انطاکیہ میں، شیخ ابوجعفر محمد بن ابراہیم الدیبلی م ۳۲۲ھ نے بغداد شریف میں، شیخ ابو قطعان دیبلی المصری م ۳۴۰ھ نے مصر میں، شیخ محمد حیات بن ملا فلاریہ م ۱۱۶۳ھ نے مدینہ منورہ میں، شیخ رحمۃ اللہ بن شیخ عبداللہ م ۹۳۸ھ نے مکۃ المکرمہ میں، شیخ ابوالحسن الکبیر محمد بن عبدالہادی م ۱۱۳۸ھ نے مدینہ منورہ میں، شیخ ابوالحسن الصغیر محمد بن صادق م ۱۱۸۷ھ نے مدینہ طیبہ میں اور شیخ محمد عابد بن احمد علی نے مدینہ منورہ میں تدریس و تحدیث کے ادارے جاری کرکے علماء و فضلاء، اور ائمہ حدیث پیدا کئے - اور اہل عرب کی استاذی کا شرف حاصل کیا -

یہ معدودے چند محدثین محض برسبیل تمثیل پیش کئے گئے۔ ان کے علاوہ سینکڑوں سندھی فضلاء، محدثین، مصنفین اور ائمۂ دین نے ممالک عرب میں اس فن شریف کی نشر و اشاعت میں قابل یادگار کارنامے سرانجام دئیے۔ جن کا ذکر و بیان مقالے میں بالتفصیل کیا جائیگا - ان شاءاللہ تعالیٰ!

سرزمینِ سندھ میں عرب قبائل کی آبادکاری

جہاں سندھی تارکین وطن جنگی قیدی یا ہجرت کی صورت میں عرب پہنچے۔ اور ان کا معاشرہ و تہذیب و تمدن اختیار کر کے عرب بن گئے۔ وہاں عرب قبائل بھی ہزاروں کی تعداد میں مہمات و فتوحاتِ سندھ کے ساتھ ساتھ سندھ میں آ کر آباد ہوگئے۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں، "عربوں نے سندھ کا علاقہ فتح کرنے کے بعد وہاں اپنی نو آبادیاں قائم کیں قریش، کلب، تمیم، اسد اور یمن و حجاز کے بہت سے قبیلے یہاں کے مختلف شہروں میں آباد ہوگئے۔"[1]

محمد بن قاسم نے فتح دیبل (سندھ) کے بعد وہاں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی اور چار ہزار عرب گھرانے بسائے[2] اسی طرح آپ جہاں جہاں... فتح پاتے وہاں ایک مسجد تعمیر کر کے اسلامی علوم و رسوم کا اجرا کرتے[3]

مثلاً: اروڑ میں آپ نے قاضی موسیٰ بن یعقوب الثقفی کو عہدۂ خطابت و قضا پر متعین کیا[4]

ایک شہر میں چار ہزار گھرانے کی آبادکاری سے خود اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عرب قبائل کو سرزمین سندھ سے کس قدر رغبت اور وادیٔ سندھ میں عربوں کے لئے کتنی جاذبیت تھی۔

ح ۱ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۰۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۷ء

بحوالہ عرب و ہند کے تعلقات ص ۳۰۳ ص ۳۰۴ (علامہ سید سلیمان ندوی)

ح ۲ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۲۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۷ء

فتوح البلدان ص ۴۲۴ ص ۴۲۵ (علامہ بلاذری) (اردو) مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۶۰ء۔

ح ۳ تاریخ اشاعت اسلام (محمد اسمٰعیل پانی پتی) - مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۶۳ء۔

ح ۴ نزہتہ الخواطر ج۱ ص ۱۸۴ (مولانا عبدالحی بن فخرالدین الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء طبع اول

محمد بن قاسم کے بعد امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے آغاز ہی میں سندھ کے امورِ دین و آئین میں براہ راست خود توجہ دینے لگے چنانچہ آپؓ نے حضرت عمروؓ بن مسلم الباہلی کو جو تبع تابعی اور ثقہ رواۃ الحدیث سے تھے سندھ کی ولایت و عملداری پر مقرر فرمایا[1]۔ اور اس علاقے کے راجاؤں کو تبلیغی مراسلے بھیج کر انہیں اسلام کی دعوت دی جس کے نتیجہ میں کافی ہندو راجاؤں نے مسلمان ہو کر اسلامی تہذیب و معاشرہ اختیار کیا۔

علامہ ابو العباس احمد بن یحییٰ البلاذری م ۲۷۹ھ لکھتے ہیں، "فکتب الی الملوک یدعوہم الی الاسلام والطاعۃ علیٰ ان یملکہم ولہم ما للمسلمین وعلیہم ما علیہم وقد کانت بلغہم سیرتہ ومذہبہ فاسلم جے سنہ والملوک وتسموا باسماء العرب"[2]

ترجمہ:- پھر انہوں نے (حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے) سندھ کے حاکموں کو خطوط لکھ بھیجے۔ انہیں اسلام لانے اور اطاعت کی دعوت دی اس بات پر کہ وہ انہیں ان کی حکومتوں پر قائم رکھینگے۔ اور ان کے لئے وہی کچھ ہوگا جو مسلمانوں کے لئے ہوگا۔ اور ان پر وہی کچھ عائد ہوگا جو مسلمانوں پر ہوگا۔ اور انہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت و مذہب کا حال پہنچ چکا تھا۔ پس جے سنہ (راجا داہر کا لڑکا) اور دوسرے بادشاہ اسلام لائے۔ اور عربی نام رکھنے لگے۔

[1] نزہۃ الخواطر ج۱ ص۳۸ (مولانا عبد الحی ابن فخر الدین الحسنی م۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن
سرمایہ عمر ص۱۵۶ (پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء۔

[2] فتوح البلدان ص۴۲۶ (علامہ ابو العباس احمد بن یحییٰ البلاذری م۲۷۹ھ) مطبوعہ ڈخویہ۔
تاریخ اشاعت اسلام ج۲ ص۲۵۵ (محمد اسمٰعیل پانی پتی) مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز اردو بازار لاہور ۱۹۶۲ء

سندھ میں گورنر متعین کرنے کے باوجود بھی امیر المومنین اس علاقہ کے دینی۔
امور و علمی معاملات میں بے حد دلچسپی لیتے تھے۔ اور بعض اوقات براہ راست
خود احکامات جاری فرماتے۔

چنانچہ آپؒ نے سہوان میں جو سندھ کا ایک مرکزی شہر تھا براہ راست ایک
خطیب و قاضی مقرر فرمایا تھا۔ جہاں اس کے بعد اس کی اولاد یکے بعد دیگرے
مسلسل اس عہدے پر فائز رہی اور وہ حکمنامہ ان کے پاس محفوظ
رہتا تھا۔ جب عرب کے مشہور سیاح علامہ ابن بطوطہ نے اس شہر کا
دورہ کیا تو شہر کے خطیب علامہ شیبانی سے اُن کی ملاقات ہوئی جو اپنے
جدِ امجد کی مسندِ خطابت و قضا پر متمکن تھے۔ اور علامہ ابن بطوطہ کو خلیفہ کا وہ حکمنامہ
دکھایا جو ان کے دادا کو تقرری کے وقت ملا تھا۔ جس کے سرورق پر مندرجہ ذیل عبارت
تحریر تھی، "هٰذا اَمَرَ به عَبدُ اللّٰه اَمِیرُ المومنین عمر بن عبدِ العزیز
لِفلانٍ" علامہ ابن بطوطہ کہتے ہیں کہ اس حکمنامہ کی تاریخ تحریر ۹۹ھ تھی
اور آخر کے الفاظ تھے، "اَلحمدُ للّٰہِ وَحدَہٗ" [1]

اِن بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عرب کے مرکزِ خلافت کی سرزمین سندھ سے
ہر معاملے میں گہری وابستگی رہتی تھی۔ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں،

فکانت المکاتیب فی زمن عمر بن عبد العزیز رحمہٗ اللّٰہ تعالٰی الی السند
و کانت تجری امور الخلافۃ فیہا کالبلاد الاسلامیۃ الاخر فان السیاح

[1] رجال السند والہند ص۱۰۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشیری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء
بحوالہ رحلہ ابن بطوطہ (ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم اللواتی الطنجی ابن بطوطہ)

الشهير ابن بطوطه يقول لقيت بمدينة سيوستان خطيبا المعروف.....
بشيبانی و ارانی کتاب امیر المومنین الخلیفة عمر بن عبد العزیز رضی الله تعالیٰ عنہ
لجده الاعلىٰ بخطابة هذه المدينة وهم يتوارثونها من ذالك العهد الى الآن
سنة ۷۳۴ھ[1]

ترجمہ: پس حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں سندھ سے خط و
کتابت چلتی تھی اور اس میں احکام خلافت اس طرح جاری تھے
جس طرح دوسرے ممالک اسلامیہ میں ..... الخ

اسی طرح اگر ہم خلفائے عباسی کا زمانہ مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے
کہ خطۂ سندھ نے ہمیشہ عرب کا سیاسی، مذہبی اور علمی امور و معاملات
میں ربط و تعلق قبول کیا ہے۔ لہٰذا یہ علاقہ عرب کے ہر طبقہ و طائفہ مثلاً
علماء، فضلا اور سیاسی قائدین و امراء وغیرہم کا مرجع اور مسکن و ماوی رہا ہے
چنانچہ بنو ہاشم کے فضلا و امرا اپنے رقیب و حریفوں (اموی و عباسی خلفاء) کے ظلم و ستم
سے اپنے تحفظ یا سیاسی انقلاب لانے کی خاطر کثیر تعداد میں سندھ میں جمع
ہو گئے تھے[2]

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر المتوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن محمد
خلیفہ المنصور کے خلاف اپنے والد محمد بن عبد اللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن
ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی خلافت قائم کرنے کی خاطر فضا ہموار کرنے اور بیعت لینے

---

[1] رجال السند والہند ص ۱۰۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کیٹلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

[2] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۱۱ تا ۱۱۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء
و مروج الذہب ج ۱ ص ۱۲۸ (علامہ ابو الحسن علی بن الحسین بن علی م ۳۴۶ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۸۳ھ۔

لینے کے لئے سندھ تشریف لائے تو یہاں کے ایک علاقہ میں ان کی خدمت میں چار سو مشائخ و علمائے زیدیہ جمع ہوگئے[1]۔

انہی عوامل کے باعث سندھ میں عرب کے متعدد قبائل کثرت سے آ کر آباد ہوگئے تھے مثلاً، یمنی، نزاری، قحطانی اور عدنانی وغیرہ - جن کا تفصیلی بیان اگلے باب میں کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ!

---

[1] تاریخ طبری (اردو ترجمہ) جلد ۳ ص ۳۲۹ تا ۳۳۲ (امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری م ۳۱۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

سندھ میں عرب قریشی آزاد حکومت کا قیام

عرب تارکین وطن قبائل اپنی کثرت و قوت کے باعث سندھ میں مستقل باشندہ کی حیثیت اختیار کر چکے۔ اس طرح وہ اپنی اقتصادی قوت نفری کثرت اور قومی عصبیت کی وجہ سے ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے درپے ہو گئے۔ اس رجحان سے یمنیوں اور نزاریوں میں بڑے پیمانے پر جنگ چھڑی۔ اس جنگ میں عباسی گورنر سندھ عمران بن موسیٰ برمکی امن و مصالحت کی بجائے یمنیوں کا طرفدار ہو گیا۔ اور عمر بن عبد العزیز بن المنذر الہباری حجازی، قریشی ہونے کی وجہ سے نزاریوں کا ساتھ دیا۔ عمران برمکی قتل ہو گیا۔ اور عمر بن عبد العزیز نے یمنیوں کو شکست دی۔[۱]

پھر بنو قحطان اور بنو عدنان آپس میں لڑے۔ اس لڑائی میں عمر بن عبد العزیز نے عدنانیوں کی حمایت کی۔ یہ فتح یاب ہو گئے اور قحطانیوں نے شکست پائی۔[۲]

اس صورت حال سے عمر بن عبد العزیز کا پورے سندھ میں بہت بڑا رعب و داب قائم ہو گیا۔ اور سندھ کی سیاست و حکومت کافی حد تک ان کے زیر اثر آ گئی۔ یہاں تک کہ کوئی عباسی عامل و گورنران کی رضامندی و تعاون کے بغیر سندھ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔[۳]

---

[۱] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۸۴-۸۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء

[۲] ایضاً - ایضاً ص۸۵ ایضاً ایضاً

[۳] ایضاً ایضاً ص۸۹-۹۰ ایضاً ایضاً
بحوالہ جمہرۃ نسب قریش جلد ص۵۲ (علامہ زبیر بن بکار)

آخر الامر سنہ ۲۴۰ھ میں عباسی گورنر سندھ ھارون بن ابی خالد کی وفات پر عمر بن عبد العزیز نے منصورہ پر قبضہ کر کے اپنی گورنری کی خلیفہ المتوکل سے منظوری لے لی[1]

پھر سنہ ۲۴۷ھ میں المتوکل کے قتل ہونے پر آپ نے خود پورے بلاد سندھ پر اپنی آزاد حکومت کا اعلان کر لیا[2]

مولانا اطہر مبارکپوری القاضی سنہ ۲۴۷ھ کے حالات اور قتلِ متوکل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، " ان ہی ایام میں عمر رضؓ بن عبد العزیز الہباری نے سندھ میں ایک خود مختار اور آزاد حکومت کی بنیاد رکھی اور منصورہ کو پایۂ تخت قرار دے کر پورے سندھ کی حکومت سنبھالی " جسے "ھباری حکومت " سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا بانی عمر بن عبد العزیز حضرت ھبار بن اسود..... صحابی کی اولاد سے ہیں جن کا نسب نامہ آگے قصی بن کلاب تک جا ملتا ہے اس لئے آپ کو القرشی بھی کہتے ہیں۔ شجرۂ نسب حسبِ ذیل ہے :-

عمر بن عبد العزیز بن المنذر بن الزبیر بن عبد الرحمٰن بن ھبار بن الاسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب[3]

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۸۹، ۹۰ (قاضی اطہر مبارک پوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی سنہ ۱۳۸۶ھ سنہ ۱۹۶۷ء۔
[2] 〃 〃 〃 ص ۹۰ (〃 〃) 〃 〃 〃 〃 〃
[3] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۸۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) 〃 〃 〃 〃

سندھ میں عرب حکومت کے اثرات

اس عرب قریشی ہباری حکومت کے قیام سے سندھ میں حجازیوں کی آمد و آباد کاری کا ایک نیا ریلا شروع ہو گیا بالخصوص سادات علوی جو عباسی خطرات کے باعث بہت بڑی تعداد میں عرب سے یہاں آکر سکونت پذیر ہو گئے۔ کیونکہ انہیں یہاں اس حکومت میں قومی عصبیت کی وجہ سے پناہ و امن کی فضا نصیب ہو گئی تھی[1]۔ ابو الحسن علی بن الحسین المسعودی المتوفی ۳۴۵ھ المنصورہ کے باب میں لکھتے ہیں، "وبہا خلقٌ من وُلد علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ ثم من وُلد عمر بن علی و وُلد محمد بن علی (رضی اللہ تعالےٰ عنہم)"[2]

ترجمہ :- اور اس میں ایک بڑی مخلوق حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد سے پھر عمر بن علی اور محمد بن علی کی اولاد سے موجود ہے۔

قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں، "اس لئے ان کی حکومت میں حجازیوں کو سندھ میں بڑی عافیت کی زندگی نصیب ہوئی اور وہ زیادہ سے زیادہ یہاں آکر آباد ہو گئے خاص طور سے علویوں کو خوب پناہ ملی کیونکہ عام طور سے علوی عباسی خلافت کے خلاف خروج و بغاوت میں سرگرمی دکھانے کی وجہ سے ہر طرف اپنے لئے خطرات محسوس کرتے تھے"[2]

---

[1] مروج الذہب جلد ۱ ص۱۶۸ (علامہ ابو الحسن علی المسعودی) مطبوعہ مصر ۱۲۸۳ھ۔

ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۱۱-۱۱۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۹۶۷ء

یہ علاقہ علماء و فضلاء، اور محدثین و مشائخ دین کا مرجع و مرکز بن گیا۔ اس کے کونے کونے اور چپے چپے میں علوم اسلامی، تفسیر و حدیث اور فنون شرعیہ کی لغت و معقولات تدریس و تحدیث اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ و مشغلہ بڑے جوش و خروش سے جاری و ساری ہو گیا۔ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں، "ہندوستان میں عربوں کی حکومت کا زمانہ پورے عالم اسلام اور مسلمانوں کے عروج و اقبال کا عہد آفرین دور تھا اور دیگر اسلامی ممالک کی طرح یہاں کے بلاد و امصار بھی اسلامی علوم و فنون اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی خیر و برکت سے مالا مال تھے۔ قرآن، حدیث، فقہ، شعر و ادب، فلسفہ، نجوم، طب، علم کلام اور دوسرے عقلی و نقلی علوم و فنون ہر طرف عام تھے۔ اور علماء و فضلاء انفرادی اور اجتماعی طور سے اپنے اپنے میدانوں اور حلقوں میں مصروف کار تھے۔ یہاں کے ارباب علم و فن باہر اور باہر کے اہل علم یہاں آ کر کام کر رہے تھے"۔[1]

الغرض! یہاں کے بڑے بڑے شہر مثلاً دیبل، المنصورہ اور ٹھٹھہ وغیرہ عرب کے مراکزِ علم و فن بغداد اور کوفہ و بصرہ سے ہمسری کرنے لگے[ع]۔ بلکہ یہ علاقہ علوم و فنون اور درس و تدریس کے اعتبار سے اس قدر عروج پر رہا کہ یورپ بھی اس کے مقابلے میں ہیچ تھا۔ مولانا غلام رسول مہر شہر ٹھٹھہ وغیرہ کی درسگاہوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اور علوم کی ہر دلعزیزی کا یہ حال تھا کہ شاہ جہاں نے ایک موقع پر فخریہ کہا تھا..... یورپ ہمارا شیرازہ ہے"۔[2]

یہاں یہ نہایت مناسب ہو گا کہ چند ایک قابل ذکر شہروں کا ایک ایک مختصر جائزہ پیش کیا جائے۔

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۳۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

[2] تاریخ سندھ ج ۲ حصہ ۲ ص ۹۷ (مولانا غلام رسول مہر) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۵۸ء۔

[ع] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۸۔

دیبل ٭ دیبلان ٭

دیبل یا دیبلان سندھ کا ایک قدیمی مشہور مرکزی شہر اور اہم بندرگاہ کا نام ہے جو دریائے مہران کے منبع جانب کراچی سے تقریباً ۴۵ میل کے فاصلے پر جنوب کی سمت ... ساحل سمندر پر واقع تھا۔ جسے محمد بن قاسم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ۹۳ ہجری میں فتح کیا تھا۔ برصغیر میں اسلامی جھنڈا سب سے پہلے اسی شہر پر لہرایا گیا۔ اور سب سے پہلی مسجد اسی شہر میں بنائی گئی۔ اور چار ہزار مسلمان گھرانے یہاں آباد کئے گئے [1]

وجہ تسمیہ ٭٭

چونکہ یہاں ہندوؤں کے بیشمار مندر تھے اور (الدیبل) کا ایک دیول مندر تھا اسی کے نام پر اس شہر کو "دیول" کہتے تھے۔ پھر عربوں نے دیول سے دیبل بنا دیا۔ قدیم زمانے میں اسے دیبلان بھی کہا جاتا تھا۔ قاضی ابوالمعالی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں، "بکری نے معجم وما استعجم" میں لکھا ہے کہ دیبل سندھ میں مشہور شہر ہے اسے دیبلان بھی کہتے ہیں۔ ابوعمرو نے ثعلب سے اور انہوں نے ابن الاعرابی سے "دیبلان" کی سند میں مشک کی تعریف میں یہ شعر نقل کیا ہے :-

کان ذراعه المشغول منه ٭ سلیب من رجال الدیبلان [2] ٭

٭ گویا اس کا مضبوط اور فربہ ہاتھ ٭ دیبلان کے لوگوں سے چھینا ہوا ہے

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۵۰، ص ۱۲۹، ص ۳۲۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء
بحوالہ :- فتوح البلدان ص ۴۳۲-۴۵ (علامہ ابوالعباس احمد بن یحییٰ بلاذری ۲۷۹ھ)

[2] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء
بحوالہ معجم وما استعجم جلد ۲ ص ۵۶۵ - مطبوعہ مصر ۱۳۶۴ھ

آگے مولانا اطہر مبارکپوری "دیبلان" کی توجیہ میں لکھتے ہیں، "مقامات کے ناموں میں آخر میں "الف نون" کا اضافہ ۱۴ھ میں بصرہ میں آباد کرنے کے بعد سے ہوا۔ اور اس کے مختلف نواحی اور قطائع کے نام اس طرح رکھے گئے۔ جیسے قطیعۂ حفص بن ابی العاص حفصان قطیعہ الجامیہ بن ابی العاص امیتان قطیعہ حکم بن ابی العاص حکمان وغیرہ۔ بعد میں یہ طریقہ عام ہوگیا۔ اور دیبل کو بھی اسی طریقہ پر پکارا گیا"[1]

دیبل کی علمی اہمیت

حضرت محمدؒ بن قاسم نے فتح یابی کے ساتھ ہی دیبل شہر میں ایک شاہی مسجد تعمیر کردی اور ایک وسیع و عریض مسلم کالونی قائم کرکے چار ہزار مسلم گھرانے اس میں بسائے[2]۔

چونکہ دیبل کو خشت اول ہی سے اسلامی مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تھی لہٰذا یہاں روز اول سے ہی علماء و فضلاء کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ اور یہ شہر محدثین و رواۃ الحدیث کا مرکز و مرجع بن گیا۔ علامہ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی م ۶۲۶ھ لکھتے ہیں، "دیبل مَدِیْنَۃٌ مشھورۃٌ علٰی ساحل بحر الھند وقد ینسبُ الیھا قومٌ مِنَ الرُّواۃِ"[3] ترجمہ: دیبل بحر ہند کے ساحل پر ایک مشہور شہر ہے۔۔۔ جس کی طرف رُواۃ حدیث کی ایک قوم (جماعت) منسوب ہے۔

۱ہ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۴ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۷ء

۲ہ " " " ص ۱۲۹ (" ") " " "

۳ہ معجم البلدان جلد ۲ ص ۲۹۵ (علامہ یاقوت الحموی م ۶۲۶ھ) مطبوعہ بیروت ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء

قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں، "دیبل کا شہر سندھ میں محدثین اور رواۃ حدیث کا سب سے پہلا اور سب سے اہم مرکز تھا۔ اور اس بارے میں یہ منصورہ سے بہت آگے تھا۔ یہاں کے علماء خاص طور سے پورے عالم اسلام سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ہر ملک میں ان کی آمد و رفت جاری تھی" ۔[1]

اس شہر میں علوم حدیث کی تدریس و تحدیث کے ادارے قائم تھے۔ مثلاً شیخ علی بن موسیٰ دیبلی کی درس گاہ جس کا تذکرہ ان کے شاگرد امام محمد بن خلف المواز ینی الدیبلی کے اپنے بیان سے ملتا ہے۔ چنانچہ علامہ خطیب البغدادی ان کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "قال خلف بن محمد الدّیبلی حدثنا علی بن موسیٰ الدّیبلی بالدّیبل"[2]۔ ترجمہ: شیخ خلف بن محمد الدیبلی کہتے ہیں کہ ہم سے شیخ علی بن موسیٰ دیبلی نے دیبل میں حدیث بیان کیا۔

قاضی اطہر مبارکپوری نے دیبل کے باب میں لکھا ہے، "اِشتہر بھٰذہِ النِّسبۃ کثیرۃ مِنَ المحدثین وَ القرّاءِ وَالزّھاد وَرواۃ الحدیث"[3]۔ ترجمہ: اس نسبت سے بہت سے محدثین، ماہرین تجوید، زہاد اور راویانِ حدیث مشہور ہیں۔

برصغیر کا یہ شہر درس حدیث و روایت اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے عراق کے مرکزی شہر کوفہ و بصرہ کا ہم پلہ بن چکا تھا۔ مولانا قاضی اطہر لکھتے ہیں، "اس دور میں سندھ کے دو شہر دیبل اور المنصورہ عراق کے شہر کوفہ اور بصرہ کی ہمسری کر رہے تھے سندھ کے یہ دونوں مراکز اسلامی علوم و فنون، تہذیب و تمدن اور دینی ذہن و مزاج کے گہوارے تھے" ۔[4]

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء

[2] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۳۳ (علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ ۱۳۴۹ھ

[3] رجال السند والہند ص ۱۲۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشمیری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

[4] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء۔

دیبل کی تباہی

لیکن افسوس کہ دیبل کی یہ علمی و ثقافتی شان و شوکت اس کے تباہ کن زلزلہ ۲۸۰ھ تک محدود رہی۔ مورخین کے بیان کے مطابق ۲۸۰ھ/۸۹۳ء میں ایک ناگہانی زلزلہ نے اس دار الحدیث والقرآن بیت المفسرین والمحدثین کو آن کی آن میں تہ و بالا کر کے رکھدیا۔ علامہ بلاذری کی روایت کے مطابق اس حادثے میں ڈیڑھ لاکھ آدمی موت کا شکار ہو گئے[۱]

قاضی اطہر مبارکپوری کتاب المنتظم (علامہ ابن الجوزی) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"۲۸۰ھ میں دیبل سے دار الخلافہ بغداد میں خبر آئی کہ ۱۴ شوال کو دیبل میں چاند گرہن ہوا جو رات کے آخری حصہ میں ختم ہوا۔ اس کے بعد صبح ہوتے ہوتے دنیا ظلمت کدہ بن گئی اسی عالم میں عصر کے وقت نہایت تند و تیز کالی آندھی اٹھی جو تہائی رات تک جاری رہی اس کے بعد ہی دیبل میں ایسا تباہ کن اور شدید زلزلہ آیا کہ صبح تک پورا شہر گر کر کھنڈر بن گیا۔ پوری آبادی زندہ دفن ہو گئی۔ اس حادثے کی خبر بغداد میں ذی الحجہ میں پہنچی اس وقت تک ملبہ سے تیس ہزار لاشیں نکال کر دوسری جگہ دفن کی جا چکی تھیں۔ اس تباہی کے بعد بھی پانچ مرتبہ زلزلہ آیا۔ اور ایک خبر کے مطابق ملبہ سے ڈیڑھ لاکھ لاشیں نکالی گئیں"[۲]

---

۱ فتوح البلدان ص ۴۳۲ (علامہ ابو العباس احمد بن یحییٰ البلاذری م ۲۷۹ھ) مطبوعہ
سرمایہ عمر ص ۱۶۶ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء
اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور (دانش گاہ پنجاب لاہور)

۲ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۲۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء
بحوالہ کتاب المنتظم (علامہ ابن الجوزی ابوالفرج عبد الرحمٰن بن علی م ۵۹۶ھ) مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۹ھ

دیبل کی تباہی کے اثرات

وادیٔ سندھ کا یہ قدیمی اور نامی گرامی شہر اس حادثۂ جاں کاہ سے اس طرح بے نام و نشان ہو کر رہ گیا کہ نہ حکام رہے نہ خدام، نہ عوام رہے نہ خواص، نہ علماء رہے نہ فضلاء، نہ مفسرین رہے نہ محدثین۔ پوری آبادی چشم زدن میں آنکھ سے اوجھل ہو گئی۔ سرزمین سندھ کا وہ عظیم شہر کہ ایک زمانے میں جس کی صرف ایک کالونی میں چار ہزار گھرانے بسائے گئے تھے اس کی پوری آبادی صرف ایک سو گھر تک محدود ہو گئی[1]

اس سیلاب سے جو زندہ بچ گئے وہ دل برداشتہ ہو کر عرب کے مختلف ممالک میں جا پہنچے۔ اس لئے قرن سوم و چہارم میں دیبلی علماء و فضلاء، مصر، شام، عراق اور حجاز وغیرہ کی مسانید درس و تدریس پر مشغول نظر آ رہے ہیں[2]

اگرچہ ۶۱۸ھ ۱۲۲۱ء تک اس شہر کی کچھ زندگی و آبادکاری کے آثار ملتے ہیں[3]۔ لیکن اس کی وہ علمی بساط جو لپیٹ گئی تھی لپیٹ گئی اور وہ تدریسی شان و شوکت پھر لوٹ کر نہ آئی۔ جتنے کچھ عرصہ بعد شہر کے در و دیوار اور کوچہ و اشجار بھی کالعدم ہو کر رہ گئے۔

آجکل کھدائی کے بغیر اس کی ایک اینٹ بھی دکھائی نہیں دیتی۔ پس بے شک شان و بادشاہی خالق یکتا کو زیب دیتی ہے جو "حیٌّ لا یموت ابداً ابداً" ہے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۞

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۲۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
بحوالہ فتوح البلدان ص ۴۲۲ (علامہ ابو العباس احمد بن یحییٰ البلاذری م ۲۷۹ھ)
کتاب المنتظم ج ۵ ص ۱۴۳ (علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن الجوزی م ۵۹۷ھ)
و تاریخ الخلفاء ۔ امام جلال الدین سیوطی رح

[2] سراپا عمر ص ۱۴۶ (مولانا محمود اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور سنہ ۱۹۷۶

[3] اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج ۹ ص ۴۲۱ مطبوعہ دانش گاہ پنجاب لاہور سنہ ۱۳۹۳ھ/سنہ ۱۹۷۳ء۔

المنصورہ

سندھ کا ایک مشہور قدیمی مرکزی شہر ہے۔ جو ضلع سانگھڑ کے شہر شہداد پور سے جنوب مشرق کی جانب نو دس میل کے فاصلے پر نہر جمڑاؤ کے قریب واقع تھا جس کے کھنڈرات دلور کے مشہور ٹیلے کے آس پاس ایک طویل و عریض میدان پر پھیلے ہوئے ہیں[1]

محکمہ آثار قدیمہ نے سنہ ۱۹۲۰ء/سنہ ۱۹۲۲ء کے دوران ان کھنڈرات کی کھدائی کی تھی جس میں عرب حکام کے سکے، عربوں کے ساختہ مٹی کے برتن اور منصورہ کی شاہی مسجد کے آثار نکلے تھے[ع] اور بعد میں ایک کھدائی سنہ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں کی گئی تھی جس سے اس عظیم الشان شہر کی نشاندہی ہو چکی ہے[عہ]۔

یہ شہر دیبل سے چھ مرحلہ ملتان سے بارہ مرحلہ اور طوران سے پندرہ مرحلہ اور بدھیہ سے پانچ مرحلہ پر دریائے مہران کے قریب جزیرہ نما شکل میں واقع تھا[2]

مرحلہ:- اصول پیمائش میں "مرحلہ" ایک دن کی مسافت کو کہتے ہیں[3]

---

[1] فتح نامہ سندھ ص ۳۸۸ (ترجمہ علامہ اختر رضوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی سنہ ۱۹۶۳ء۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی سنہ ۱۳۸۶ھ/سنہ ۱۹۶۶ء

[2] معجم البلدان جلد ۵ ص ۲۱۱ (علامہ ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی سنہ ۶۲۶ھ) مطبوعہ بیروت سنہ ۱۳۷۶ھ/سنہ ۱۹۵۷ء
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۲۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی سنہ ۱۳۸۶ھ/سنہ ۱۹۶۶ء

[3] " " " " " " " " "

[ع] فتح نامہ سندھ ص ۳۸۸ (ترجمہ علامہ اختر رضوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی

[عہ] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی سنہ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

المنصورہ کا سنگِ بنیاد حکم بن عوانہ نے رکھا

المنصورہ کی تعمیر کے بارے میں کئی اقوال مروی ہیں[۱] لیکن معتمد و مستند روایت یہ ہے کہ منصورہ کو اموی گورنر سندھ حکم بن عوانہ الکلبی نے عمرو بن محمد بن قاسم کی معیّت و تعاون میں ۱۱۱ھ میں بنا کر سندھ کا دار الامارت قرار دیا۔ چنانچہ فتح نامہ سندھ میں علامہ ابو العباس احمد بن یحیٰ البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ کے حوالے سے لکھا ہے،

"محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو نے سندھ کے گورنر الحکم کے عہد میں ۱۱۱ھ / ۱۲۲ھ میں اس کی شاندار فتوحات کی یادگار میں منصورہ کا شہر بسایا تھا۔ جو کہ برہمن آباد سے دو فرسخ پر تھا۔ اور فتوحات کی وجہ سے اس کا نام المنصورہ رکھا۔"[۲]

علامہ عبد الرحمٰن بن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ نے اپنی مشہور تصنیف تاریخ ابن خلدون میں "تعمیر المنصورہ" کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے جس میں آپ نے حکم بن عوانہ کا پہلا تیار کردہ شہر المحفوظہ اور عمرو بن محمد بن قاسم کی رفاقت و جہاد کا ذکر کرتے ہوئے المنصورہ کے متعلق لکھا ہے، "اس نے ایک دوسرا شہر آباد کیا جس کا نام المنصورہ رکھا۔ یہ وہی المنصورہ ہے جو امراء سندھ کا دار الحکومت رہا ہے۔"[۳]

۱؎ معجم البلدان ج ۵ ص ۲۱۱ (علامہ ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ ۶۲۶ھ) مطبوعہ بیروت

۲؎ فتح نامہ سندھ ص ۳۸۷ (علامہ اختر رضوی مترجم) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی

۳؎ تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۵۹ (علامہ عبد الرحمٰن بن خلدون ۸۰۸ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۷۶ء

اسی طرح قاضی ابوالمعالی نے حکم بن عوانہ کی ولایت سندھ کے باب میں واضح الفاظ میں لکھا ہے، "آگے چل کر حکم نے ایک اور شہر منصورہ کے نام سے آباد کر کے اسے پورے سندھ کا مرکز اور دارالامارت قرار دیا جو بعد میں اموی اور عباسی عمال و حکام کا مستقر ہوا"[1] قاضی صاحب موصوف نے ایک اور مقام میں "المنصورہ" کی تعمیر پر مختلف روایات سے بحث کی ہے جہاں آپ نے علامہ بلاذری کے بیان "کہ اسے حکم بن عوانہ نے بنایا ہے" کی تصدیق و توثیق کرتے ہوئے عمرو بن حفص اور منصور بن جمہور سے منسوب کردہ روایتوں کی تردید کی ہے[2]

ڈاکٹر حمید الدین اپنی کتاب "تاریخ الاسلام" میں لکھتے ہیں کہ تمیم کے بعد حکم بن عوانہ والی سندھ مقرر ہوا جس نے محفوظہ اور منصورہ دو شہر تعمیر کیے[3]

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۰۴ (قاضی ابوالمعالی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء

[2] 〃 〃 〃 ص ۱۲۶ 〃 〃 〃 〃 〃

[3] تاریخ اسلام ص ۲۲۸ (علامہ ڈاکٹر حمید الدین) مطبوعہ فیروز سنز لاہور

المنصورہ کی مرکزیت و علمی اہمیت

اَلمنصورَہ سندھ کا کبیرترین و بہترین شہر شمار ہوتا تھا۔ اسے اپنے زمانے میں بہت بڑا نام و مقام حاصل تھا۔ اور جب سے یہ معرض وجود میں آیا مملکت سندھ کا صدر مقام و دارالسلطنت قرار پایا[1]۔

اموی اور عباسی عمال و گورنروں پھر سلاطین ہباریہ نے اسے حکومت سندھ کا پایہ تخت ہونے کی حیثیت سے بہت بڑی ترقی دلائی۔ اور اعلیٰ محل وقوع کی وجہ سے اسے بری و بحری راستوں کی اعلیٰ سہولتیں حاصل تھیں۔ خشکی و سمندری ذرائع سے اس کی بیرونی ممالک (مثلاً سمرقند، بخارا، خراسان، چین، ایشیائے کوچک، عمان، سیراف، بغداد، بصرہ، یمن اور شام وغیرہ) سے وسیع پیمانے پر تجارت اور درآمد و برآمد جاری تھی[2]۔

ملکی و علاقائی وسعت و عظمت کے لحاظ سے بھی اس کی مرکزی حیثیت بہت بڑھ گئی تھی۔ علامہ ابو الحسن علی بن الحسین المسعودی المتوفی ۳۴۵ھ اپنی مشہور تصنیف مروج الذہب میں اس شہر کی ان الفاظ میں تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں، "وجمیع ما للمنصورۃ من الضیاع والقریٰ مما یضاف الیہا ثلاث مائۃ الف قریۃ ذات مزارع واشجار و عمائر متصلۃ"[3] ترجمہ: اور منصورہ سے جو بستیاں اور دیہات متعلق ہیں وہ کل تین لاکھ دیہات ہیں۔ جو فصلات، باغات اور گنجان آبادیوں کی دیہات والی ہیں۔

قاضی ابو المعالی اطہر مبارکپوری نے علامہ ابو عبد محمد بن احمد المقدسی البشاری م ۳۹۰ھ کے، اس شہر کے بارے میں، تاثرات کا تفصیلی بیان لکھا ہے کہ انہوں نے المنصورہ کو شام کے دارالخلافہ دمشق کے برابر قرار دیا ہے۔ قاضی موصوف لکھتے ہیں، "اس نے اس شہر کی عظمت و وسعت کو یوں بیان

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۲۶، ۹۷۰، ۱۲۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۷ء

[2] ایضاً، ایضاً ص ۱۸ (ایضاً) ایضاً

[3] مروج الذہب جلد ۱ ص ۱۶۸ (علامہ مسعودی ۳۴۶ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۹۰ھ

کیا ہے کہ منصورہ سندھ کا دار السلطنت اور اس اقلیم کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی وسعت دمشق کے برابر ہے[۱]"۔

المنصورہ کا نہ صرف سیاسی و ملکی یا تجارتی نقطۂ نگاہ سے اہم تھا بلکہ یہ شہر علمی و ادبی خزائن سے بھی مالا مال تھا۔ اور یہ محض حکام و نائبانِ خلفاء کا مسکن و مرکز نہیں تھا بلکہ اسے علماء و فضلاء، اور نائبانِ رسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ والہ وسلم) کا مسکن و مستقر ہونے کا شرف بھی نصیب ہو گیا تھا

چنانچہ علامہ مقدسی ابوعبد محمد بن احمد المتوفی ۳۹۰ھ جب المنصورہ تشریف لائے تو آپ کو یہاں متعدد علماء، و محدثین و فضلاء مصنفین ملے جن کے علمی مشاغل..... تدریس و تحدیث اور تصنیف و تالیف کی آپ نے خاطرخواہ تعریف و توصیف کی ہے مثلاً امام ابو محمد داؤدی المنصوری اور امام ابو العباس المنصوری وغیرہ[۲]

یہ علاقہ علوم اسلامی و فنون شریعت اور تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے عراق کا ہم پلہ تھا۔ قاضی ابو المعالی اطہر مبارکپوری اس سلسلے میں لکھتے ہیں، "اس دور میں سندھ کے دو شہر دیبل اور المنصورہ عراق کے شہر کوفہ اور بصرہ کی ہمسری کر رہے تھے سندھ کے یہ دونوں مراکز اسلامی علوم و فنون تہذیب و تمدن اور دینی ذہن و مزاج کے گہوارے تھے[۳]"۔ علامہ مقدسی نے المنصورہ کے علمی، مذہبی اور ثقافتی حالات سے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ "وللاسلام طراوۃ والعلم واھلہ کثیر و الرسوم تقارب العراق مع وطاء و حسن اخلاق[۳]" ترجمہ: یہاں اسلام کی تری و تازگی ہے (یعنی خوب ترقی پر ہے) اور علم و اہل علم کی کثرت ہے۔ لوگوں کی رسوم و رواج.

[۱] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۲۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۷ء

[۲] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص ۹۲، ص ۴۸۱ (علامہ ابوعبد محمد بن احمد المقدسی البشاری م ۳۹۰ھ) مطبوعہ بریل لیدن ۱۹۰۶ء۔

[۳] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۸۱ ص ۴۷۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء

[۴] 〃 〃 〃 ص ۱۸ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

عراق سے ملتے جلتے ہیں اور ساتھ ساتھ ان میں بردباری اور حسن اخلاق بھی ہے۔
قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں، "اور منصورہ، تو گویا دار الاسلام والمسلمین بن کر بغداد کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔"[1]

المنصورہ' میں علم و فن کے عروج و ترقی اور عرب مہاجرین کی کثرت آبادکاری سے یہاں کے لسان و ادب پر بھی بہت گہرا اثر پڑا تھا۔ چنانچہ اس علاقے میں ملکی زبان (سندھی) کے ساتھ ساتھ عربی زبان بھی جاری وساری تھی۔ قاضی موصوف لکھتے ہیں، "منصورہ اور اس کے اطراف کی زبان عربی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ سندھی زبان بھی رائج تھی۔"[2]

آگے، آپ ایک اور مقام پر المنصورہ اور دیبل کے بیان کے تحت لکھتے ہیں کہ سندھ کے بڑے بڑے شہروں کی زبان عربی اور سندھی دونوں تھیں[3]۔

ف ۱:- ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں صفحہ ۱۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۷ء

ف ۲:- ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں صفحہ ۱۲۸

ف ۳:- ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں صفحہ ۱۵

ٹھٹھہ

ٹھٹھہ سندھ کا ایک بہت بڑا علمی وفنی اور مرکزی شہر شمار ہوتا تھا
ایک زمانہ تک سندھ کا ایک بڑا صوبہ اسی نام سے موسوم تھا۔ جس کی لمبائی
ڈھائی سو کوس اور عرض ایک سو کوس تھا۔ اس کی مشرقی حد احمد آباد
گجرات، مغربی حد کیچ و مکران، شمالی حد بھکر اور جنوب میں بحر بیکران تھا[1]
ٹھٹھہ شہر دریائے سندھ کے مغرب میں کوہ مکلی کے دامن پر واقع ایک پر رونق
شہر تھا۔ مغلوں کے زمانے تک تجارت کا بہت بڑا مرکز رہا ہے۔
بقول Withington (۱۶۱۲ تا ۱۶۱۴ء، فوسٹر، ۲۱۸) تجارت میں
ٹھٹھے کے برابری ہندوستان کا کوئی شہر نہیں کرسکتا تھا[2]

ٹھٹھہ میں عرب فاتحین کا ورود[2]

ٹھٹھہ کے علاقہ میں عرب فاتحین خلیفہ عبد الملک بن مروان کے دور میں وارد ہوئے
یہ صوبہ پہلے خلافت امویہ بعد خلافت عباسیہ کی عملداری میں رہے حتٰی کہ سلطان
محمود الغازی الغزنوی نے خلیفہ القادر باللہ العباسی کے زمانے میں سنہ ۴۱۶ھ-۱۷ھ میں حملہ کرکے
پورا سندھ اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ اس طرح یہ علاقہ سنہ ۴۱۷ھ میں سیاست و
ریاست کے اعتبار سے عرب خلافت سے کٹ گیا[3]

۱ے خلاصۃ التواریخ ص ۹۹ (سبحان رائے بٹالوی) مطبوعہ مطبع مرکزی اردو بورڈ گلبرگ لاہور - سنہ ۱۹۶۶ء

۲ے، ۳ے } اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج ۶ ص ۹۷۳ (دانش گاہ پنجاب لاہور)

ٹھٹھہ کی علمی و ملکی اہمیت

ٹھٹھہ برصغیر پاک و ہند میں سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ علوم اسلامی... تفسیر و حدیث اور فنون شریعت اور علوم اصول و قوانین میں کوئی شہر اس کا ہمسر نہیں تھا۔ یہاں مدارس کا جال بچھا ہوا تھا۔ چار سو بڑے بڑے دار العلوم کام کر رہے تھے۔

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں، "کیپٹن ہملٹن ۱۶۹۹ء میں ٹھٹھہ آئے تھے وہ لکھتے ہیں، "شہر ٹھٹھہ دینیات اور سیاسیات کی تدریس و تعلیم کے سلسلے میں خاصی شہرت کا مالک ہے وہاں چار سو کالج ہیں جن میں نونہالوں کو ان علوم کی تعلیم دی جاتی ہے[1]"۔ مولانا مہر کیپٹن کے اس بیان کی وضاحت میں لکھتے ہیں، "کالجوں سے مراد یقیناً ویسے کالج نہیں جیسے ہمارے زمانے میں موجود ہیں۔ ان سے مراد بہرحال درسگاہیں ہیں[2]"۔

یہ علاقہ علماء و فضلاء اور مفسرین و محدثین اور شعراء و ادباء ہی کا شہر تھا۔ شیخ فرید بکھری لکھتے ہیں، "ٹھٹھے کے اولیاء، علماء اور شعرا کی گنتی محال ہے۔ یہاں صرف و نحو، دینیات اور شاعری عام ہے۔ ٹھٹھہ کو عراق ثانی سمجھنا چاہئے۔[3]" یہاں سے سینکڑوں نامی گرامی فضلائے معقولات و علمائے منقولات اور مفسرین و محدثین پیدا ہوئے

۱ے تاریخ سندھ ج۲ ح ۶ ص۹۳ (مولانا غلام رسول مہر) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سنہ ۱۹۵۸ء

۲ے " " " " " "

۳ے " " " " " : بحوالہ ذخیرۃ الخوانین۔

مثلاً علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی مخدوم عبدالرحمٰن ٹھٹھوی مخدوم عبداللطیف ٹھٹھوی مخدوم محمد معین ٹھٹھوی مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی وغیرہ ۔ جن کا تفصیلی بیان آگے محدثین کے عنوان میں کیا جائیگا۔

اسی طرح اروڑ، سہوان، لواری اور بکھر وغیرہ جنہوں نے صدہا اولیاء کرام وعلمائے عظام اپنی جھولیوں میں پالے اور تاریخ کے صفحات میں خاص مقام حاصل کیا۔ لیکن سندھ کا یہ علمی رجحان اور علم وفن کے مراکز محض اس کے چند ایک بڑے بڑے شہروں میں محدود نہیں تھے۔ بلکہ پورے ملک کا ہر شہر و ہر قصبہ اور ہر بستی و ہر قریہ علم و فضل کی دولت ونعمت سے مالا مال تھا۔ سارے علاقے میں علومِ اسلامی کے دارالعلوم اور فنون عقلی کے مدارس جاری تھے۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں، "سندھ کا ہر خطہ وہر پرگنہ ہر دور میں دماغی وروحانی فضائل کے حاملوں کا مرجع بنا رہا۔ یہ دولت بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں محدود نہ تھی۔"[۱]

مولانا موصوف آگے ایک مقام میں فرماتے ہیں، "غور فرمائیے کہ علم کس درجہ عام تھا۔ قصبے نہیں بلکہ قریئے بھی اس بے بہا ثروت سے معمور تھے"[۲]

قاضی اطہر مبارکپوری هباری دور کے حالات کے تحت لکھتے ہیں، "سندھ میں هباریوں کی حکومت کا دور تھا۔ اور بغداد و بصرہ کی طرح سندھ و منصورہ اور دیبل وغیرہ بھی اسلامی علوم وفنون کے مرکز تھے۔ جگہ جگہ دینی علوم وفنون کی بساطیں بچھی ہوئی تھیں۔ گھر گھر دارالعلوم بنا ہوا تھا۔ اور ایک ایک بستی میں سینکڑوں علماء وفضلاء رہتے تھے۔ اس دور میں سندھ میں اسلامی زندگی اپنے پورے شباب پر تھی

۱؎ تاریخ سندھ جلد ۲ حصہ ۶ ص ۹۷۹ (مولانا غلام رسول مہر) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۸ء

" " " " ص ۹۸۰

۲؎ " "

دورِ ہباریہ کے مذاہبِ سندھ

دولتِ ہباریہ کا سرکاری مذہب داؤدی اور ملک میں رائج مذہب حنفی تھا حکومت کے مرکزی شہروں کے قضاۃ داؤدی ظاہری علما تھے۔ ان کی اپنے مسلک کی درس گاہیں اور تصنیفی کام جاری تھا۔[1] مثلاً قاضی ابو محمد داؤدی منصوری اور قاضی ابو العباس داؤدی منصوری وغیرہ۔ ان کا عمل حدیث پر تھا۔ لیکن سارے ملک میں حنفیت چھائی ہوئی تھی کوئی شہر و قصبہ علمائے احناف و مذہبِ حنفی سے خالی نہیں تھا۔ علاوہ ازیں کسی اور مسلک کا (مثلاً مالکی، شافعی اور حنبلی یا معتزلہ) ملک میں کوئی رواج نہیں تھا۔ البتہ حدیث کا رواج بہت زیادہ تھا۔

علامہ ابو عبد محمد بن احمد المقدسی البشاری م ۳۹۰ھ/۱۰۰۰ء لکھتے ہیں "مذاہبھم اکثرھم اصحٰبُ حدیث، ولا تخلو القصبات من فقہاءِ علیٰ مذھب ابی حنیفۃ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ولیس بہا مالکیۃ و لا معتزلۃ ولا عمل للحنابلۃ۔ انھم علیٰ طریقۃ مستقیم ومذاھب محمودۃ وصلاح وعفۃ قد اراحھم اللہ تعالیٰ من الغلو و العصبیۃ و الفتنۃ"[2] ترجمہ:- اہل سندھ کے مذاہب، ان کا اکثر حدیث کے پیروکار ہیں۔ قصبے اور شہر حنفی فقہا و علما سے خالی نہیں ہیں۔ یہاں نہ مالکی ہیں نہ معتزلی اور نہ ہی حنابلہ کے مسلک پر عمل ہے۔ یہاں کے لوگ صراطِ مستقیم اور اچھے مسلک پر ہیں اور صلاحیت و پرہیزگاری رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مذہبی غلو، تعصب اور فتنہ و فساد سے نجات دی ہے۔

قاضی اطہر مبارکپوری سندھ میں داؤدی مذہب کے اثرات اور حنفیت کی ہمہ گیری کے بارے میں لکھتے ہیں،[3] "مطلب یہ ہے کہ اقلیم فارس اور اقلیم سندھ ایک ہی وقت میں ظاہری مذہب کے مرکزی مقامات تھے۔ جہاں ظواہر کو خوب فروغ ہوا۔ اور ان کے علوم و فنون کی اشاعت ہوئی"۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ سندھ میں عہدہ قضا پر داؤدی قابض تھے پھر حنفیت کے بارے میں لکھتے ہیں، "ویسے پورے اقلیم سندھ میں اہل سنت والجماعت حنفی تھے اور ان کا یاقوت نے لکھا ہے کہ سندھ والوں کے مذاہب میں غالب امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے"۔[4]

---

[1] ، [3] ، [4] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۱۹، ص ۱۲۰، ص ۱۲۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۰-۱۵۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

[2] بحوالہ احسن التقاسیم ص ۴۸۱ (علامہ ابو عبد محمد بن احمد المقدسی البشاری م ۳۹۰ھ/۱۰۰۰ء)

یہاں کچھ اس زمانے حدیث کے لکھے جا رہے

سندھی محدثین کے طبقات

مولانا مخدوم امیر احمد عباسی نے اپنے مقالہ "سرزمین سندھ میں علم حدیث" میں محدثین سندھ کو چار طبقات میں منقسم کیا ہے۔[ع]

I وہ محدثین جو سندی النسل تھے۔ لیکن ان کی ولادت ونشو ونما اور تعلیم وتربیت عرب میں ہوئی۔ اور عرب میں تدریسی خدمات بجا لا کر وہیں فوت ہوئے۔[۱]

II وہ محدثین جو نسلاً عرب تھے۔ ان کی ولادت اور نشو ونما اور تعلیم وتربیت بھی عرب میں ہوئی لیکن ترک وطن کر کے سندھ تشریف لائے اور یہاں علوم کی نشر واشاعت میں زندگی بسر کی۔[۲]

III وہ محدثین جو سندھ میں پیدا ہوئے اور تعلیم وتربیت بھی یہاں پائی۔ پھر ہجرت کر کے عربستان گئے اور وہاں سکونت پذیر ہو کر اپنی عمر تدریس وتحدیث میں صرف کر دی۔[۳]

IV وہ محدثین جو سندھ میں پیدا ہوئے۔ اور یہاں تعلیم وتربیت حاصل کی۔ پھر یہیں یہاں علمی خدمات بجا لا کر فوت ہوئے۔[۴]

---

۱ مثلاً امام ابو عمرو عبدالرحمن الاوزاعی ۱۵۷ھ ، ابان السندھی۔ وغیرہ

۲ : ابو حفص ربیع بن صبیح ، موسیٰ بن یعقوب الثقفی وغیرہ

۳ : مولانا محمد حیات السندی ، مولانا محمد عابد السندی ، مولانا محمد قائم ، مولانا ابو الحسن الکبیر وغیرہ

۴ : مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی ، مولانا عبدالواحد سیوستانی وغیرہ

ع سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا مخدوم امیر احمد عباسی) الرحیم جولائی ۱۹۶۳ء مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ ۱۹۶۳ء

اسی طرح مولانا عبدالعلیم ندوی نے سندھی علما و محدثین کے تذکرے میں ان کی حسب ذیل درجہ بندی کرتے ہوئے لکھا ہے "ہند و پاک میں عموماً اور سندھ میں خصوصاً تین قسم کے علماء اور محدثین پائے جاتے ہیں،[1]

(۱) وہ علماء و فضلا جو باہر سے تشریف لاکر سندھ میں سکونت پذیر ہوئے اور حدیث و قرآن کے درس و تدریس سے اس علاقہ کو منور کر دیا۔

(۲) وہ حضرات جو سندھ سے باہر گئے۔ یا قیدی کی صورت میں لے جائے گئے اور وہاں متوطن ہو گئے۔ پھر وہ اور ان کی اولاد نے وہاں تحصیل علوم کی اور خود بھی قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت میں گراں مایہ خدمات انجام دیں۔

(۳) وہ لوگ جنہوں نے اس علاقہ میں فیض حاصل کیا۔ اور عربستان بھی جاکر وہاں کے محدثین و علماء سے استفادہ کیا۔ پھر اسی علاقہ میں علوم کی اشاعت و خدمت کرتے رہے۔ اور یہاں بھی آکر خلق خدا کو فیض پہنچاتے رہے[1]"۔

مولانا ندوی نے تیسرا اور چوتھے گروہ کو ایک قسم میں جمع کیا ہے۔ لھذا ان بیانات میں کوئی تباین نہیں۔

علاوہ ازیں ایک طبقہ ان محدثین کا بھی ہے جن کے نسب میں سندھی نسل شامل ہے مثلاً سیدنا امام زید بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) جو والدہ ماجد کی جانب سے سندی النسل ہیں۔[2]

اور شیخ ابو موسیٰ دیبلی جن کی والدہ ماجدہ سیدنا حضرت ابایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بہن تھیں اور والد ماجد دیبلی سندھی تھے۔[3]

---

[1] تذکرہ علمائے دیبل (مولانا عبدالعلیم ندوی) فروغ میں فروغ عربی ص ۳۱۱ مطبوعہ جامعہ کراچی شعبہ عربی ۱۹۷۵ء

[2] المعارف (علامہ ابن قتیبہ ۲۷۶ھ) ص ۹۳، تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۱۶ (علامہ ابن عساکر ۵۷۱ھ) مطبوعہ دمشق ۱۳۲۹ھ، تاریخ طبری ج ۸ ص ۲۰۰ (علامہ ابن جریر ۳۱۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۱ء، رجال السند والہند ص ۲۱۹

[3] صفۃ الصفوہ جلد ۴ ص ۹۳ (علامہ ابن الجوزی ۵۹۷ھ) مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۶ھ، رجال السند والہند ص ۲۸۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ

ہم بھی اس مختصر مقالے میں سلف صالحین کے طرز و اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے متذکرہ
بالا سارے طبقات کے محدثین کا تذکرہ کرینگے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الباب الاول۔

قرنِ اوّل کے رجال

حضرت عبدالرحمٰن بن العباس الہاشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حسب ونسب :- آپ کا نام نامی ونسب گرامی عبدالرحمٰن بن العباس بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب بن الہاشم القرشی ہے۔ اور والدہ کا نام ام فراس بنت حسان بن ثابت ہے[1]

درجۂ تابعیت و روایتِ حدیث :

حضرت عبدالرحمٰن القرشی جلیل القدر تابعی تھے۔ آپ نے حدیث کی تحصیل وسماعت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے[2]

آخذین وتلامذہ :

آپ سے حضرت ثابت البنانی روایت کرتے ہیں۔ حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ لکھتے ہیں، "عبدالرحمٰن بن العباس القرشی روی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہ ثابت البنانی"[3]

ہجرت وسکونت سندھ :

حضرت عبدالرحمٰن بن العباس ان رجال حدیث سے ہیں جو عرب سے ہجرت کرکے سندھ تشریف لائے تھے۔ یہ سرزمین سندھ کی بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ اسے عرب سید خاندان کا ایک عظیم مہاجر مہمان نصیب ہوا۔ آپ کی ہجرت و ورود سندھ کا واقعہ حسب ذیل ہے۔

آپ عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث خارجی کے ساتھ عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کے خلاف

۱- فقہائے ہند ج۱ ص۴۳ (مولانا محمد اسحق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء طبع ۱

۲- ایضاً

۳- تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۰۵ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ

خروج و بغاوت میں شامل ہو گئے تھے ۔ آخر الامر جب ابن الاشعث شکست کھا کر رتبیل کے پاس چلے گئے تھے تو عبد الرحمٰن الہاشمی سجستان تشریف لائے جہاں ابن الاشعث کے ہزیمیت خوردہ متبعین اور لشکری بیس ہزار کے قریب آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے

اُس وقت اموی مشہور سپہ سالار یزید بن مہلب بن ابی صفرہ ایک بڑی فوج کے ساتھ وہاں موجود تھا ۔ اس نے حضرت عبد الرحمٰن کو لکھ بھیجا کہ آپ کا رہنا ہمارے علاقے میں ٹھیک نہیں ۔ میرے پاس طاقت ور فوج ہے ۔ اور میں آپ سے لڑنا پسند نہیں کرتا ۔ بہتر یہ ہے کہ آپ میری حدود سے کہیں اور چلے جائیں ۔ تو آپ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہمارا جنگ کا ارادہ نہیں ۔ ہم صرف سستانے اور دم لینے کی خاطر تھوڑا عرصہ قیام کر رہے ہیں ۔ پھر چلے جائینگے ۔ یزید نے یہ سن کر آپ سے درگزر کر لیا ۔

لیکن درحقیقت عبد الرحمٰن کا ارادہ لڑنے کا تھا ۔ انہوں نے لوگوں سے عشر و خراج لینا شروع کیا ۔ جب یزید کو پتہ چلا تو اس نے انہیں اس معاملہ سے باز رہنے کی گذارش کی ۔ مگر وہ رکے نہیں ۔ بلکہ مقابلہ و مبارزہ کے لئے تیار ہو گئے ۔

چنانچہ یزید بھی ناچار ہو کر فوج لے کے نکلا ۔ اور ہرات کے باہر ایک وسیع میدان میں طرفین کے درمیان جنگ شروع ہو گئی ۔ لیکن بہت جلد عبد الرحمٰن کی فوج نے میدان چھوڑ دیا ۔ صرف ایک قلیل جماعت ان کے ساتھ قائم رہی ۔ مگر آخر کار یہ بھی بھاگ اٹھی ۔ اور وہ تن تنہا رہ گئے ۔ تو مجبوراً سندھ کا رخ کیا ۔ اور یہاں آ کر تادم زیست مقیم رہے[1] ۔

---

[1] ۔ تاریخ طبری (اردو) جلد ششم ص ۲۴۶ و ... (علامہ ابو جعفر محمد بن جریر ۳۱۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء
مترجم سید محمد ابراہیم ایم ۔ اے
۔ الکامل فی التاریخ ج ۴ ص ۲۳۵ و ۲۲۵ (علامہ ابن اثیر ابو الحسن علی بن محمد بن محمد ۶۳۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۲۹۰ھ ۔
۔ تاریخ ابن خلدون (اردو) ج ۲ ص ۲۱۹ ۔ ۲۲۰ (علامہ عبد الرحمٰن بن خلدون ۸۰۸ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۶
مترجم حکیم احمد حسین الہٰ آبادی ۔

وفات :-

حضرت عبدالرحمن القرشی نے سندھ میں وفات پائی[1] - لیکن مقام و تاریخ وفات کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا - البتہ یہ ظاہر ہے کہ آپ کا خروج و بغاوت اور جنگ و ہجرت سندھ کے واقعات ۸۲ / ۸۳ھ میں رونما ہوئے تھے -

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر نے آپ کے واقعات ۸۳ ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے تحت لکھے ہیں[2] - اس لئے مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے لکھا ہے، "۸۲ - ۸۳ھ میں عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کے بعد سندھ آئے[3]"

اس لئے علامہ ابو جعفر محمد بن جریر نے آپ کا واقعہ سنہ (۸۳ ہجری) کے واقعات میں لکھا ہے - اور اسی ... مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے آپ کے ترجمے میں لکھا ہے "۸۲ ... میں عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کے بعد سندھ آئے -

---

[1] فقہائے ہند ج ۱ ص ۵۴ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء

[2] تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۶۷ (علامہ ابو جعفر محمد ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

[3] فقہائے ہند ج ۱ ص ۵۴ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء

حضرت عبد الرحمٰن السندی التابعی

حسب و نسب: کتب رجال میں آپ کا تذکرہ صرف اسی نام و نسبت سے مذکور ہے مزید حسب و نسب اور حالات زندگی کا کوئی بیان نہیں ملتا۔ مصنفین رجال و مورخین احوال کا خلاصۂ اقوال محض اتنا ہے کہ آپ قرن اول کے سندھی فضلائے تابعین و علمائے محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔[1]

حضرت عبد الرحمٰن کا نسبتی نام "السندی" اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ آپ سندی النسل تھے۔

شیوخ و سماعت اور درجۂ تابعیت

حضرت عبد الرحمٰن کو حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک صحابی رسول اللہ (صلے اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم) سے براہ راست حدیث کی تحصیل و سماعت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اور اس بنا پر آپ کو فضیلت تابعیت بھی نصیب ہو گئی تھی۔[2]

آخذین و روایت

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ نے آپ کو رجال حدیث میں شمار کرتے ہوئے اپنی کتاب "التاریخ الکبیر" میں آپ کی ذیل حدیث روایت کی ہے۔ لکھتے ہیں،

---

[1] فقہائے ہند جلد ۱ صفحہ ۵۵ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع اول ۱۹۷۶ء

[2] بحوالہ التاریخ الکبیر جلد ۲ حصہ ۳ صفحہ ۲۹۵ (امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری م ۲۵۶ھ)

"عبد الرحمٰن السندی سمع انساً (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کان النبی (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) یأکل ولا یتوضأ من اللحم"[1]

امام بخاریؒ کا آپ کی حدیث اخذ کرنا آپ کی ثقاہت و صداقت پر بہت ایک بڑی حجت ہے۔

مہاجر عرب:

حضرت عبد الرحمٰن کا حضرت انس سے سماع اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ان محدثین سے ہیں جو ترک وطن کر کے عرب پہنچے تھے۔ لیکن یہ تفصیل معلوم نہیں کہ آپ نے کب اور کیسے ہجرت کی:

وفات:-

حضرت عبد الرحمٰن السندی کی تاریخ و مقام وفات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے آپ کو پہلی صدی ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے محدثین میں شمار کیا ہے[2]۔

---

[1] فقہائے ہند ج ۱ ص ۵۵ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع اول سنہ ۱۹۷۴ء
بحوالہ التاریخ الکبیر ج ۲ حصہ ۳ ص ۲۹۵ (امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری م ۲۵۶ھ)۔

[2] فقہائے ہند ج ۱ ص ۵۵ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع اول سنہ ۱۹۷۴ء

حضرت ابو قیس زیاد بن رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حسب ونسب: آپ کی کنیت ابو قیس اور نام ونسب یہ ہے زیاد بن رباح قیسی البصری
آپ کو ابو رباح اور ابن رباح بھی کہا جاتا ہے۔[1]

حضرت ابو قیس قرن اول کے ان فضلائے تابعین وثقات محدثین سے ہیں جو عرب سے سندھ تشریف لائے تھے۔

ورود سندھ :-

آپ سنہ ۹۳ھ کے جہاد سندھ میں لشکر اسلام کے ساتھ سندھ تشریف لائے تھے۔ اور فتح سندھ کے بعد یہ اس جماعت کے امیر تھے جو راجہ داہر کا سر عراق لے گئی تھی۔[2]

اساتذہ وتحصیل روایت اور درجۂ تابعیت :-

حضرت ابو قیس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث کی تحصیل وسماعت کی ہے۔ اس لئے آپ تابعی شمار ہوتے ہیں۔[3]

آخذین وتلامذہ :-

آپ سے حضرت امام حسن البصری اور غیلان بن جریر (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے حدیث کی سماعت و روایت کی ہے۔[4] اور امام مسلم بن الحجاج نیشاپوری وغیرہ مصنفین صحاح نے آپ کی مرویات اخذ کی ہیں

---

[1] [2] [3] [4] فقہائے ہند جلد اول (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۲ء

مرویات :

امام مسلم بن الحجاج القشیری م ۲۶۱ھ نے اپنی صحیح میں آپ کی بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ ذیل حدیث صحیح مسلم سے لی گئی ہے۔

حدثنا شیبان بن فروخ حدثنا جریر یعنی ابن حازم حدثنا غیلان بن جریر عن ابی قیس بن رباح عن ابی ھریرۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ قال من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات مات میتۃ جاھلیۃ ومن قاتل تحت رایۃ عمیۃ یغضب لعصبۃ او یدعوا الی عصبۃ او ینصر عصبۃ فقتل فقتلۃ جاھلیۃ ومن خرج علی امتی یضرب برھا وفاجرھا ولا یتحاشی من مومنھا و لا یفی لذی عھد عھدہ فلیس منی ولست منہ"[۱]

ابوقیس کا روایت وتحدیث میں مقام :

امام مسلمؒ کا آپ کی احادیث بلا چون وچرا اخذ کرنا آپ کی ثقاہت ووجاہت پر ایک مسلم وقابل قبول حجت ہے۔ علمائے جرح وتعدیل آپ کو ثقہ وثبت قرار دیتے ہیں۔ مولانا محمد اسحٰق لکھتے ہیں، "عجلی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حبان ان کا شمار ثقات میں کرتے ہیں"[۲]

وفات :

حضرت ابوقیس کی تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی۔ البتہ یہ تو واضح ہے کہ آپ قرن اول کے رواۃ سے تھے۔ چنانچہ مولانا محمد اسحٰق نے آپ کو اسی صدی کے محدثین میں شمار کیا ہے[۳]

۱۔ صحیح مسلم ج ۳ ص ۴۷ کتاب الامارۃ (امام مسلم بن الحجاج القشیری م ۲۶۱ھ) مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء

۲، ۳۔ فقہائے ہند ج ۱ ص ۵۵ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۲ء

حضرت ابو شیبہ جوہری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب یوسف بن ابراہیم التیمی الواسطی اور کنیت ابو شیبہ ہے۔ آپ قرن اول کے فضلائے تابعین وزعمائے محدثین سے شمار ہوتے ہیں۔

اساتذہ و تلامذہ :-

حضرت ابو شیبہ جوہری کو حضور پاک صلے اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے مشہور صحابی و خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی براہ راست شاگردی اور تحصیل حدیث کا شرف نصیب ہوا تھا۔ اس لئے آپ درجہ اول کے تابعین میں شمار ہوتے ہیں اور آپ سے حضرت عقبہ بن خالد اور مسلم بن قتیبہ نے حدیث کی سماعت وروایت کی ہے۔ علامہ حافظ احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ لکھتے ہیں، "یوسف بن ابراھیم التیمی ابو شیبۃ الجوھری الواسطی عن انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وعنہ عقبۃ بن خالد و مسلم بن قتیبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)"[۱]

مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے لکھا ہے، "یہ بھی تابعی تھے اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد تھے خود ان سے عقبہ بن خالد اور مسلم بن قتیبہ ایسے عظیم محدث اور تبع تابعین روایت کرتے ہیں"[۲]۔

---

[۱]۔ لسان المیزان ج ۶ ص ۲۷۸ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ دکن ۱۳۳۱ھ

[۲]۔ فقہائے ہند ج ۱ ص ۴۳ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء

بحوالہ العقد الثمین ص ۲۱۴ ۔ (مولانا قاضی اطہر مبارکپوری)۔

ورودِ سندھ :-

حضرت ابو شیبہؒ ان محدثین سے ہیں جو عرب سے سندھ تشریف لائے تھے۔ آپ ۹۳ھ کے جہادِ سندھ کی مہم میں شامل تھے [1]

وفات :-

آپؒ کی صحیح تاریخ وفات کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

---

[1] فقہائے ہند ج ۱ ص ۴۳ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء
بحوالہ العقد الثمین ص ۲۱۴۔

حضرت زیاد بن حواری ؒ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حسب ونسب: آپ کے نام ونسب میں قدرے اختلاف ہے۔ مولانا محمد اسحٰق بھٹی لکھتے ہیں، "ان کا نام زیاد بن حواری تھا۔ ایک روایت کے مطابق زید بن حواری عبدی اور ایک روایت کے مطابق حواری بن زیاد تھا"۔[1]

شیوخ واساتذہ ؒ

حضرت زیاد بن حواری جلیل القدر تابعی اور ثقہ راوی تھے۔ آپ نے فضلائے صحابہ ومحدثین اُمت مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک، عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، اور معاویہ رحمۃ اللہ علیہ بن قرۃ المزنی سے سماعت وتحصیل حدیث کی ہے۔[2]

اِس لئے آپ کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے۔

آخذین وتلامذہ ؒ

آپ سے جلیل القدر تابعین وثقات محدثین نے حدیث کی سماعت وروایت کی ہے۔ مثلاً حضرت اعمش، سبیعی، عبد الملک بن عمیر، ایوب بن موسیٰ، محمد بن فضل بن عطیہ اور سلام الطویل وغیرہم۔[3]

---

[1]، [2] فقہائے ہند ج ۱ ص ۵۰ (مولانا محمد اسحٰق) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء
[3] بحوالہ العقد الثمین ص ۲۱۵ (مولانا قاضی اطہر مبارکپوری)۔

ورود سندھ :

حضرت زیاد ان رجال کی فہرست میں ہیں جو عرب سے سندھ تشریف لائے تھے - آپ سنہ ۹۳ھ میں بحیثیت ایک سپہ سالار کے مہم سندھ میں محمد بن قاسم کے ساتھ وارد سندھ ہوئے تھے - اور فتح کے بعد ایک وفد کی معیت میں راجا داہر کا سر عراق لے گئے تھے [1]

وفات :-

حضرت زیادؒ کی وفات کا کوئی پتہ نہیں چل سکا -

ل[1]: فقہائے ہند ج ۱ ص ۸ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۴ء بحوالہ العقد الثمین ص ۲۱۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) -

حضرت کہمس بن حسنؒ

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابو الحسن اور نام ونسب ہے کہمس بن حسن قیسی تمیمی بصری ہے۔ آپ بصرہ کے تابعین طبقہ چہارم میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا محمد اسحٰق آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "ابن سعد نے ان کو طبقہ رابعہ کے بصری فقہاء و محدثین اور تابعین میں سے گردانا ہے۔"[1]

شیوخ و تحصیلِ حدیث :

حضرت کہمس نے حدیث کی تحصیل و سماعت جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن بریدہ اور عبداللہ بن شقیق اور عباس جریری سے کی ہے۔[2]

آخذین و تلامذہ :

آپ سے بھی جلیل القدر محدثین وائمہ حدیث نے حدیث کی سماعت و تحصیل کی ہے مثلاً حضرت معاذ بن معاذ، خالد بن حارث اور امام وکیع بن جراح (جو امام شافعیؒ کے شیخ تھے) وغیرہ۔ مصنفین صحاح امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے آپ کی حدیثیں اخذ کی ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ثقہ و سلیم الروایت ہیں۔ مولانا محمد اسحٰق لکھتے ہیں، "ثقہ راوی تھے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ان کا ذکر کیا ہے۔" آگے لکھتے ہیں، "یحیٰ بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔"[3]

[1،2،3] بحوالہ :- فقہائے ہند ج۱ ص۸۸ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء۔ العقد الثمین ص۱۹۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) طبقات ابن سعد ج۷ ص۲۷ (امام ابوعبداللہ محمد بن سعد م ۲۳۰ھ)

مرویات

حضرت کہمس کثیر الروایت راوی تھے۔ صحیح مسلم اور مستخرج حافظ ابی نعیم م ۴۳۰ھ میں آپ کی مرویات بکثرت موجود ہیں۔ امام ابوالحسن مسلم بن الحجاج م ۲۶۱ھ نے اپنی صحیح کے شروع میں آپ کی مندرجہ ذیل حدیث روایت کی ہے۔

حدثنا ابو خیثمة زہیر بن حرب حدثنا وکیع عن کہمس عن عبد اللہ بن بریدة عن یحیی بن یعمر قال کان اول من قال فی القدر بالبصرة معبد الجہنی فانطلقت انا وحمید بن عبد الرحمن الحمیری حاجین او معتمرین فقلنا لو لقینا احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فسألناہ عما یقول ہؤلاء فی القدر فوفق لنا عبد اللہ بن عمر بن الخطاب (رضی اللہ تعالی عنہما) داخل المسجد فاکتنفتہ انا وصاحبی احدنا عن یمینہ والآخر عن شمالہ فظننت ان صاحبی سیکل الکلام الی فقلت یا ابا عبد الرحمن انہ قد ظہر قبلنا ناس یقرؤن القرآن ویتقفرون العلم وذکر من شانہم وانہم یزعمون ان لا قدر وان الامر انف فقال اذا لقیت اولئک فاخبرہم انی بریء منہم وانہم براء منی والذی یحلف بہ عبد اللہ بن عمر لو ان لاحدہم ملأ احد ذہبا فانفقہ ما قبل اللہ منہ حتی یؤمن بالقدر[1]

حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے اپنی کتاب المستخرج کا آغاز حضرت کہمس کی اسی حدیث سے کیا ہے[2]۔

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ کتاب الایمان ص ۲۳ - ۲۵ (امام مسلم بن الحجاج) مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی - ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء

[2] بستان المحدثین ص ۷۶-۷۷ (اردو) (علامہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی) مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی ۱۳۴۴ھ۔

وارد سندھ :

حضرت کہمس جہاد سندھ کی مہم میں ۹۳ھ میں سندھ تشریف لائے تھے۔[۱]

وفات :

آپ پہلی صدی ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام) کے رجال سے تھے۔ لیکن آپ کی صحیح تاریخ وفات کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

---

۱ فقہائے ہند ج۱ ص۵۹ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء۔ بحوالہ:-
العقد الثمین ص۱۰۵، ص۱۰۶ (قاضی اطہر مبارکپوری)

حضرت شمر بن عطیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حسب ونسب: آپ کی کوئی کنیت مذکور نہیں۔ اور نام ونسب شمر بن عطیہ بن عبد الرحمٰن الاسدی ہے۔ آپ قبیلہ بنی مرہ بن حارث بن سعد بن ثعلبہ کے چشم و چراغ تھے[۱]

حضرت شمر پہلی صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے اجلہ تابعین وثقات محدثین سے ہیں۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن سعد م ۲۳۰ھ نے آپ کو تابعین طبقہ سوم میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ ثقہ تھے کئی احادیث صحیحہ کے راوی ہیں[۲]

مولانا محمد اسحٰق بھٹی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "تابعین کی بلند مرتبت جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ثقہ راوی تھے"[۳] اگر ہو سکے تو ایک دو حدیثیں بھی روایت کی ... نقل کریں۔

اساتذہ وسماعت حدیث

حضرت شمر بن عطیہ نے حضرت ابو حازم وغیرہ صحابہ سے حدیث کی تحصیل وسماعت کی ہے۔[۴]

تلامذہ وروایت حدیث

آپ سے حضرت اعمش جو کثیر الحدیث اور عظیم المرتبت تابعی ہیں روایت کرتے ہیں۔[۵]

ورود سندھ

حضرت شمر سنہ ۹۳ھ کے جہاد سندھ میں محمد بن قاسم کے ساتھ وارد سندھ ہوئے تھے[۶]

۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ — فقہائے ہند جلد ۱ ص ۵۲ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء۔ بحوالہ:-
العقد الثمین ص ۲۱۲، ص ۲۱۳، طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۱۱، فتوح البلدان ص ۴۲۸۔

مرویات :

امام ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم ابن الاثیر نے اپنی مشہور کتاب اُسُد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں آپ کی ذیل حدیث روایت کی ہے۔

رَوَی سُفیان عن الاعمش عن شمر بن عطیہ عن رجلٍ من جھینۃ او مزینۃ قال جائت وفود الذئاب قریب من مأۃ ذئب حین صلی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) فقال ھٰذہ وفود ذئاب جائتکم تسألکم لتفرضوا قوت طعامکم وتامنوا ما سوی ذالک فشکوا الیہ الحاجۃ فادبرن ولھن عواء "[1]

آپ کی ایک اور حدیث مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے اپنی کتاب فقہائے ہند میں روایت کی ہے لکھتے ہیں، "عَنِ الاعمش عن شمر بن عطیہ عن ابی حازم قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یوم بدر فی الظل واصحابہ یقاتلون فی الشمس فاتاہ جبریل علیہ السلام فقال انت فی الظل واصحابک یقاتلون فی الشمس فتحول الی الشمس "[2]

وفات :

حضرت شمر بن عطیہ کا سال ومقام وفات اور مزید تفصیلی حالات معلوم نہ ہوسکے۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ آپ پہلی صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے رُواۃ سے تھے [3]

---

[1] اُسُد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۵ ص ۳۵۵ (علامہ ابن الاثیر جزری) مطبوعہ

[2] فقہائے ہند ج ۱ ص ۵۲ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۲ء۔ بحوالہ :-
العقد الثمین ص ۲۱۲ ص ۲۱۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) -

[3] ایضاً ایضاً ایضاً

حضرت زائد بن عمیر طائی کوفی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حسب ونسب: آپ کا نام ونسب یہ ہے زائد بن عمیر طائی کوفی۔ آپ قبیلہ طے کے چشم وچراغ اور قرن اول کے کبار تابعین سے تھے۔ مولانا محمد اسحٰق لکھتے ہیں، "ابن سعد نے ان کو کوفہ کے طبقہ ثالثہ کے تابعین میں شمار کیا ہے"۔[1]

اساتذہ و تحصیل حدیث:

حضرت زائدؒ نے جلیل القدر اور کثیر الروایت صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، ابوہریرہ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تحصیل حدیث کی ہے[2]۔ لیکن آپ کے تلامیذہ ورواۃ اور مرویہ احادیث کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

ورود سندھ:

حضرت زائد جنگ وجہاد سندھ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ تشریف لائے تھے۔ اور فتح ملتان تک لشکر اسلام کے ساتھ تھے[3]۔

وفات:

حضرت زائدؒ ملتان کی مہم ۹۶ھ میں شہید ہوگئے تھے[4]۔

---

۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ } فقہائے ہند ج۱ ص۴۹ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۲ء
بحوالہ فتوح البلدان ص۴۳۶۔

۴ نزہۃ الخواطر ج۱ ص۱۱-۱۲ (علامہ عبدالحی لکھنوی) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء

حضرت یزید بن ابی کبشہؒ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب یہ ہے یزید بن ابی کبشہ جبریل بن یسار السکسکی الدمشقی ۔ آپ قرن اوّل کے عمائد تابعین و ثقات محدثین سے تھے[1]
یزیدؒ یمن کے مشہور قبیلۂ سکاسک کے رئیس و چشم وچراغ تھے[2] اس لئے آپ کو السکسکی کہتے ہیں ۔ حافظ ابن الحجر عسقلانی کہتے ہیں ، "قال البخاری کان عریف السکاسک[3]" امام بخاری کہتے ہیں قبیلہ سکاسک کے سردار تھے ۔

اخذ حدیث واساتذہ :-

یزید بن ابی کبشہ کو بہت سے صحابہ کی صحبت وسماعت واخذ روایت کا شرف حاصل تھا
آپ نے اپنے والد ماجد ابو کبشہ جبریل ، مروان بن حکم ، شرحبیل بن اوس اور حضرت ابوالدرداءؓ وغیرہم سے تحصیل وسماعت حدیث کی ہے[4]

تحدیث وتلامذہ :-

آپ سے ابو بشر ، حکم بن عتبہ ، علی بن الاقمر ، معاویہ بن قرۃ المزنی اور ابراہیم بن عبدالرحمٰن السکسکی روایت کرتے ہیں[5]

---

[1] فقہائے ہند ج۱ ص۹۵ (مولانا محمد اسحق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء
[2] کتاب الانساب ص۱۲۳ (علامہ ابوسعید عبدالکریم سمعانی) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء
[3] تہذیب التہذیب ج۱۱ ص۳۵۵ (حافظ ابن الحجر العسقلانی) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن
[4] فقہائے ہند ج۱ ص۹۵
[5] سرمایہ عمر ص۱۵٦ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷٦ء
Indias contribution to Hadith p. 94. (Dr. Mohammad Ishaque) Dacca University 1955.

حافظ ابن الحجر آپ کے شیوخ و تلامذہ کی فہرست اور آپ کے نسب کی تفصیل میں لکھتے ہیں، "روی عن ابیہ ابی کبشۃ جبریل بن یسار بن حلبی بن قرط بن شبل و مروان بن الحکم ورجل لہ صحبۃ وعنہ ابو بشر والحکم بن عتبۃ وعلی بن الاقمر ومعاویۃ بن القرۃ المزنی وابراھیم بن عبدالرحمن السکسکی وغیرھم"[1]

سندھ میں ورود :-

یزید بن ابی کبشہ کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک اموی ۹۹ھ نے محمد بن قاسم کی جگہ پر سنہ ۹۶ھ میں سندھ کا والی مقرر کرکے بھیجا - ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے تشریحات فتح نامہ سندھ میں لکھا ہے، "سنیچر کے دن ۱۳ - جمادی الآخر سنہ ۹۶ھ (۲۳ فروری سنہ ۷۱۵ء) کو ولید (خلیفہ) کا انتقال ہوا - اور اسی دن سلیمان نے بیعت لے کر حکومت اور تخت پر قبضہ کیا - غالباً محمد بن قاسم کی معزولی، سندھ کے نئے گورنر یزید بن ابی کبشہ کی تقرری اور اس کے عملے کی سندھ کی طرف روانگی بھی اسی تاریخ کے فوراً بعد ہوئی ہوگی"[2]

یزید کا بحیثیت راوی مقام :-

علمائے اصول نے یزید کو ثقہ و ثبت رواۃ میں شمار کیا ہے - حافظ ابن الحجر العسقلانی لکھتے ہیں، "یزید بن ابی کبشۃ وھو ثقۃ"[3] ترجمہ: یزید بن ابی کبشہ، اور وہ ثقہ ہیں - آپ تہذیب التہذیب میں ان کے ترجمے میں امام بخاری کا تبصرہ و امام ابن حبان کا ریویو لکھتے ہیں، "قال البخاری کان عریف السکاسک وذکرہ ابن حبان فی الثقات"[1] ترجمہ:- امام بخاری کہتے ہیں کہ وہ (یزید) قبیلہ سکاسک کے معتبر و سردار تھے اور ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے:

ص[1] } تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۵۴، ۳۵۵ (حافظ ابن حجر) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن - سنہ ۱۳۲۶ھ
ع[1] }

ص[2] - تشریحات فتح نامہ سندھ ص ۵۳۹ (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی سنہ ۱۹۵۹ء

ص[3] - حاشیہ بخاری جلد ۱ ص ۴۲۶ - بحوالہ فتح الباری شرح صحیح بخاری (حافظ ابن الحجر العسقلانی) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع سنہ ۱۳۸۱ھ

مرویات :-

حضرت یزید بن ابی کبشہ کی ایک روایت جسے وہ حضرت ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں امام محمد بن حسن کی مشہور کتاب "کتاب الآثار" میں مذکور ہے۔ آپ کی ایک حدیث امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم کی کتاب المستدرک میں موجود ہے۔ حافظ ابن الحجر العسقلانی آپ کی مرویات کے متعلق لکھتے ہیں،

"ولیزید بن ابی کبشۃ روایۃ عن ابی الدرداء فی کتاب الآثار لمحمد بن الحسن من طریق ابراھیم بن محمد بن المنتشر عن ابیہ عنہ۔ ولہ روایۃ اخریٰ فی مستدرک الحاکم من طریق ابی البشر :- سمعت یزید بن ابی کبشۃ..... (یخطب بالشام) یقول سمعت رجلا من اصحٰب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحدث عبد الملک عہ بن مروان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اذا شرب الخمر فاجلدوہ۔ الحدیث۔ پھر یزید کے شیخ (رجلا) کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ قال الحاکم سمعت اباعلی النیسابوری یقول ھذا الصحابی ھو شرحبیل بن اوس [1] (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

عہ یہ عبارت دیکھی جائے

صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل ایک حدیث میں آپ کا ذکر موجود ہے۔

حدثنا مطر بن الفضل ثنا یزید بن ھارون انا العوام ثنا ابراھیم ابو اسمٰعیل السکسکی قال سمعت ابا بردۃ عہ واصطحبا ھو ویزید بن ابی کبشۃ فی سفر

---

[1] :- تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۵۵ (حافظ ابن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۷ھ۔

عہ :- یعنی عامر بن ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری۔ الاکمال فی اسماء الرجال ص ۵۸۸ (امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب صاحب مشکاۃ المصابیح)۔

فکان یزید یصوم فی السفر فقال له ابو بردة سمعت ابا موسیٰ مرارا یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا مرض العبد او سافر کتب له مثل ما کان یعمل مقیما صحیحا "۔[۱]

حافظ ابن حجر اپنی مشہور کتاب "فتح الباری شرح صحیح بخاری" میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں، "یزید بن ابی کبشة وھو ثقة ولی خراج السند لسلیمان بن عبد الملک ولیس له فی البخاری ذکر الا فی ھذا الموضع "۔[۲]

ترجمہ:- یزید بن ابی کبشہ۔ اور وہ ثقہ ہیں۔ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کی جانب سے سندھ کے والیٔ خراج مقرر ہوئے۔ اور اس کا صحیح بخاری میں اس مقام کے سوا کہیں بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔

وفات:-

سوئے اتفاق سے اہلیان سندھ کو آپ سے علوم دین کی تحصیل و فیض یابی کا بہت زیادہ موقع نصیب نہ ہو سکا۔ چنانچہ سندھ پہنچنے کے اٹھارہ دن بعد آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی[۳] یعنی آپ کی وفات ۹۷ھ میں واقع ہوئی۔

---

[۱] الجامع صحیح البخاری ج۱ ص۴۲۰ (امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری ۲۵۶ھ) مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی سن ۱۳۸۱ھ۔

[۲] حاشیہ صحیح بخاری ج۱ ص۴۲۰ بحوالہ فتح الباری شرح صحیح بخاری (علامہ ابن حجر الحافظ) مطبوعہ ایضاً۔

[۳] فتوح البلدان (اردو) ص۲۳۶ (علامہ ابو العباس احمد بن یحییٰ ۲۷۹ھ) مطبوعہ
تاریخ اسلام ص۲۸۳ (صاحبزادہ عبد الرسول) مطبوعہ ایم آر برادرز لاہور۔
فقہائے ہند ج۱ ص۲۶ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سن ۱۹۷۳ء

حضرت موسیٰ بن یعقوب الثقفی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حسب ونسب:- آپ کا نام ونسب یہ ہے موسیٰ بن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان الثقفی - آپ عربی النسل اور محمد بن قاسم فاتح سندھ کے خاندان بنو ثقیف کے چشم وچراغ اور قرن اول کے فضلاء محدثین وعلمائے تابعین سے تھے[۱] ع

ورودِ سندھ:

حضرت موسیٰ بن یعقوب محمد بن قاسم کے ہمراہ مہم وجہاد سندھ میں شامل ہو کر آئے تھے۔ جب علاقہ ارور فتح ہوا تو آپ کو محمد بن قاسم نے ارور کے امور شرعی وعہدہ افتاء وقضاء پر مقرر کیا۔ چنانچہ آپ نے سندھ میں مستقل سکونت اختیار کی۔ آپ کی اولاد آپ کے بعد صدیوں تک اس عہدہ پر یکے بعد دیگرے فائز ہوتی رہی۔ اور آپ کو مملکت اسلامی کی طرف سے "صدر الملۃ، الامام الاجل بدر الملۃ والدین سیف السنۃ، ونجم الشریعۃ۔ کے القاب وخطاب سے ممتاز وسرفراز کیا گیا تھا۔ پھر آپ کی قائم مقام اولاد کو ان القاب سے ملقب کیا جاتا تھا۔ مولانا عبدالحی الحسنی م ۱۳۴۱ھ لکھتے ہیں، "موسیٰ بن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان الثقفی الفقیہ.... ولاہ القضاء والخطابۃ محمد بن القاسم الثقفی بارور سنۃ ۹۳ھ وتداول اولادہ القضاء الی قرون متطاولۃ وکل واحد منہم یلقب بصدر الاسلام الامام الاجل بدر الملۃ والدین سیف السنۃ ونجم الشریعۃ"[۲] ترجمہ:- موسیٰ بن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان الثقفی الفقیہ (ماہر علوم شریعت) انہیں محمد بن قاسم ثقفی نے ارور میں

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۲-۲۵ (مولانا عبدالحی الحسنی) مطبوعہ دائرہ معارف اسلامیہ حیدرآباد دکن۔ سنہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء طبع ۱
[۲] ع
سرمایہ عمر ص ۱۵۶ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور سنہ ۱۹۷۶ء
سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد المخدوم العباسی) الرحیم مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ جولائی سنہ ۱۹۷۳ء
فتح نامہ سندھ (اردو) ص ۳۴۴ (مترجم اختر رضوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ سنہ ۱۹۶۳ء

۹۳ھ میں عہدۂ قضاء پر مقرر کیا - اور ان کی اولاد قرنہائے طویل تک (مملکت سندھ) کے عہدہ قضاء پر فائز رہی - اور ان میں سے ہر ایک کو "صدر الاسلام، الامام الاجل، بدر الملۃ والدین، سیف السنۃ والشریعت کے القاب و آداب سے سرفراز و ممتاز کیا جاتا تھا -

یہ روایت امام ابراہیم بن عبداللہ مولف منہاج الدین نے علی بن محمد سے انہوں نے مسلم بن محارب اور عبدالرحمن بن عبدالرب السلیطی سے کی ہے -[1]

چنانچہ آپ کی نسل سلطان شمس الدین التمش کے زمانے (۶۰۷ھ تا ۶۳۳ھ) تک ارور میں موجود تھی - اور آپ کے خلف صالحین سے شیخ اسمٰعیل بن علی بن محمد الثقفی ۶۱۳ھ میں حکومت ارور کے قاضی القضاۃ تھے - اور پوری مملکت کے علماء میں ... فاضل ترین علامہ آپ ہی کو سمجھا جاتا تھا -[2]

مولانا محمد اسحٰق بھٹی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "حدیث و فقہ میں ماہر تھے اسی بناء پر محمد بن قاسم نے ۹۳ھ میں ان کو شہر ارور کی مسند قضاء و خطابت پر فائز کر دیا تھا - یہ پورے سندھ کے قاضی القضاۃ بھی رہے"۔[3]

ف[1]: فتح نامہ سندھ (اردو) ص ۲۳۴ (مترجم اختر رضوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۶۳ء

ف[2]: سرزمین سندھ میں علم حدیث (مخدوم امیر احمد عباسی) الرحیم جولائی ۱۹۶۳ء مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ۔

فقہائے ہند ج ۱ ص ۶۳ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء

ف[3]: فقہائے ہند ج ۱ ص ۶۲ ایضاً ایضاً ایضاً

علومِ اسلامی (قرآن و حدیث) کی خدمت

حضرت موسیٰ بن یعقوب کی تعلیم و تدریس، اساتذہ و تلامذہ اور مرویات کا کسی تذکرہ میں ذکر نہیں۔ لیکن وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ قرن اول کے یہ محدث اپنے علم و فضل کی بدولت سندھ کے نئے مسلم علاقہ میں ضرور فرمانِ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ والہ وسلم ...... "بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً" اور حکم خداوند قدوس ...... "تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" پر عمل پیرا رہے ہونگے۔ جس کی سندھ کو شدید ضرورت تھی۔ اور آپ اس امر پر مامور بھی تھے کہ یہاں کے عوام و خواص اور خلقِ خدا کو تدریس و تحدیث اور تقریر و تبلیغ سے مستفیض کیا کریں[1]۔ اور چونکہ آپ کا میدانِ تحدیث و تدریس وسیع اور مرکز خطاب لامحدود عوام تھا اس لئے آپ کی مرویات و تلامذہ کی فہرست دائرہ احاطہ و شمار میں نہیں لائی گئی۔

وفات

حضرت موسیٰ بن یعقوب قرن اول کے محدثین و رجال سے گنے جاتے ہیں۔ لیکن آپ کی صحیح تاریخ وفات کا کسی ترجمے میں ذکر نہیں ملتا۔ مصنفین رجال و مورخین احوال نے آپ کا تذکرہ پہلی صدی کے علماء میں کیا ہے[2]۔

---

[1] ۔ چچ نامہ ص ۲۲۵ (اردو موسومہ فتح نامہ سندھ) المترجم اختر رضوی - مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۹۶۳ء
فقہائے ہند ج ۱ ص ۶۲-۶۳ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء

[2] ۔ ض { فقہائے ہند ج ۱ ص ۶۳ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء
سرمایہ عمر ص ۱۵۶ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۴ء
نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۷۵ (مولانا عبدالحی حسنی) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء
سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا مخدوم امیر احمد العباسی) الرحیم مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ ۱۹۶۳ء }

اَلبَابُ الثَّانِیُ

قرنِ دوم کے رجال

حضرت عطیہ بن سعد عوفیؒ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابو الحسن اور نام ونسب ہے عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی ہے آپ کی وجہ تسمیہ میں اہل تراجم لکھتے ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت میں لاکر عرض کیا کہ اس بچے کے لئے کوئی نام تجویز فرمائیے ۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "ھذا اعطیۃ اللہ" چنانچہ امیر المومنین کی زبان وحی ترجمان سے نکلا ہوا مبارک کلمہ "عطیہ" آپ کا نام مقرر ہوا[1]

حضرت عطیہ قرن دوم کے جلیل القدر تابعین وفضلائے محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔[2]

شیوخ وسماعت حدیث

آپ کو جلیل القدر اور کثیر الحدیث صحابہ مثلاً حضرت ابو ہریرہ ، ابو سعید الخدری اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے براہ راست تحصیل وسماعتِ حدیث کا شرف نصیب ہوا تھا۔[3]

ورودِ سندھ :

حضرت عطیہ ۹۳ھ کے جہاد میں محمد بن قاسم کے ساتھ بحیثیت مجاہد اسلام سندھ تشریف لائے تھے۔ اور فتح ملتان تک ساتھ رہے ۔ اور فتوحات کے بعد واپس کوفہ تشریف لے جاکر تادم زیست وہیں قیام پذیر ہوگئے ۔[4]

وفات :

آپ نے کوفہ میں ۱۱۱ھ کو وفات پائی ۔[5]

---

[1] [2] [3] [4] [5] فقہائے ہند ج۱ ص۷۹ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء بحوالہ العقد الثمین ص۱۹۲ ۹۳۰ ، طبقات ابن سعد ج۶ ص۳۰۴ ، لسان المیزان ج۴ ص۱۳۴ ۔

سیدنا زید بن علی بن الحسین (رضی اللہ تعالٰی عنہم)

سرزمین سندھ اپنی اس خوش قسمتی پر جس قدر فخر کرے کم ہے کہ اس کا شکم خاندان نبوت وانوار رسالت کا گہوارہ بنا۔ اور اس کی وادی نے نونہالان آلِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بطن میں شاداب کر کے بستان رسالت سے اس خطہ کا نام دنیا و عقبٰی میں معطر و منور کر دیا۔

ہم نے آپ کو اس لئے سندھی علماء کی فہرست میں لائے ہیں کہ آپ اپنی والدہ کی جانب سے اہل سندھ کی زینت بنے تھے۔ جس کا تفصیلی بیان حسب ونسب کے باب میں کیا جائیگا۔

حسب ونسب :- آپ رضی اللہ عنہ والد ماجد کی طرف سے قریشی ہاشمی اور نواسہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ اور والدہ کی جانب سے سندھی تھے۔

نسب پدری :- سیدنا زید بن زین العابدین علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالٰی عنہم) ~~آپ کی دادی~~ اور حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بتول رسول اللہ (صلے اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) ~~تھیں~~ [1] آپ کی دادی ہیں۔

نسب مادری :- آپ کی والدہ ماجدہ ایک سندھی خاتون تھیں جن کا نام نامی حیدان تھا۔ علامہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ المتوفی سنہ ۲۷۶ھ نے

---

[1] البیان والتبیین ج ۱ ص ۲۹۷ (علامہ ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ م ۲۵۵ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۶۶ھ۔
المعارف ص ۹۵ (امام ابو عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ م ۲۷۶ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۹۰ھ۔
رجال السند والہند ص ۱۰۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کیمکر ۲ بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء
تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۱۹ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ

آپ کے ترجمے میں لکھا ہے، "زید بن علی بن الحسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) وکان یکنیٰ ابا الحسن وامہ سندیۃ"[1] یعنی زید بن علی بن الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کنیت ابو الحسن تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ سندھی خاتون تھیں۔ ~~قاضی اطہر مبارکپوری~~ میں علامہ علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ابن عساکر المتوفی ۴۹۹ھ / ~~[illegible]~~ لکھتے ہیں، "واما علی بن الحسین الاصغر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فلیس للحسین عقب الامنہ ثم عد ~~اولادہ فقال~~ ــــــ وعمر وزید لام ولد تسمی حیدان فھذہ ام زید رض بن علی السندیۃ"[2]

ترجمہ :- پھر چھوٹے علی بن حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) پس امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا... ان کے علاوہ کوئی پس ماندہ نہیں۔ پھر ان کی اولاد گنی۔ اور کہا..... اور عمر اور زید ایک ام ولد کنیز کے بطن سے ہیں جن کا نام حیدان ہے۔ پس یہی سندھی خاتون (یعنی حیدان) زید بن علی کی والدہ ہیں۔

قاضی اطہر مبارکپوری مذکورہ بیان تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں،

"وقال ان علیا اعتق جاریۃ لہ وتزوجہا فکتب الیہ عبد الملک بن مروان یعیرہ بذالک فکتب الیہ علی رض لقد کان لکم فی رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اسوۃ حسنۃ، قد اعتق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفیۃ بنت حیی وتزوجہا واعتق زید بن حارثۃ وزوجہ ابنۃ عمہ زینب بنت جحش فیمکن ان تکون ھذہ الجاریۃ المعتقۃ التی تزوجہا

---

[1] المعارف ص ۹۵ (ابو محمد عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ ۲۷۶ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۹۰ھ

[2] تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۱۶ (علامہ علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ابن عساکر ۴۹۹ھ) مطبوعہ دمشق ۱۳۲۹ھ

عَلیٌّ ھی حیدان السندیۃ اُمّ زید بن علی (الاصغر) "[1]

ترجمہ:- اور کہا کہ علی (زین العابدین بن الحسین رض) نے اپنی ایک کنیز آزاد کر کے اپنے نکاح میں لایا تو عبد الملک بن مروان (خلیفہ) نے ایک خط لکھ کر اس پر انہیں عار دلایا۔ تو علی بن حسین رض نے عبد الملک کو قرآن مجید کی آیہ کریمہ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ...... الآیۃ" کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا بے شک تمہارے لئے حضور پاک صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی پاک زندگی میں بہت اچھا طریقہ ہے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ بنت حیی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا۔ اور زید بن حارثہ کو آزاد کر کے اپنے چچا کی لڑکی زینب بنت جحش کی ان سے شادی کرادی۔ پس یہی امکان ہے کہ یہ آزاد کردہ کنیز جسے علی رض اپنے نکاح میں لائے یہی سندھی خاتون حیدان ہوں جو زید بن علی (الاصغر) کی والدہ ہیں۔

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر المتوفی ۳۱۰ھ نے حضرت زید اور ان کے چچا زاد بھائی حضرت عبد اللہ بن الحسن رضی اللہ تعالے عنہم کے مابین ان کے ایک مقدمہ و گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، "دراصل ایک زمین کے قضیہ میں دونوں میں کچھ جھگڑا ہوا تھا تو عبد اللہ بن حسن (رضی اللہ تعالے عنہما) نے اس موقع پر یہ کہا کہ اس زمین پر تم کیسے قبضہ کر سکتے ہو حالانکہ تم ایک ہندوستانی عورت کے بطن سے ہو۔

[1] رجال السند والہند ص۱۱۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ہند ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء

بعض روایتوں میں ہے کہ عبد اللہؓ نے کہا، "اَتَطْمَعُ اَنْ تَنَالَھَا وَ اَنْتَ لِاَمَۃٍ سِنْدِیَۃٍ"[1] یعنی کیا! آپ یہ طمع کرتے ہیں کہ آپ یہ زمین حاصل کریں حالانکہ آپ ایک سندھی باندی کے بطن سے ہیں۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ابن الاثیر نے اپنی مایۂ ناز کتاب "الکامل فی التاریخ" میں لکھا ہے، "فلما مات جعفر بن الحسین بن الحسین فتنازعا یوماً بین یدی خالد بن عبد الملک بن الحرث بالمدینۃ فاغلظ عبد اللہ لزید و قال یا ابن السندیۃ"[2] ترجمہ:- پس جب حضرت جعفر بن حسن بن حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) فوت ہوئے تو دونوں یعنی عبد اللہ بن الحسن اور زید بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے ایک دن خالد بن عبد الملک بن حرث کے سامنے آپس میں جھگڑا کیا۔ تو عبد اللہؓ زید پر غصہ ہو کر کہنے لگے "اے سندھی عورت کے بیٹے!"

علامہ مناظر احسن گیلانیؒ امام زین العابدین م ۹۵ھ کی والدہ ماجدہ کے نسب کے بارے میں ایک تفصیلی جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں۔ "بہر حال امام زین العابدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی رگوں میں ہندوستانی خون تھا یا نہ تھا لیکن ان کے صاحبزادے حضرت زید رض کے متعلق مورخین کا اتفاق ہے کہ ان کی والدہ ہندیہ تھیں۔"[3]

---

[1] تاریخ طبری (اردو ترجمہ) ج ۵ ص ۲۶۳ (امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری م ۳۱۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء

[2] الکامل فی التاریخ ج ۵ ص ۱۰۸ (علامہ ابو الحسن علی بن محمد ابن اثیر م ۶۳۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۲۹۰ھ

[3] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۱۳۳ (مولانا مناظر احسن گیلانی) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی طبع دوم ۱۹۶۸ء

تاریخ طبری کا اصل نام "تاریخ الامم والملوک" ہے۔

تاریخ طبری — الکامل فی التاریخ — امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی

بعض روایتوں میں ہے کہ عبد اللہؓ نے کہا، "اَتَطمَعُ اَن تَنَالَهَا وَ اَنتَ لِاَمَةٍ سِندِیَةٍ"[1] یعنی کیا! آپ یہ طمع کرتے ہیں کہ آپ یہ زمین حاصل کریں حالانکہ آپ ایک سندھی باندی کے بطن سے ہیں۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ابن الاثیر نے اپنی مایۂ ناز کتاب "الکامل فی التاریخ" میں لکھا ہے، "فلما مات جعفر بن الحسین بن الحسن فتنازعا یوما بین یدی خالد بن عبد الملک بن الحرث بالمدینة فاغلظ عبد اللہ لزید وقال یا ابن السندیة"[2] ترجمہ:- پس جب حضرت جعفر بن حسن بن حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) فوت ہوئے تو دونوں یعنی عبد اللہ بن الحسن اور زید بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے ایک دن خالد بن عبد الملک بن حرث کے سامنے آپس میں جھگڑا کیا۔ تو عبد اللہؓ زید پر غصہ ہو کر کہنے لگے اے سندھی عورت کے بیٹے!

علامہ مناظر احسن گیلانیؒ امام زین العابدین م ۹۵ھ کی والدہ ماجدہ کے نسب کے بارے میں ایک تفصیلی جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں۔ "بہر حال امام زین العابدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی رگوں میں ہندوستانی خون تھا یا نہ تھا۔ لیکن ان کے صاحبزادے حضرت زید رضؓ کے متعلق مورخین کا اتفاق ہے کہ ان کی والدہ ہندیہ تھیں۔"[3]

---

[1] تاریخ طبری (اردو ترجمہ) ج۵ ص۲۴۳ (امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری م ۳۱۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء

[2] الکامل فی التاریخ ج۵ ص۱۰۸ (علامہ ابو الحسن علی بن محمد ابن اثیر م ۶۳۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۲۹۰ھ

[3] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص۱۲۳ (مولانا مناظر احسن گیلانی) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی طبع دوم ۱۹۶۸ء۔

تاریخ طبری کا اصل نام "تاریخ الامم والملوک" ہے۔

الغرض : ان فضلائے مورخین و زعمائے مترجمین کے ان مستند و متفقہ بیانات و روایات سے یہ، واضح طور پر، ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا زید بن علی۔ (رضی اللہ تعالے عنہما) النسب مادری کے اعتبار سے باتفاق رائے سندھی ہیں۔
اس بناء پر وادی سندھ اس امر کا، صحیح معنوں میں حقدار ہے کہ اس کی فہرست و تذکرۂ محدثین کو آپؓ کے نام نامی و ترجمۂ گرامی سے مزین کیا جائے۔ جو خطۂ سندھ کے لئے باعث فخر و سعادت ہے۔ اور ایسی نعمتِ عظمیٰ و سعادتِ کبریٰ سے اس سرزمین کو محروم رکھنا بڑی ستم ظریفی ہوگی۔

فضیلتِ تابعیت :

سیدنا زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے وقت کے سید التابعین و سند المحدثین تھے ۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن سعد الکاتب المتوفی ۲۳۰ھ نے اپنی مشہور کتاب طبقات ابن سعد میں آپ کو تابعین مدینہ منورہ کے طبقہ سوم کے زمرے میں.... شمار کیا ہے [1]

حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، " وَ ذَکَرَہُ ابنُ حبان فی الثقات وَ قال رَاٰی جماعۃ مِنْ اصحٰبِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم [2]" ترجمہ :- اور انہیں ابن حبان نے ثقات محدثین میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ (انہوں نے) اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم سے ایک جماعت کو دیکھا ہے ۔ یعنی کافی صحابہ سے ملاقات کی ہے ۔

عِلم و فضل اور تحصیل علوم :

حضرت زید بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو علم و فن کے کسب و تحصیل میں اس قدر شوق و شغف تھا کہ جہاں کہیں کسی ماہر و فاضل کا پتہ لگتا آپ وہاں پہنچ جاتے ۔ تحصیل علوم میں ماہرین کی ذاتی کم رتبگی یا قابل اعتراض مسلک و مشرب آپ کی راہ جستجو میں حجاب و سد باب نہیں بن سکتا تھا ۔ [3]

---

[1] ۔ طبقات ابن سعد ج۵ ص۲۹۱ (اردو ترجمہ) (علامہ ابو عبد اللہ محمد بن سعد م ۲۳۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی سنہ ۱۹۷۰ء

[2] ۔ تہذیب التہذیب ج۳ ص۴۱۹ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ دکن ۱۳۲۶ھ

[3] ۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص۱۲۹ (مولانا مناظر احسن گیلانی) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی طبع ۵ سنہ ۱۹۶۸ء

چنانچہ آپ واصل بن عطا (جو اپنے اعتزالی عقائد کی وجہ سے بدنام تھے) سے بھی استفادہ کرنے میں نہ جھجکے[1]۔

آخر کار اسی شوق و شغف اور جدوجہد کے باعث اس زمانے کے مروجہ علوم قرآن و حدیث فقہ اور علم کلام وغیرہ میں آپ کا پایہ اتنا بلند ہو گیا تھا کہ آپ مجتہدِ زمانہ بن گئے تھے[2]۔

حضرت زیدؓ کا علم و فضل میں ہم پلہ کوئی نہ تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی بحوالہ الروض الکبیر ص۵ آپؓ کی شان میں امام اعظم ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں، "شاھدتُ زیدَ بن علیؑ کما شاھدتُ اھلَہٗ فما رأیت فی زمانہٖ افقہ منہ و لا اَعلَمَ و لا اسرعَ جوابا و لا ابین قولا[3]" ترجمہ:- میں نے زید بن علیؑ کو مشاہدہ کیا جیسا کہ ان کے خاندان کو مشاہدہ کیا۔ پس میں نے ان کے زمانے میں نہ ان سے بڑھ کر کوئی فقیہ (عالم وماہر شریعت) دیکھا نہ عالم نہ ان سے بڑھ کر کوئی حاضر جواب پایا اور نہ کوئی زیادہ فصیح دیکھا۔

آخر میں امام صاحب موصوف آپ کے حق میں اپنا تبصرہ ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔ "لقد کان منقطعَ القرینؑ" یعنی حقیقت میں وہ بے نظیر و عدیم المثال تھے۔

۱؎ - تاریخ ابن خلدون (اردو) جلد ۳ حصہ ص۲۳ (علامہ عبدالرحمن بن خالد المعروف ابن خلدون م ۸۰۸ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

۲؎ - امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص۱۳۹ (علامہ مناظر احسن گیلانی) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی طبع سن ۱۹۶۸ء

۳؎، ۴؎، ۵؎ ایضاً ص۱۴۴ ایضاً ایضاً

اسی طرح سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] جب آپ کی شہادت سے مطلع ہوئے تو آپ کے علم وفضل کا ان الفاظ میں اقبال واظہار کیا۔
" وَاللّٰہِ مَا تَرَکَ فِینَا لِدُنیَا وَلَا لِلآخِرَۃِ مِثلَہٗ "[1] یعنی خدا کی قسم اس نے ہم میں نہ ہمارے پاس اور نہ آخرت کے لئے اپنی مثال چھوڑی۔

امام شعبیؒ آپ کی تعریف میں فرماتے ہیں، " زید بن علی سے بہتر بچہ شاید کسی عورت نے پیدا کیا ہو "[2]

پروفیسر عبدالحی النور لکھتے ہیں، " امام زید علم وفضل کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ علمائے وقت کے ساتھ آپ کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے اور وہ آپ سے استفادہ کرتے تھے "[3]

الغرض ! سیدنا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علوم مدوّنہ میں وہ مقام حاصل کیا تھا کہ عوام وخواص کے علاوہ وقت کے رئیس الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفۃ النعمانؓ نے بھی آپ سے حدیث اخذ کی[4]

آپ کی علمی مہارت وفنی صلاحیت سے متاثر ہوکر آپ کے استاذ امام معتزلہ شیخ واصل بن عطا خود بھی آپ کے دریائے فیض سے اپنی تشنہ لبی دور کرنے لگے۔ پروفیسر عبدالحی النور لکھتے ہیں،[5] " فرقہ معتزلہ کے بانی واصل بن عطا نے آپ سے استفادہ کیا"

---

[1] [2] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۱۲۵ (مولانا مناظر احسن گیلانی) بحوالہ الروض الکبیر ج ۱ ص ۵ مطبوعہ: نفیس اکیڈیمی کراچی۔ ۱۹۶۹ء۔

[3] مذاہب عالم اور اسلام ص ۵۶۳ (پروفیسر عبدالحی النور) مطبوعہ اکیڈیمک پریس لاہور ۱۹۶۹ء۔

[4] الامام الصادق والمذاہب الاربعہ ص ۳۱۲ (علامہ اسد حیدر نجف اشرف) مطبوعہ مکتبہ تعمیر ادب لاہور ۱۹۷۶ء

[5] مذاہب عالم اور اسلام ص ۵۶۳ (پروفیسر عبدالحی النور) مطبوعہ اکیڈیمک پریس لاہور ۱۹۶۹ء۔

شیوخ و اساتذہ

سیدنا زید بن علی رض نے اپنے والد ماجد، اپنے بڑے بھائی امام باقر محمد بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہم
ابان بن عثمان، عروہ بن زبیر اور عبید اللہ بن ابی رافع وغیرہم سے حدیث کی تحصیل و سماعت
کی ہے۔ علامہ عبد الحی بن العماد الحنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ لکھتے ہیں[1]، "روی عن ابیہ وجماعۃ"
حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے، "زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ...
(رضی اللہ تعالیٰ عنہم) روی عن ابیہ واخیہ ابی جعفر الباقر وابان بن عثمان وعروۃ
بن الزبیر وعبید اللہ بن ابی رافع (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)"[2]
علاوہ ازیں آپ نے امام معتزلہ شیخ واصل بن عطا سے بھی علم وفن کا استفادہ کیا۔[3]
لیکن آپ کے تراجم کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو کوئی غلط عقیدہ و نظریہ متاثر
نہ کر سکا۔ آپ ہمیشہ افراط و تفریط سے بچے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ ہر جا و ہر کجا آپ کا طرز
فکر و طریق کار صراط مستقیم رہا ہے۔

آخذین و تلامذہ

آپ سے بڑے بڑے مشائخ و ائمہ مذاہب نے حدیث کی تحصیل و روایت کی ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: "وعنہ ابناہ حسین وعیسیٰ وابن اخیہ جعفر بن
محمد والزہری والاعمش وشعبۃ وسعید بن خثیم واسمٰعیل السدی
وزبید الیامی وزکریا بن ابی زائدۃ وعبد الرحمٰن بن ابی الحارث بن عیاش

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۵۹ (علامہ عبد الحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ المطبع القدسی الازہر المصر سن ۱۳۵۰ھ
[2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۱۹ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ
[3] تاریخ ابن خلدون ج ۳ ح ۱ ص ۲۳ (علامہ عبد الرحمٰن بن خالد م ۸۰۸ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

وابوخالد عمرو بن خالد الواسطی وابن ابی الزناد وعدۃ[1]

علاوہ ازیں امت مرحومہ کے سب سے بڑے امام حضرت ابوحنیفۃ النعمان[2] المتوفی ۱۵۰ھ اور واصل بن عطاء (جو آپ کے استاذ بھی تھے اور مذہب معتزلہ کے بانی بھی[3]) آپ سے تحصیل وسماعت حدیث کی ہے۔

علامہ عبدالحی ابن العماد الحنبلی لکھتے ہیں، "وارسل الیہ ابوحنیفۃ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ثلثین الف درہم وحث الناس علی نصرہ وکان مریضاً وکان قد اخذ عنہ کثیراً۔[3]" ترجمہ:- اور امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے تیس ہزار درہم ۳۰۰۰۰/- آپؓ کو بھیجے۔ اور لوگوں کو آپؓ کی نصرت کے لئے برانگیختہ فرمایا۔ اور خود بیمار تھے۔ اور آپؓ سے بہت کچھ علم اخذ کیا تھا۔

اسی طرح علامہ اسد حیدر نے آپؓ سے امام موصوف کی تحصیل حدیث سے متعلق یہی تذکرہ لکھا ہے[4]۔

یہ آپ کی علمی عظمت وشان پر بہت بڑی حجت اور بیّن برہان ہے۔

۱ھ تہذیب التہذیب ج۳ ص۴۱۹ (حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعۃ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن۔ ۱۳۲۶ھ

۲ھ مذاہب عالم اور اسلام ص۵۲۳ (پروفیسر عبدالحی الوز) مطبوعہ - اکیڈمک پریس لاہور ۱۹۶۹ء

۳ھ شذرات الذہب ج۱ ص۱۵۹ (علامہ عبدالحی بن العماد الحنبلی ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ المطبع القدسی الازہر مصر ۱۳۵۰ھ

۴ھ الامام الصادق والمذاہب الاربعۃ ص۳۱۲ (علامہ اسد حیدر نجف اشرف) مطبوعہ تعمیر ادب نامی پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۷۹

بانیِ مذہب ورَاہِ اعتدال ؟

سیدنا زید بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے علوم دین و فنون شرع متین میں مدارج اجتہاد پر فائز تھے۔ انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر مسلک "زیدیہ" کی بنیاد ڈالی جو مذہب شیعہ کا ایک مشہور و معروف فرقہ ہے۔

یہ مذہب عراق سے ابھر کر یمن تک پھیل گیا۔ اثنا عشریہ شیعوں کی نسبت یہ فرقہ معقول ہے اور معتدل مسلک پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ تینوں خلیفوں (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بھی برحق مانتا ہے۔ آجکل اِس مشرب کے مقلدین یمن میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔[1]

شیخ عبدالحی بن العماد نے آپ کے اعتدال مسلک و صراط مستقیم پر استقامت کے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "ولما خرج زید یدعو الیٰ طاعتہ۔ جائتہ طائفۃ و قالوا تبرأ عن ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما حتی نبایعک قال بل اتولاہما و اتبرأ ممن یتبرأ عنہما فقالوا اذا نرفضک فسموا الرافضۃ من یومئذٍ و سمیت شیعتہ زیدیۃ"[2]

ترجمہ:۔ جب زید بن علی نے خروج کر کے اپنی اطاعت کی لوگوں کو دعوت دی تو ایک جماعت نے آکر ان سے عرض کیا کہ (حضرت) ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے بیزاری کا اظہار کرو تو ہم آپ کی بیعت و اطاعت کرینگے۔ آپ نے فرمایا بلکہ میں
ان دونوں (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو دوست رکھتا ہوں اور ان لوگوں سے
بیزار رہوں گا جو ان دونوں سے تبرا کرینگے۔

1۔ تاریخ اسلام ص ۳۱۵ (صاحبزادہ عبدالرسول) مطبوعہ ایم۔ آر برادرز اردو بازار لاہور۔

2۔ شذرات الذہب جلد ۱ ص ۱۵۹ (علامہ عبدالحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ المطبع القدسی الازہر مصر سنہ ۱۳۵۰
تاریخ ابن عساکر جلد ۶ ص ۲۱ (علامہ ابن عساکر علی بن حسن بن ہبۃ اللہ م ۵۷۱ھ) مطبوعہ دمشق سنہ ۱۳۳۲ھ۔

علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ نے آپ کی شہادت کا واقعہ اور وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ شیعوں کا ایک جم غفیر آپ کی نصرت کے لئے جمع ہو گیا۔ لیکن ان میں اکثر لوگ اس وجہ سے آپ کو چھوڑ کر الگ ہو گئے کہ آپ شیخین کی تعریف کرتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا۔[1]

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر المتوفی ۳۱۰ھ نے آپ کے نظریہ و منشور کی یہ تفصیل لکھی ہے کہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ عوام سے اپنی دعوت پیش کرتے ہوئے فرماتے کہ میں آپ لوگوں کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ (صلے اللہ تعالے علیہ والہ وسلم) کی طرف بلاتا ہوں تاکہ سنت کا احیاء و اجرا کیا جائے۔ اور ظلم و استبداد اور بدعات مٹا دی جائیں۔ اور لوگوں کو نہایت فراخ حوصلگی سے آزادیٔ رائے کا موقع دے کر فرماتے، "اگر تم لوگ میری دعوت مانو تو نجات پاؤ گے۔ اگر نہیں تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا"۔ اور خلفاء کی خلافت کے متعلق فرماتے کہ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ حضور صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی خلافت کے مستحق ہم ہی تھے۔ مگر قوم نے دوسروں کو ہم پر ترجیح دی۔ مگر شیخین (رضی اللہ تعالے عنہما) نے عوام میں عدل و انصاف قائم کیا اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ (صلے اللہ تعالے علیہ والہ وسلم) پر کاربند رہے۔[2]

---

[1] تاریخ ابن خلدون اردو جلد ۶ حصہ ا ص ۲۳ (علامہ ابن خلدون ۸۰۸ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔ ۱۹۶۶ء۔
مترجم:۔ علامہ حکیم احمد حسین الہ آبادی۔

[2] تاریخ طبری اردو جلد ۲ ص ۲۸۸ (امام ابو جعفر محمد بن جریر ۳۱۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی ۱۹۷۰ء طبع سوم نفیس اکیڈمی کراچی
مترجم سید محمد ابراہیم ایم۔ اے۔

تصنیفات :-

سیدنا زید بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے اپنے مذہب و اجتہادیات میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے کچھ طبع بھی ہوئی ہیں۔ لیکن بہت کوشش کے باوجود کوئی کتاب دستیاب نہ ہو سکی [1]

غالباً یہ کتابیں یمن میں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ آپ کے مقلدین و معتقدین کی اکثریت یمن میں آباد ہے [2] البتہ پروفیسر عبدالحی الور نے آپ کی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے جس کا نام "کتاب المجموع" بتایا جاتا ہے۔ جو فقہ زیدیہ میں ایک اہم تصنیف ہے [3]۔

مرویات :-

آپ کی مرویات میں سے مندرجہ ذیل حدیث امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی م ۲۷۹ھ نے روایت کی ہے۔ حدثنا محمد بن بشار نا ابو احمد الزبیری نا سفیان عن عبد الرحمن بن الحارث بن عیاش بن ابی ربیعہ عن زید بن علی عن ابیہ عن عبید اللہ بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) قال وقف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعرفۃ فقال ھٰذہ عرفۃ وھو الموقف وعرفۃ کلھا موقف ثم افاض حین غربت الشمس وأردف اسامۃ بن زید وجعل یشیر بیدہ علی ھیئتہ والناس یضربون یمینا وشمالا یلتفت الیھم ویقول یا ایھا الناس علیکم السکینۃ ثم اتی جمعاً فصلی بھم الصلوتین جمیعا فلما اصبح اتی قزح

---

[1] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۱۲۹ (مناظر احسن گیلانی) مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۶۸ء طبع سوم

[2] تاریخ اسلام ص ۳۱۵ (صاحبزادہ عبدالرحمن) مطبوعہ ایم آر برادرز اردو بازار لاہور

[3] مذاہب عالم اور اسلام ص ۵۶۳ (پروفیسر عبدالحی الور) مطبوعہ اکیڈیمک پریس لاہور ۱۹۶۹ء۔

ووقف علیه وقال هذا قزح وهو الموقف وجمع کلها موقف ثم افاض حتی انتهی الی وادی محسر فقرع ناقته فخبت حتی جاوز الوادی فوقف واردف الفضل ثم اتی الجمرة فرماها ثم اتی المنحر فقال هذا المنحر ومنی کلها منحر واستفتته جاریة شابة من خثعم فقالت ان ابی شیخ کبیر قد ادرکته فریضة الله فی الحج افیجزئ ان احج عنه فقال حجی عن ابیک قال ولوی عنق الفضل فقال العباس یا رسول الله لم لویت عنق ابن عمک قال رئیت شابا وشابة فلم امن الشیطن علیهما فاتاه رجل فقال یا رسول الله (صلی الله تعالٰی علیه واله وسلم) انی .... افضت قبل ان احلق قال احلق ولا حرج او قصر ولا حرج قال وجاء اخر فقال یا رسول الله (صلی الله تعالٰی علیه واله وسلم) انی ذبحت قبل ان ارمی قال ارم ولا حرج قال ثم اتی البیت فطاف به ثم اتی زمزم فقال یا بنی عبد المطلب لولا ان یغلبکم علیه الناس لنزعت [1]

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں، "حدیث علیّ حدیث حسن صحیح" یعنی حضرت علی (بن الحسین) کی حدیث، حسن اور صحیح حدیث ہے۔ پھر فرماتے ہیں، وزید بن علی هو ابن حسین بن علی (بن ابی طالب) رضی الله تعالٰی عنهم۔ [2]

علامہ ابن عساکر علی بن حسن المتوفی ۵۷۱ھ نے آپ کی مندرجہ ذیل حدیث روایت کی ہے جس کے راوی شعبہ ۱۶۰ھ ہیں، "قال سمعت سید الهاشمین زید بن علی... رضی الله تعالٰی عنه بالمدینة فی الروضة المبارکة (علی صاحبها الصلواة والسلام)

---

[1] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۷۷، ۱۷۸ (امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی) مطبوعہ مطبع سعید کمپنی کراچی ۱۳۸۰ھ

[2] باب ما جاء ان عرفة کلها موقف۔

عسہ کسی اور ... دیکھا ...

یقول حدثنی اخی محمد انہ سمع جابر بن عبد اللہ یقول سمعت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یقول سدّوا الابواب کلھا الا باب علیؓ (کرم اللہ وجھہ) وأومأ الی باب علی [1]

شہادت ۔ ۴

سیدنا زیدؓ یکم صفر المظفر ۱۲۲ھ کو اہالیانِ کوفہ کی دعوت پر ہشام بن عبد الملک اموی کے خلاف خروج کیا [2] ۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے آپ کے خروج و شہادت کا واقعہ یوں بیان کیا ہے ۔ فرماتے ہیں ، "قال خلیفۃ حدثنی ابو الیقظان عن جویریۃ بن اسماء وغیرہ ان زید بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) قدم علی یوسف بن عمر الحیرۃ فاجازہ ثم شخص الی المدینۃ فاتاہ ناس من اھل الکوفۃ فقالوا لہ ارجع ونحن نأخذ لک الکوفۃ فرجع فبایعہ ناس کثیر فخرج فقتل فیھا ۔ قتلہ یوسف بن عمر فی زمن ھشام بن عبد الملک [3] سنۃ (۱۲۲ھ) ۔ ترجمہ :- خلیفہ کہتے ہیں ، " مجھ سے ابو الیقظان نے جویرہ بن اسماء وغیرہ سے یہ بیان کیا کہ زید بن علیؓ حیرہ میں یوسف بن عمر کے پاس تشریف لائے پھر اس سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے تو کوفہ کے کچھ لوگ ان کی خدمت میں آ کر کہنے لگے کہ واپس چلیں ہم کوفہ آپ کے لئے لے لیں گے ۔ چنانچہ وہ واپس ہوئے اور بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر وہ حکومت کے خلاف اٹھے اور اس میں قتل کئے گئے ۔ انہیں یوسف بن عمر نے ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں ۱۲۲ھ میں قتل کیا ۔

لے ۱ تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۱۵-۱۶ (علامہ ابن عساکر علی ابن حسن بن ہبۃ اللہ ثقۃ الدین الشافعی م ۵۷۱ھ) مطبوعہ روضۃ الشام ۱۳۳۲ھ

لے ۲ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۸۹ (اردو) امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری م ۳۱۰ھ ۔ مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۷۱ء طبع سوم

لے ۳ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۱۹ (حافظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ

يقول حدثني اخي محمد انه سمع جابر بن عبد الله يقول سمعت رسول الله (صلى الله عليه وسلم) يقول سدّوا الابواب كلها الا باب علي (كرم الله وجهه) وادوما الى باب علي [۱]

شہادت۔ ۴

سیدنا زید رضی نے یکم صفر المظفر ۱۲۲ھ کو اہلیانِ کوفہ کی دعوت پر ہشام بن عبد الملک اموی کے خلاف ~~اٹھ کھڑے ہوئے~~ خروج کیا [۲]۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے آپ کے خروج وشہادت کا واقعہ یوں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں، "قال خليفة حدثني ابو اليقظان عن جويرية بن اسماء وغيره ان زيد بن علي (رضي الله تعالى عنهما) قدم على يوسف بن عمر الحيرة فاجازه ثم شخص الى المدينة فاتاه ناس من اهل الكوفة فقالوا له ارجع ونحن نأخذ لك الكوفة فرجع فبايعه ناس كثير فخرج فقتل فيها۔ قتله يوسف بن عمر في زمن هشام بن عبد الملك [۳] سنة (۱۲۲ھ)۔ ترجمہ:۔ خلیفہ کہتے ہیں، "مجھ سے ابو یقظان نے جویرہ بن اسماء وغیرہ سے یہ بیان کیا کہ زید بن علی رض حیرہ میں یوسف بن عمر کے پاس تشریف لائے پھر اس سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے تو کوفہ کے کچھ لوگ ان کی خدمت میں آ کر کہنے لگے کہ واپس چلیں ہم کوفہ آپ کے لئے لے لیں گے۔ چنانچہ وُہ واپس ہوئے اور بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر وہ حکومت کے خلاف اُٹھے اور اس میں قتل کئے گئے۔ انہیں یوسف بن عمر نے ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں ۱۲۲ھ میں قتل کیا۔

---

۱ تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۱۵-۱۶ (علامہ ابن عساکر علی ابن حسن بن ہبۃ اللہ ثقۃ الدین الشافعی م ۵۷۱ھ) مطبوعہ روضۃ الشام ۱۳۳۲ھ

۲ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۰۹ (اردو) امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری م ۳۱۰ھ۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۱ء طبع سوم

۳ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۱۹ (حافظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ

حضرت معاویہ بن قرّہ مزنی (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ)

حسب ونسب: آپ کی کنیت ابوایاس اور نام ونسب ہے معاویہ بن قرہ بن ایاس المزنی البصری ہے آپ بصرہ کے تابعین طبقۂ دوم میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت قرہ بن ایاس کو صحبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا شرف نصیب ہوا تھا۔ اور آپ نے اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں تعلیم وتربیت پائی۔ [1]

شیوخ واساتذہ:

حضرت معاویہ نے حدیث کی تحصیل وسماعت اپنے والد ماجد قرہ بن ایاس، معقل بن یسار المزنی، حضرت ابوایوب الانصاری، عبداللہ بن مغفل وغیرہم جیسے جلیل القدر صحابہ وتابعین سے کی ہے۔ [2]

آخذین وتلامذہ:

آپ سے امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری ۱۲۴ھ، ابراہیم بن محمد، اسحٰق بن یحیی، حسن بن زید بن حسن بن علی اور آپ کے فرزند ایاس نے روایت کی ہے۔ [3]

حضرت معاویہ کا بحیثیت راوی مقام:

حضرت معاویہ کو مصنفینِ رجال وماہرین جرح وتعدیل نے ثقہ وثبت قرار دیا ہے

---

[1] فقہائے ہند ج۱ ص۸۲ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۲ء طبع اول۔

[2] بحوالہ جمہرۃ انساب العرب ص۲۰۳، البدایۃ والنہایۃ ج۹ ص۳۲۹، تہذیب التہذیب ج۱ ص۲۱۳

[3] العقد الثمین ص۱۶۶ سطر ۶۸۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں: "عجلی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حبانؒ بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے"۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اُن کی روایت درج کی ہے امام نسائیؒ نے "مثلہ" سے نہی کے متعلق ان سے روایت بیان کی ہے۔ جو یہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں۔ اُن کو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے قاضی بصرہ مقرر کیا تھا۔ نہایت صادق اور ثقہ تھے"۔ [1]

ائمہ صحاح کا آپ کی روایت بلا رد و کد اخذ کرنا اور حضرت عمر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کا آپ کو مسندِ عدالت پر بٹھانا آپ کی صداقت و عدالت اور وجاہت و ثقاہت پر ایک مُستند حجت و معتمد شہادت ہے۔

ورودِ سندھ:

حضرت معاویہ بن قرہ خلیفہ عبد الملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ کے زمانے میں سندھ تشریف لائے تھے۔ انہوں نے آپ کو جلا وطن کر کے یہاں بھیجا تھا۔ [2] لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کتنا عرصہ سندھ میں رہے؛ مگر آپ کے حالات و کوائف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کچھ عرصہ جلا وطن رہنے کے بعد واپس عربستان تشریف لے گئے تھے۔ کیونکہ آپ جلا وطنی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عہد خلافت (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) میں بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے تھے [3]۔

ف ۱ } فقہائے ہند جلد ۱ ص ۸۲ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء طبع اول
ف ۲
ف ۳

مرویات :-

آپ کی ذیل حدیث طبقات ابن سعد میں روایت کی گئی ہے[1]۔

"ابنِ سعد باخبار یحیٰ بن عبّاد بتحدیثِ شعبہ بہ خبر ابوایاس معاویہ بن قرّہ اپنے والد سے جب میں دودھ دوہ کر اونٹنی کے تھن باندھ چکا تو رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپؐ نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر میرے لئے دعا فرمائی۔"

بروایتِ امام ابوداؤد -

عَن معَاوِیَۃ بن قرۃ عن ابیہ انّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلّے اللّٰہ علیہ والہٖ وسلم نہیٰ عن ھاتین الشجرتین یعنی البصل والثوم وقال من اکلھما فلا یقربن مسجدنا وقال اِن کنتم لابدّ اٰکلیھما فامیتوھما طبخا - رواہ ابوداؤد[2]۔

وفات

حضرت معاویہؓ بن قرہ نے ۱۲۲ھ ہجری (علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں وفات پائی[3]۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج۶ (اردو) ص۵۲ (علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد م ۲۳۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی طبع ۱۹۸۰ء

[2] مشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص۶ باب المساجد (علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب) مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۳۶۹ھ بحوالہ امام ابوداؤد احمد بن شعیب السجستانی (سنن ابی داؤد) -

[3] فقہائے ہند ص۹۲ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۲ء طبع اول

حضرت یزید بن عبد اللہ القرشی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حسب و نسب : آپ کی کنیت ابوخالد اور نام و نسب[1] یزید بن عبد اللہ القرشی البسیری السندی ہے۔ آپ قرنِ دوم کے تبع تابعین و ثقاتِ محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔[1]

حضرت یزید سندی النسل محدثین سے ہیں۔ علامہ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "وذکرہ ابن حبان فی الثقات فقال اصلہ من السند"[2]

ترجمہ :- علامہ ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور کہا کہ ان کی اصل سندھ سے ہے۔

اِسی بنا، پر مولانا اطہر مبارکپوری نے "العقد الثمین" میں اور مولانا محمد اسحٰق نے "فقہائے ہند" میں آپ کو رجال سندھ میں گنا ہے۔[1]

لیکن آپ کے شیوخ و تلامذہ کی فہرست[3] سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیم و تحصیلِ حدیث اور پھر درس و تدریس عرب میں ہوئی ہے۔ مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ یا آپ کے آباء و اجداد کب اور کیسے ہجرت کر کے عرب پہنچے ؟

آپ کے لقب "القرشی" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کسی قرشی کے آزاد کردہ غلام تھے یا اس قبیلہ سے معاہدۂ موالات کیا ہوگا۔

---

۱ ع ۵ فقہائے ہند ج ۱ ص ۵ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء بحوالہ :- العقد الثمین ص ۲۹۶ تا ۲۹۷ (قاضی اطہر مبارکپوری)

۲ ۵ لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۰ (حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۱ھ۔

۳ ۵ فقہائے ہند ج ۱ ص ۵ ، العقد الثمین ص ۲۹۶ تا ۲۹۷۔

تحصیل حدیث و اساتذہ

حضرت یزید نے اپنے وقت کے ائمہ حدیث اور ثقات رواۃ سے تحصیل و سماعت حدیث کی ہے۔ مثلاً امام سفیان بن سعید الثوری م ۱۶۱ھ، ابن جریج، اور عمر بن محمد عمری۔[1]

تدریس حدیث و تلامذہ

آپ سے بھی امت کے بڑے بڑے محدثین و رواۃ نے حدیث کی تحصیل و روایت کی ہے مثلاً:۔ علی بن ابی ہشم طبراخ، محمد بن ابوبکر مقدمی اور امام ابوداؤد طیالسی وغیرہم۔[2]

حضرت یزید کا بحیثیت راوی مقام

حضرت یزید ایک نامور محدث اور ثقہ راوی شمار ہوتے ہیں۔ آپ کو مصنفین رجال و ماہرین اصول نے ثقہ راوی قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی آپ کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، "کذا فی القاموس و کتاب المشتبہ یزید ھذا ..... کان محدثاً" اسی طرح ہے قاموس اور کتاب مشتبہ میں یہ یزید محدث تھے۔ آگے لکھتے ہیں، "و ذکرہ ابن حبان فی الثقات"[3] اور ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر آگے حافظ ابن عدی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابن عدی نے آپ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے "لیس ھو بمنکر الحدیث" یعنی وہ (بحسب تحقیق) منکر الحدیث نہیں ہیں۔ یعنی ان کی حدیثیں معروف و مقبول ہیں۔

ص ۱، ص ۲ } فقہائے ہند ج ۱ ص ۸۵ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۲ء

ص ۳، ص ۵ } لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۰ (حافظ ابن حجر) مطبوعہ دائرہ معارف حیدرآباد دکن طبع ۱۳۳۱ھ۔

مرویات :-

آپ کی مندرجہ ذیل حدیثیں حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر عسقلانی نے اپنی کتاب "لسان المیزان" میں روایت کی ہیں۔ لکھتے ہیں،

" (القواریری) حدثنا یزید بن عبد اللہ البسری ابو خالد القرشی حدثنا ابن جریج انا حبیب بن ابی ثابت عن عاصم بن حمزۃ السلولی الکوفی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا تبرز فخذک و لا تنظر الی فخذ حی ولا میت "۔ پھر لکھتے ہیں " ھذا الرجل اوردہ ابن عدی و مشاہ فقال لیس ھو بمنکر الحدیث "[1]

II

انا سنقر الزینی انا علی الصابونی انا ابو طاھر السلفی انا احمد بن اشتۃ انا ابو سعید النقاش انا غسان بن احمد بن غسان العسکری بھا ثنا عبدان ثنا قطن بن بسیر ثنا یزید ابو خالد البسری ثنا ابو مالک اخبرنی سلمۃ بن کہیل عن ابی جحیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جالسوا العلماء وسائلوا الکبراء وخالطوا الحکماء "[1]

وفات :-[2]

حضرت یزید بن عبد اللہ قرن دوم کے رجال سے ہیں لیکن آپ کا سال وفات کسی تذکرے میں مذکور نہیں۔

---

[1] لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۰ (حافظ ابن حجر العسقلانی) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۱ھ۔

[2] فقہائے ہند ج ۱ ص ۵۵ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء بحوالہ:- العقد الثمین ص ۲۹۶ (قاضی اطہر مبارکپوری)۔

حضرت جنید بن عمرو عدوانی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حسب ونسب: آپ کا نام ونسب یہ ہے جُنید بن عمرو عدوانی مکی اور المقری آپ کا لقب ہے۔ آپ آل زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

حضرت جنید قرن دوم کے فضلائے تبع تابعین اور ثقاتِ محدثین میں شمار ہوتے ہیں آپ علوم حدیث کے ساتھ ساتھ فنِ تجوید وقرأت میں ماہر تھے۔

مولانا محمد اسحٰق لکھتے ہیں، "تبع تابعین میں سے تھے اور ان کو قاری اہلِ مکہ ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے"۔

شیوخ اور درسِ حدیث وقرأت:

آپؒ نے علومِ حدیث وفنونِ تجوید حضرت مجاہد سے پڑھا۔ اور اپنے فن میں یگانۂ زمانہ بنے۔ مولانا محمد اسحٰق نے لکھا ہے، "انہوں نے مجاہد سے پڑھا۔ مکہ مکرمہ میں ان سے اور عبداللہ بن کثیر سے بڑھ کر کوئی قاری نہ تھا"۔

ورودِ سندھ:

آپ جہادِ سندھ میں شامل ہو کر ۹۳ھ میں تشریف لائے تھے [۱]

وفات:

حضرت جنید قرنِ دوم کے رجال میں شمار کئے گئے ہیں۔ لیکن آپ کا سال ومقامِ وفات کا کوئی تذکرہ نہیں مل سکا۔

---

[۱] فقہائے ہند ج۱ ص۱ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء بحوالہ العقد الثمین ص۲۱۳ (قاضی اطہر مبارکپوری)

اسرائیل بن موسیٰ ؒ

حسب ونسب: ابو موسیٰ آپ کی کنیت اور نام نامی اسرائیل بن موسیٰ ہے اور البصری، الھندی یا نزیل الھند آپ کے نسبتی نام والقاب ہیں۔ ابو موسیٰ نسلاً عرب اور ساکن بصرہ تھے۔ اس لئے آپ کو البصری کہا جاتا ہے۔ آپ کا شمار قدمائے محدثین وفضلائے تبع تابعین میں ہوتا ہے۔[۱]

نزیل الھند:-

چونکہ آپ علاقہ سندھ میں آمد ورفت رکھتے تھے لھذا اربابِ سیر وتاریخ آپ کو نزیل الہند کہتے ہیں۔ اور ھند سے مراد ہے "سِند" اس لئے اہل قلم نے آپ کا شمار محدثین ورجال سندھ میں کیا ہے۔[۲]

چونکہ تذکرہ نویسوں نے آپ کے تراجم میں صرف ایک اجمالی فقرہ نزیل الھند یا اس قسم کے ایک آدھ جملوں پر اکتفا کیا ہے اس لئے آپ کا خاطر خواہ اور تفصیلی حال معلوم نہ ہو سکا کہ آپ سندھ کب اور کہاں تشریف لائے؟ اور کتنا عرصہ رہے؟ چنانچہ مولانا عبدالحی الحسنی نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں "ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ نزیل الھند"[۳]

ع۱ نزہۃ الخواطر ج۱ ص ۲۲/۲۳ (علامہ عبدالحی الحسنی م ۱۳۴۱ھ) بحوالہ امام سمعانی م ۵۶۲ھ۔

ع۲ نزہۃ الخواطر ج۱ ص ۲۲ ایضاً مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۴۷ء

سرمایہ عمر ص ۱۵۶ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء

الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ص ۱۳۶ (مولانا عبدالحی الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دمشق ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء

البینات اشاعت خاص ص ۹۵ (محدثین سندھ - مولانا محمد یوسف لدھیانوی) مطبوعہ کراچی ۱۳۹۸ھ

ع۳ نزہۃ الخواطر ج۱ ص ۲۳ (مولانا عبدالحی الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۴۷ء۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے بھی آپ کے تعارف میں ایسا ہی ایک اجمالی فقرہ لکھدیا ہے[1]

علامہ ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں، "کان یسافر الی الھند" یعنی ہند کی طرف سفر کیا کرتے۔ مولانا عبدالحی نے علامہ ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی کا بیان نقل کیا ہے، جو معمولی اضافے کے ساتھ ایک مجمل ترجمہ ہے۔ لکھتے ہیں،

"قال (سمعانی) ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری کان ینزل الھند فنسب الیھا "[2] ترجمہ امام سمعانی کہتے ہیں، "ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری ہیں ہند تشریف لاتے تھے۔ لھذا اس کی طرف منسوب ہوگئے۔

البتہ مولانا شیخ احمد علی سہارنپوری نے آپ کے ترجمے میں قدرے تفصیلی بیان دیا ہے لکھتے ہیں، "ابن موسیٰ وکنیتہ ابو موسیٰ وھو ممن وافقت کنیتہ اسم ابیہ، البصری کان یسافر فی التجارۃ الی الھند فاقام بھا مدۃ "[2]

ترجمہ :- ابن موسیٰ، اُن کی کنیت ابو موسیٰ ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی کنیت اپنے والد کے نام سے موافق آتی ہے۔ بصری ہیں۔ جو تجارت کے سلسلے میں ہند کا سفر کیا کرتے تھے۔ پھر اس (ہند) میں ایک عرصہ تک اقامت گزیں رہے۔ اسی طرح مولانا محمد اسلم نے بھی اس قدر آپ کی سندھ میں تشریف آوری و سکونت پذیری کا تذکرہ کیا ہے[3]

۱ھ البینات اشاعت خاص ص ۱۶۵ (محدثین سندھ - مولانا محمد یوسف لدھیانوی) مطبوعہ کراچی ۱۳۹۸ھ۔

۲ھ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۲ (مولانا عبدالحی الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ ۱۹۴۲ء بحوالہ امام سمعانی کتاب الانساب۔

۳ھ حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۳ (علامہ احمد علی سہارنپوری) مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی ۱۳۸۱ھ/۱۹۳۵ء۔

شیوخ واساتذہ :-

اِسرائیل بن موسیٰ نے جلیل القدر ائمۂ حدیث وثقہ تابعین سے علم حدیث کی تحصیل وسماعت کی ہے۔ مثلاً امام حسن البصری م ۱۱۰ھ، امام محمد بن سیرین م ۱۱۰ھ، ابی حازم الاشجعی اور وہب بن منبہ م ۱۱۴ھ وغیرہ۔ مولانا عبدالحی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ نزیل الھند کان من اتباع التابعین روی عن الحسن البصری، وابی حازم الاشجعی ومحمد بن سیرین ووھب بن منبہ" [۱]

آخذین وتلامذہ :-

آپ سے عوام وخواص اور علمائ: وفضلائے امت نے حدیث کی سماعت وروایت کی ہے۔ آپ کے تلامذہ ورواۃ میں مندرجہ ذیل فقہا وائمہ حدیث کے نام قابل ذکر ہیں۔ امام سفیان بن سعید الثوری م ۱۶۱ھ، امام سفیان بن عیینہ ہلالی م ۱۹۸ھ حسین بن علی الجعفی م ۲۰۳ھ اور یحیی بن سعید القطان م ۱۹۸ھ وغیرہم۔ مولانا عبدالحی آپ کے تلامذہ کے بیان میں لکھتے ہیں، "وعنہ سفیان الثوری، وابن عیینہ وحسین بن علی الجعفی ویحیی بن سعید القطان" [۲]

۱؎ }
۲؎ } نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۳ (مولانا عبدالحی الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۴۷ء

جرح وتعدیل - ۷

سارے نقادوں میں سے صرف ازدی نے انہیں کمزور لکھا ہے - اور کہا ہے کہ یہ اسرائیل یمن کے شیخ ہیں - یہ وہ اسرائیل نہیں جو وھب بن منبہ کے شاگرد اور سفیان ثوری کے شیخ ہیں -

لیکن باقی سارے علمائے جرح وتعدیل مثلاً امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی المتوفی ۳۰۳ھ، امام یحیٰی بن معین م ۲۳۳ھ اور امام ابوحاتم محمد بن حبان م ۳۵۴ھ - وغیرہم آپ کو ثقہ کہتے ہیں - جس کی تفصیل مولانا عبدالحی نے اپنی کتاب نزہۃ الخواطر میں دی ہے لکھتے ہیں، "وثقہ ابوحاتم وله فی صحیح البخاری فرد حدیث مکرر فی اربعة مواضع وھو ثقة من الطبقة السادسة - وقال الحافظ فی تھذیب التھذیب قال ابن معین وابوحاتم ثقة - وزاد ابوحاتم لا باس به وقال النسائی لیس به باس - قلت ذکرہ ابن حبان فی الثقات - وقال کان یسافر الی الھند - وقال الازدی وحدہ فیه لین ولیس ھو الذی روی عن وھب بن منبه وروی عنه الثوری - ذاك شیخ یمانی وقد فرق بینھما غیر واحد انتھی - وقد ذکرہ السمعانی قال ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الھندی لبصری کان ینزل الھند فنسب الیھا - روی عن الحسن وروی عنه ابن عیینه ویحیی بن سعید القطان والحسین الجعفی - وقال یحیی بن معین اسرائیل صاحب الحسن ثقة" - انتھی [1]

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۴۲ (علامہ شیخ عبدالحی بن فخرالدین م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۹۴۷ء

ترجمہ :- ابو حاتم نے انہیں (اسرائیل کو) ثقہ شمار کیا ہے - اور ان کے لئے صحیح
بخاری میں ایک فرد حدیث مذکور ہے - جو چار مقامات میں مکرر لائی گئی ہے - اور وہ
طبقہ ششم کے ثقہ ہیں - اور کہا حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں
کہ یحیٰ بن معین اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں - اور ابو حاتم نے مزید کہا کہ ان میں کچھ خطرہ
نہیں - اور امام نسائی کہتے ہیں کہ ان میں کچھ خطرہ نہیں ہے - (حافظ ابن حجر لکھتے ہیں) میں
کہتا ہوں ،" ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے - اور کہا کہ وہ ہند کی جانب
سفر کیا کرتے تھے "- امام سمعانی کہتے ہیں کہ یحیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ اسرائیل امام حسن کے شاگرد ثقہ ہیں [1]
اور تنہا ازدی نے کہا کہ ان (اسرائیل) میں کچھ کمزوری ہے - اور یہ وہ شخص
نہیں جنہوں نے وہب بن منبہ سے اور ان سے ثوری نے روایت کی ہے - یہ ایک یمنی شیخ
ہیں - اور بہت سے لوگوں نے ان دونوں میں فرق بتایا ہے - انتہیٰ - اور علامہ سمعانی نے ان کا
ذکر کیا ہے - کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الہندی بصرہ کے ہیں - ہند آتے جاتے -
لہٰذا اس کی طرف منسوب ہو گئے - وہ امام حسن بصری سے روایت کرتے ہیں - اور
ان سے ابن عیینہ ، یحیٰ بن سعید قطان اور حسین جعفی روایت کرتے ہیں - اور یحیٰ بن
معین کہتے ہیں کہ اسرائیل امام حسن کے شاگرد ثقہ ہیں - [2]
اِسی طرح مولانا محمد اسلم لکھتے ہیں ،" اسرائیل بڑے ثقہ محدث تسلیم کئے جاتے ہیں"
نیز امام بخاری کا آپ کی حدیث بلا چون و چرا روایت کرنا اس بات کی بڑی شہادت
ہے کہ اسرائیل بن موسیٰ مستند الروایت اور ثقہ راوی تھے -
فہم سلیم کے مالک یہ خوب جانتے ہیں کہ یحیٰ بن معین ، یحیٰ بن سعید القطان

[1] کتاب الانساب ص ۵۹۳ (امام ابو سعید عبد الکریم بن محمد ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیڈن ۱۹۱۲ء
[2] سرمایہ عمر ص ۱۵۶ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء

امام ابوحاتم ابن حبان، امام ابوعبدالرحمٰن نسائی اور امام سمعانی جیسے ماہرین اصول و ائمہ حدیث کی توثیق و تصدیق کے سامنے ایک اکیلے ازدی کی جرح و تنقید کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ جب کہ متاخرین (مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عبدالحی لکھنوی اور مولانا محمد اسلم وغیرہ) بھی آپ کی ثقاہت و صداقت کی تائید کر رہے ہیں۔ جن کا بیان صفحات سابقہ میں گزر چکا ہے۔ مزید براں یحیی بن سعید القطان، امام سفیان بن سعید الثوری، امام سفیان بن عیینہ حسین بن علی الجعفی اور امام نسائی جیسے فقہائے امت و ائمہ حدیث کا آپ سے حدیث اخذ کرنا بجائے خود اس بات کی بہت بڑی حجت ہے کہ آپ معتمد و مستند اور ثقہ راوی تھے۔ ابو اسحٰق کی فہرست سے امام بخاری کو (دوم) شامل کیا جائے۔ وہ امام خود دو واسطوں سے آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

مرویات۔

امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری م ۲۵۶ھ اور امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی م ۳۰۳ھ نے دو واسطوں سے آپ کی مندرجہ ذیل حدیثیں روایت کی ہیں۔ یعنی امام بخاری اور امام نسائی دو واسطوں سے آپ کے تلامذہ اور آپ دو واسطوں سے ان کے شیخ و استاذ ہیں۔

I حدثنا صدقة انا ابن عیینة ثنا ابوموسیٰ عن الحسن انه سمع ابابکرة سمعت النبی صلی اللہ علیه واله وسلم علی المنبر والحسن الی جنبه ینظر الی الناس مرة والیه مرة ویقول ابنی هذا سید ولعل اللہ ان یصلح به بین فئتین من المسلمین [1]

[1] جامع بخاری ج۱ جزء ۱۴ ص ۵۳۰ (امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری م ۲۵۶ھ) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء باب مناقب الحسن والحسین۔

II اخبرنا محمد بن منصور قال حدثنا سفیان قال حدثنا ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ قال سمعت الحسن یقول سمعت ابا بکرۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی المنبر والحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ معہ وھو یقبل علی الناس مرۃ وعلیہ مرۃ ویقول ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین عظیمتین [۱]۔

وفات

حضرت ابو موسیٰ کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ لیکن شواہد و قرائن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۳۰ھ کے بعد وفات پائی ہوگی۔ کیونکہ ان کا سب سے چھوٹا شاگرد شیخ حسین بن علی الجعفی المتوفی ۲۰۳ھ ۱۱۷ھ میں پیدا ہوا تھا [۲]۔ اور علمائے اصول کے نزدیک صحت سماع و اخذ حدیث کے لئے سن رشد و مراہقت لازمی ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) "شرح تراجم ابواب البخاری" میں ...... "باب متیٰ یصح سماع الصبی الصغیر" کے تحت لکھتے ہیں، "لا اختلاف فی ان اداء الحدیث لا یعنی الا من العاقل البالغ واما تحملہ فیجوز من الصبی بعد ان یناھز الاحتلام واذا عقل فمیز بین الخیر والشر فاثبت المولف (رحمہ اللہ تعالیٰ) ذالک [۳]"۔

ترجمہ:۔ باب نابالغ بچے کا سماع کب درست ہو گا، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حدیث کی ادائگی و تبلیغ سوائے عاقل بالغ کے صحیح نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن حدیث کا اخذ کرنا۔ وسماع، پس بچے کا سن مراہقت (قریب البلوغ) کو پہنچنے کے بعد جائز ہو سکتا ہے

۱ے سنن نسائی ج۱ ص۲۰۸ (امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی ۳۰۳ھ) مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی۔

۲ے طبقات ابن سعد اردو ج۶ ص۲۲۰ (شیخ ابو عبداللہ محمد بن سعد ۲۳۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۹ء۔ (مترجم راغب رحمانی)

۳ے شرح تراجم ابواب بخاری ص۱۵ (علامہ شاہ قطب احمد ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی) مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

اور جب عاقل و سمجھدار ہوا۔ اور اچھے برے میں تمیز کر سکا تو مولف (امام بخاریؒ) اسے (اخذ حدیث کو) ثابت و جائز مانتے ہیں۔

لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حسین بن علی الجعفی نے حضرت ابو موسیٰؒ سے اپنے سن تمیز کو پہنچنے کے بعد یعنی کم از کم ۱۲۵ھ کے بعد، سماع و اخذ حدیث کیا ہوگا۔ پس، اس تشریح و توضیح کا خلاصہ و ماحصل یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰؒ کی وفات دوسری صدی کے ربع اول کے بعد واقع ہوئی ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

حضرت عمرو بن مسلم الباہلیؒ

حسب ونسب: آپ کی کوئی کنیت مذکور نہیں۔ اور نام ونسب یہ ہے عمرو بن مسلم الباہلی
آپ نسلاً عرب کے مشہور قبیلۂ باہل سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی پیدائش
و پرورش اور تعلیم وتربیت خطۂ عرب میں ہوئی تھی۔

مولانا محمد اسلمؒ نے آپ کو پہلی صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے محدثین
میں شمار کیا ہے[1] لیکن کتب تواریخ کی ورق گردانی سے واضح ہوتا ہے کہ
آپ دوسری صدی کی تقریباً ایک تہائی بھی پا گئے تھے[2]

لھذا آپ قرن دوم کے رجال میں آجاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے مولانا محمد اسحاقؒ
بھٹی نے آپ کو قرن دوم کے طبقے میں لکھا ہے[4]

سندھ میں ورود۔

حضرت عمرو بن مسلم حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے
سنہ ۱۰۰ھ میں سندھ کے والی متعین ہو کر تشریف لائے تھے[3]

سندھ میں مشاغلِ تبلیغِ دین۔

حضرت عمرو گو کہ سندھ کے حاکم و والی متعین ہو کر آئے تھے لیکن فی الحقیقت

---

[1] سرمایۂ عمر ص ۱۵۶ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور سنہ ۱۹۷۶ء

[2] تاریخ طبری اردو ج ۶ ص ۲۶۱ (علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری م ۳۱۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی سنہ ۱۹۶۱ء

[3] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۳۸-۳۹ (مولانا عبد الحی الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۵۰ھ

[4] فقہائے ہند ج ۱ ص ۷۹ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۴ء

آپ ایک مجاہدِ اسلام و مبلغ دین کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ آپ نے تبلیغ دین و خدمت حدیث متین اور علوم اسلامی کی نشر و اشاعت کی بدولت علماء کرام و محدثین عظام کی صف میں خاص مقام حاصل کیا۔

مولانا محمد اسلم لکھتے ہیں، "آپ کی زندگی اگرچہ سپاہیانہ تھی مگر وہ علوم دین کی ترویج و اشاعت میں ہمیشہ کوشاں رہے"۔[1]

اسی طرح مولانا عبدالحی الحسنی کا بیان ہے کہ حضرت عمرو بن مسلم کو امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سندھ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا اور لوگوں کو دعوتِ اسلام کی خاطر ایک خط دیدیا۔ وہاں آپ کی کوشش و جدوجہد سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔[2]

اس سے یہ نکتہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن مسلم کو ان کی فضیلت علمی و تبلیغ دین و اشاعتِ قرآن و حدیث کے پیش نظر سندھ کی گورنری کے فرائض سونپ دیئے تھے۔ کیونکہ انہیں حدیث کے ضائع ہو جانے کا بڑا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس فن شریف کی بقاء و اجراء کا وسیع پیمانے پر انتظام و اہتمام شروع کیا۔

ایک مجاہد سپاہی

حضرت عمرو سندھ میں محض حاکم بن کر نہیں بیٹھے بلکہ اسلام کا جھنڈا اٹھائے ہوئے پورے سندھ و ہند میں نعرہ "کلمۃ اللہ ھی العلیا" بلند کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ سندھ پر قبضہ مستحکم کرنے کے ساتھ ساتھ ہند کی تسخیر کے لئے اس پر بار بار حملہ کیا

---

[1] سرمایۂ عمر ص۱۵۶ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء

[2] نزہۃ الخواطر ج۱ ص۱۷ (مولانا عبدالحی الحسنی م۱۳۴۱) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۰ء

اور ہر بار فتحیاب و کامیاب ہو کر آتے ۔ مولانا محمد اسلم نے لکھا ہے، "عمرو نے اپنے عہد میں ہندوستان پر کئی کامیاب حملے کیئے "[1]

اسی طرح علامہ بلاذری م ۲۷۹ھ لکھتے ہیں، "عمرو بن مسلم الباہلی نے کہ سندھ کی ولایت پر عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی جانب سے عامل تھے بلاد ہند کے بعض حصوں پر حملہ کیا اور ظفر مند ہوئے"[2]

شیوخ و اساتذہ :

حضرت عمرو بن مسلم کو سید التابعین حضرت سعید بن المسیّب م ۹۴ھ کی صحبت اور ان سے اخذ حدیث کا فخر حاصل تھے[3] ۔ علاوہ ازیں آپ نے حضرت یعلی بن عبید المتوفی ۲۰۹ھ[3] اور حضرت طاؤس بن کیسان م ۱۰۶ھ سے بھی تحصیل و سماعت حدیث کی ہے[3]

آخذین و تلامذہ :

آپ کے تلامذہ میں حضرت امام مالک بن انس م ۱۹۹ھ، ابو الطاہر ابن ابی ہلال، اور ابن جریج عبد الملک بن عبد العزیز جیسی جلیل القدر ہستیوں کا نام ملتا ہے[4]۔

اور امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی اور امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی نے آپ کی احادیث روایت کی ہیں ۔

امام مالک و ابن جریج جیسے ائمہ حدیث کا آپ سے سماعت و تحصیل حدیث اور مصنفین صحاح کا آپ کی حدیث و روایت بلا چون و چرا قبول کرنا آپ کی ثقاہت و صداقت پر بہت بڑی حجت ہے ۔

---

[1] سرمایہ عمر ص ۱۵۱ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء
[2] فتوح البلدان ص ۳۸۸ اردو (علامہ بلاذری ابو العباس احمد بن یحییٰ ۲۷۹ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۲ء مترجم ابو الخیر مودودی
[3] سنن ترمذی ج ۱ ص ۲۱۹ (امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی م ۲۷۹ھ) مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی سنہ ۱۳۸۰ھ
[4] سرمایہ عمر ص ۱۵۶ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء
[5] سنن ترمذی ج ۱ ص ۲۱۹، ج ۲ ص ۳۹ (امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی) مطبوعہ قرآن محل کراچی / مطبع سعیدی کراچی ۱۳۸۰ھ

مرویات ۴ I بروایت الترمذیؒ

حدثنا اسحٰق بن منصور نا ابو عاصم عن ابن جریج عن عمرو بن مسلم عن طاؤس عن عائشة (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخال وارث من لا وارث لہ هذا حدیث حسن غریب ۱ھ

بروایت النسائی

II اخبرنا محمد بن عبد اللہ بن الحکم عن شعیب قال اخبرنا اللیث قال ثنا خالد بن یزید عن ابن ابی هلال عن عمرو بن مسلم انہ قال اخبرنی ابن المسیب ان ام سلمة زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من اراد ان یضحی فلا یقلم عن اظفارہ ولا یحلق شیئاً من شعرہ فی عشر الاول من ذی الحجة ۲ھ

۱ھ سنن ترمذی ج۲ ص۳۰ (امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی م ۲۷۹ھ) مطبوعہ قرآن محل کراچی مطبع سعیدی سنہ ۱۳۸۰ھ (باب ماجاء فی میراث الخال)

۲ھ سنن نسائی ج۲ ص۲۰۱ (امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی م ۳۰۳ھ) مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب کراچی

وفات

حضرت عمرو بن مسلم کی تاریخ وفات کا بڑی جستجو کے باوجود بھی صحیح پتہ نہ چل سکا۔ البتہ کتب تواریخ کی ورق گردانی سے آپ کے ۱۲۰ھ تک کے حالاتِ حیات مل سکتے ہیں ——— مثلاً :- امام ابن جریر ۳۱۰ھ[1] اپنی کتاب تاریخ طبری میں "سنہ ۱۲۰ ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے واقعات" کے تحت لکھتے ہیں اس سے پہلے جعفر بن حنظلہ نے کرمانی کو معزول کر کے عمرو بن مسلم کو مرو کا حاکم مقرر کیا تھا، آگے اسی سنہ (۱۲۰ھ) کے باب میں لکھتے ہیں کہ جب یوسف بن عمر عراق و خراسان کا حاکم اعلیٰ مقرر ہوا تو اس نے چند اہم سرداروں کے نام و کوائف خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی خدمت میں لکھ بھیجے تاکہ ان میں سے کسی ایک کو خراسان کی عملداری پر مقرر کیا جائے اور اس فہرست میں عمرو بن مسلم الباہلی کا نام بھی موجود ہے۔

لیکن آپ کا، اس کے بعد کا، کوئی مصدقہ حال دستیاب نہیں ہو سکا۔ البتہ آپ کے شیخ یعلی بن عبید کی سوانح و تاریخ پیدائش کو پیش نظر رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی وفات کم از کم ۱۳۲ھ کے بعد واقع ہوئی ہوگی۔ کیونکہ یعلی بن عبید ۱۱۷ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ اور علمائے اصول نے تحصیل و سماع حدیث کے لئے لڑکے کا مراہق ہونا اور تبلیغ و ادائے حدیث کی خاطر عقل و بلوغ کی قید لگا دی ہے۔[2]

۱ھ تاریخ طبری اردو جلد ۶ ص ۲۶۱ (امام ابو جعفر محمد بن جریر ۳۱۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء

۲ھ شرح تراجم ابواب البخاری ص ۱۴۵ (علامہ قطب احمد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہم) مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی ۱۳۸۱ھ۔

پس شیخ یعلی کا آپ کو حدیث و روایت سنانا اُن (یعلی) کا سن بلوغ .....
(پندرہ سولہ برس کی عمر) کو پہنچنے کے بعد یعنی کم از کم ۱۳۲ھ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔
اِس لئے یہ ظاہر و مسلّم ہے کہ عمرو بن مسلم کی وفات ۱۳۲ھ کے بعد واقع ہوئی ہوگی
وَاللہُ تعالےٰ اعلم بالصّواب ؎

شیخ اسمٰعیل بن موسیٰ سندھی۔

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب یہ ہے شیخ اسمٰعیل بن موسیٰ بن انبت السندی الاصبہانی۔ آپ قرن دوم کے فضلائے محدثین سندھ سے ہیں۔ اصل ونسل کے اعتبار سے آپ السندی اور وطن سکونت کے لحاظ سے الاصبہانی کہلاتے ہیں لیکن آپ کی ہجرت وترک وطن کا سال وزمانہ معلوم نہیں ہو سکا۔ اور نہ آپ کے سوانح حیات وتفصیلی حالات کا کچھ تذکرہ ملا۔

شیخ اسمٰعیل کے یہ حالات وکوائف قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنے دورہ حج کے دوران ۲۲ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ کو حافظ ابونعیم اصبہانی کی کتاب تاریخ مدینۃ اصفہان کے قلمی نسخہ سے (جو کتب خانہ شیخ الاسلام مدینۃ المنورہ میں موجود تھی) نقل کر کے اپنی کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں شائع کئے ہیں۔ ؎1

شیوخ واساتذہ :-

شیخ اسمٰعیل سندھی نے علوم حدیث کی تحصیل وسماعت حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ اور امام شریک رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے کی ہے۔

اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ اسمٰعیل کو حضرت امام مالک کی عظمت وشہرت کے پیش نظر آپ سے حدیث کی تحصیل وسماعت کا بے حد

؎1 ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ ۱۹۹۶ء

شوق وشغف ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس مہم کی خاطر اصفہان سے مدینۃ النبی (صلے اللہ علیہ والہ وسلم) کا سفر اختیار کیا ہوگا۔

آخذین وتلامذہ :-

آپ کے تلامذہ ورواۃ میں شیخ عمر بن شاکر کا نام مذکور ہے۔

وفات :-

شیخ اسمٰعیل بن موسیٰ سندھی نے ۱۴۵ھ میں بمقام کوفہ وفات پائی۔[1] اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ آخر عمر میں کوفہ میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۲۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۷ء

فخرِ سندھ امام اوزاعیؒ رحمۃ اللہ علیہ

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابوعمرو اور نام ونسب ہے امام عبدالرحمن بن عمرو بن یحمد الاوزاعی الدمشقی السندی[1] اور شیخ الاسلام آپ کا لقب ہے۔
لیکن امام ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی م ۷۴۸ھ نے یحمد کے بدلے محمد لکھا ہے[1] اور وہ اس روایت میں تنہا ہیں۔ باقی مورخین نے بالاتفاق یحمد لکھا ہے۔
مثلاً :- امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی[2]، حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ[3]، ڈاکٹر محمد اسحٰق[4]، قاضی ابوالمعالی اطہر علی مبارکپوری[5] اور حافظ احمد علی سہارنپوری[6] وغیرہم۔

امام اوزاعیؒ سندی النسل تھے

تذکرہ نویسوں نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ امام اوزاعی کا خاندان خاک سندھ سے تھا۔ آپ کا دادا یحمد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوران خلافت جنگی قیدیوں کی جماعت میں عربستان لے جایا گیا تھا۔ ڈاکٹر محمد اسحاق لکھتے ہیں کہ[7]
ظاہر ہوتا ہے کہ یحمد عربوں کے ہاتھ میں ان کے حملہ ہند کے دوران خلافت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گرفتار ہوا تھا۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۶۸ (امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ
[2] تاریخ بغداد ج۱۳ ص۳۲۰ (امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء
[3] تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۳۸ (حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن
[4] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۰۰ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ یونیورسٹی آف ڈھاکہ ۱۹۵۵ء
[5] رجال السند والہند ص۱۷۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ہند ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء
[6] حاشیہ صحیح بخاری ج۱ ص۱۴ (حافظ احمد علی سہارنپوری المحشی صحیح بخاری) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۸ء
[7] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۰۰ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ یونیورسٹی آف ڈھاکہ ۱۹۵۵ء۔

یہ کنبہ یا تو مسلمانوں کے اس حملے میں گرفتار ہو کر لے جایا گیا تھا جو خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کے دوران ۱۵ھ میں بمبئی کے قریبی سمندری چوکی "تھانہ" اور "بھڑوچ" پر بولا گیا تھا۔ اور یہ اسلامی حکومت کا ہند پر سب سے پہلا حملہ تھا[۱] یا اس مہم میں یہ لوگ قیدی بنائے گئے تھے جو خلیفہ موصوف کی خلافت کے آخری سالوں میں ۲۳ھ کو واقع ہوئی تھی۔ جس میں کافی سندھی قیدی بنا کر عربستان لے جائے گئے تھے۔ جہاں یہ لوگ مسلمان ہو کر عرب کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے تھے[۲]

عربستان پہنچنے کے بعد امام اوزاعی کا خاندان شام میں سکونت پذیر ہوا۔ اور آپ شام کے مشہور شہر "بعلبک" میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر محمد اسحاق لکھتے ہیں،

"ہند کے جنگی قیدیوں کی اولاد سے عبد الرحمٰن بن عمرو بن یحمد جو کہ "الاوزاعی" مشہور ہیں ایک لافانی شہرت حاصل کی۔ بعلبک میں ۸۸ھ/۷۰۶ء میں پیدا ہوئے۔[۳]

اصل انگریزی عبارت دیکھو

آپ کا نام نامی ابتداءً عبد العزیز تھا جو خود انہوں نے بدلوا کر عبد الرحمٰن رکھا۔ اور "اوزاعی" اس لئے بولا جاتا ہے کہ وہ اکثر دمشق کے قریبی قبیلہ "اوزاع" میں آمد و رفت رکھتے تھے۔

حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی نے اس کی تشریح و توضیح میں امام ابو زرعہ محدث دمشقی (م ۲۸۱ھ) کا قول پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "قال ابو زرعۃ الدمشقی کان اسم الاوزاعی عبد العزیز فسمی نفسہٗ عبد الرحمٰن وکان اصلہٗ من سباء السند وکان ینزل الاوزاع فغلب ذالک علیہ"[۴]

۱ھ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۲۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء
فتوح البلدان ص۴۳۰ (علامہ ابو العباس احمد بن یحیی البلاذری م ۲۷۹ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۲ء طبع دوم مترجم سید ابو الخیر مودودی
انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۰۱ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ یونیورسٹی آف ڈھاکہ ۱۹۵۵ء

۲ھ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً بحوالہ تاریخ طبری جلد ۵ ص۲۸۶

۳ھ Reverty notes on Afghanistan & Baluchistan page 568 (London, 1888).
انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۰۰ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی۔

۴ھ تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۲۳۸ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ

ترجمہ:- امام ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں کہ امام اوزاعی کا نام عبدالعزیز تھا۔ پس انہوں نے اپنا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ اور ان کا اصل سندھ کے جنگی قیدیوں سے تھا۔ اور وہ اکثر اوزاع قبیلے میں آیا کرتے تھے۔ لھذا یہ (نسبتی نام "اوزاعی") ان پر غالب آگیا۔

اسی طرح امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی (۷۴۸ھ) نے بھی آپ کے سندی النسل ہونے کی تصریح کی ہے۔ لکھتے ہیں، "سکن فی اخر عمرہ بیروت مرابطا وبھا توفی واصلہ من سبئ السندل[1]" یعنی (اوزاعی) اپنی آخر عمر میں بیروت میں رہائش پذیر ہو گئے نگہبان ہوکر اور وہاں وفات پائی۔ اور وہ نسلاً سندھی قیدیوں سے تھے۔

اسی بناء پر رجال سندھ کے مورخین و مصنفین نے آپ کو محدثین وائمہ سندھ کا سرگروہ بنایا ہے مثلاً...... قاضی اطہر مبارکپوری، مولانا دین محمد وفائی، ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی، مخدوم امیر احمد العباسی، مولانا محمد اسحاق بھٹی اور مولانا عبدالحی الحسینی وغیرہم

علامہ صفی الدین خلاصۃ تہذیب الکمال میں لکھتے ہیں، "قال ابوزرعۃ اصلہ من سبی السند[2]" لیکن آگے اس کے خلاف قلم اٹھا رہے ہیں۔ لکھتے ہیں، "ولی جنب ھذین القولین عدۃ اقوال الاخباریین والنسابین لیظھر منھا ان اصل الامام الاوزاعی لیس بسندی[3]" ترجمہ:- ان دونوں قولوں (امام ذہبی اور امام ابوزرعہ) کے مقابلے میں علمائے اخبار وانساب کے کئی اقوال ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام.... امام اوزاعی اصل میں سندھی نہیں ہیں۔

لیکن کسی مورخ کا کوئی ایسا صریح قول نہیں ملتا جو امام اوزاعی کے سندی النسل نہ ہونے پر واضح دلیل ہو۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ انہوں نے اپنے اقوال میں سندھ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۶۸ (امام ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ۔

[2] رجال السند والہند ص۱۲۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی (ہند) ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء

[3] بحوالہ علامہ صفی الدین خلاصۃ تہذیب الکمال۔

چنانچہ حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ نے چند ایک ایسے اقوال کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "قال الحاکم ابو احمد فی الکنیٰ 'الاوزاعی من حمیر'"[1]
یعنی امام حاکم ابو احمد نے "الکنیٰ" میں کہا ہے کہ امام اوزاعی حمیر سے ہیں۔
پھر لکھتے ہیں "وقد قیل ان الاوزاع قریۃ بدمشق"[2] یعنی کہا جاتا ہے کہ "اوزاع" دمشق میں ایک قریہ ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں "وعرضت ھذا القول علی احمد بن عمیر فلم یرضہ وقال انما قیل الاوزاعی لانہ من اوزاع القبائل"[3] ترجمہ: اور میں نے یہ قول شیخ احمد بن عمیر کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اسے ناپسند کیا۔ اور کہا کہ 'اوزاعی' اس لئے کہا گیا کہ وہ متفرق قبائل سے تھے۔
حافظ ابن حجر نے آگے ایک اور قول بیان کیا ہے جسے تقریباً سارے مورخین ترجیح کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لکھا ہے، "وقال ابو سلیمان بن زبر ھو اسم وقع علی موضع مشھور بدمشق یعرف بالاوزاع سکنہ فی صدر الاسلام بقایا من قبائل شتیٰ"[4] ترجمہ: اور شیخ ابو سلیمان بن زبر کہتے ہیں یہ ایک نام ہے جو دمشق میں ایک مشہور موضع پر پڑ گیا۔ جو "الاوزاع" سے معروف ہے۔ جہاں اسلام کے صدر زمانے میں متفرق قبائل کے پسماندے سکونت پذیر ہو گئے۔
ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر لکھتے ہیں، "ان کی نسبت الاوزاعی نے مختلف مفہوم پیدا کئے ہیں۔ علما، کا ایک گروہ بشمول ابن سعد (م ۲۳۰ھ/۸۴۴ء) اس خیال پر ہے کہ یہ (الاوزاعی) ہمدان کے ذیلی قبیلہ "اوزاع" سے ماخوذ ہے۔ یا ہمیار کا ذیلی قبیلہ ہے۔ یا "اوزاع" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "مختلف قبائل"۔"[5]

---

[1] [2] [3] [4] } ۔ تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۲۳۸ (حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ

[5] طبقات ابن سعد جلد ۷ حصہ ۲ صفحہ ۱۸۵ (علامہ ابو عبداللہ محمد بن سعد الکاتب المتوفی ۲۳۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی سنہ ۱۹۷۱ء طبع دوم
مترجم علامہ راغب رحمانی۔

ڈاکٹر موصوف نے آخر میں زعمائے مورخین و فضلائے مصنفین کا ایک متفق علیہ و راجح قول کا تذکرہ کیا ہے۔ جسے ہر لحاظ سے استناد و اعتماد حاصل ہے۔ لکھتے ہیں،
" مصنفین کے مطابق " اوزاع " (اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ اوزاع قبیلہ وہاں آباد ہوا) دمشق میں " باب الفرادیس " کے بالمقابل ایک گاؤں تھا۔ جہاں عبدالرحمٰن نے ہجرت کی اور اس کے مطابق " الاوزاعی " کہلائے۔ یعنی " اوزاع " کا باشندہ ؎۱
پھر انہوں نے اس قول کی ترجیح کی توجیہ بیان فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں، " اب یہ آخری رائے معقول و موزوں نظر آتی ہے۔ کیونکہ 'اوزاعی' پیدا ہوئے اور پھلے پھولے بعلبک میں اور ان کا تعلق " اوزاع " سے محض ان کی ہجرت کے بعد مقیم ہوا۔ اس لئے بدیہۃ النظر میں عبدالرحمٰن " اوزاع " گاؤں سے متعلق تھا نہ کہ اس نام کے قبیلے سے ؎۲ "۔
یعنی امام عبدالرحمن بن عمرو کو اس سے نہیں کہا جاتا کہ وہ " اوزاع " قوم تھے۔ بلکہ انہیں " اوزاعی " اس لئے کہتے ہیں کہ وہ " اوزاع " گاؤں میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ لیکن قومیت و نسل کے اعتبار سے وہ سندھی ہیں۔
چنانچہ ڈاکٹر موصوف ان بیانات کے بعد امام ابوزرعہ محدث دمشق (م ۲۸۱ھ) کے قول کو اس دور اہے کا بلند و مشعل رہنما قرار دے کر لکھتے ہیں، " تاہم یہ معمہ اپنی اصلیت جتلانے کے باوجود امام ابوزرعہ المحدث الدمشقی سے حل کیا گیا جو فرماتے ہیں، " کان اسم الاوزاعی عبد العزیز فسمّی نفسہ عبد الرحمٰن و کان اصلہ من سباء السند و کان ینزل الاوزاع فغلب ذالک علیہ ؎۳ "

؎۱ انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۰۰ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

؎۲ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

؎۳ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً
تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۳۶ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ

ترجمہ :- امام اوزاعی کا نام عبد العزیز تھا - پھر انہوں نے اپنا نام عبد الرحمٰن رکھا - اور ان کا اصل سندھ کے قیدیوں سے تھا[۱] - اور وہ "اوزاع" گاؤں میں آیا کرتے تھے - پس یہ (نسبتی نام الاوزاعی) ان پر غالب آگیا[۱]

پس چونکہ امام ابوزرعہ ایک جلیل القدر امامِ حدیث اور ثقہ راوی ہیں - لھذا جو اعتماد ان کی رَوایات کو حاصِل ہے وہ اور کسی کے قول کو حاصل نہیں -

دوم یہ کہ امام ابوزرعہ خود دمشق (شام) کے اصل باشندہ تھے لہذا شام کے محدثین ورجال کے کوائف وحالات سے جس قدر وہ واقف تھے اور کوئی نہیں ہوسکتا -

مزید براں یہ کہ امام ابوزرعہ (۲۸۱ھ) امام اوزاعی (۱۵۷ھ) کے قریب العصر تھے یعنی ان کے درمیان ایک صدی کا فرق ہے اس لئے دوسروں کی نسبت امام اوزاعی کے حالات وسوانح حیات اور قومیت وشہریت کا صحیح علم امام ابوزرعہ ہی کو ہوسکتا ہے -

انہی وجوہات کے باعث امام ذہبی، امام حافظ ابن الحجر وغیرہ نے امام ابوزرعہ دمشقی کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے امام اوزاعی کو سندی النسل قرار دیا ہے -

چنانچہ ڈاکٹر محمد اسحاق اسی استدلال کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں،

"ابوزرعہ کا بیان وزن دار اور صحیح ہے کیونکہ وہ (ابوزرعہ) اسی شہر 'دمشق' کے باشندہ تھے - جہاں اوزاعی ایک صدی قبل پھلے پھولے تھے - وہ (ابوزرعہ) اس طرح توقع ہے کہ اوزاعی کے بارے میں گہری اور صحیح معلومات رکھتے ہونگے"[۲]

آگے ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں، "غالباً اس وجہ سے کہ (امام ابوزرعہ) دمشق کے باشندہ تھے اور امام اوزاعی کے صحیح حالات کا انہیں زیادہ علم تھا) بڑے بڑے محدث ومورخ امام ذہبی

---

۱ انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۰۰ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

۲ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۸ حیدر آباد) کا قول: "اصلہ من سبی السند" اور علامہ عینی (عمدۃ القاری [شرح صحیح بخاری] ج ۱ ص ۴۶۵) کا "اصلہ من سبی السند" ابوزرعہ کی تصدیق کر رہے ہیں"۔ ۱ے

تحصیلِ علوم

امام اوزاعی، چونکہ صغرِ سنی میں سایہ عاطفتِ پدری سے محروم ہو گئے تھے لہٰذا ان کی تعلیم و تربیت کا سارا بوجھ ان کی بزرگوار والدہ کو اٹھانا پڑا۔ ۱ے
ادھر قدرت نے انہیں فطرۃً ایک حیرت انگیز ذہن و ذکاوت کی دولت سے مالا مال کر رکھا تھا بہت چھوٹی عمر میں علوم اسلامی قرآن وحدیث اور فقہ میں اعلےٰ مہارت حاصل کی۔ یہاں تک کہ تیرہ سال کی عمر میں افتاء وقضاء میں بے مثال صلاحیتوں کے مالک بننے اور ا(پنی)
خداداد اہلیت ولیاقت کی بدولت حل مسائل وفصل خصومات کے لئے منتخب کیا گیا ۲ے

اس طرح چند عرصہ افتاء وقضاء اور خدمتِ شریعت میں مشغول و مصروف رہے۔ لیکن...
انہیں اس کمال بے مثال کے باوجود بھی اپنا استعدادِ فطری وقوتِ طبعی کے وسیع میدان کے سامنے اپنا ذخیرۂ علم وفن محدود نظر آیا۔ لہٰذا انہیں مزید تحصیلِ علوم کا شوق وذوق دن رات دامن گیر رہتا تھا۔ چنانچہ اس مہم کی خاطر (امام اوزاعی) راہ سفر اختیار کر کے بصرہ پہنچے تاکہ امام حسن البصری (م ۱۱۰ھ) سے علومِ حدیث کی تحصیل وتکمیل کریں۔ لیکن سوءِ اتفاق کہ ان کے پہنچنے سے چالیس دن پہلے امام موصوف رحلت کر چکے تھے۔ لہٰذا وہ امام وقتِ راس التابعین امام محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے روایات لیں۔

۱ے انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۰۱ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء
شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۴۲ (علامہ عبدالحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ حیدر آباد دکن۔

۲ے انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۰۱ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

بعض مترجموں نے اس سلسلے میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ امام اوزاعی نے امام محمد بن سیرین سے حدیث کی سماعت نہیں کی ہے۔ لیکن آپ نے ان سے روایت اخذ کی ہے۔ حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) امام ابو حاتم محمد بن حبان کا یہ بیان ذکر کرتے ہیں، "وقد روی عن ابن سیرین نسخۃ ولم یسمع الاوزاعی من ابن سیرین شیئاً"[۱] ترجمہ:- اور روایت کی (امام اوزاعی نے) ابن سیرین سے ایک نسخہ اور سماعت نہیں کی امام اوزاعی نے ابن سیرین سے کوئی شیٔ۔

پھر انہوں نے امام اوزاعی کا اپنا بیان بطور حجت پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "ثم روی عن الولید عن الاوزاعی قال قدمت البصرۃ بعد موت الحسن بنحو من اربعین یوماً فدخلت علی محمد بن سیرین واشترط علینا ان لا نجلس فسلمنا علیہ قیاماً۔"[۲] ترجمہ:- پھر روایت کی (امام ابن حبان نے) ولید سے (انہوں نے) امام اوزاعی سے۔ کہا (امام اوزاعی نے) کہ میں بصرہ گیا تقریباً چالیس دن امام حسن بصری کی موت کے بعد۔ پس میں امام محمد بن سیرین کے پاس پہنچا۔ انہوں ہم پر یہ شرط عائد کی کہ ہم بیٹھیں گے نہیں۔ لھذا ہم نے کھڑے کھڑے ان سے علیک سلیک کیا۔[۳]

اس عبارت کے نظم بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اوزاعی نے امام محمد بن سیرین سے کچھ اخذ نہیں کیا۔ لیکن اوپر کی عبارت "وقد روی عن ابن سیرین نسخۃ" سے صاف الفاظ میں روایت لینے کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ اس کی تائید امام ذہبی کے قول "ورای محمد بن سیرین ویقال انہ سمع منہ"[۴] (امام اوزاعی نے) امام محمد بن سیرین کو دیکھا اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ان (محمد بن سیرین) سے سنا"

مزید براں فہرست شیوخ بھی اس بات کی تائید کرتی ہے کہ امام اوزاعی نے امام محمد بن سیرین سے روایت لی ہے۔[۵]

۱۔ ۲۔ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۳۸ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ

۴۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۸ (علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی) مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ

۵۔ رجال السند والہند ص ۱۱۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۸ء / ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء

اب ان متضاد بیانات و روایات کی تطبیق اس طرح سے کی جا سکتی ہے کہ یہ مانا جائے کہ امام اوزاعی کی محمد بن سیرین سے ان کے کسی تحریر شدہ مجموعہ کی روایت اجازتاً ثابت ہے۔ چنانچہ امام ابو حاتم محمد بن حبّان کا قول "وقد روی عن ابن سیرین نسخۃ" اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور سماعت کو مجازاً روایت پر محمول کیا جائے۔ اور نفی سماعت کے قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کیا جائے کہ سماع حقیقتہً بلا واسطہ ثابت نہیں۔

شیوخ واساتذہ

ارباب تراجم نے امام اوزاعی کے شیوخ واساتذہ میں سے چند ایک کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی لکھتے ہیں

"روی عن اسحٰق بن ابی لبابۃ وعطاء بن ابی رباح وقتادۃ وابی النجاشی وعطاء بن صہیب ونافع مولیٰ ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ومحمد بن ابراہیم التیمی ومحمد بن سیرین والمطلب بن عبد اللہ بن حنطب ویحیٰی بن سعید الانصاری ویحیٰی بن ابی کثیر وابی عبید... المذحجی وابی کثیر السحیمی وسلمان بن حبیب المحاربی وحسان بن عطیۃ وربیعۃ بن ابی عبد الرحمٰن وعبد الرحمٰن بن القاسم بن محمد وعمرو بن زمات والولید بن ہشام المعیطی ویزید بن ابی زید بن جابر وخلق من اقرانہ وغیرھم"[1] ترجمہ:- (امام اوزاعی نے) شیخ اسحاق بن ابی لبابہ، عطا بن ابی رباح، قتادہ بن دعامہ، ابی النجاشی، عطا بن صہیب، نافع (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آزاد کردہ غلام)، محمد بن ابراہیم تیمی، امام محمد بن سیرین، مطلب بن عبد اللہ بن حنطب، یحیٰی بن سعید انصاری، یحیٰی بن ابی کثیر، ابی عبید مذحجی، ابی کثیر سحیمی، سلمان بن حبیب المحاربی، حسان بن عطیہ، ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن، عبد الرحمٰن بن قاسم

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۳۷ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ

بن محمد، عمرو بن زبانت، ولید بن ہشام المعطی، یزید بن یزید بن جابر اور اپنے قرن و
زمانے کے لوگوں سے حدیث کی روایت کی ہے۔

آخذین و تلامذہ

امام اوزاعی کے تلامذہ کے اسماء گرامی پر نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ علوم حدیث
کے بہت بڑے امام و ثقہ راوی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ و رواۃ کی فہرست
میں ائمہ مذاہب، حفاظ حدیث اور امت کے عظیم الشان علماء، وزعماء شامل ہیں۔
مثلاً:- امام مالک بن انس (م ۱۹۹ھ)، امام سفیان بن سعید ثوری (م ۱۶۱ھ)، امام
عبداللہ بن مبارک مروزی (م ۱۸۱ھ)، امام محمد بن الحسن شیبانی (م ۱۸۹ھ)، امام شعبہ بن
الحجاج، ابن ابی الزناد، عبدالرزاق بن ہمام، بشر بن بکر، محمد بن حرب، ہقل بن
زیاد، یحیی بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) شعیب بن اسحاق، ابو حمزۃ المدنی، حمزہ بن
ربیعہ، اسمٰعیل بن عبداللہ بن سماعہ، ابو اسحٰق الفزاری، اسمٰعیل بن عیاش
، عبداللہ بن کثیر الدمشقی القاری، عبداللہ بن نمیر، عمر بن ابی سلمہ، مبشر بن اسمٰعیل
، محمد بن شعیب بن شابور، محمد بن مصعب، مخلد بن یزید، ہشیم بن حمید، ولید بن مسلم
ولید بن یزید العذری، یحیی بن حمزہ الحضرمی، یزید بن السمط، یحیی بن عبداللہ بن الضحاک
البابلی، موسیٰ بن اعین الجزری، عیسیٰ بن یونس، عمر بن عبدالواحد السلمی، عبدالحمید
بن حبیب، ابو عاصم النبیل، محمد بن یوسف الفریابی، مغیرۃ الخولانی، عبیداللہ بن
موسیٰ العبسی اور محمد بن کثیر المصیصی وغیرہم بے حساب و بے شمار لوگوں نے آپ سے
تحصیل و سماعت حدیث کی ہے۔[1]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۳۸ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ
حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ

امام زہری

امام اوزاعی سے اساتذہ کا استفادہ

امام اوزاعی کے وفورِ علم اور ثقاہت و وجاہت کے باعث آپ کے شیوخ و اساتذہ نے بھی آپ سے تحصیل کی ہے۔ حافظ ابن الحجر احمد بن علی العسقلانی م ۸۵۲ھ لکھتے ہیں،

"وروی عنہ من شیوخہ الزھری ویحیی بن ابی کثیر وقتادۃ وغیرھم"[ھ ۱]

ترجمہ:- اور روایت کی ان سے ان کے اساتذہ میں سے امام محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ)، امام یحیٰ بن ابی کثیر، حضرت قتادہ بن دعامہ وغیرہم۔

حافظ ابن حجر آگے لکھتے ہیں، "وقال عمر بن عبد الواحد عن الاوزاعی، دفع الی یحیی بن ابی کثیر صحیفۃ فقال ارو ھا عنی ودفع الی الزھری صحیفۃ فقال اروھا عنی"[ھ ۲] ترجمہ:- شیخ عمر بن الواحد امام اوزاعی کے متعلق کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک صحیفہ یحیٰ بن ابی کثیر کو دے کر کہا کہ اسے مجھ سے روایت کیجئے۔ اور ایک صحیفہ امام زہری کو دے کر کہا کہ اسے مجھ سے روایت کیجئے۔

امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ لکھتے ہیں، "حدث عنہ یحیی بن ابی کثیر وعبد اللہ بن المبارک والمتقدمون من اصحابہ کھقل وبقیۃ والولید وغیرھم"[ھ ۳] ترجمہ: ان سے (امام اوزاعی سے) یحیٰ بن ابی کثیر، عبد اللہ بن المبارک اور ان کے تلامذہ سے متقدمین رواۃ نے مثلاً ہقل بن زیاد، بقیہ اور ولید بن مسلم وغیرہم نے روایت کی ہے۔

علاوہ ازیں سینکڑوں شائقین علماء و فضلاء، اور عوام و خواص حتیٰ کہ خلیفہ.... المنصور العباسی (م ۱۵۸ھ) بھی بذاتِ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے حلقۂ تدریس و تحدیث میں شامل ہوا کرتے[ھ ۴]

ھ ۱ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۳۸ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدر آباد ۱۳۲۶ھ

ھ ۲ ایضاً ایضاً ص ۲۴۱ ایضاً ایضاً ایضاً

ھ ۳ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۴۴ (حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء

ھ ۴ تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۹ (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۵۰ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۹۷۴ء

امامِ اعظمؒ کا آپ سے استفادہ

مزید براں امت مرحومہ کے سب سے بڑے امام حضرت ابو حنیفہؒ النعمان بن ثابت (م ۱۵۰ھ) نے بھی آپ سے حدیث کی سماعت کی ہے۔ پروفیسر خورشید حسین البخاری لکھتے ہیں، "امام ابو حنیفہؒ نے شام کے امام المذہب امام اوزاعی اور مکحول الشامی سے حدیث کی سند لی"۔ [۱] مولانا شبلیؒ نعمانی اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں، "امام اوزاعی اور مکحول شامی کہ شام کے امام المذہب تھے امام ابو حنیفہؒ نے مکہ ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی"۔ [۲]

اسی طرح امام محمد بن الحسن الشیبانی (م ۱۸۹ھ) اور امام عبد اللہؒ بن المبارک (م ۱۸۱ھ) جیسے ائمہ حدیث و فقہ نے بھی آپ سے حدیث کی تحصیل کی ہے۔ [۳]

---

[۱] ریاض التاریخ ص ۲۲۴ (پروفیسر خورشید حسین البخاری) مطبوعہ سلطان آرٹ پریس لاہور ۱۹۶۹ء۔

[۲] سیرت نعمان ج ۱ ص ۵۲ (مولانا علامہ شبلی نعمانی) مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۲ء۔

[۳] (الف) الامام الصادق و المذاہب الاربعہ ص ۳۲۵ (علامہ اسد حیدر نجف عراق) مطبوعہ مکتبہ تعمیر ادب لاہور طبع دوم ۱۹۷۶ء
(ب) سیرت نعمان ج ۱ ص ۵۲ (علامہ شبلی نعمانیؒ) مطبوعہ سنگ میل لاہور

٭ جرح و تعدیل اور مقامِ اوزاعیؒ۔

امام اوزاعیؒ کا مقام اس بات سے بہت بلند ہے کہ ان پر کوئی نقاد جرح و تنقید کا قلم اٹھا کر ان کی روایات کو مجروح قرار دے سکے۔ تاہم ایک آدھ فقرہ جرح کا ہمیں نظر آرہا ہے۔ حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی نے آپ کے بارے میں امام احمد بن محمد بن حنبل کا ایسا ایک تبصرہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "وقال ابراھیم الحربی سألت احمد بن حنبل عن الاوزاعی فقال حدیثہ ضعیف۔ قال البیھقی انا بذالک الحاکم انا ابوبکر الشافعی ثنا الحربی۔"[۱] ترجمہ:۔ شیخ ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے امام اوزاعیؒ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا ان کی حدیث ضعیف ہے۔ امام ابوبکر احمد بن الحسن البیھقی (م ۴۵۸ھ) کہتے ہیں ہمیں امام محمد بن عبداللہ النیشاپوری الحاکم (م ۴۰۵ھ) نے اس کی خبر دی انہیں ابوبکر الشافعی نے اور انہیں یہ بات شیخ ابراہیم الحربی نے بتائی۔

تعدیل:۔

لیکن اگر عبارت مذکورہ "حدیثہ ضعیف" کی ترکیب کلام میں غور و خوض کیا جائے تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ امام اوزاعیؒ کی ذات گرامی ہدف جرح نہیں۔ بلکہ مقصودِ مضمون یہ ہے کہ ان کی حدیث میں ضعف ہے۔

حافظ ابن الحجر العسقلانی نے امام بیہقی کا اس جرح پر یہ تبصرہ لکھا ہے، "قال البیھقی یرید احمد بذالک بعض ما یحتج بہ لا انہ ضعیف فی الروایۃ والاوزاعی امام فی نفسہ ثقۃ لکنہ یحتج فی بعض مسائلہ باحادیث من لم یقف علی حالہ ثم یحتج بالمقاطیع۔"[۲]

[۱] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۴۲ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی ابن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ

[۲] ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً ایضاً ایضاً۔

ترجمہ:- امام بیہقی کہتے ہیں کہ امام احمد کی اس سے امام اوزاعی کی محض چند حدیثیں مراد ہیں جن سے وہ حجت لیتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ خود روایت میں زیادہ ضعیف ہیں۔ حالانکہ اوزاعی بذاتِ خود امامِ حدیث اور ثقہ ہیں۔ لیکن وہ اپنے بعض مسائل میں ایسے لوگوں کی حدیثوں سے حجت لیتے ہیں کہ وہ ان کے حالات سے واقف نہیں۔ پھر یہ کہ وہ منقطع احادیث سے حجت لیتے ہیں

المجتہد فی الشرع وامام المذہب

امام اوزاعی امام المذہب ومجتہد فی الشرع تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں علوم شریعت وفتویٰ میں بڑی مہارت وکمال کے مالک بنے۔ اور عوام وخواص نے آپ کی خداداد قابلیت وعلمی صلاحیتوں کے باعث اپنے معاملات ومقدمات میں ... آپ کی طرف رجوع کر رکھا تھا۔ شیخ ابو اسحٰق نے "طبقات" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ امام عبد الحی بن العماد الحنبلی نے یہ روایت بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں:
"ان الاوزاعی سئل عن الفقہ یعنی استفتی ولہ ثلث عشرۃ سنۃ"[۱]
یعنی امام اوزاعی مسائل دین میں پوچھے گئے یعنی آپ سے فتوے مانگے گئے حالانکہ آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔

پھر جب آپ نے حرمین شریفین کے فقہائے عظام ومحدثین کرام اور تابعین علام سے علوم اسلامی میں اعلیٰ تعلیم وتفقہ فی الدین حاصل کیا تو اصول دین وقوانین شرع متین کے لئے خود اجتہاد کا علم اٹھایا۔ اور سرزمین شام میں ایک مجتہد مطلق ومجتہد فی الشرع کی حیثیت سے اپنا ایک مستقل مذہب قائم کیا۔ پروفیسر عبد الغنی قادری آپ کے تعارف میں لکھتے ہیں، "آپ مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع تھے"[۲]
حافظ ابن الحجر العسقلانی امام ابو زرعہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں "والیہ فتویٰ الفقہ لاہل الشام لفضلہ فیہم وکثرۃ روایتہ" ترجمہ:- اہل شام کے فتوے امام اوزاعی کی طرف رجوع کرتے آپ کے ان میں افضل ورتبہ اور کثرت روایت کے باعث۔[۳]

۱۔ شذرات الذہب ج۱ ص۲۴۱ (علامہ عبد الحی بن العماد الحنبلی م۱۰۸۹ھ) مطبوعہ المکتبۃ القدسی الازہر مصر ۱۳۵۱ھ

۲۔ ریاض الفقہ ص۲۲۴ (پروفیسر عبد الغنی القادری) مطبوعہ تاج بک ڈپو اردو بازار لاہور ۱۹۶۹ء۔

۳۔ تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۳۹ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ۔

کثیر الروایت ہونے کے ساتھ ساتھ امام اوزاعی اپنے وفور علم وفن کی بدولت کثیر... الاجتہاد بھی تھے۔ علامہ عبدالحی بن العماد الحنبلی آپ کے ایک جلیل القدر شاگرد و ثقہ راوی شیخ ولید بن مسلم کا آپ کے بارے میں یہ بیان قلم بند کیا ہے، " ما رئیت اکثر اجتہادا فی العبادۃ من الاوزاعی " [۱] ترجمہ:۔ میں نے عبادت میں اوزاعی سے بڑھ کر کوئی اجتہاد کرنے والا نہیں دیکھا۔

آپ کا دائرہ اجتہاد یہاں تک وسیع ہو گیا تھا کہ آپ نے ستر اسی ہزار احکام دین میں اپنے اصول و مذہب کے مطابق مسائل کا استخراج کیا تھا۔

علامہ عبدالحی بن العماد الحنبلی لکھتے ہیں " قال النووی فی شرح المہذب فی باب الحیض واما الاوزاعی فھو ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو من کبار تابعی التابعین وائمتھم البارعین کان امام اھل الشام فی زمنہ افتی فی سبعین الف مسئلۃ وقیل ثمانین الفا " [۲] ترجمہ:۔ امام نووی نے شرح المہذب کے باب الحیض میں کہا ہے کہ اوزاعی! پس وہ ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو ہیں جو کبار تبع تابعین و ائمہ صالحین سے ہیں۔ اپنے زمانے میں اہل شام کے امام تھے۔ ستر ہزار مسائل میں فتویٰ دیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ اسی ہزار میں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، " قال النسائی فی الکنی ابوعمرو الاوزاعی امام اھل الشام وفقیھھم " [۳] ترجمہ:۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی نے (اپنی تصنیف) الکنی میں کہا ہے کہ ابوعمرو اوزاعی اہل شام کے امام و علامہ شریعت ہیں۔

امام اوزاعی کا مذہب اندلس تک پھیل گیا تھا۔ اور ۲۵۶ھ تک اس کے زور و شور سے جاری رہا۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں، " وقال ابوعبدالملک القرطبی فی تاریخہ کانت

۱؎ شذرات الذہب ج۱ ص۲۴۱ (علامہ عبدالحی بن العماد الحنبلی ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ المکتبۃ التجاری القاہرہ مصر ۱۳۵۰ھ

۲؎ ایضاً ص۲۴۲ ایضاً

۳؎ تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۴۱ (حافظ ابن حجر احمد بن علی العسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ۔

عبادت
اصل عبارت
پر نظر دیکھا جائے

الفتيا تدور بالاندلس على رای الاوزاعی الی زمن الحکم بن هشام المتوفی ۲۵۶ھ

ترجمہ:- ابو عبدالملک القرطبی نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ اندلس میں فتوے حکم بن ہشام متوفی ۲۵۶ھ کے زمانے تک امام اوزاعی کی رائے پر چلتے تھے [۱]

لیکن شام میں آپ کا مذہب چوتھی صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) تک اپنے عروج پر رہا - اس کے بعد حنفیت و مالکیت کی تیز رفتاری اور عالم گیری اس پر نہایت تیزی سے اثر انداز ہو گئی - اور یہ مذہب منہدم ہوتا گیا - بالآخر پانچویں صدی ہجری میں بالکل ختم ہو کر رہ گیا [۲]

حقیقت میں اوزاعی اپنے عصر و دہر میں اونچے درجے کے پیشوائے دین و امام شریعت تھے - یہاں تک کہ امت کے ایک بڑے امام حضرت مالک بن انس نے خود آپ کی امامت کی ترجیح کا اظہار فرمایا ہے [۳]

علمائے امت آپ کو دنیا بھر کا علامہ و امام مانتے تھے - قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں "قال الحکم الاوزاعی امام عصرہ عموماً و امام اہل الشام خصوصاً" ترجمہ:- شیخ حکم کہتے ہیں - اوزاعی اپنے وقت کے بالعموم (یعنی دنیا بھر کے لئے) امام ہیں اور اہل شام کے لئے خاص طور پر - اسی طرح امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی لکھتے ہیں "قال اسمٰعیل بن عیاش سمعتہم یقولون سنۃ اربعین ومأۃ الاوزاعی الیوم عالم الامۃ" [۴]

یعنی اسمٰعیل بن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے ۱۴۰ھ ایک سو چالیس ہجری میں سنا کہ کہتے تھے آج کل امام اوزاعی پوری امت کے عالم ہیں -

اسی طرح علمائے متقدمین و فضلائے متاخرین سب آپ کی مدح سرائی میں رطب اللسان نظر آ رہے ہیں - یہاں تک کہ بعضے آپ کو پوری امت کی پیشوائی و خلافت کے لئے بھی موزون و مناسب شخصیت قرار دیتے ہیں - مثلاً امام عبداللہ بن المبارک المروزی، شیخ ابو اسحٰق الفزاری وغیرہ - [۵]

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۴۲ (حافظ ابوالفضل احمد بن علی ابن الحجر العسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف نظامیہ حیدرآباد

[۲] ریاض الفقہ ص ۲۰۵ (پروفیسر عبدالغنی) مطبوعہ تاج بک ڈپو اردو بازار لاہور - [illegible]

[۳] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۴۱ (حافظ ابن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف نظامیہ حیدرآباد دکن [illegible]

[۴] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۹ (امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن -

[۵] ایضاً - ایضاً

تصانیف و تالیفات :-

امام اوزاعی جہاں مجتہد فی الشرع اور امام مذہب تھے ۔ وہاں آپ ایک عظیم مصنف و مدون علوم بھی تھے قاضی ظہور الحسن آپ کی دینی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں
" آپ اعلے درجے کے مصنف ہیں ۔ حدیث کی ضخیم کتابیں تالیف کیں[1] "
قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کی گراں مایہ تصنیفی خدمات کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے ۔ " وللاوزاعی فی علم الحدیث مدونات جمع فیها الحدیث الصحیح و آثار الصحابة والتابعین ومن سمع منهم واستخرج الاحکام الشرعیة علی مذهب انفرد به وکتابه هذا یوجد منه نسخة خطیة فی مکتبة جامع القرومیین .... لا ثانی لها فی سائر المکاتب المعتنیة بجمیع الکتب فی سائر المدن والعواجم وهی فی جلد ضخیم بخط دقیق جدا لو استنسخ بخط عادی لبلغ حجمه اربع مجلدات ۔ قاله الشیخ العلامة محمد العربی العروزی امین الفتوی فی الجمهوریة اللبنانیة فی کتابه " اتحاف ذوی العنایة " وایضا للاوزاعی من الکتب کتاب السنن فی الفقه وکتاب المسایل فی الفقه "[2] ترجمہ :- امام اوزاعی کی علم حدیث میں ایسی تصانیف ہیں کہ جن میں انہوں نے صحیح احادیث اور صحابہ و تابعین کی روایات و اقوال اور ان لوگوں کی روایات جنہوں نے ان سے سماعت کی ہے ۔ اور ایک علیحدہ مذہب پر شرعی احکام کا استخراج کیا اور ان کی کتاب کا ایک قلمی نسخہ جامع قرومیین (مغرب) میں موجود ہے ۔ جس کی ثانی

---

[1] تاریخ الفقہ ص ۱۳۵ (قاضی ظہور الحسن) مطبوعہ مکتبہ معین الادب اردو بازار لاہور ۱۹۸۲ء

[2] رجال السند والهند ص ۱۰۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی (ہند) ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

سارے شہروں دیہات کے اہم وقابل دید کتبخانوں میں نہیں - اور وہ ایک موٹی جلد میں نہایت باریک خط سے لکھی گئی ہے - اگر یہ معتاد ورسمی خط سے تحریر کیجاتی تو اس کی ضخامت چار جلدوں تک پہنچ جاتی -

یہ روایت شیخ علامہ محمد العربی العروزی امین الفتوی نے جمہوریہ لبنانیہ میں اپنی کتاب "اتحاف ذوی العنایۃ" میں بیان کی ہے - اور

اور امام اوزاعی کی تصنیفات میں سے "کتاب السنن فی الفقہ" اور کتاب المسائل فی الفقہ بھی ہیں -

علامہ شیخ محمد بن جعفر الکتانی (م ۱۳۴۵ھ) نے شیخ الاسلام زکریا انصاری کا ایک بیان اپنے رسالہ "المستطرفہ" میں نقل کیا ہے جس میں علوم حدیث کے متقدمین مصنفین کا تذکرہ ہے، لکھتے ہیں، "قال شیخ الاسلام زکریا الانصاری فی شرحہ لالفیۃ المصطلح للعراقی، اول من صنف مطلقاً ابن جریج بمکۃ ومالک وابن ابی ذئب بالمدینۃ والاوزاعی بالشام والثوری بالکوفۃ وسعید بن ابی عروبۃ والربیع بن صبیح وحماد بن سلمۃ بالبصرۃ"[1] شیخ الاسلام زکریا انصاری نے شیخ عراقی کی کتاب "الالفیۃ المصطلح" کی شرح میں کہا ہے "سب سے پہلے جن لوگوں نے عام طور پر تصنیفیں کیں، مکہ مکرمہ میں ابن جریج (ابو محمد عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج)، مدینہ منورہ میں امام مالک اور امام ابن ابی ذئب (محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی ذئب)، شام میں امام اوزاعی، کوفہ میں امام سفیان ثوری اور بصرہ میں سعید بن عروبہ، ربیع بن صبیح اور حماد بن سلمہ - اسی طرح حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی نے "فتح الباری شرح صحیح بخاری" میں علامہ ابو الحسنات عبد الحی الحسینی نے "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" میں اور قاضی ظہور الحسن نے "تاریخ الفقہ"[2] میں آپ کی تصنیفی خدمات کا تذکرہ کیا ہے -

---

[1] الرسالۃ المستطرفۃ لبیان کتب السنۃ المشرفۃ ص ۸ (علامہ شیخ محمد بن جعفر الکتانی م ۱۳۴۵ھ) مطبوعہ

[2] مقدمہ فتح الباری - بحوالہ رسالۃ المستطرفۃ ص ۸ ایضاً

الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ص ۱۳۳ (مولانا عبد الحی بن فخر الدین بن عبد العلی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دمشق ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء ایضاً

تاریخ الفقہ ص ۱۳۵ (قاضی ظہور الحسن) مطبوعہ مکتبہ معین الادب اردو بازار لاہور ۱۹۷۲ء

علوم حدیث وفنون شریعت میں مہارت وامامت کے ساتھ ساتھ امام اوزاعی اعلیٰ درجہ کے ادیب وانشاء پرداز بھی تھے ۔ اس فن لطیف میں آپ نے بہت سے رسالے لکھے ہیں [۱] قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کے اس فن ومشغلہ سے متعلق امام ابوزرعہ کی ایک دو لفظی تقریظ اپنی کتاب "رجال السند والھند" میں نقل کی ہے لکھتے ہیں، "قال ابوزرعۃ کانت صنعتہ الکتابۃ والترسل فرسائلہ تؤثر [۲]"

ترجمہ :- امام ابوزرعہ کہتے ہیں آپ کا پیشہ وصنعت کتابت وانشاء پردازی تھی اور ان کے رسالے پسند کئے جاتے ہیں ۔

ـــــــــــــــــــــــــــــ

[۱] ریاض الفقہ ص۲۷۴ تا ۲۷۵ (پروفیسر عبدالغنی) مطبوعہ تاج بک ڈپو اردو بازار لاہور ۱۹۷۹ء طبع ۱

[۲] رجال السند والہند ص۱۴۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کٹیلری بازار بمبئی ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۸ء

مرویات :-

امام اوزاعیؒ کثیر الروایت، صدوق، ثقہ اور امام حدیث، شیخ الاسلام اور مجتہد محدث تھے۔ صحاح و اکثر کتب حدیث آپ کی روایات سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ ہم اس مختصر تذکرے میں آپ کی محض چند ایک احادیث (صحاح ستہ کی مرویات سے) بیان کرتے ہیں۔

لیکن اس لڑی میں سب سے پہلے آپ کی وہ حدیث پروتے ہیں جسے حافظ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ نے مختلف اسناد سے اپنی کتاب ... "حلیۃ الاولیاء" میں روایت کی ہے۔ ~~جسے ہم من وعن نقل کرتے ہیں~~ - ہم اسے یہاں من وعن درج کریں گے۔ شیخ موصوف لکھتے ہیں، "الاوزاعی یکثر کلامہ ومواعظہ ورسائلہ وھو احد الائمۃ الدین واعلام الاسلام اختصرنا من اخبارہ علی ما ذکرناہ و من مسانید حدیثہ ما حدثناہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن علی بن مخلد ثنا محمد بن یوسف بن الطباع ثنا محمد بن کثیر المصیصی۔ ح وحدثنا عبد اللہ بن جعفر ثنا اسمٰعیل بن عبد اللہ۔ ح وحدثنا محمد بن معمر ومحمد بن علی بن حبیش واحمد بن السندی فی جماعۃ قالوا حدثنا ابو شعیب الحرانی قالا حدثنا یحیی بن الحمانی قالا ثنا الاوزاعی ثنا محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ابو جعفر حدثنی سعید بن المسیب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم قال مثل الراجع فی صدقتہ کالکلب یاکل ثم یقئ ثم یرجع فی قیئہ فیاکلہ "۔[1]

(حاشیہ:) اس کی تقدیم کی جائے ... عنہ قال یحیی بن عبد الحمانی ...

عہ یہ حدیث، حافظ ابو نعیم کے بیان کے مطابق، امام اوزاعی کے مجموعہ احادیث سے، لی گئی ہے۔

[1] حلیۃ الاولیاء، ج ۶ ص ۱۴۴ (حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء

بروایۃ البخاری

حدثنا ابراھیم بن موسیٰ قال اخبرنا الولید قال حدثنا الاوزاعی سمع عطاءً یحدث عن جابر بن عبد اللہ الانصاری ان اھلال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من ذی الحلیفۃ حین استوت بہ راحلتہ" ۔[1]

بروایۃ مسلم

حدثنی زھیر بن حرب قال اخبرنا الولید بن مسلم قال انا ابو عمرو یعنی الاوزاعی قال انا الزھری عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قال اقیمت الصلواۃ وصف الناس صفوفھم وخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام مقامہ فاومأ بیدہ ان مکانکم فخرج وقد اغتسل وراسہ ینطف الماء فصلی بھم ۔[2]

بروایۃ الترمذی

حدثنا احمد بن محمد ثنا عبد اللہ بن المبارک نا الاوزاعی وعکرمۃ بن عمار قالا ثنا ابو کثیر السحیمی قال سمعت ابا ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الخمر من ھاتین الشجرتین النخلۃ والعنبۃ ۔[3] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسی الترمذی (م ۲۷۹ھ) آخر میں حدیث کی توثیق وتصدیق میں لکھتے ہیں، "ھذا حدیث حسن صحیح" ۔[3]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۵ (امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم البخاری م ۲۵۶ھ) مطبوعہ اصح المطابع کراچی سنہ ۱۳۸۱

[2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۰ (امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوری م ۲۶۱ھ) مطبوعہ اصح المطابع کراچی

[3] سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۲ (امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی م ۲۷۹ھ) مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی سنہ ۱۳۸۰ھ

بروایۃ النسائی ؒ ١

اخبرنا عبد الرحمن بن ابراھیم عن محمد بن عبد الواحد عن الاوزاعی عن عمر بن الولید عن الزھری عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قام اعرابی فبال فی المسجد فتناولہ الناس فقال لھم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم دعوہ واھریقوا علی بولہ دلوا من الماء فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین۔

بروایۃ ابی داؤد ؒ ٢

حدثنا عبد الرحمن بن ابراھیم نا عمر بن عبد الواحد وبشر بن ابی بکر عن الاوزاعی عن یحیی بن ابی کثیر عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم انی لاقوم الی الصلوٰۃ وانا ارید ان اطول فیھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز کراھیۃ ان اشق علی امہ

بروایۃ ابن ماجۃ ؒ ٣

حدثنا عبد الرحمن بن ابراھیم ومحمد بن الصباح قالا حدثنا الولید بن مسلم ثنا الاوزاعی حدثنی یحیی بن ابی کثیر عن ابی قلابۃ عن ابی المھاجر عن بریدۃ الاسلمی قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم فی غزوۃ فقال بکروا فی العصر بالصلوٰۃ فی الیوم الغیم فانہ من فاتتہ صلوٰۃ العصر حبط عملہ

---

١ سنن النسائی ج ١ ص ٧٣ (امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی ٣٠٣ھ) مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی سے

٢ سنن ابی داؤد ج ١ ص ١٢٢ (امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی ٢٧٥ھ) مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

٣ سنن ابن ماجہ ج ١ ص ٥٠ (امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ ٢٧٣ھ)۔

وفات ۔ ۴

مورخین وارباب تراجم نے امام اوزاعیؒ کی تاریخ وفات میں کافی اختلاف کیا ہے
جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔ حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں: "وفی سنۃ
وفاتہ اختلاف غیر ما تقدم" - یعنی ان کے سن وفات میں اختلاف ہے اس کے بغیر کہ
سابقا بیان ہوا - یعنی ۱۵۷ھ کے علاوہ اور تاریخیں بھی بتائی جاتی ہیں - مثلاً:۔

قیل ۱۵۱ھ، قیل ۱۵۵ھ، قیل ۱۵۶ھ (یعنی ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۵۶) — تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۴۱ حافظ ابن حجر

سن وفات	حوالہ
صفر - ۱۵۷ھ	شذرات الذہب ج۱ ص۲۴۲ علامہ عبدالحی بن العماد
۱۵۷ھ	المعارف ص۲۱۶ علامہ ابن قتیبہ الدینوری ۲۷۶ھ
۱۵۷ھ	India's contribution to Hadith p. 200 - Dr. Muhammad Ishaq.
۱۵۹ھ	الفہرست (اردو) ص علامہ ابوالفرج محمد بن ندیم -
۱۵۷ھ	علامہ واقدی بحوالہ شذرات الذہب ج۱ ص۲۴۲
۱۵۷ھ	امام یحیی بن شرف النووی بحوالہ شذرات الذہب ج۱ ص۲۴۲
۱۵۷ھ	قاضی اطہر مبارکپوری رجال السند والہند ص۱۶۲
۱۵۷ھ	حافظ مولانا احمد علی سہارنپوری رجال البخاری ۔ حاشیہ صحیح بخاری ج۱ ص۱۷
۱۵۸ھ	علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد ۲۳۰ھ بحوالہ تہذیب التہذیب ج۶ ص۲۴۲

اس نقشے سے صاف ظاہر ہے کہ مورخین کی بڑی اکثریت آپ کی تاریخ وفات ۱۵۷ھ بتا رہی ہے
لہٰذا یہی قول راجح اور صحیح ہو سکتا ہے -

مقام و اسباب وفات ؒ

امام اوزاعی اپنی آخر عمر میں شام کے مشہور شہر بیروت میں سکونت پذیر ہو کر نگہبانی کے فرائض انجام دیتے رہے[1] - آخر کار ایک دن وہ اپنے گھر کے حمام میں داخل ہو گئے جس میں ان کی بیوی صاحبہ نے کوئلہ اور آگ ڈال کر بھولے سے دروازہ بند کر دیا - بعد میں آگ بھڑک اٹھی - اور امام اوزاعی آگ تپنے کے باعث وہاں فوت ہوئے[2] -

لیکن علامہ ابن خلکان ابو العباس احمد بن محمد البرمکی م ۶۸۱ھ کہتے ہیں کہ حمام کسی اور کا تھا اور یہ غلطی حمام کے مالک سے سرزد ہوئی تھی[3] اور علامہ ابو حاتم ابن حبان نے کہا ہے کہ امام اوزاعی حمام میں داخل ہو گئے اور وہاں وہ پھسل کر گر گئے اور بے ہوش ہو گئے اور کسی کو ان کا پتہ نہ چل سکا حتے کہ فوت ہوئے - یہی روایت حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ نے بیان کی ہے[4] واللہ اعلم بالصواب -

علامہ یحیٰ بن اشرف النووی م ۶۷۶ھ نے شرح المہذب میں بیان کیا ہے "توفی فی حمام بیروت مستقبل القبلۃ متوسداً بیمینہ سنۃ سبع وخمسین ومائۃ" [5] ترجمہ :- (امام اوزاعی) سنہ ایک سو ستاون کو بیروت کے حمام میں رو بہ قبلہ داہنے پہلو پر ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے -

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اوزاعی کو (جس طرح مورخین لکھتے ہیں) حمام میں ایک ایسے حادثے سے دو چار ہونا پڑا تھا کہ جس میں موت کا پیغام تھا - اور وہ انتہائی عزم و ہمت کے ساتھ ایک عظیم مومن و مخلص بندہ کی روپ و رنگ میں موت کے استقبال میں حاضر ہو گئے -

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۶۸ (امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ -

[2] شذرات الذہب ج۱ ص۲۴۲ (علامہ عبدالحی ابن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ المطبع القدسی الازہر مصر ۱۳۵۰ھ

[3] ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

[4] ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

[5] بحوالہ شرح المہذب علامہ نووی رح

شیخ ابو حفص ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حسب و نسب :- آپ کی کنیت ابو حفص اور نام و نسب یہ ہے، ربیع بن صبیح البصری ثم السندی ہے۔ بنی سعد بن زید کے آزاد کردہ غلام تھے یا اس قبیلے سے موالاۃ کا تعلق تھا لھٰذا آپ کو "السعدی" کہا جاتا ہے۔ آپ کی ایک کنیت ابو بکر بھی ہے۔ حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے آپ کے ترجمے میں لکھا ہے، "الربیع بن صبیح السعدی (نسبۃ الی سعد بن زید) ابو بکر و یقال ابو حفص البصری مولیٰ بنی سعد بن زید مناۃ [1] ترجمہ :- شیخ ربیع بن صبیح السعدی۔ ان کی نسبت سعد بن زید کی طرف ہے۔ ابو بکر ہیں اور ابو حفص البصری بھی کہا جاتا ہے۔ بصرہ کے باشندہ بنی سعد بن زید مناۃ کے آزاد کردہ غلام (یا موالاۃ والے) ہیں۔

شیخ ربیع وطن سکونت کے اعتبار سے البصری اور وطن ہجرت و مزار کے اعتبار سے السندی کہلاتے ہیں [2] اس لئے محدثینِ سندھ کے تذکرہ نگاروں نے آپ کو ان کے زمرے میں شمار کیا ہے

ورودِ سندھ

شیخ ربیع کی سندھ میں تشریف آوری کی تاریخ اور مدت سکونت سے متعلق ... اقوال و روایات میں کافی اختلاف و تضاد ہے۔ چنانچہ مولانا عبد الصمد صارم الازہری نے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۷ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف ... حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ

[2] مثلاً علامہ نواب ابو الطیب محمد صدیق بن حسن بھوپالی (ابجد العلوم ص ۸۸۹) مطبوعہ مطبع صدیقیہ بھوپال ۱۲۹۵ھ۔
مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (مآثر الکرام ص ۴۶)
مولانا رحمن علی ممبر کونسل ریوان (ہند) (تذکرہ علمائے ہند فارسی ص ۳) مطبوعہ نول کشور لکھنؤ طبع دوم ۱۳۳۲ھ
مولانا محمد اسلم پروفیسر (سرمایۂ عمر ص ۱۵۸) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء
مولانا محمد اسحٰق بھٹی (فقہائے ہند ص ۴۲ جلد ۱) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع اول ۱۹۷۴ء۔

آپ کی، سندھ میں تاریخ آمد "۔۔۔ھ" بتایا ہے[۱] اور مولانا محمد ایوب قادری نے لکھا ہے کہ آپ پہلی صدی کے آخر یا دوسری صدی کی ابتداء میں سندھ تشریف لائے[۲] اور مولانا محمد اسلم نے آپ کے تذکرے میں لکھا ہے، "عربوں کے ابتدائی ایام حکومت میں جو اہل علم وکمال سندھ میں آکر آباد ہو گئے تھے ان میں شیخ ابو حفص بن ربیع البصری بھی تھے"[۳]

اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ ابو حفص سندھ میں تشریف آوری کے بعد یہاں سکونت پذیر بھی ہوئے تھے۔ جس کی تصدیق وتائید مولانا محمد ایوب کی تحریر سے ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں، "تقریباً ساٹھ برس سندھ میں دین متین کی خدمت میں گزار کر ۱۶۰ھ میں رحلت فرمائی"[۳]

لیکن تذکرہ علمائے ہند کے مؤلف مولانا رحمٰن علی ۱۳۲۵ھ نے آپ کی، سکونت سندھ کے بارے میں کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔ وہ آپ کے ترجمے میں فتح سندھ کا سال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، "ہماں زمان یا پس ازاں صاحب ترجمہ دراں دیار قدوم آوردہ" ترجمہ: اس وقت (یعنی فتح سندھ کے سال) یا اس کے بعد صاحب ترجمہ اس علاقہ میں تشریف لائے۔

اس عبارت میں شیخ ربیع کی یہاں رہائش پذیری کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں البتہ اس سے آپ کی تاریخ آمد کے بارے میں ان اقوال (متذکرہ بالا) کی تائید.... ہو جاتی ہے کہ وہ پہلی صدی کے آخر یا دوسری صدی کی ابتداء میں سندھ تشریف لائے۔

لیکن دوسرے مستند و معتمد اہل قلم وارباب تراجم کے بیانات کی روشنی میں ان اقوال کی کوئی تصدیق وتائید نہیں ہوتی۔

مولانا عبدالحی الحسنی نے امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری ۳۱۰ھ کی، اس سلسلے میں روایت

---

[۱]:۔ تاریخ الحدیث ص۶۹ (مولانا عبدالصمد صارم ازہری) مطبوعہ آکسفورڈ اینڈ کیمبرج پریس لاہور ۱۹۶۳ء
[۲]:۔ تذکرہ علمائے ہند (اردو) مولانا محمد ایوب قادری) مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء
[۳]:۔ سیرۃ عمر ص۱۵۸ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء۔
[۴]:۔ تذکرہ علمائے ہند فارسی ص۳ (مولانا رحمٰن علی ۱۳۲۵ھ) مطبوعہ نول کشور ۱۹۱۴ء۔

بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں، "قال الطبری فی تاریخ الامم والملوک انہ
غازیاً الی السند فی من خرج مع عبدالملک بن شہاب من مطوعۃ
اھل بصرۃ فمات بھا وکانت وفاتہ فی سنۃ (۱۶۰) ھ بارض السند
کما فی المغنی"۔ ترجمہ: طبری نے اپنی کتاب تاریخ الامم والملوک میں
کہ وہ (شیخ ابوحفص) ان لوگوں کے ساتھ سندھ کی طرف بحیثیت غازی نکلے
جو اہل بصرہ سے رضاکارانہ طور پر عبدالملک بن شہاب کے ہمراہ نکلے تھے۔ پھر اس
میں (سندھ میں) فوت ہوئے۔ اور ان کی وفات سنہ ۱۶۰ھ میں سرزمین سندھ
میں واقع ہوئی تھی جیسا کہ مغنی میں ہے۔

اسی طرح مولانا محمد یوسف لدھیانوی آپ کا ترجمہ اور ورودِ سندھ کے متعلق
لکھتے ہیں۔ "پھر اس سرزمین کو اسی دور میں ایک محدث سے بھی شرف حاصل ہوا
جن کا نام نامی ربیع بن صبیح السعدی البصری ہے۔ جن کو تابعی ہونے کا شرف
حاصل تھا۔ اور جو بزمانہ مہدی خلیفہ عباسی فوج کے ایک سپاہی کی حیثیت سے
سرزمین سندھ میں داخل ہوئے تھے۔ اور جنہوں نے واپسی میں وفات پائی تھی"

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔ لکھتے ہیں "یہ وہ تابعی ہیں
جنہوں نے باقاعدہ جہاد میں حصہ لیا اور مجاہدین عرب کے ساتھ سرزمین سندھ میں
داخل ہوئے" آگے لکھتے ہیں "ابن سعد کی روایت کے مطابق جہاد کی غرض سے
بحری راستے سے عازم سندھ ہوئے۔ سمندر ہی میں وفات پائی۔ اور جزائر ہند کے
ایک جزیرہ میں دفن کئے گئے"[۳]۔

محمد اسحاق بھٹی آگے اس مہم کی تاریخی وضاحت کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ ۱۵۹ھ میں
عرب تاجروں کی، اہل گجرات سے شکایت پر عباسی خلیفہ مہدی نے عبدالملک بن شہاب کی زیر
کمان ایک بحری بیڑا روانہ کیا۔ اور یہ ۱۶۰ھ میں بھاڑبھوت پہنچا۔ آگے اس کا تفصیلی
حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ان فوجوں میں بہت سے رضاکار بھی تھے جن کے سالار
ابوبکر ربیع بن صبیح سعدی بصری تھے"[۴]۔

۱۔ نزہۃ الخواطر ج۱ ص ۳۱-۳۲ (مولانا عبدالحی الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۶ھ
بحوالہ تاریخ طبری و مغنی۔
۲۔ ہندوستان میں علم حدیث (مقالہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی) البینات ص ۹۵-۹۶ مطبوعہ نیوٹاؤن کراچی ۱۳۹۰ھ
۳، ۴۔ فقہائے ہند ج۱ ص ۴۲-۴۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ... طبع اول

علامہ خیر الدین زرکلی نے آپ کے ورود سندھ اور وفات و مدفن کے بارے میں لکھا ہے:

"خرج غازیاً الی السند فمات فی البحر ودفن باحدی الجزیرة" ۔ [۱]

ترجمہ:- (شیخ ابو حفص) بحیثیت غازی سندھ کی طرف نکلے۔ پس سمندر میں وفات پائی اور کسی ایک جزیرے میں دفن کئے گئے۔

صاحبزادہ عبد الرسول نے بھی یہی روایت لکھی ہے۔ [۲]

الغرض: ان روایات و بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ ابو حفص کی سندھ میں تشریف آوری ع مہدی عباسی ۱۶۹ھ کے زمانے میں سپہ سالار عبد الملک بن شہاب کی فوجی مہم (۱۵۹ھ/۱۶۰ھ) میں واقع ہوئی تھی۔

۱:- اعلام (قاموس التراجم) ج۳ ص۳۹ (علامہ خیر الدین زرکلی) مطبوعہ بیروت۔ طبع ۲۔

۲:- تاریخ اسلام ص۴۱۵ (صاحبزادہ عبد الرسول) مطبوعہ ایم آر برادرز اردو بازار لاہور۔

تابعی ہونے کا شرف

یہ موضوع متنازع فیہ ہے۔ چند مترجمین آپ کو تبع تابعین بتاتے ہیں۔ مثلاً۔ نواب ابو الطیب محمد صدیق بن حسن بھوپالی[۱]، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی[۲] اور مولانا رحمٰن علی[۳] جب کہ دوسرے کئی مورخین کہتے ہیں کہ آپ کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ مثلاً۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن سعد م ۲۳۰ھ[۴]، مولانا عبدالصمد صارم ازہری[۵]، مولانا محمد یوسف لدھیانوی[۶]، مولانا محمد اسلم پرونیسر[۷] اور مولانا محمد اسحٰق بھٹی[۸]

اور چند ایک تذکرہ نگاروں نے اس سلسلے میں قلم ہی نہیں اٹھایا ہے[۹]۔

لیکن چونکہ اکثریت آپ کی تابعیت کی قائل ہے۔ بالخصوص علامہ ابن سعد کا قول زیادہ معتمد و مستند ہے کیونکہ وہ دوسرے مورخین کی نسبت (زمانے کے لحاظ سے) آپ کے قریب ترین اہل قلم ہیں۔ لہٰذا آپ کو تابعین کرام کے زمرے میں شمار کرنا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔

۱ـ ابجد العلوم ص۸۸۹ (مولانا نواب ابو الطیب محمد صدیق بن حسن بھوپالی م۱۳۰۷ھ) مطبوعہ مطبع صدیقیہ بھوپال ۱۲۹۶ھ۔

۲ـ مآثر الکرام ص۲۶ (مولانا غلام علی آزاد بلگرامی م۱۲۰۰ھ) مطبوعہ۔ احیاء العلوم الشرقیہ لاہور ۱۹۷۱ء۔

۳ـ تذکرہ علمائے ہند فارسی ص۳ (مولانا رحمٰن علی ممبر کونسل ریوان (ہند) م۱۳۲۵ھ) مطبوعہ نول کشور لکھنو طبع دوم ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء

۴ـ طبقات ابن سعد ج۶ ص۲۹۷ طبقہ پنجم (علامہ ابو عبداللہ محمد بن سعد الکاتب م۲۳۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء

۵ـ تاریخ الحدیث ص۶۹ (مولانا پروفیسر عبدالصمد الصارم الازہری) مطبوعہ اکسفورڈ اینڈ کیمبرج پریس لاہور ۱۹۶۳ء

۶ـ ہندوستان میں علم حدیث۔ (مولانا محمد یوسف لدھیانوی) البینات ص۹۵-۹۶ (اشاعت خاص) مطبوعہ نیو ٹاؤن کراچی ۱۳۹۸ھ۔

۷ـ سرمایہ عمر ص۱۵۸ (مولانا پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء۔

۸ـ فقہائے ہند ج۱ ص۷۲-۷۳ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع اول ۱۹۷۴ء۔

۹ـ مثلاً حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م۸۵۲ھ (تہذیب التہذیب ج۳ ص۲۷۸)، علامہ خیر الدین زرکلی (الاعلام ج۳ ص۳۹) مولانا عبدالحی الحسنی م۱۳۴۱ھ (الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ص۱۳۳)، مولانا افتخار احمد بلخی (تاریخ افکار و علوم اسلامی اردو ص۳۰۶) وغیرہ۔

شیوخ واساتذہ

حضرت ابو حفصؒ نے زعمائے تابعین وفضلائے محدثین سے حدیث کی سماعت وتحصیل کی ہے۔ حافظ ابن الحجر العسقلانی لکھتے ہیں[1] "روی عن الحسن وحمید الطویل ویزید الرقاشی وابی الزبیر وابی غالب صاحب ابی امامۃ وثابت البنانی ومجاھد بن جبیر وغیرھم"

ترجمہ:- (شیخ ابو حفصؒ نے) امام حسن البصری ؁۱۱۰ھ، حمید الطویل، یزید الرقاشی، ابو الزبیر، ابو غالب ابو امامہ کے شاگرد، ثابت البنانی ؁۱۲۳ھ اور مجاہد بن جبیر ؁۱۰۴ھ وغیرہم سے روایت کی ہے۔

علاوہ ازیں آپ نے عطا بن ابی رباح (رحمۃ اللہ علیہ) سے (جو جلیل القدر محدث تابعی تھے) بھی حدیث کی سماعت وروایت کی ہے[2]

آخذین وتلامذہ

شیخ ابو حفص کی تدریس وتحدیث سے بڑے بڑے ائمہ وحفاظ حدیث مستفید ومستفیض ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے آپ کے چند ایک قابل ذکر تلامذہ ورواۃ کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں[3] "وعنہ الثوری وابن المبارک وابن مھدی ووکیع وابوداؤد الطیالسی وادم بن ابی ایاس وعاصم بن علی وعدۃ۔" ترجمہ:- اور ان سے (امام سفیان بن سعید) ثوری ؁۱۶۱ھ، (امام عبد اللہ) بن مبارک ؁۱۸۱ھ، شیخ عبد الرحمن بن مہدی ؁۱۹۸ھ، امام وکیع بن جراح ؁۱۹۷ھ، امام ابوداؤد طیالسی ؁۲۰۴ھ، آدم بن ابی ایاس اور عاصم بن علی اور کئی اور لوگوں نے روایت کی ہے۔

---

[1] [3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۳۷ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ
[2] مآثر الکرام ص ۲۶ (مولانا غلام علی آزاد بلگرامی) مطبوعہ احیاء العلوم الشرقیہ لاہور ۱۹۷۱ء۔
تذکرہ علمائے ہند اردو (مولانا محمد ایوب قادری) مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نیو کراچی ۱۹۶۱ء

جرح وتعدیل۔ ۴

شیخ ابوحفص کو محدثین وعلمائے اصول ثقہ، صدوق وعدول اور زہد وامت وصلحائے محدثین میں شمار کرتے ہیں۔ تاہم بعض نقادنے آپ پرجرح وتنقید کا قلم اٹھایا ہے حافظ ابن الحجر العسقلانی نے آپ کے حق وخلاف میں فریقین کے بیانات وروایات اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں جمع کی ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

جارحین کے تبصرے۔

قال ابن عمار کانَ یحیٰ بن سعید لا یرضاہ۔[1]

ابن عمار کہتے ہیں کہ یحی بن سعید (القطان) انہیں (ابوحفص کو) پسند نہیں کرتے تھے۔

قال عفان بن مسلم احادیثہ کلھا مقلوبۃ۔[2]

عفان بن مسلم کہتے ہیں کہ ان کی (ابوحفص کی) ساری حدیثیں مقلوب ہیں۔

قَالَ یحیٰ بن معین ضعیف الحدیث۔[3]

امام یحی بن معین کہتے ہیں کہ وہ حدیث میں ضعیف ہیں۔

قال ابن سعد والنسائی۔ ضعیف[4]

علامہ ابن سعد اور امام نسائی کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔

قال یعقوب بن شیبۃ رجل صالح، صدوق، ثِقۃ ضعیف جدا[5]

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ وہ ایک نیک، سچے اور ثقہ شخص ہیں۔ بے حد ضعیف ہیں۔

قال خالد بن خداش ھوفی ھدیہ رجل صالحٌ ولیس عندہٗ حدیث یحتاج الیہ۔ کانَ خالدٌ اضعف امرہٗ[6]

---

[1] [2] [3] } تہذیب التہذیب جـ ۳ صـ ۲۴۷ (حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ۔

[4] [5] [6] } ایضاً۔ ایضاً صـ ۲۴۸ ایضاً ایضاً

خالد بن خداش کہتے ہیں کہ وہ اپنے طریقے میں ایک صالح شخص ہیں۔ لیکن ان کے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں جس کی ضرورت ہو۔ (حافظ ابن حجر کہتے ہیں) گویا خالد انہیں ضعیف قرار دیتے ہیں۔

قال الساجی - ضعیف الحدیث - احسبہ کان یہم وکان عبداً صالحاً [۱]

علامہ ساجی کہتے ہیں کہ وہ حدیث میں ضعیف ہیں گمان کرتا ہوں کہ انہیں وہم ہوتا تھا۔ اور نیک بندہ تھے۔

قال العقیلی فی الضعفاء بصری سید من سادات المسلمین [۲]

شیخ عقیلی نے ضعفاء کے باب میں (ان کا بیان لاتے ہوئے) کہا ہے کہ وہ بصری ہیں اور مسلمانوں کے سرداروں میں سے ایک سردار (یعنی رہنما) ہیں۔

قال الفلاس - لیس بالقوی [۳] - شیخ فلاس کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں

قال ابن حبان الا ان الحدیث لم یکن من صناعتہ فکان یہم فیما یروی کثیراً حتی وقع فی حدیثہ المناکیر من حیث لا یشعر - لا یعجبنی الاحتجاج بہ اذا انفرد [۴] علامہ ابن حبان نے (ابوحفص کے ترجمے میں ان کی تعریف وتوصیف کے بعد) یہ کہا کہ البتہ اتنی بات ہے کہ حدیث ان کا فن نہیں تھا۔ پس اپنی روایات میں وہم کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی حدیث میں منکر باتیں واقع ہو جاتی تھیں جن کا انہیں پتہ نہیں ہوتا تھا مجھے ان کی حدیث سے حجت لینا نہیں پسند ہوتا ہے جب وہ روایت میں اکیلے ہوں۔

ہم ان بیانات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں محض یہی نظر آتا ہے کہ ان سارے جرح وتنقیدات کا رُخ ہمہ تن ان کے صرف ضعف کی طرف ہے۔ اور ضعف کی وجہ فقط وہم ہے اور کچھ نہیں لیکن جہاں تک ابوحفص کی صداقت، عدالت، ثقاہت اور صالحیت وتقویٰ کا تعلق ہے تو سارے مبصرین، علمائے اصول وائمہ حدیث ان کے مدح خواں ہیں۔ جن کے تبصرے پیش خدمت ہیں

---

[۱] [۲] [۳] [۴] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۸ (حافظ ابن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ۔

قال ابو الولید لا یدلس[۱] ۔ امام ابو الولید طیالسی کہتے ہیں کہ (ابو حفص)
تدلیس نہیں کرتے ہیں ۔
قال ابوداؤد عن ابی الولید ما تکلم احد فیہ الا والربیع فوقہ[۲] ۔
شیخ ابوداؤد امام ابو الولید سے بیان کرتے ہیں کہ کسی نے اس (ربیع) میں لب کشائی
نہیں کی مگر ربیع اس سے بالاتر ہیں ۔ یعنی معترض سے بھی اونچے اور اچھے ہیں ۔
قال عبد اللہ بن احمد عن ابیہ ۔ لا باس بہ رجل صالح[۳] ۔
امام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے فرزند اپنے والد ماجد سے بیان کرتے ہیں کہ
اس (ابو حفص) میں کچھ بھی حرج نہیں ۔ وہ نیک آدمی ہیں ۔
قال ابو زرعۃ ۔ شیخ صالح صدوق[۴] ۔ امام ابو زرعہ کہتے ہیں کہ (ابو حفص) ایک صالح
اور سچے شخص ہیں ۔
قال ابو حاتم رجل صالح[۵] ۔ امام ابو حاتم کہتے ہیں کہ (ابو حفص) نیک آدمی ہیں ۔
قال یعقوب بن شیبۃ رجل صالح صدوق ثقۃ[۶] ۔
شیخ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ (ابو حفص) ایک صالح، سچے اور ثقہ شخص ہیں ۔
قال مسلم بن ابراھیم عن شعبۃ الربیع من سادات المسلمین[۷] ۔
شیخ مسلم بن ابراہیم امام شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ ربیع مسلمانوں کے سرداروں میں
سے ہیں ۔ یعنی مسلمانوں کے رہنما و ائمہ سے ہیں ۔
قال ابن عدیؒ : لہ احادیث صالحۃ مستقیمۃ ولم ار لہ حدیثاً منکراً جداً
وارجوانہ لا باس بہ ولا بروایتہ[۸] ۔ شیخ ابن عدی کہتے ہیں کہ (ابو حفص) کی حدیثیں

---

[۱] تا [۸] } تہذیب التہذیب ج۳ ص۲۴۷-۲۴۸ (حافظ ابن الحجر العسقلانی) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ

اچھی اور درست ہیں اور میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں پائی - اور میں امید کرتا ہوں کہ نہ ان میں کچھ خطرہ ہے نہ ان کی روایات میں -

قال العجلی، لا باس بہ[۱] - شیخ عجلی کہتے ہیں کہ ان میں کچھ خطرہ (عیب) نہیں ہے

قال العقیلی: سید من سادات المسلمین[۲] - شیخ عقیلی کہتے ہیں کہ (ابوحفص) مسلمانوں کے سرداروں میں سے ایک سردار ہیں -

حکی بشر بن عمر عن شعبۃ - انہ اعظم الربیع بن صبیح[۳] - بشر بن عمر امام شعبہ سے حکایت کرتے ہیں کہ وہ (شعبہ) ربیع بن صبیح کو ایک عظیم شخص سمجھتے تھے -

قال ابن حبان: کان من عباد اھل البصرۃ و زھادھم و کان یشبہ بیتہ باللیل ببیت النحل من کثرۃ التھجد[۴] - امام ابن حبان کہتے ہیں کہ (ابوحفص) اہل بصرہ کے عباد اور زہاد سے تھے - اور ان کا گھر رات کو کثرت تہجد (ذکر سحرگاہی) سے شہد کی مکھیوں کے گھر سے مشابہ تھا - یعنی رات کے اکثر حصہ میں تہجد پڑھتے اور خوف خدا سے رویا کرتے تھے

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں، " ابوحفص ربیع بن صبیح السعدی البصری کہ از اتباع تابعین و ثقات محدثین ست صدوق بود و عابد و مجاہد"[۵] ترجمہ: شیخ ابوحفص ربیع بن صبیح سعدی بصری جو تبع تابعین اور ثقات محدثین سے ہیں، سچے، اور عابد و مجاہد تھے -

مزید براں امت مسلمہ کے بڑے بڑے محدثین و حفاظ حدیث (مثلاً امام عبداللہ بن المبارک امام سفیان ثوری م ۱۶۱ھ، امام ابوالولید طیالسی م ۔۔ (امام ابوداؤد) امام وکیع بن جراح کوفی م ۱۹۷ھ، اور حافظ ابوسعید عبدالرحمن بن المہدی م ۱۹۸ھ وغیرہم) کا آپ سے حدیث اخذ کرنا اور امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی م ۲۷۹ھ اور حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی م ۴۳۰ھ کا آپ کی روایت بغیر چون و چرا لینا اس بات کی قوی حجت ہے کہ آپ قوی الحدیث اور قابل حجت ہیں -

یحیی بن ۔۔ القطان ۔۔ ابوداؤد ۔۔

---

۱ تا ۴ - تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۷-۲۴۸ (حافظ ابن حجر العسقلانی) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ

۵ - مآثر الکرام ص ۷۶ (علامہ غلام علی آزاد بلگرامی) مطبوعہ احیاء العلوم الشرقیہ لاہور ۱۹۷۱ء -

تصنیف و تالیف۔

اہلِ تراجم سب کے سب اس بات پر متفق البیان ہیں کہ شیخ ابوحفص صاحب تصنیف و تالیف ہیں۔ بلکہ آپ کو متقدمین مصنفین میں سے پہلا شمار کرتے ہیں۔

علامہ خیرالدین زرکلی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں[1] "الربیع بن صبیح ابوبکر اول من صنف بالبصرۃ" یعنی ربیع بن صبیح ابوبکر پہلے شخص ہیں جنہوں نے بصرہ میں کتاب تصنیف کی۔ مولانا عبدالحی الحسینی لکھتے ہیں، "وقیل اول من صنف وبوّب الربیع بن صبیح بالبصرۃ[2]۔ اور کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے کتاب تصنیف کی اور ترتیب ابواب بنائی ربیع بن صبیح تھے بصرہ میں۔ حافظ ابن الحجر العسقلانی آپ کے بارے میں علامہ رامہرمزی کا تبصرہ بیان کرکے لکھتے ہیں، "وذکر الرامہرمزی فی الفاصل انہ اول من صنف[3]" علامہ رامہرمزی نے "الفاصل" میں بیان کیا ہے کہ وہ (ربیع) بصرے میں اولین مصنف ہیں۔

اسی طرح علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب مآثر الکرام میں، مولانا امیر احمد مخدوم نے اپنے مضمون "سرزمین سندھ میں علم حدیث" الرحیم مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ جولائی سنہ ۱۹۶۳ء میں اور دوسرے تذکرہ نویسوں نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن افسوس کہ شیخ ابوحفص کی کسی تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ اور نہ کسی تذکرہ نگار نے آپ کی کسی کتاب کا نام و نشان بتایا ہے۔ شاید مرورِ ایام کے سبب ان کی تصنیفی یادگار دستبردِ زمانہ کا شکار ہو کر ضائع ہو گئی۔

---

۱ الاعلام جلد ۳ ص ۳۹ (علامہ خیرالدین زرکلی) مطبوعہ بیروت طبع سنہ۔

۲ الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ص ۱۳۳ (مولانا عبدالحی الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دمشق سنہ ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

۳ تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۲۴۸ (حافظ ابن الحجر العسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ۔

پروفیسر محمد ایوب قادری اس سلسلے میں لکھتے ہیں، "علم حدیث و دیگر علوم کی پوری پوری خدمت کی مگر آپ کی تصانیف میں سے کسی کا سراغ نہیں ملتا"۔[۱]

مرویات:-

بروایت الترمذیؒ:

حدثنا هناد نا وکیع عن الربیع بن صبیح عن یزید بن ابان وهو الرقاشی عن انس بن مالک (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من كانت الآخرة همه جعل الله غناه فی قلبه وجمع له شمله واتت الدنيا وهی راغمة ومن كانت الدنيا همه جعل الله فقره بين عينيه وفرق عليه شمله ولم ياته من الدنيا الا ما قدر له۔[۲]

بروایۃ حلیۃ الاولیاء

حدثنا محمد بن جعفر المودب ثنا احمد بن محمد الجمال ثنا اسحق بن سیار ثنا عون بن عمارة ثنا ربیع بن هشام عن محمد بن سیرین عن ابی هریرة (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لا تنكح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها ولا تسال المرأة طلاق اختها فتكتفی ما فی صفحتها ولتنكح فان لها ما قدر لها۔ ولا يسوم الرجل علی سوم اخيه ولا يخطب علی خطبة اخيه۔[۳]

---

[۱] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۳ (اردو) (پروفیسر محمد ایوب قادری) مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نیو کراچی ۱۹۶۱ء

[۲] سنن الترمذی جلد ۲ ص ۸۳ (امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی م ۲۷۹ھ) مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی سنہ ۸ـ

[۳] حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۳۰۸ (امام حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۹۳۶ء

وَفات - ۷

شَیخ ابوحفص نے فتح کے بعد واپسی پر سرزمین سندھ میں بحری حادثہ کا شکار ہو کر وفات پائی - اور ان کا مقبرہ وادی سندھ کے کسی جزیرے میں واقع ہے [۱] لیکن کسی مورخ و مترجم نے اس جزیرہ و مقام کی تخصیص و نشاندہی نہیں کی ہے - ان کا سالِ وفات سنہ ۱۶۰ ہجری ہے (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) [۲]

ماخذ

[۱] نُزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۳۲ (مولانا عبد الحی الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف نظامیہ حیدرآباد

[۲] بحوالہ :- تاریخ طبری ج ۔ (علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری)

الاعلام ج ۳ ص ۱۳۹ (امام خیر الدین زرکلی) مطبوعہ :- بیروت - طبع ۔ ۔ اور المغنی -

مآثر الکرام ص ۷۶ (مولانا غلام علی آزاد بلگرامی) مطبوعہ :- احیاء العلوم الشرقیہ لاہور ۱۹۷۱ء

البینات ص ۹۵-۹۶ (اشاعت خاص) ہندوستان میں علم حدیث (مولانا محمد یوسف لدھیانوی) مطبوعہ نیو ٹاؤن کراچی ۱۳۹۸ھ

شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۲۷ (علامہ عبد الحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ المطبع القدسی الازہر مصر ۱۳۵۰ھ -

حضرت ابو السندی المکی الواسطی

حسب و نسب :- آپ کا نام سہیل بن ذکوان، کنیت ابو السندی اور ابو عمرو اور نسبتی نام المکی اور الواسطی ہے - آپ قرن دوم کے رجال سندھ سے ہیں -

شیخ ابو السندی سندی النسل تھے - [۱]

آپ اصل و نسل اور قوم و قبیلے کے لحاظ سے سندھی جاٹ ہیں - یہ لوگ قرن اول میں اپنے وطن عزیز (سندھ) سے عرب لے جائے گئے تھے - اور وہاں پہلے مکۃ المکرمہ میں اور پھر الواسط میں رہائش پذیر ہو گئے - لھذا سارے مترجمین و تذکرہ نگاروں نے آپ کو ابو السندی، المکی اور الواسطی تینوں القاب و آداب سے یاد کیا ہے [۲] اور آپ کے سندی النسل ہونے کے باعث مورخین عظام نے آپ کو رجال سندھ کی فہرست میں شامل کر لیا ہے - مثلاً قاضی اطہر مبارکپوری نے رجال السند والہند ص ۱۵۳ میں اور ڈاکٹر محمد اسحٰق نے Indias contribution to Hadith میں آپ کو محدثین سندھ میں شمار کیا ہے [۳]

ہاں مورخین سندو ہند قاضی اطہر مبارکپوری اور ڈاکٹر محمد اسحٰق نے آپ کو مشائخ سندھ میں شمار

---

[۱] Indias Contribution to Hadith p. 197 (Dr. Muhammad Ishaq of Dacca)

[۲] کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۲۴۶ (امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدر آباد دکن
معرفۃ العلوم الحدیث (امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم م ۴۰۵ھ) بحوالہ رجال السند والہند ص ۱۵۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ
میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۳۲ (امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۵
لسان المیزان ج ۳ ص ۱۲۲ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدر آباد دکن ۱۳۳۰
رجال السند والہند ص ۱۵۳ (قاضی اطہر علی مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ہند ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء
Indias Contribution to Hadith p. 197. (Dr. Muhammad Ishaq Dacca University) published in Dacca University 1955.

[۳] رجال السند والہند ص ۱۵۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ
Indias Contribution to Hadith p. 197. (Dr. Muhammad Ishaq)

شیوخ و اساتذہ:-

ارباب سیر و تواریخ کا بیان ہے کہ حضرت سہیل بن ذکوان ابوالسندی نے حدیث کی تحصیل و سماعت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے کی ہے۔

آخذین و تلامذہ:-

آپ سے ہشیم بن بشیر سلمی م ۱۸۳ھ، مروان بن معاویہ الکوفی الحافظ م ۱۹۳ھ اور یزید بن ہارون الحافظ م ۲۰۶ھ جیسے جلیل القدر حفاظ وائمہ حدیث نے تحصیل حدیث کی ہے۔ امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ آپ کے شیوخ و رواۃ کے باب میں لکھتے ہیں، "سہیل بن ذکوان المکی ابوالسندی روی عن عائشۃ وابن الزبیر (رضی اللہ تعالےٰ عنہما) وروی عنہ ھشیم ومروان بن معاویۃ ویزید بن ھارون۔ سمعت ابی یقول ذالک"۔ [۱]

ترجمہ:- سہیل بن ذکوان مکی ابوالسندی نے حضرت عائشہ صدیقہ اور ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت کی ہے اور ان سے ہشیم، مروان بن معاویہ اور یزید بن ہارون نے روایت کی ہے۔ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا۔

اسی طرح امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم م ۴۰۵ھ نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں آپ کے ان شیوخ و تلامذہ کا تذکرہ کیا ہے۔ [۲]

---

[۱] کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱ ص ۲۴۶ (امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۶۰ھ

[۲] رجال السند والہند ص ۱۲۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۷۷ھ / سنہ ۱۹۵۸ء بحوالہ معرفۃ علوم الحدیث (امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم م ۴۰۵ھ)۔

سہیل بن ذکوان میں اشتباہ ؟

چونکہ اس نام ونسب کے دو راوی حدیث گذرے ہیں اس لئے ان میں اشتباہ کا
خطرہ ہوتا ہے۔ ان کی تعریف وتفصیل حسب ذیل ہے :۔

I سہیل بن ذکوان (ابوصالح) یہ ذکوان ابوالصالح السمان کی کنیت سے
مشہور ہیں۔ اور یہ سہیل خود سلسلۂ اسناد میں عموماً سہیل بن ابی الصالح
کے نام سے متعارف ہیں۔ جو ایک جلیل القدر محدث اور ثقہ وصدوق راوی گذرے ہیں
جن کی روایتیں صحاح ستہ میں بکثرت ملتی ہیں۔

II دوم سہیل بن ذکوان المکی۔

یہ سہیل رجال سندھ سے ہیں۔ اور ابوالسندی، المکی اور الواسطی القاب سے
مشہور ومعروف ہیں۔ جن کا ترجمہ زیر تحریر ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشاپوری (م ۴۰۵ھ) نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث"
میں متحد الاسامی رواۃ الحدیث سے متعلق ایک باب باندھا ہے جسے قاضی اطہر مبارکپوری نے
"رجال السند والہند" میں نقل کی ہے۔ لکھتے ہیں "قال الامام ابوعبداللہ الحاکم النیشاپوری
فی کتابہ "معرفۃ علوم الحدیث" فی بیان قوم یتفق اسامیھم واسامی ابائھم ثم الرواۃ
عنھم من طبقۃ واحدۃ من المحدثین فیشتبہ التمییز بینھم۔

سھیل بن ذکوان و سھیل بن ذکوان۔ فالاول :۔
سھیل بن ابی الصالح السمان۔ والبوصالح اسمہ ذکوان وھو المشہور
المخرج حدیثہ فی الصحیح واکثر روایتہ عن ابیہ وربما ادخل بینہ
وبین ابیہ الاعمش والقعقاع بن حکیم وسمیا مولی ابی بکر بن
عبدالرحمن۔ والثانی۔ سھیل بن ذکوان المکی ویقال لہ ابو
السندی۔ قال یزید بن ھارون اخبرنا سھیل بن ذکوان المکی

ابو عمرو وکان عندنا بالواسط[1]...الخ ترجمہ:- امام ابو عبد اللہ الحاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں ان لوگوں کے بیان میں جن کے اپنے اور باپ داداؤں کے نام آپس میں مل جاتے ہیں۔ پھر ان سے رواۃ الحدیث ایک ہی طبقہ کے محدثین ہوں۔ پس ان کے درمیان فرق کرنا مشتبہ اور دشوار ہوتا ہے۔ یہ بتایا کہ سہیل بن ذکوان اور سہیل بن ذکوان۔

پس پہلا سہیل بن ابی الصالح السمان ہے۔ اور ابو صالح کا نام ذکوان ہے اور یہی (سہیل بن ابی صالح) مشہور ہیں جن کی حدیثیں صحیح بخاری میں مروی ہیں ان کی اکثر روایات اپنے والد سے ہیں۔ اور کبھی کبھار وہ اپنے اور اپنے والد کے درمیان اعمش، قعقاع بن حکیم اور ابی بکر بن عبد الرحمٰن کے غلام سمّا کو داخل کرتے ہیں (یعنی ان میں سے کسی ایک راوی کے واسطہ سے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں)۔

(۲) اور دوسرے سہیل بن ذکوان المکی ہیں۔ اور انہیں ابو السندی کہا جاتا ہے یزید بن ھارون کہتے ہیں، "سہیل بن ذکوان مکی ابو عمرو نے ہمیں حدیث بتائی اور وہ واسط میں ہمارے پاس تھے۔

---

[1] رجال السند والہند ص۱۵۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی (ہند) ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء بحوالہ معرفۃ علوم الحدیث (امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم م ۴۰۵ھ)۔

شیخ ابو السندی کا جھوٹ سے متہم ہونا۔

سوئے اتفاق سے علمائے اصول و محدثین نے شیخ ابو السندی کو کذب جیسی بری صفت سے متہم کر کے ان کی روایات کو مسترد کر دیا ہے۔

علامہ ابن ابی حاتم الرازی ۳۲۷ھ اس سلسلے میں لکھتے ہیں "حدثنا عبد الرحمن انا علی بن الحسن الهسنجانی قال سمعت ابراهیم بن عبد الله الهروی یقول سمعت عباد بن العوام یرمی سهیل بن ذکوان (ابو السندی) بیلاءٍ۔ قال وسمعت ابراهیم الهروی یقول کان بواسط واصله (اظنه) مکی وکان کذابا"۔[۱] ترجمہ:- ہم سے عبد الرحمن نے بیان کی (وہ کہتے ہیں) ہمیں علی بن الحسن ہسنجانی نے خبر دی (انہوں نے) کہا کہ میں نے ابراہیم بن عبد اللہ الہروی سے سنا کہ کہتے کہ میں نے عباد بن العوام سے سنا کہ سہیل بن ذکوان (ابو السندی) کو ایک بلا متہم کرتے تھے۔ کہا (علی بن الحسن نے) کہ میں نے ابراہیم ہروی سے سنا کہ کہتے تھے کہ (ابو السندی) واسط میں تھے اور ان کی اصل (میرے گمان میں) مکی ہے۔ اور جھوٹے تھے۔

اہل فن کے پاس سہیل کا (بادی النظر میں) متہم بالکذب ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ملاقات کا دعویٰ کیا تھا لیکن ان کے حلیہ کی تشریح میں غلط بیانی کی تھی۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی ۷۴۸ھ نے اس کی تفصیل لکھی ہے۔ جسے قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب "رجال السند والہند" میں نقل کی ہے لکھتے ہیں "وقال الذهبی فی المیزان سهیل بن ذکوان ابو السندی عن عائشة رضی الله عنها وزعم انها کانت سوداء وکذبه یحیی بن معین وقال غیر واحد متروک الحدیث

۱؎ کتاب الجرح والتعدیل ج۲ ق۱ ص۲۴۶ (امام ابو محمد عبد الرحمن ابن ابی حاتم الرازی ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن

۲؎ میزان الاعتدال ج۱ ص۴۳۲ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی ۷۴۸ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۲۵ھ۔

۳؎ رجال السند والہند ص۱۵۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتیلری بازار بمبئی ہند ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

ترجمہ :- امام ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال میں کہا ہے، "سہیل بن ذکوان ابوالسندی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ اور (سہیل) گمان کرتے تھے کہ وہ (یعنی صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا) سانولی تھیں۔ اور انہیں یحییٰ بن معین نے جھٹلایا۔ اور بہت سے (محدثین) کہتے ہیں کہ وہ (سہیل) متروک الحدیث ہیں۔

اور آگے اس سلسلے میں شیخ عباد بن العوام م ۱۸۶ھ کا ایک وضاحتی بیان نقل کرکے لکھتے ہیں، "وقال عباد بن العوام قلت لسهيل بن ذكوان ارئيت عائشة الصديقة رضى الله تعالےٰ عنها قال نعم قلت صفها لى قال كانت ادماء قال عباد نتهمه بالكذب قد كانت عائشة الصديقة رضى الله تعالےٰ عنها بيضاء شقراء"[1]

ترجمہ :- عباد بن العوام کہتے ہیں کہ میں نے سہیل بن ذکوان سے کہا، کیا ! تو نے (ام المومنین) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو دیکھا ہے ؟ کہا، ہاں۔ تو میں نے کہا کہ ان کی تعریف بیان کریں۔ تو کہا کہ وہ گندم گوں تھیں (اس پر) عباد کہتے ہیں کہ ہم اسے (سہیل کو) جھوٹا کہتے ہیں۔ (کیونکہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا گل لالہ جیسی زردی مائل سرخ وسفید رنگ کی تھیں۔

---

[1] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۳۲ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۲۵ھ و رجال السند والہند ص ۱۵۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کیثلری بازار بمبئی سنہ ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

حضرت ابو السندی تابعی تھے ۔ ۴

ارباب قرطاس وقلم کے ان بیانات کی رو سے کہ شیخ ابو السندی نے ام المؤ
حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالے عنہما سے حدیث کی براہ
سماعت کی ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ موصوف کو تابعی ہونے کا شرف
نصیب ہوا تھا ۔ بلکہ شیخ موصوف نے خود ام المومنین رضی اللہ تعالے عنہا سے اپنی
ملاقات کا دعوی بھی کیا ہے ۔ امام ابن ابی حاتم رازی اس سلسلے میں امام ابو عبد الرحمن
احمد بن شعیب النسائی م ۳۰۳ھ کی روایت بیان کرتے ہیں ، "وقال النسائی ۔ سهیل
بن ذکوان قال لقیت عائشۃ رضی اللہ تعالے عنہا بواسط ۔" [۱] ترجمہ :- امام نسائی
کہتے ہیں ، "سہیل بن ذکوان" کہا (انہوں نے) کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا
واسط میں ملاقات کی ۔

مرویات ۔ ۴

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ نے آپ کی ذیل حدیث اپنی کتاب میزان الاعتدال
میں روایت کی ہے ۔ حدثنا هشیم انا سهیل بن ذکوان ان امراۃ استعدت
علی زوجها عند ابن الزبیر (رضی اللہ تعالے عنہ) وقالت لا یدعها فی حیض ولا
غیرہ فعرض لها ابن الزبیر (رضی اللہ تعالے عنہما) باربع باللیل واربع بالنهار فقال
لا یکفینی فتمنعنی ما احل اللہ لی قال اذا اسرفت " [۲]

---

[۱] کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱ ص ۲۴۶ (امام ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف
حیدرآباد دکن ۱۳۶۰ھ

[۲] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۳۲ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۲۵ھ

تاریخ وفات ۔ ۴

شیخ ابو السندی نے ۱۶۵ھ میں وفات پائی ۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد اسحق نے آپ کا ترجمہ لکھتے وقت نام کے بالمقابل یہی تاریخ دکھائی ہے ۔ لکھتے ہیں:

ابو السّندی الواسطی (المتوفی (بحدود) ۱۶۵ھ) ۔ ۱

لیکن قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کو پہلی صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے منسلک کیا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں، " وقال القاضی کان سهیل بن ذکوان ابو السندی المکی من رجال المأۃ الاولیٰ " ۲ ترجمہ :- اور قاضی کہتے ہیں کہ سہیل بن ذکوان ابو السندی المکی پہلی صدی کے رجال سے تھے ۔

فی الحقیقت قاضی مبارکپوری اور ڈاکٹر کے بیانات میں کوئی خاص تباین و تضاد نہیں ۔ کیونکہ قاضی موصوف نے ان کی کوئی تاریخ وفات تو نہیں بتائی بلکہ انہوں نے شیخ ابو السندی کو اس لئے قرن اول کے رجال میں شمار کیا ہے کہ انہوں نے سماعت و روایت حدیث ان محدثین و رواۃ سے کی تھی جو پہلی صدی میں فوت ہوئے تھے ۔ ۳

پس بحیثیت اجازت و سماعت حدیث کے اعتبار سے آپ پہلی صدی سے متعارف تھے اور وفات دوسری صدی کے نصف آخر میں (بحدود ۱۶۵ھ) مطابق بیان ڈاکٹر محمد اسحق واقع ہوئی تھی ۔

---

1 Indias Contribution to Hadith p. 197. (by Dr. Muhammad Ishaq of Dacca University) Published in Dacca University 1955.

۲ رجال السند والہند ص ۱۵۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کیٹلری بازار بمبئی ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۸ء

۳ لیکن

حضرت ابو معشر السندیؒ ۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابو معشر اور نام ونسب نجیح بن عبدالرحمٰن ہے - اور السندی، المدنی اور الھاشمی آپ کے نسبتی نام اور القاب ہیں۔ آپ قرن دوم کے زعمائے محدثین و فقہائے تابعین میں شمار ہوتے ہیں -

حضرت ابو معشر سندی النسل تھے -

حضرت ابو معشر باتفاقِ مترجمین ومورخین سندی النسل ہیں - آپ کے والدین سے گرفتار ہو کر عرب لے جائے گئے۔[1] ڈاکٹر محمد اسحٰق آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں "امام اوزاعی کے ایک ہم عصر و ہم جماعت شیخ نجیح بن عبدالرحمن سندھی ہیں جن کی کنیت ابو معشر ہے - آپ دراصل سندھ کے باشندہ تھے -

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی اس سلسلے میں آپ کے مشہور شاگرد ابو نعیم کی روایت بیان کرتے ہیں، "وقال ابو نعیم، "کان ابو معشر سندیاً وکان یقول حدثنا محمد بن "قعب" فی مقام "کعب"[2] ترجمہ :- ابو نعیم کہتے ہیں کہ ابو معشر سندھی اور کہا کرتے تھے ہم سے حدیث بیان کی محمد بن "قعب" نے "کعب" کی جگہ پر -

یعنی ابو نعیم ان کے سندی النسل ہونے پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہ عجمی ہونے کی وجہ سے عربی الفاظ کا صحیح تلفظ ادا نہیں کر سکتے تھے -

مولانا عبدالحی بن العماد الحنبلی (م ۱۰۸۹ھ) اپنی کتاب شذرات الذہب میں آپ کے ذکر کا آغاز "ابو معشر السندی" کے القاب سے کرتے ہیں اور اختتام لکھتے ہیں، "د

---

[1] سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم جولائی ۱۹۶۳ء مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۷ (امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن

لہ السندی من قبیل اللقب بالھند "[1] یعنی انہیں ہند (سندھ) ملقب ہونے کے باعث "السندی" کہا جاتا ہے۔

امام قاضی ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ "السند" کے تحت لکھتے ہیں، "والمشہور بالانتساب الیھا ابومعشر نجیح بن عبد[الرحمٰن] السندی المدانی مولیٰ ام موسیٰ ..."[2] ترجمہ:- اور اس (سندھ) کی طرف منسوب ہونے میں مشہور شخصیت "اُمِ موسیٰ کے مولیٰ ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن السندی المدنی ہیں۔

اسی طرح علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ، مولانا خیرالدین زرکلی، شیخ عمر رضا کحالہ، علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد م ۲۳۰ھ، ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ المعتزلی م ۲۵۵ھ اور ابومحمد عبداللہ بن قتیبہ م ۲۷۶ھ نے اسی لقب (السندی) سے متصف کر کے وادی سندھ سے منسوب کیا ہے۔[3]

اور اسی بناء پر سارے مترجمین و مورخین سندھ مثلاً مولانا امیر احمد مخدوم، قاضی اطہر مبارکپوری، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۵۰ء، پروفیسر محمد اسلم اور پروفیسر عبدالصمد صارم الازہری نے اپنے اپنے رسائل میں آپ کو محدثین و رجال سندھ کا میرِ کارواں شمار کیا ہے۔[4]

---

[1] شذرات الذہب ج۱ ص۲۴۹ (مولانا عبدالحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ المطبع القدسی الازہر، مصر ۱۳۵۰ھ۔
[2] کتاب الانساب ص۳۱۳ (قاضی ابوسعید عبدالکریم بن ابوبکر محمد بن ابی المظفر السمعانی الشافعی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء۔
[3] تاریخ بغداد ج۱۳ ص۴۲۷ (علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء
الاعلام ج۳ ص۲۰۸ (مولانا خیرالدین زرکلی) مطبوعہ - بیروت - طبع ۲
معجم المولفین ج۱۳ ص۸۳ (شیخ عمر رضا کحالہ) مطبوعہ مطبع الترقی دمشق ۱۳۵۶ھ۔
طبقات ابن سعد ج۵ ص۳۶۲ (علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد م ۲۳۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی
البیان والتبیین ج۱ ص۳۸۰ (امام المعتزلہ ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ م ۲۵۵ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء
المعارف ص۲۳۰ (امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ م ۲۷۶ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۹۰ھ
[4] مقدمہ بذل القوۃ ص۱ (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔
ہندوستان میں علم حدیث (مولانا محمد یوسف لدھیانوی) البلاغ اشاعت خاص ۱۳۹۰ھ مطبوعہ نیو ٹاؤن کراچی ۱۳۹۰ھ
تذکرہ مشاہیر سندھ ص۱۲-۱۳ (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۵۰ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۷۴ء۔
سرمایہ عمر ص۱۵۴ (مولانا پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۶۳ء
تاریخ الحدیث ص۳۰۶ (پروفیسر عبدالصمد صارم الازہری) مطبوعہ [illegible]

ترکِ وطن وولادت

ابومعشر کے خاندان کے ترکِ وطن کی تاریخ کسی تذکرے میں مذکور نہیں - البتہ مورخین کا بیان ہے کہ ان کے والدین سندھ سے بحیثیت جنگی قیدی گرفتار ہو کر عربستان لے جائے گئے تھے اور مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور حضرت ابومعشر وہاں پیدا ہوئے [۱]۔

چونکہ آپ کی پیدائش، رہائش، تعلیم و تربیت اور پھر علمی خدمات مدینۃ منورہ سے وابستہ تھیں اس لئے آپ "المدنی" کے معزز لقب سے مشرف ہوئے ۔

اور جب کہ اپنی غلامی کے دوران بنو ہاشم کے حصے میں آئے تھے لہٰذا آپ کو "الہاشمی" لقب کا شرف بھی نصیب ہوا ۔ چنانچہ ابومعشر خود اس کی فضیلت و عظمت کے پیشِ نظر بڑے اشتیاق سے کہا کرتے تھے کہ بنو ہاشم کے غلاموں سے ہونا میرے لئے زیادہ محبوب اور لائق فخر ہے اس سے کہ میرا نسب بنو حنظلہ (تمیم قوم) سے ہو [۲]۔

دورانِ غلامی میں بنو مخزوم کی ایک عورت نے انہیں خرید کر کے کچھ عرصے کے بعد مکاتب کر دیا - اور انہوں نے معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لی - اور ان کا حقِ ولاء المہدی کی والدہ (جو ام موسیٰ بنت منصور الحمیریہ سے مشہور ہیں) نے خرید لیا [۳]۔

امام ابوسعید سمعانی آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "مولیٰ ام موسیٰ وام موسیٰ ھِیَ ام المھدی من اھل المدینۃ" [۴] یعنی موسیٰ کی والدہ کے مولیٰ ہیں - اور موسیٰ کی والدہ یہی "المھدی" کی والدہ ہے جو اہل مدینہ سے ہے ۔

---

۱ سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی ۱۹۶۴ء) الرحیم جولائی ۱۹۶۳ء شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد

۲ تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۲-۱۶ (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۵۶ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد دسمبر ۱۹۵۷ء ۔

۳ المعارف ص ۲۳۰ (علامہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ م ۲۷۶ھ) مطبوعہ مصر ... سنہ ۱۳۹۰ھ ۔
تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۲-۱۶ (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۵۶ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۷ء ۔

۴ کتاب الانساب ص ۳۱۳ (امام قاضی ابوسعید عبدالکریم بن ابوبکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن سنہ ۱۹۱۲ء ۔

فضیلتِ "تابعیت" - ۴

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے اپنی کتاب فقہائے ہند میں لکھا ہے کہ ابو معشر تبع تابعی تھے[عہ] - لیکن علامہ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں: "رأى اباامامۃ سھل بن حنیف" یعنی آپ نے ابوامامہ سہل بن حنیف (صحابی) کو دیکھا - اور یہی روایت قاضی اطہر مبارکپوری نے رجال السند والھند میں پروفیسر عبدالصمد صارم الازہری نے تاریخ الحدیث میں بیان کی ہے[عہ]۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی ۷۴۸ھ نے لکھا ہے "رأى اسامۃ بن سھل" یعنی آپ نے اسامہ بن سہل کو دیکھا -

علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد الکاتب نے آپ کو اپنی کتاب "طبقات ابن سعد" میں تابعین طبقہ ششم میں شمار کیا ہے[۳]

(حاشیہ: لوٹ: اسامہ بن ... کی تحقیقات ... گروہ تابعی یا صحابی ...)

---

[۱] تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۴۲۶ (علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ)
مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء -
رجال السند والہند صفحہ ۲۹۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتبلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

[۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۱۶ (امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی وفات ۷۴۸ھ) مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ

[عہ] فقہائے ہند جلد ۱ صفحہ ۴۳-۴۲ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء -

[عہ] تاریخ الحدیث صفحہ ۳۰۷ (پروفیسر محمد صارم الازہری) مطبوعہ: السعود اینڈ پرنٹ پریس لاہور ۱۹۶۳ء -

[۳] - طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۳۱۲ (علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد الکاتب م ۲۳۰ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

شیوخ واساتذہ۔

حضرت ابومعشر کو اپنی غلامی کے دوران مشاغل ومصروفیات کے باوجود تحصیل علوم کا شوق وشغف دامن گیر رہتا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کی خاطر زعمائے تابعین وفضلائے محدثین سے استفادہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے علوم حدیث اور فن مغازی میں اعلےٰ مہارت وکمال حاصل کیا[۱]

ابومعشر کے اساتذہ میں مندرجہ ذیل ممتاز تابعین وفقہائے محدثین قابل ذکر ہیں جن کا تذکرہ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ)، مولانا محمد اسحٰق بھٹی اور ڈاکٹر محمد اسحٰق وغیرہم نے کیا ہے[۲]۔ امام محمد بن المنکدر (م ۱۳۰ھ) سعید بن ابی سعید المقبری (۱۲۵ھ) ہشام بن عروہ (م ۱۴۶ھ) حضرت نافع بن سرجس (م ۱۱۷ھ) امام محمد بن کعب القرظی (۱۰۸ھ) موسیٰ بن یسار اور محمد بن قیس اور علاوہ ازیں آپ نے اپنے وقت کے دوسرے بڑے بڑے محدثین وائمہ دین سے بھی حدیث کی تحصیل وسماعت کی ہے۔

علامہ عبدالحی بن العماد الحنبلی (م ۱۰۸۹ھ) لکھتے ہیں "روی عن محمد بن کعب القرظی والکبار"[۳] اور امام ذہبی مذکورہ شیوخ کا شمار کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں "وطائفۃ"[۴]

---

۱ انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۰۲ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۶-۲۱۷ (امام ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن
فقہائے ہند ج ۱ ص ۸۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء طبع اول۔
انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۰۲ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء۔

۳ شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۴۸ (علامہ عبدالحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۵۰ھ۔

۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۷ (امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ

آخذین وتلامذہ :-

حضرت ابو معشر کے، حجاز و عراق میں، سالہا سال درس و تدریس اور روایت حدیث کے ثمرے میں آپ کی فہرستِ تلامذہ بہت طویل و عریض ہو گئی تھی۔ جن میں سے مندرجہ ذیل ممتاز حفاظ و ائمہ حدیث آپ کی مشہور یادگار ہیں :- مثلاً حافظ ابو نعیم فضل بن دکین (م ۲۱۹ھ)، امام سفیان بن سعید الثوری (م ۱۶۱ھ)، حافظ عبد الرزاق بن ہمام (م ۲۱۱ھ) حافظ ہشیم بن بشیر سلمی (م ۱۸۳ھ)، شیخ منصور بن ابی مزاحم، امام ابو وکیع بن جراح (م ۱۹۷ھ) ہشام بن حسان (م ۱۴۷ھ) حافظ محمد بن بکار (م ـــھ)، حافظ لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ)، امام ابو عبد اللہ محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ) اور آپ کے فرزند حافظ ابو عبد الملک محمد بن ابی معشر[1] علاوہ ازیں حجاز و عراق کے بیشمار لوگوں نے آپ سے تحصیل و سماعتِ حدیث کی ہے۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی لکھتے ہیں، "وقد رَوَىٰ عَنهُ النَّاسُ"[2] یعنی ان (ابو معشر) سے لوگوں نے روایت کی ہے۔ امام ابو سعید عبد الکریم السمعانی م ۵۶۲ھ آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "رَوَىٰ عنہ العراقیونؐ"[3] یعنی اہل عراق نے ان (ابو معشر) سے روایت کی ہے۔ اس طرح ابو معشر کو عرب کے دونوں خطوں "حجاز و عراق" کے علماء و فضلاء کی استاذی کا شرف حاصل ہوا۔

۱ھ تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۲۱۷ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۳ھ۔
تذکرہ مشاہیر سندھ ص۱۴ (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۵۰ھ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۹۵۴ء۔

۲ھ جامع ترمذی ج۱ ص ـــ (امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی م ۲۷۹ھ) مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی ۱۳۸۰ھ۔

۳ھ کتاب الانساب ص۳۱۳ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء۔

حضرت ابو معشرؒ کا مدینہ منورہ میں دار الحدیث

حضرت ابو معشرؒ نے تحصیل علوم کے بعد خود مدینہ منورہ میں ایک درس گاہ قائم کرکے علوم الحدیث، مغازی اور فنون شریعت کی تدریس و تحدیث کا سلسلہ جاری کیا۔ اور صدہا تشنگانِ دین کو سیراب و فیضیاب کرتے رہے۔

ڈاکٹر محمد اسحٰق لکھتے ہیں، "انہوں نے مدینہ طیبہ میں ایک حلقہ (ادارۂ درس) قائم کیا۔ جہاں وہ حدیث، مغازی اور فقہ کا درس دیا کرتے تھے"۔ [۱]

ابو معشرؒ ۱۶۰ھ تک مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اور اس کے بعد خلیفہ المہدی کی دعوت پر دار الخلافت بغداد شریف تشریف لے جاکر تدریس و تحدیث کا مشغلہ جاری کیا (جس کا تفصیلی بیان آگے لکھا جائیگا) اس طرح اسلامی دونوں مرکزی شہروں کے عوام خواص اور شاہ و گدا آپ کے خزانہ علم سے مالا مال ہو گئے۔

مولانا محمد اسلم لکھتے ہیں، "ابو معشرؒ نے مدینہ منورہ اور بغداد میں درس حدیث کا سلسلہ جاری کیا۔ اور عرب و عراق کے نامور علماء نے ان سے حدیث کی سند لی بالخصوص، آپ کا اپنا گھر آپ کی شب و روز کی محنت و مشقت اور سعی جمیل کی بدولت ایک علمی ادارہ و دار الحدیث بن چکا تھا۔ اور آپ کے گھرانے کا ہر فرد حافظ الحدیث و یادگار زمانہ بن گیا تھا۔

ڈاکٹر محمد اسحٰق لکھتے ہیں "یہ ایک مہتم بالشان امر ہے کہ انہوں نے اپنی علمی ترقی سے اپنے خاندان کا رتبہ بہت بلند کیا۔ اور ان کے لڑکے اور پوتوں نے آنے والی صدیوں تک یہ علمی مشعل روشن کئے رکھا۔ اس لیے ابو معشر کا یہ علمی ورثہ ایک توجہ طلب اور قابل قدر ذخیرہ ہے۔ محض ایک نظر گزارنے کی چیز نہیں۔ [۲]

---

[۱] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۳۰ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء۔
[۲] ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً
[۳] سرمایہ عمر ص۱۵۹ (پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶

حضرت ابو معشرؒ کا دار الخلافت بغداد میں منتقل ہونا۔

حضرت ابو معشرؒ ۱۶۰ھ تک مدینہ منورہ میں رہ کر علوم دین کی خدمت بجالاتے رہے۔ چنانچہ اس عرصہ میں حجاز کا شرق و غرب آپ کی علمی فیض رسانی سے چمک اٹھا۔ اور عرب کے طول و عرض میں آپ کی شہرت کا چرچا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ خلیفہ المہدی عباسی یہ سن کر بے حد متاثر ہوئے اور ۱۶۰ھ کو جب وہ حج پر گئے تھے تو آپ کو ایک ہزار دینار انعام پیش کرتے ہوئے بغداد چلنے کی درخواست کی۔ تاکہ وہ دار الخلافت میں رہ کر ان کے تعاون و انتظام سے علوم حدیث و فنون شریعت کا بڑے پیمانے پر نشر و اشاعت کریں۔ چنانچہ ابو معشرؒ ۱۶۰ھ کو خلیفہ کے التماس پر مدینہ منورہ سے اپنے اہل و عیال کے ساتھ بغداد شریف منتقل ہو گئے۔ اور تادم زیست وہاں معارف اسلامیہ و علوم دین کی خدمات بجالاتے رہے۔[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں، "اشخصہ المہدی الی العراق وامر لہ بالف دینار وقال تکون بحضرتنا فتفقہ من حولنا۔"[2] ترجمہ:- المہدی (خلیفہ عباسی م ۱۶۹ھ) انہیں عراق لے گئے۔ اور ان کے لئے ایک ہزار دینار عطیہ کا حکم دیا اور کہا کہ آپ ہمارے دربار میں ہونگے تو گرد و نواح کے لوگوں کو علوم دین سکھائیں گے۔ اسی طرح دوسرے ارباب قلم و اصحاب مثلاً علامہ عبد الحی بن العماد الحنبلی، قاضی اطہر مبارکپوری وغیرہ نے انہی الفاظ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔[3]

ابو معشرؒ نے اپنے علم و فضل اور علمی خدمات کی بدولت دولتِ عباسیہ میں مقام حاصل کیا۔ خلیفۂ وقت، ارکین دربار، عوام و خواص اور علماء و فضلاء آپ کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

ـه۱ انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۰۳ (ڈاکٹر محمد اسحق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء
فقہائے ہند ج۱ ص۵۸ (مولانا محمد اسحق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء
ع ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

ـه۲ تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۲۱۶ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدرآباد دکن ۱۹۵۵ء

ـه۳ شذرات الذہب ج۱ ص۲۵۶ (علامہ عبد الحی بن العماد م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۵۰ھ
رجال السند و الہند ص۲۵۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ ممبئی ۱۳۷۷ھ

تصنیف و تالیف :-

حضرت ابومعشرؒ نے نہ صرف تدریس و تحدیث سے علوم حدیث و مغازی کی خدمت
بلکہ انہوں نے ان علوم و فنون کی تصنیف و تالیف سے بھی نشر و اشاعت کا فریضہ
انجام دیا - سارے مورخین و اہل قلم آپ کو صاحب تصنیف اور صاحب المغازی کے
کے القاب سے یاد کرتے ہیں -

آپ کی تصنیفات سے "کتاب المغازی" کا تذکرہ ملتا ہے - یہ مصنف کا
شاہکار کارنامہ اور بہت اونچی تصنیف ہے جس کے بدولت آپ کو ابدی شہرت نصیب
ہو گئی - علامہ ابوالفرج محمد بن اسحاق بن ندیم الوراق ۳۸۵ھ آپ کے تعارفی بیان میں
"انہ عارف بالاحداث والسیر واحد المحدثین ولہ من الکتب کتاب المغازی
ترجمہ :- وہ (ابومعشر) بیشک حادثات و واقعات اور جنگ و غزوہ کے ماہر عالم اور
محدثین سے ایک ہیں - اور تصنیفات میں سے ان کی ایک تصنیف کتاب المغازی" ہے -[۱]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج۱ ص۹۱۳ میں آپ کی اس علمی یادگار کا مندرجہ
ذیل الفاظ میں جائزہ پیش کیا گیا ہے - لکھتے ہیں ،" وہ (ابومعشرؒ) اپنی تصنیف
"کتاب المغازی" کی بدولت بجا طور پر شہرت کے مستحق ہیں - جس کی کئی ایک اجزاء امام واقدی
اور ابن سعد کی کتاب المغازی میں محفوظ ہیں - اسرائیلی تاریخ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی حیات طیبہ کے علاوہ سنین و تواریخ کے بارے میں بالخصوص جن کا سلسلہ اس کے سال
وفات تک پہنچتا ہے الطبریؒ کی معلومات اسی سے ماخوذ ہیں "[۲]

اسی طرح شیخ عمر رضا کحالہ[۳] وغیرہ اکثر مصنفین و مترجمین نے آپ کی اس مایہ ناز تصنیف
کی بے حد تعریف و توصیف کی ہے -

لیکن افسوس کہ یہ شاہکار یادگار معدوم و نا معلوم ہو چکی ہے - اس کا کوئی پتہ نہیں لگ سکا

۱ے رجال السند والہند ص۲۵۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء
بحوالہ الفہرست (علامہ ابوالفرج محمد بن اسحٰق بن ندیم الوراق ۳۸۵ھ) -
۲ے اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج۱ ص۹۱۳ (پنجاب یونیورسٹی لاہور)
۳ے معجم المولفین ج۱۳ ص۸۳ (شیخ عمر رضا کحالہ) مطبوعہ مطبع البرقی دمشق ۱۳۵۶ھ -

مرویات۔

حضرت ابومعشرؒ کثیر الروایت محدث تھے۔ حدیث، سیر و غزوہ اور تاریخ و سیرت النبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے متعلق مصنفین و محدثین اور ارباب سیر و تواریخ نے آپ کی کافی مرویات روایت کی ہیں۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی م ۲۰۷ھ، علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد م ۲۳۰ھ امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری نے آپ کی بیشمار روایتیں اخذ کی ہیں۔[۱]

علاوہ ازیں مصنفین صحاح ستہ نے بھی آپ کی حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے چند ایک یہاں تحریر کی جاتی ہیں۔

بروایت النسائی۔[۲]

اخبرنا قتیبۃ قال حدثنا حماد بن زید عن ھشام بن حسان عن ابی معشر عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ رضی اللہ تعالے عنہا قالت لقد رأیتنی افرک الجنابۃ من ثوب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

بروایت الترمذی[۳]

حدثنا محمد بن ابی معشر نا ابی عن محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالے عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ما بین المشرق والمغرب قبلۃ

---

[۱] اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج۱ ص۹۱۳ - مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

[۲] سنن النسائی المجتبیٰ ج۱ ص۵۶ (امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی م ۳۰۳ھ) مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی ۱۳۸۰ھ

[۳] سنن ترمذی ج۱ ص۷ (امام ابوعیسےٰ محمد بن عیسےٰ الترمذی م ۲۷۹ھ) مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی سن ۱۳۸۰ھ

حضرت ابو معشرؒ کا علمی مقام اور اہلِ قلم کے تبصرے۔

ابو معشر کا علمی مقام بہت بلند ہے۔ آپ کی شخصیت بحیثیت راوی و محدث قابل قدر و لائق فخر ہے۔ بالخصوص علوم المغازی والسیر میں آپ قادر الکلام و ماہر الفن شمار ہوتے ہیں

لیکن افسوس! (ہر کمالے را زوالے) ابو معشرؒ کو آخرِ عمر میں ضعف حافظہ کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کا علمی خزینہ وبال فتور و اختلال کا شکار ہو کر رہ گیا۔ علامہ ابو سعید عبد الکریم بن محمد السمعانی م ۵۶۲ھ اس دردانگیز حادثہ کا اس طرح بیان کرتے ہیں، "وکان ممن اختلط فی آخر عمرہ وبقی سنتین فی تغیر شدید لایدری مایحدث به لکثرة المناکیر فی روایاته من قبل اختلاطه فبطل الاحتجاج به[۱]" ترجمہ:- (ابو معشر) کو آخر عمر میں دماغی فتور کا عارضہ لاحق ہو گیا اور مرنے سے قبل چند سال شدید ردوبدل میں مبتلا ہو گیا۔ اسے اپنی روایات میں، بکثرت مناکیر کے سبب جو اس کے دماغی فتور سے ہو تے تھے، یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ (وہ) کیا بتا رہا ہے۔ لہٰذا اس سے حجت لینا باطل ہے۔

اسی طرح دوسرے مترجمین رجال و ماہرین اصول مثلاً امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النسائی م ۳۰۳ھ، علامہ سید عبد الحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ، قاضی ابو المعالی اطہر علی مبارکپوری اور مولانا محمد اسحٰق بھٹی وغیرہم بھی آپ کی یہی شکایت پیش کرتے ہیں[۲]

اسی وجہ سے اکثر محدثین و مورخین آپ کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے بھی آپ کو

۱؎ کتاب الانساب ص ۳۱۳ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن سنہ ۱۹۱۲ء

۲؎ سنن نسائی ج ۱ ص ۳۱۳ (امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النسائی م ۳۰۳ھ) مطبوعہ مطبع سعید کراچی سنہ ۱۳۸۰ھ

نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر ج ۱ ص ۴۵ (مولانا سید عبد الحی بن فخر الدین الحسنی) مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۶۶ھ

رجال السند والہند ص ۲۵۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کیلکری بازار بمبئی ہند سنہ ۱۳۷۷ھ / سنہ ۱۹۵۸ء۔

فقہائے ہند ج ۱ ص ۸۴ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۴ء طبع اول

ضعیف، غیر مستقیم اور ناقص الحفظ قرار دیتے ہیں۔ امام احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں [۱]" کان بصیراً بالمغازی صدوقا و کان لا یقیم الاسناد" ترجمہ (ابو معشر) فن مغازی میں بہت ماہر تھے صدوق تھے۔ اور اسناد (حدیث کے رواۃ) ٹھیک نہیں بتا سکتے تھے۔ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ) کہتے ہیں: "وکان من اوعیۃ العلم علیٰ نقص فی حفظہ [۲]" یعنی (ابو معشر) علم کے مخزن تھے..... اپنے نقص حفظ کے باوجود۔

اور اسی اختلال و ضعفِ حفظ کے باعث بعض علمائے حدیث نے انہیں مجروح و مخدوش قرار دیا ہے۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م ۲۷۹ھ) لکھتے ہیں، "وقد تکلم بعض اہل العلم فی ابی معشر من قبل حفظہ واسمہ نجیح مولیٰ بنی ہاشم۔ قال محمد لا اروی عنہ شیئاً" [۳] ترجمہ:- بہ تحقیق کچھ اہل علم نے ابی معشر کے بارے میں ان کے سوء حفظ کے سبب کلام (اعتراض) کیا ہے۔ ان کا نام نجیح ہے۔ بنو ہاشم کے غلام ہیں۔ امام محمد (بن اسمعیل البخاری م ۲۵۶ھ) کہتے ہیں کہ میں ان سے کچھ روایت نہیں کرتا۔

قاضی اطہر مبارکپوری امام بخاری موصوف کا ابو معشر کے بارے میں ایک اور بیان نقل کرتے ہیں، "قال الامام البخاری فی التاریخ الصغیر نجیح ابو معشر السندی مولیٰ ام سلمۃ یخالف حدیثہ وقال کان یحیی لا یحدث عن ابی معشر المدنی ویضعفہ جداً ویضحک اذا ذکرہ" [۴] ترجمہ: امام بخاری نے (محمد بن اسمعیل بن ابراہیم البخاری م ۲۵۶ھ) "التاریخ الصغیر" میں کہا کہ نجیح ابو معشر السندی ام سلمہ کے غلام اپنی حدیث کے خلاف بولتے ہیں۔ اور کہا (امام بخاری نے) کہ یحیی (ابن معین) ابو معشر مدنی سے حدیث روایت نہیں کرتے تھے

ھ ۱ } تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۷-۲۱۶ (امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدر آباد دکن ۱۳۳۳ھ۔
ھ ۲ }

ھ ۳ سنن ترمذی ج ۱ ص ۔ (امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی م ۲۷۹ھ) مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی ۱۳۸۰ھ۔

ھ ۴ رجال السند والہند ص ۲۵۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشیلری بازار بمبئی ہند ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء
بحوالہ:- التاریخ الصغیر (امام ابو عبداللہ محمد بن اسمعیل بن ابراہیم البخاری م ۲۵۶ھ)۔

اور انہیں بے حد ضعیف قرار دیتے تھے اور جب ان کا تذکرہ کرتے تو ہنس پڑتے۔
قاضی اطہر امام یحیٰ بن معین کا اس سلسلے میں ایک اور تبصرہ ذکر کرتے ہیں، "قال ابن معین کان امیا یتقی من حدیثہ المسند "[۱] ترجمہ:۔ یحیٰ بن معین کہتے ہیں (ابو معشر) امی (بے علم) تھے سند محدث ان کی حدیث سے پرہیز کرتا ہے۔

انکشافِ حقیقت۔

لیکن اگر تفتیش و تحقیق کیجائے تو اس حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ ابو معشر کی صداقت و ثقاہت پر کسی بھی اہل علم کو کلام نہیں۔ بلکہ معترضین کی جرح و تنقید کا سارا مدار ان کے حافظہ پر ہے۔ اور مورخین و مترجمین نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ یہ مرض و عارضہ ابو معشر کو عمر کے آخری سالوں میں لاحق ہو گیا تھا[۲]
اور اس امر کی وضاحت و تفصیل کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فن اصول کی رو سے ابو معشر کی جملہ مرویات ہرگز مسترد نہیں کی جا سکتیں اور نہ یہ الزام ان کی ساری عمر پر محیط و حاوی کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ ان کی محض ایام علالت و اختلال والی مرویات قابل اعتراض و مسترد ہو سکتی ہیں۔ لیکن ماقبل خبط و اختلاط کی روایات کلی... قابل قبول و حجت مانی جائینگی۔
امام ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی (م ۶۷۶ھ) اس باب میں فرماتے ہیں، "اذا اختلط الثقۃ لاختلال ضبطہ بخرف اوھرم اولذھاب بصرہ او نحو ذالک قبل حدیث من اخذ عنہ قبل الاختلاط ولا یقبل حدیث من اخذ عنہ بعد الاختلاط اوشککنا فی وقت اخذہ[۲]" ترجمہ:۔ جب ثقہ راوی کو جنون، بڑھاپا یا بینائی ضائع ہونے کے سبب یا ایسی کسی اور وجہ سے حافظہ میں خلل پڑ کر دماغی فتور ہوا ہو، تو قبول کیجائیگی حدیث اس شخص کی جس نے اختلاط (دماغی فتور) سے پہلے اس سے اخذ کی تھی۔

---

۱ رجال السند والہند ص ۲۵۶ (قاضی ابوالمعالی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کیثلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء
۲ مقدمہ شرح صحیح مسلم للنووی ص ۱۸ (امام ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی م ۶۷۶ھ) مطبوعہ اصح المطابع کراچی طبع ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء

اور اس شخص کی حدیث نہیں قبول کیجائیگی جس نے اس سے اختلاط کے بعد لی ہو۔ یا ہمیں اس کے اخذ کرنے کے وقت میں شک ہو۔

اور امام بخاریؒ کا یہ قول، "لا اروی عنہ شیئاً"[۱] ابو معشر کی ثقاہت و صداقت کو مجروح نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس کے خلاف کوئی فیصلہ و فتوی نہیں۔ بلکہ امام صاحب نے ان کے اختلاط و ضعف حافظہ کے باعث بنا بر احتیاط و تقوی یہ کہدیا۔

اور کسی خاص شخصیت کا ذاتی طور پر تقوی کے پیش نظر کوئی اقدام کرنے سے مسئلے میں عمومی فتوی صادر نہیں ہوتا۔ اسی بناء پر امام ترمذیؒ نے مذکورہ مقولہ کے ساتھ ہی کہدیا، "وقد روی عنہ الناس"[۲] یعنی اور بتحقیق روایت کی ان سے لوگوں نے

اور امام بخاریؒ کا دوسرا بیان "یخالف حدیثہ وکان یحیی لا یحدث عن ابی معشر المدنی ویضعفہ جداً ویضحک اذا ذکرہ"[۳] ترجمہ:۔ (ابو معشر) اپنی حدیث کے خلاف بولتا ہے۔ اور یحیی ابی معشر مدنی سے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ اور اسے بے حد ضعیف قرار دیتے تھے۔ اور جب اس کا تذکرہ کرتے تو ہنس پڑتے۔

اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ یہ ابو معشر کے ایام اختلاط و اختلال کی باتیں ہونگی۔ کیونکہ یہ ایک مسلم امر ہے کہ کوئی بھی سلیم العقل باہوش و باحواس آدمی ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ خود اپنی بات کے خلاف بولے تو ایک ثقہ صدوق محدث، استاذ ائمہ و حفاظ حدیث صاحب تصنیف و تالیف اہل دربار صاحب وقار عمر رسیدہ فاضل شخص حدیث رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) میں کس طرح اپنے مرویہ کے خلاف بول سکتا ہے؟

پس امام یحییٰ کا ان کی حدیث روایت نہ کرنا وغیرہ محض اسی وجہ سے ہے۔

اور امام یحییٰ کا یہ اعتراض، "کان امیاً یتقی من حدیثہ المسند"[۴] (یعنی (ابو معشرؒ) عامی تھے اہل سند محدث ان کی حدیث سے پرہیز کرتا ہے) حقیقت میں یہ ایک بے جا اعتراض و الزام محض ہے جس کا کوئی مقام نہیں۔

---

[۱] [۲] سنن ترمذی جلد ۱ ص ۲۰ (امام ابو عیسے محمد بن عیسے الترمذی م ۲۷۹ھ) مطبوعہ مطبع سعید کراچی سنہ ۱۳۸۰ھ۔

[۳] [۴] رجال السند و الہند ص ۲۵۶ (قاضی ابو المعالی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشمیری بازار بمبئی سنہ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء

کیونکہ ابومعشر کو بے علم، عامی کہنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ بلکہ یہ در حقیقت سورج کو ہتھیلی سے چھپانے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ یہ بات کتب تواریخ وتراجم کی ورق گردانی سے ثابت ومسلم ہو چکی ہے کہ امت کے فضلائے محدثین وعلمائے مورخین نے ابومعشر کو بہ یک زبان فقیہ، محدث، عارف المغازی، عالم الاحداث والسیر، صاحب الروایت والحدیث، صاحب التدریس والتحدیث اور صاحب التصنیف والتالیف کے آداب والقاب سے یاد کیا ہے۔

علامہ شیخ عمر رضا کحالہ لکھتے ہیں، "الشیخ المحدث نجیح بن عبد الرحمٰن السندی الھاشمی کانت کنیتہ ابا معشر کان سندیا محدثا اخباریا، ثقۃ وصاحب التصنیف من مصنفاتہ کتاب المغازی مشھور"۔[۱] ترجمہ:- شیخ محدث نجیح بن عبد الرحمٰن سندھی، ہاشمی۔ ان کی کنیت ابومعشر تھی۔ وہ سندی النسل، عالم حدیث، ماہر اخبار وسیر، ثقہ اور صاحب تصنیف تھے۔ ان کی من جملہ تصنیفات میں سے مشہور تصنیف کتاب المغازی ہے۔

امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) نے آپ کی توصیف ان الفاظ میں کی ہے، "کان من اعلم الناس بالمغازی"۔[۲] یعنی (ابومعشر) علوم مغازی میں سارے لوگوں سے زیادہ عالم تھے۔

امام احمد بن حنبل م ۲۴۱ھ لکھتے ہیں، "کان بصیرا بالمغازی صدوقا"،[۳] (ابومعشر) علوم مغازی میں ماہر اور صدوق (سچے) تھے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ لکھتے ہیں، "وکان من اوعیۃ العلم علی نقص فی حفظہ"۔[۴] یعنی (ابومعشر) اپنے حافظہ کے نقص کے باوجود علم کے مخزن تھے۔ امام المعتزلہ علامہ ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ (م ۲۵۵ھ) آپ کی تعریف میں لکھتے ہیں، "وکان من اصحٰب الروایۃ والحدیث"[۵] یعنی (ابومعشر) فضلائے روایت وحدیث سے تھے۔

۱؎ معجم المولفین ج ۱۳ ص ۸۳ (علامہ شیخ عمر رضا کحالہ) مطبوعہ مطبع الترقی دمشق۔ ۱۳۷۶ھ۔
۲؎ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۷ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء۔
۳؎ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۶ (امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ۔
۴؎ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً
۵؎ البیان والتبیین ج ۱ ص ۳۸۰ (امام المعتزلہ علامہ ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ (م ۲۵۵ھ)) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء۔

علامہ ابو الفرج محمد بن اسحٰق بن ندیم الوراق (م ۳۸۵ھ) لکھتے ہیں، "انہ عارف بالاحداث والسیر واحد المحدثین ولہ من الکتب کتاب المغازی"[1] ترجمہ:۔ بہ تحقیق وہ (ابومعشر) حادثات واقعات اور سیر کے ماہر عالم اور محدثین سے ایک تھے اور کتب میں ان کی تصنیف "کتاب المغازی" ہے۔

امام ذہبی ؒ لکھتے "وقال ابوزرعۃ، صدوق"[2] حافظ امام ابوزرعہ کہتے ہیں کہ (ابومعشر) نہایت سچے ہیں۔ آگے امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی م ۳۰۳ھ کے ... تبصرے پر کہتے ہیں، "قلت قد احتج بہ النسائی"[3] میں کہتا ہوں کہ امام نسائی نے انہیں حجت مانا ہے۔

اور اگر یحیٰ بن معین نے ابومعشر کو سندی النسل عجمی الاصل ہونے کی بناء پر ادب ولغت عرب سے ناواقف ولاعلم سمجھ کر اُمّی کہا ہو تو یہ الزام ان کے محض ذاتی وہم وخیال کی تخلیق ہوگا۔ کیونکہ ابومعشر کی ساری عمر پیدائش سے لے کر وفات کی گھڑیوں تک عرب کے لیل ونہار میں بسر ہوئی۔ اور نہ محض یہ بلکہ وہ سالہا سال وقرنہا قرن حجاز وعراق کی سرزمین میں حدیث ومغازی اور فنون شریعت کی حجازی زبان میں فصحاء وبلغاء عرب کے درمیان تدریس وتقریر اور تصنیف وتالیف میں عمرِ عزیز کھپاتے رہے تو کیا اس کے باوجود بھی کوئی انہیں علم وادب اور لغت ولسان عرب سے ناآشنا ونابلد سمجھ کر اُمّی کہہ سکتا ہے؟ اور کیا! ایسے الزام کے بل بوتے ایک ایسے ثقہ وصدوق فاضل محدث کے سارے ذخیرۂ علم وحدیث کو یکسر مسترد کرنے میں کوئی حق بجانب ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔

بالخصوص خلیفہ المہدی کا ابومعشر کو عرب میں سیکڑوں علماء وفضلاء اور ائمہ وحفاظِ حدیث کے ہوتے ہوئے محض معارف اسلامیہ وعلوم شرعیہ کی تدریس وتحدیث کی خاطر (جس پر المہدی کے الفاظ "تکون بحضرتنا فتفقہ من حولنا"[4] واضح طور پر دلالت کرتے ہیں) خلد الخلافہ لے جانا اور شاہی انعام واکرام سے نوازنا۔ اور پھر ان کا

---

[1] رجال السند والہند ص ۲۵۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کنیگری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔ بحوالہ الفہرست علامہ ابن ندیم۔

[2] [3] [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۶-۲۱۷ (امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ۔

دس سال تک دربارِ خلافتِ مہدی وہارون میں بغداد جیسے مرکزِ علم وفن شہر کے اندر خاصی شہرت وکامیابی کے ساتھ اونچا نام ومقام حاصل کرنا اور رحلت وتدفین تک اعلےٰ اعزاز واکرام پاتا اس بات کی بین حجت ہے کہ ابو معشر اپنے زمانے میں امامِ وقت واستاذ علم وفن تھے۔

ورنہ یہ امر خلافِ عقل وقیاس ہوگا کہ عرب وعراق کے فضلائے محدثین وفقہائے مجتہدین کو چھوڑ کر خلیفہ المہدی ایک ضعیف الروایت ناقابلِ حجت اُمّی شخص کو دار الخلافہ میں لاکر مہماتِ دین ومعاملاتِ شرعِ متین اور علوم وفنون کی تدریس وتحدیث کا سرپرست وسربراہ مقرر کردیں۔

علاوہ ازیں ابو معشر کے تلامذہ ورواۃ الحدیث کی فہرست[۱] میں بھی نظر ڈالنے سے اس بات کی قطعی یقین دہانی ہوجاتی ہے کہ وہ علم وفضل میں یگانۂ زمانہ اور حجت تھے۔

وفات:-

حضرت ابو معشر نے رمضان المکرم ۱۷۰ھ میں بغداد شریف میں وفات پائی۔ ان کی نمازِ جنازہ خلیفہ ہارون الرشید (م ۱۹۳ھ) نے خود پڑھائی۔ اور ان کی موت پر شدید غم وتاسف کیا۔ اور انہیں بغداد کے المقبرۃ الکبیرۃ میں دفن کیا گیا[۲]

حضرت ابو معشر کا چہرہ خوش رنگ وسفید، آنکھیں نیلگوں اور جسم بھاری بھرکم اور تنومند تھا[۳]

۱ے فقہائے ہند ج ۱ ص ۸۲ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۴ء
تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۷ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۳۳ھ
تذکرہ مشاہیر سندھ ج ۱ ص ۱۲-۱۶ (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۵۰ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ سنہ ۱۹۷۴ء

۲ے فقہائے ہند ج ۱ ص ۸۵ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۴ء
تاریخ الحدیث ص ۲۰۶ (پروفیسر عبد الصمد صارم الازہری) مطبوعہ آکسفورڈ کیمبرج پریس لاہور سنہ ۱۹۶۳ء
تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۲-۱۶ (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۵۰ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی

۳ے المعارف ص ۲۲۳ (علامہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ م ۲۷۶ھ) مطبوعہ مصر سنہ ۱۹۶۰ء
فقہائے ہند ج ۱ ص ۸۵ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۴ء

شیخ السندی بن شماس

شیخ السندی بن شماس قرن دوم کے ثقات محدثین وکبار تبع تابعین سے شمار ہوتے ہیں[1]
لیکن آپ کے تفصیلی حالات وسوانح حیات کا کوئی بیان نہ مل سکا۔ مترجمین سے محض
امام ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) نے اپنے والد ماجد کے حوالے سے آپ کا
ایک بالکل مختصر وتشنہ تذکرہ بیان کیا ہے۔ جسے قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی
کتاب "رجال السند والہند" میں نقل کیا ہے۔ ہم بھی یہاں اسے حرف
بہ حرف پیش کرینگے۔

نام ونسب اور قوم ووطن۔

امام ابن ابی حاتم الرازی نے آپ کا ترجمہ آپ کے محض نسبتی نام "السندی" سے
لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں، "السندی بن شماس البصری"[2] اور قاضی اطہر نے
بھی اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔
اور اس بات سے کہ آپ اپنے نسبتی نام ولقب "السندی" سے اس قدر مشہور
ومتعارف ہوگئے تھے کہ آپ کا ذاتی اسم علم بالکل معدوم ونامعلوم ہو کر رہ گیا یہ ثابت
ہوتا ہے کہ آپ کا اصل وطن سندھ تھا۔ اور آپ نسلاً سندھی تھے۔ اور اس بنا پر
قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کو رجال سندھ میں شمار کیا ہے[3]
لیکن یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ آپ سندھ کے کس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں؟
اور کب؟ اور کیسے ہجرت کر کے عرب جا بسے؟

ے ۱ رجال السند والہند ص ۱۴۴ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشیلری بازار بمبئی (ہند) ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔
ے ۲ کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۳۱۸ (امام ابو محمد عبد الرحمن ابن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۰ھ
ے ۳ رجال السند والہند ص ۱۴۴ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشیلری بازار بمبئی (ہند) ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء
ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

البتہ آپ کے شیخ امام محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ) کی تاریخ وفات کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ یا تو پہلی صدی کے کسی دور میں یا دوسری صدی کے عشرہ اول میں (اپنے شیخ امام محمد بن سیرین کی وفات ۱۱۰ھ سے کچھ عرصہ قبل) ترک وطن کر کے عرب جا پہنچے اور ان سے تحصیل وسماعتِ حدیث کر کے ان کا شرفِ تلمذ اور درجۂ تبع تابعین حاصل کیا۔ پس آپ کو وطن اصلی کے اعتبار سے السندی اور وطن سکنی کے لحاظ سے البصری کہا جاتا ہے۔

شیوخ واساتذہ

شیخ السندی بن شماس نے ساداتِ تابعین وفقہائے محدثین حضرت عطا بن ابی رباح (م ۱۱۵ھ) اور امام محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ) سے براہ راست تحصیل وسماعت حدیث کی اور ان کے شرفِ ملاقات سے فضیلتِ تبع تابعین سے بھی سرفراز ہوئے۔

امام ابن ابی حاتم لکھتے ہیں، "روی عن عطاء وابن سیرین" (رحمہم اللہ تعالیٰ)[1]

آخذین وتلامذہ

آپ سے رواۃ الحدیث میں دو حضرات کے نام مذکور ہیں۔ امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں "روی عنہ موسیٰ بن اسمٰعیل وحوثرہ بن اشرس" یعنی ان سے موسیٰ بن اسمٰعیل اور حوثرہ بن اشرس نے روایت کی ہے۔

ترجمۂ ہذا کے اختتام پر امام ابن ابی حاتم رازی ان بیانات کی نسبت اپنے والد ماجد کی طرف کر کے لکھتے ہیں، "سمعت ابی یقول ذالک"[2]، ترجمہ:- میں نے اپنے باپ کو یہ کہتے سنا۔

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۳۱۹ (امام ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف نظامیہ حیدر آباد

[2] رجال السند والہند ص ۱۴۴ (قاضی اطہر علی مبارکپوری) مطبوعہ کشمیری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

وفات :-

شیخ سندھی کی تاریخ وفات کے بارے میں امام ابن ابی حاتم رازی نے کوئی بیان نہیں دیا ہے۔ لیکن قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں، "قال القاضی کان السندی بن شماس من رجال المائة الثانیة"[1] ترجمہ:- قاضی کہتے ہیں کہ شیخ سندی بن شماس دوسری صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے رجال سے تھے۔

اور یہ قاضی کی بات، شیخ سندھی کے اساتذہ کے قرن و تاریخ وفات (یعنی امام ابن سیرین ۱۱۰ھ و امام عطاء ۱۱۵ھ) کے پیش نظر صحیح معلوم ہوتی ہے۔

[1] رجال السند والہند ص ۱۴۴ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء

شیخ ابان السّندی۔ رح

حسب ونسب[1] :- آپ کی کنیت ابو بشر اور نام ونسب یہ ہے ابان بن محمد السندی البغدادی، البجیلی البزّاز الکوفی۔ آپ کے نسبتی نام والقاب ہیں۔

نسلی نسبت کی وجہ سے آپ کو السّندی اور سکونتی نسبت کے اعتبار سے البغدادی البجیلی الکوفی کہا جاتا ہے۔ اور البزاز پیشہ ومعاش کے لحاظ سے آپ کا لقب ہے۔

شیخ ابان سندی النسل تھے رح

چونکہ شیخ ابان سندی الاصل فضلاء سے تھے اس لئے سارے نسّاب وتذکرہ نگاروں نے آپ کا ترجمہ "یُعرف بالسندی" الفاظ سے مزین کیا ہے۔

حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) آپ کے تعارف میں لکھتے ہیں "ابان بن محمد البجیلی البزاز الکوفی یعرف بالسّندی[2]" یعنی ابان بن محمد البجیلی البزاز (کپڑا فروش) الکوفی جو "السندی" سے پہچانے جاتے ہیں۔

علامہ محمود الحسن التونکی آپ کا ترجمہ "ابان بن محمد السندی" کے الفاظ سے لکھنے کے باوجود بھی آخر میں "المعروف بالسّندی[3]" کا فقرہ بڑھا کر یہ وضاحت کرتے ہیں کہ شیخ موصوف کی صحیح پہچان ان کی اپنی نسلی نسبت "السندی" سے ہو سکتی ہے۔

پھر علامہ تونکی شیخ ابو العباس احمد بن علی بن احمد النجاشی (م ۴۵۰ھ) کی تصنیف "کتاب الرجال" کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں، "ورأیت فی رجال النجاشی انہ اخرجہ فقال محمد بن ابان البجیلی وھو معروف بالسّندی[4]" ترجمہ :- میں نے علامہ نجاشی کی تصنیف کتاب

---

[1] معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۰ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ۔
منتہی المقال فی احوال الرجال (مولانا ابو علی محمد بن اسمٰعیل الکربلائی) بحوالہ معجم المصنفین ج ۱ ص ۳۰ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ

[2] لسان المیزان ج ۱ ص ۲۵ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۹ھ

[3] معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۰ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ

[4] ایضاً ج ۳ ص ۳۳ (ایضاً) ایضاً بحوالہ کتاب الرجال علامہ ابو العباس النجاشی

الرجال" میں دیکھا کہ انہوں نے ان (ابان) کا تذکرہ کیا تھا۔ تو کہا (نجاشی نے) محمد بن ابان البجلی " اور وہ "السندی" سے پہچانے جاتے ہیں۔

البتہ یہاں " ابان بن محمد" کی جگہ "محمد بن ابان" مذکور ہے۔ شاید یہ تقدیم و تاخیر کتابت میں غلطی کی وجہ سے واقع ہو گئی ہے۔ ورنہ مصنف کا اصل مقصد" ابان بن محمد" تھا۔ کیونکہ انہوں نے آگے سلسلۂ اسناد میں واضح طور پر "ابان بن محمد" لکھا ہے۔ کہتے ہیں:

" أخبرني القاضي ابو عبد الله الحصلفي ثنا احمد بن سعيد ثنا محمد بن احمد القلانسي عن ابان بن محمد بكتاب النوادر " وهو ابن خت صفوان بن يحيى[1] ترجمہ:۔ مجھے خبر کہی ابو عبد اللہ الحصکفی نے (کہتے ہیں) ہم سے بات کہی احمد بن سعید نے (وہ کہتے ہیں) ہم سے بات کہی محمد بن احمد القلانسی نے شیخ ابان بن محمد سے "کتاب النوادر" کے بارے میں اور وہ (ابان بن محمد) صفوان بن یحییٰ کے بھانجے ہیں۔

پھر علامہ تونکی آپ کے سندی النسل ہونے پر "کتاب المشترک" کا بھی حوالہ دیتے ہیں جس میں آپ کے نام و نسب کے ساتھ ہی مخصوص تعارفی فقرہ "المعروف بالسندی" کا اضافہ کر کے اس بات کی توثیق کی گئی ہے کہ آپ سندی الاصل تھے۔ لکھتے ہیں:

" وعن كتاب المشترك ابن محمد البجلي المعروف بالسندي الثقة روى عنه احمد بن محمد القلانسي ومحمد بن علي بن محبوب والصفار واحمد بن ابي عبد الله "[2] ترجمہ:۔ اور کتاب المشترک سے (ماخوذ ہے) کہ شیخ ابن محمد البجلی جو "السندی" (لقب) سے مشہور و معروف ہیں جو ثقہ ہیں، روایت کی ہے ان سے احمد بن محمد القلانسی، محمد بن علی بن محبوب، صفار (ابو عثمان عفان بن مسلم الصفار ۲۲۰ھ) اور احمد بن ابی عبد اللہ نے۔

علاوہ ازیں شیخ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی الطوسی (م ۴۶۰ھ) نے تو آپ کے ترجمے کا آغاز ہی آپ کے نسبتی نام "السندی بن محمد"[3] سے کیا ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عرب میں آپ اپنے وطن اصلی (سندھ) کے نام سے ممتاز و متعارف تھے۔

---

[1] معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۲ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ بحوالہ کتاب الرجال۔ علامہ نجاشی
[2] معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۲-۳۳ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ بحوالہ کتاب المشترک۔
[3] معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۳ (علامہ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ۔ بحوالہ الفہرست علامہ طوسی۔

ترکِ وطن[1]

اِس بات کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی کہ شیخ ابان سندھ کے کس علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور وہ یا ان کے آباء و اجداد کب اور کیسے ترکِ وطن کر کے عرب جا پہنچے؟۔ البتہ اس بات سے کہ شیخ ابان شیخ صفوان بن یحییٰ البجلی کے بھانجے تھے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے والد ماجد وطن چھوڑ کر عرب گئے اور وہاں شیخ صفوان بن یحییٰ کی بہن سے شادی کر لی جن کے بطن سے صاحبِ ترجمہ شیخ ابان پیدا ہوئے۔ اور اس طرح قبیلہ بجیلہ سے نسلی نسبت کے باعث آپ البجلی لقب سے بھی ملقب ہو گئے۔

پس تخمینہ یہ ہے کہ یہ خاندان قرونِ اولیٰ میں سندھ سے ہجرت کر کے عرب میں جا کر سکونت پذیر ہو گیا ہو گا۔

---

[1] الفہرست (اردو) ص ۳۶۷ (علامہ ابو الفرج محمد بن اسحاق بن ندیم م ۳۸۵ھ) مترجم مولانا محمد اسحاق بھٹی۔ مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۶۹ء۔

تصنیف و تالیف :

شیخ ابان السندی فضلائے مصنفین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی مشہور تصنیف "کتاب النوادر" ہے جو آپ کی شاہکار یادگار ہے۔ جس کا ہر تذکرہ نگار نے تذکرہ کیا ہے۔

مولانا ابو علی محمد بن اسمٰعیل کربلائی لکھتے ہیں، "له کتاب یرویه... صفوان بن یحییٰ و غیرہ "[۱] ترجمہ:- ان (ابان) کی ایک کتاب ہے۔ جسے صفوان بن یحییٰ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

علامہ ابو العباس احمد بن علی بن احمد النجاشی (م ۴۵۰ھ) اس کتاب کی اس طرح روایت کرتے ہیں، "اخبرنی القاضی ابو عبد اللہ الحصکفی ثنا احمد بن سعید ثنا محمد بن احمد القلانسی عن ابان بن محمد بکتاب النوادر"[۲] ترجمہ:- مجھے خبر دی ابو عبد اللہ الحصکفی نے (وہ کہتے ہیں) ہم سے بات کہی احمد بن سعید نے (وہ کہتے ہیں) ہم سے بات کہی محمد بن احمد القلانسی نے شیخ ابان بن محمد سے... "کتاب النوادر" کے متعلق

علامہ طوسی (م ۴۶۰ھ) نے الفہرست میں اس کی روایت کی ہے۔ لکھتے ہیں، "له کتاب اخبرنا به عن جماعة عن ابی المفضل عن ابن بطہ عن الصفار عن احمد بن ابی عبد اللہ عن السندی بن محمد"[۳] ترجمہ:- ان (ابان) کی ایک کتاب ہے جس کی ہمیں ایک جماعت نے خبر دی۔ انہیں ابی المفضل سے انہیں ابن بطہ سے انہیں صفار سے انہیں احمد بن ابی عبد اللہ سے اور انہیں شیخ سندی بن محمد سے...

۱۔ معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۰ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ بحوالہ منتہی المقال فی احوال الرجال (مولانا ابو علی محمد بن اسمٰعیل الکربلائی)۔

۲۔ معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۲ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ بحوالہ کتاب الرجال (علامہ ابو العباس احمد بن علی بن احمد النجاشی م ۴۵۰ھ)

۳۔ معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۳ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ۔ بحوالہ الفہرست (علامہ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی الطوسی م ۴۶۰ھ)۔

آگے علامہ تونکی "ملخص المقال" کی یہ روایت بیان کرتے ہیں، "لہ کتاب نوادر روی عنہ محمد بن علی بن محبوب"[1] یعنی ان کی (ایک تصنیف) کتاب نوادر ہے۔ اور ان سے محمد بن علی بن محبوب روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی اس کتاب کا علامہ نجاشی کے حوالے سے[2] تذکرہ کیا ہے

لیکن افسوس کہ شیخ ابان السندی کی یہ شاہکار تصنیف جس طرح ایک کتاب لاجواب و گوہر نایاب تھا اسی طرح دست بردِ زمانہ سے اس کا وجود بھی نایاب... ہو کر رہ گیا۔

۱؎ معجم المصنفین ج۳ ص۳۳ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ:-

۲؎ لسان المیزان ج۱ ص۲۵ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳
بحوالہ کتاب الرجال (علامہ ابو العباس احمد بن علی بن احمد النجاشی ۴۵۰ھ)

علم و فضل اور ثقاہت و وجاہت۔

شیخ ابان السندی قدمائے محدثین و فضلائے مصنفین سے تھے۔ آپ عالم شریعت، ماہر تاریخ و سیرت اور ثقہ و صدوق راوی تھے۔

علامہ شیخ محمود الحسن التونکی آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں، "الشیخ الفقیہ العالم الاخباری ابان بن محمد السندی البجلی البزاز المعروف بالسندی البغدادی من قدماء علماء العراق"[۱] ترجمہ:۔ الشیخ، ماہر فنون شریعت، ماہر عالم تاریخ و سیرت ابان بن محمد السندی البجلی البزاز (کپڑا فروش) جو "السندی" سے پہچانے جاتے ہیں، البغدادی عراق کے علمائے متقدمین سے ہیں۔

پھر علامہ تونکی نے شیخ ابان کا ترجمہ مولانا ابو علی محمد بن اسمعیل بن عبد الجبار الکربلائی کی زبان سے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "ثم قال، سندی بن محمد واسمہ ابان یکنی ابا البشر صلب من جھینۃ ویقال من بجیلۃ وھو الاشھر۔ وھو ابن اخت صفوان بن یحیٰی کان ثقۃ وجھا من اصحابنا الکوفیین"[۲] ترجمہ:۔ پھر کہا (ابو علی محمد بن اسمعیل نے) سندی بن محمد۔ ان کا نام ابان ہے۔ ابو البشر کنیت رکھتے ہیں قبیلہ جھینہ کی نسل سے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ بجیلہ سے ہیں اور زیادہ مشہور یہی ہے اور وہ (ابان) صفوان بن یحیٰی کے بھانجے ہیں۔ ہمارے کوفی علماء میں ثقہ و صاحب وقار تھے۔ عـ

اسی طرح علامہ طوسی (م ۴۶۰ھ) نے بھی اپنی کتاب "الفہرست" میں انہی الفاظ میں آپ کی تعریف و توصیف کی ہے۔ جیسے علامہ تونکی نے اپنی کتاب معجم المصنفین میں نقل کی ہے۔[۳]

۱؎ معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۰ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ

۲؎ معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۰ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ۔
بحوالہ:۔ منتہی المقال فی احوال الرجال (مولانا ابو علی محمد بن اسمعیل بن عبد الجبار الکربلائی امیر علمائے شیعہ)۔

۳؎ معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۰ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ
بحوالہ۔ الفہرست علامہ طوسی ص ۴۶

عـ یہاں "کتاب المشترک" کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔ جو صفحہ ۱۸۴ پر درج ہے۔

شیوخ واساتذہ ۔ ؎

شیخ ابان السندی کے شیوخ کا کوئی تفصیلی تذکرہ نہیں ملتا ۔ البتہ اتنا مذکور ہے کہ آپ نے سیدنا حضرت موسیٰ الکاظم بن سیدنا حضرت جعفر الصّادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے تحصیل و سماعت حدیث کی تھی ۔

مولانا ابو علی محمد بن اسمٰعیل لکھتے ہیں ، " سندی بن الربیع البغدادی روی عن ابی الحسن موسیٰ (الکاظم) "[1] یعنی سندی بن الربیع البغدادی حضرت ابو الحسن موسیٰ (الکاظم) م ۱۸۳ھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں ۔

یہاں اگرچہ سندی یعنی ابان کے والد کا نام " ربیع " دیا گیا ہے لیکن شخصیت درحقیقت وہی ایک ہے یعنی " سندی بن الربیع " سے مراد " سندی بن محمد " ہے کیونکہ ربیع اور محمد دونوں رجل واحد کے نام ہیں ۔

چنانچہ علامہ تونکی آگے شبہ مذکورہ رفع کرنے اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ " ربیع " اور " محمد " سے شخص واحد مراد ہے ، لکھتے ہیں[2] " قال فی الحاشیۃ بدال الربیع محمد " حاشیہ میں (ابو علی محمد بن اسمٰعیل) " ربیع " کے بدلے " محمد " لایا ہے ۔

علامہ موصوف پھر اس کی مزید توضیح و تشریح کے لئے ، کہ زیر تحریر راوی یعنی " سندی بن الربیع " وہی " ابان بن محمد السّندی " صاحب ترجمہ ہیں ، لکھتے ہیں ، " ثم قال سندی بن محمد واسمہ ابان یکنی ابا البشر حلیب من جھینۃ ویقال من بجیلۃ وھو الاشھر وھو ابن اخت صفوان بن یحیی کان ثقۃ وجھا من اصحابنا الکوفیین "[3] ترجمہ :- پھر کہا (ابو علی محمد بن اسمٰعیل نے) سندی بن محمد اور ان کا نام ابان ہے ابا البشر کنیت ہے ان کی قبیلہ جھینہ سے نسلی تعلق ہے

ؔ۱

ؔ۲ معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۰ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ

ؔ۳ بحوالہ منتہی المقال فی احوال الرجال (شیخ ابو علی محمد بن اسمٰعیل بن عبد الجبار الکربلائی)

اور کہا جاتا ہے کہ بجیلہ سے ہیں اور زیادہ مشہور یہی ہے - اور وہ (ابان) صفوان بن یحیٰ کے بھانجے ہیں - وہ ہمارے کوفی محدثین میں ثقہ و صاحب وقار تھے -

شیخ ابان کا مسلک

اِس سلسلے میں کوئی تفصیلی بیان دستیاب نہیں ہو سکا - البتہ شیعی علمائے مترجمین و مورخین مثلاً علامہ ابو علی محمد بن اسمٰعیل الکربلائی نے منتہی المقال میں اور علامہ ابو العباس احمد بن علی النجاشی نے کتاب الرجال میں آپ کا تذکرہ شیعی محدثین میں کرتے ہوئے لکھا ہے "مِن اصحابنا الکوفیین"[1] یعنی ان کی نسبت اپنی شیعی جماعت کی طرف کر کے انہیں شیعہ شمار کیا جس کی توثیق و وضاحت حافظ ابن حجر عسقلانی کے بیان سے ہوتی ہے - لکھتے ہیں،

"وذکرہ النجاشی فی رجال الشیعۃ"[2] ترجمہ:- اور علامہ نجاشی نے ان کا تذکرہ شیعی محدثین میں کیا ہے -

اور چونکہ ابان کے ماموں شیخ صفوان بن یحیٰ بھی شیعی علماء سے تھے[3] - اس لئے ابان کا بھی شیعی علماء سے ہونا قرین قیاس اور صحیح معلوم ہوتا ہے -

---

[1] معجم المصنفین جلد ۳ ص ۳۰، ۳۳ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ
بحوالہ منتہی المقال فی احوال الرجال (علامہ ابو علی محمد بن اسمعیل بن عبد الجبار الکربلائی)
و کتاب الرجال (علامہ ابو العباس احمد بن علی النجاشی م ۴۵۰ھ)

[2] لسان المیزان جلد ۱ ص ۲۵ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۹ھ

[3] الفہرست (اردو) (علامہ ابو الفرج محمد بن اسحاق ابن ندیم م ۳۸۵ھ) مترجم محمد اسحاق بھٹی - مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۶۹ء

اخذین و تلامذہ

شیخ ابان بن محمد سے شیخ احمد بن محمد القلانسی، صفوان بن یحییٰ (جو آپ کے ماموں ہیں)، ابوعثمان عفان بن مسلم الصفار (۲۲۰ھ) احمد بن ابی عبداللہ، محمد بن علی بن محبوب نے اخذ کیا۔ مولانا شیخ محمود الحسن التونکی اس باب میں لکھتے ہیں، "وعن کتاب المشترک ابن محمد البجلی المعروف بالسندی، الثقہ روی عنہ احمد بن محمد القلانسی ومحمد بن علی بن محبوب والصفار واحمد بن ابی عبداللہ"[1]

ترجمہ:- کتاب المشترک سے (ماخوذ ہے) ابن محمد البجلی جو کہ "السندی الثقہ" القاب سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان سے احمد بن محمد القلانسی، محمد بن علی بن محبوب، صفار (ابوعثمان عفان بن مسلم الصفار ۲۲۰ھ) اور احمد بن ابی عبداللہ روایت کرتے ہیں

ایک جگہ آپ کے ترجمے کے دوران علامہ تونکی شیخ ابوعلی محمد بن اسمٰعیل کے حوالے سے لکھتے ہیں "لہ کتاب یرویہ صفوان بن یحییٰ وغیرہ"[2] یعنی ان (ابان) کی ایک تصنیف ہے جسے شیخ صفوان بن یحییٰ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ یہاں لفظ "وغیرہ" سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی کتاب کے بھی کافی رُواۃ ہیں۔

علامہ ابوجعفر طوسی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں، "لہ کتاب اخبرنا بہ عن جماعۃ عن ابی المفضل عن ابن بطہ عن الصفار عن احمد بن ابی عبداللہ عن .... السندی بن محمد"[3] ترجمہ:- ان کی (ابان کی) ایک کتاب ہے جس کی ہمیں ایک جماعت سے خبر ملی انہیں ابی المفضل (نصر بن مزاحم المنقری الکوفی العطار ۲۱۲ھ) سے انہیں ابن بطہ (جعفر بن بطہ) سے انہیں صفار (ابوعثمان عفان بن مسلم الصفار ۲۲۰ھ) سے انہیں احمد بن ابی عبداللہ سے اور انہیں شیخ سندی بن محمد سے۔ یعنی رواۃ کے ایک گروہ نے علامہ طوسی سے مذکورہ کتاب کی روایت کی ہے۔

۱؎ ۲؎ ۳؎ } معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۲-۳۳ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ۔

شکوک واشتباہ

لیکن علامہ تونکی نے شیخ ابان السندی کے بیان کے دوران کچھ ایسے تراجم کا بھی ذکر کیا ہے کہ جن سے اصل ترجمے میں کچھ شکوک واشتباہ واقع ہوجاتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں، "وقد اختلفوا فی هذه الترجمة اختلافاً کثیراً افضی الی عدم معروفیة[1]" یعنی اس ترجمے میں (مترجمین نے) اتنا زیادہ اختلاف کیا ہے کہ صاحب ترجمہ کو غیر معروف بنا کے رکھ دیتا ہے۔ اور آخر میں لکھتے ہیں "وعلی کل حال لا یستقیم التوفیق فی هذا الاضطراب[2]" یعنی۔ اور ہر حال میں اس اضطراب (متفرق الحالات ومختلف الکیفیات تراجم) میں توفیق وتطبیق صحیح نہیں قائم ہوسکتی۔

لیکن درحقیقت یہ اختلافات اس ترجمے میں ہرگز اثرانداز نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ صاحب ترجمہ "ابان السندی" کے مذکورہ تذکرہ وترجمہ سے ان کی شخصیت بالکل واضح و معروف ہوگئی ہے۔

مستند فضلائے محدثین وعلمائے مورخین مثلاً حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی (۸۵۲ھ) نے لسان المیزان میں[3] علامہ ابوالعباس احمد بن علی النجاشی (م ۴۵۰ھ) نے "کتاب الرجال" میں[4]، علامہ ابوعلی محمد بن اسمٰعیل بن عبدالجبار الکربلائی (م ۔۔) نے "منتہی المقال" میں[5] آپ کا، بلا اشتباہ وتردد، ایک نہایت واضح ومعروف اور متحد البیان ترجمہ لکھا ہے۔ اور اکثر مترجمین نے تشریحی وتوضیحی فقرہ "المعروف بالسندی" بڑھا کر ابہام واشتباہ کا خاتمہ کردیا ہے[6]

اور بیان میں مذکورہ شبہات واختلافات زیر ترجمہ "ابان السندی" کی شخصیت میں

---

[1] [2] معجم المصنفین ج ۳ صفحہ ۳۳ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی)۔
[3] لسان المیزان ج ۱ ص ۲۵ (حافظ ابوالفضل احمد بن الحجر العسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۹ھ
[4] [5] معجم المصنفین ج ۳ صفحہ ۳۳ بحوالہ کتاب الرجال (علامہ نجاشی) ۳۔ معجم المصنفین صفحہ ۳۳ بحوالہ منتہی المقال (علامہ ابوعلی محمد بن اسمٰعیل)
[6] مثلاً:۔ حافظ ابن الحجر العسقلانی، ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، علامہ ابوعلی محمد بن اسمٰعیل نجاشی وغیرہم۔

اشتباہ کی وجہ سے نہیں بلکہ تعددِ رجال کے باعث ہے جن کا ذکر علامہ تونکی نے خود ابان کے بیان میں کیا ہے۔ مثلاً :- السندی بن محمد اخو علی بن محمد، علی بن اسمٰعیل جسے ابن السندی کہا جاتا ہے، اسمٰعیل السندی یا اسمٰعیل السری، علی بن محمد الخزاز السندی، ابو الفرج السندی، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن بن ابی کریمۃ السندی وغیرہم[1]۔

اور آگے علامہ تونکی کچھ اور تردد و شبہات کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً :-
پہلا شبہ لقب میں ہے کہ کیا یہ سری ہے یا سری یا سندی؟ اور دوسرا شبہ صاحبِ لقب میں ہے۔ کہ کیا یہ اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن ہیں؟ یا اسمٰعیل بن عیسٰے الیقطینی؟ جن کی اولاد ابان، علی اور حسن اس لقب سے ملقب ہو گئے[2]۔

اور تیسرا شبہ خود ابان میں کیا جا رہا ہے۔ کہ کیا صاحبِ ترجمہ (ابان) ابان بن محمد ہیں؟ یا ابان بن اسمٰعیل؟ اور پھر موخر الذکر میں بھی یہ تردد و شبہ باقی ہے کہ کیا یہ "ابان" ابان بن اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن بن ابی کریمۃ السندی ہیں؟ یا ابان بن اسمٰعیل بن عیسٰی الیقطینی[3]؟ اور آخر میں لکھتے ہیں کہ "ابان" (نام) انہیں شخصوں میں مشترک ہے[4]۔

اب اگر ان تراجم و رجال میں غور و خوض کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سارے رجال صاحبِ ترجمہ سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ یہ الگ اشخاص ہیں اور زیرِ تحریر "ابان بن محمد السندی" ایک الگ شخصیت ہیں۔ اور محض کسی اشتراکِ وصفی یا اشتراکِ اسمی سے مجہول و غیر معروف نہیں بنتے جب کہ وہ اتنے کثیر مصنفینِ رجال و اہلِ قلم کے نزدیک معروف و متعارف ہیں۔ بلکہ اکثر کتبِ رجال و تذکروں میں ان کے لئے ..... "یعرف بالسندی" کی مخصوص الفاظ میں شہادت بھی دی گئی ہے[5]۔ جس سے وہ دوسرے سارے مشترک الاسامی رجال سے ممتاز و متعین اور معروف ہو گئے

---

[1] معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۰-۳۳ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ
[2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً
[5] لسان المیزان ج ۱ ص ۲۵ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۹ھ۔
معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۰ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ
کتاب الرجال النجاشی و کتاب المشترک۔ بحوالہ معجم المصنفین ج ۳ ص ۳۳ (علامہ تونکی) مطبوعہ

وفات شیخ

شیخ ابان السندی کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ البتہ علامہ محمود الحسن التونکی نے اس بارے میں اپنی طرف سے ایک مفروضہ لکھا ہے، "ثم ان کان المترجم یروی عن ابی الحسن موسی الکاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فھو من رجال المائۃ الثالثۃ" ا۔

ترجمہ:۔ پس اگر مترجم (شیخ ابان) امام ابو الحسن موسیٰ الکاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت لی ہے تو وہ تیسری صدی کے رجال سے ہوں گے۔

لیکن یہ مفروضہ صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت امام موسیٰ الکاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود قرن دوم کے رجال سے تھے آپ کی وفات ۱۸۶ھ میں واقع ہوئی تھی۔

عارف باللہ عاشق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مولانا نور الدین عبد الرحمٰن الجامی م ۸۹۸ھ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اپنی کتاب شواھد النبوۃ میں امام موصوف کی رحلت کے بیان میں لکھتے ہیں، "مات فی حبس ھارون الرشید ببغداد یوم الجمعۃ لخمس خلون من رجب سنۃ ست وثمانین ومائۃ من الھجرۃ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)" ۲

یعنی (امام موسیٰ الکاظم) خلیفہ ہارون الرشید م ۱۹۳ھ کے جیل میں بغداد شریف میں جمعہ کے دن رجب المرجب کی پانچ تاریخ کو سنہ ایک سو چھیاسی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں فوت ہوئے۔

پس شیخ ابان کو محض امام موصوف سے روایت لینے کی بناء پر قرن سوم کے رجال سے قرار دینا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اور یہ ایک دعویٰ ہے بلا دلیل۔ جب تک کہ تاریخی شواہد سے یہ بات ثابت نہ ہو کہ ابان نے ۲۰۰ھ کے بعد وفات پائی تھی۔

الغرض! امام موصوف کے قرن و تاریخ وفات (۱۸۶ھ) کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیخ ابان کا قرن دوم کے رجال سے ہونا یقینی اور قرن سوم کا پانا مشکوک و مشتبہ ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

ا۔ معجم المصنفین ج ۳ ص ۱۳۳ (علامہ شیخ محمود الحسن التونکی) مطبوعہ۔

۲۔ شواہد النبوۃ لتقویۃ یقین اہل الفتوۃ ص ۱۹۲ (علامہ شیخ نور الدین عبد الرحمٰن الجامی م ۸۹۸ھ) مطبوعہ نول کشور ہندوستان ۱۸۹۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁

الباب الثالث۔

قرن سوم کے رجال؁

(۱) شیخ سندی بن عبدویہ

حسب ونسب :- ارباب تراجم نے شیخ سندھی کو متعدد اسماء والقاب سے یاد کیا ہے۔ مثلاً :- سندی بن عبدویہ، سہل بن عبدویہ[عہ]، سُہل بن عبدالرحمٰن[لہ]، سہل بن عبدربہ[عہ] اور سندی بن عبدالواحد[صہ]

اس طرح آپ کے القاب میں الکلبی، الرازی، الدھکی اور الذھلی گنے جاتے ہیں

قارئین تراجم کو ان اسماء والقاب کی رنگارنگی طویل فہرست ایک چکرا دینے والے اشتباہ سے دوچار کر دیتا ہے۔ بادی النظر میں کچھ فیصلہ کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ کیا! یہ متعدد اسماء متعدد رجال کی نشاندہی کرتے ہیں یا کہ ان سب کا مسمّٰی ایک ہی ذات ہے!

چنانچہ اسی پیچیدگی کے سبب ڈاکٹر محمد اسحاق بھی مغالطے میں پڑ کر سہل بن عبدالرحمن کو علیحدہ اور سندی بن عبدویہ کو علیحدہ دو مختلف راویوں سے اعتبار کر کے ہر ایک کا ایک جداگانہ ترجمہ پیش کیا ہے۔

چنانچہ سندی بن عبدویہ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "السندی جو کہ دوسرے الفاظ میں الدھکی سے مشہور ہیں جو کہ علاقہ رے کے گاؤں "دھک"

اصل انگریزی عبارت نقل کی جائے۔ رع

لہ رجال السند والہند ص۱۵۱-۱۵۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کیلری بازار بمبئی (ہند) ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۸ء

عہ تہذیب التہذیب بحوالہ رجال السند والہند ص۱۴۵

سہ کتاب الجرح والتعدیل ج۲ ص۲۰۱ (علامہ ابو محمد عبدالرحمن ابن ابی حاتم ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۰ھ

عہ رجال السند والہند ص۱۵۱-۱۵۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کیلری بازار بمبئی (ہند) ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۸ء بحوالہ المعجم الصغیر امام طبرانی

صہ کتاب الانساب ص۲۳۵ (امام ابو سعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء
انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۱۳ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی آف بنگال ۱۹۵۵ء

کے باشندہ ہیں۔ ان کا لقب "السندی" یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہندی (سندھی) آزاد کردہ غلام تھے۔"[۱] پھر سہل بن عبدالرحمٰن کا علیحدہ ترجمہ باندھا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "سہل، بنو زحل کا ایک آزاد کردہ شخص تھا جو حدیث و روایت کا علامہ تھا۔"[۲]

لیکن کتب رجال و سیر کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان سارے اسماء والقاب کا مسمّٰی اور ان پورے تراجم و تذاکیر کا مخرج و مرجع ایک شخصیت ہیں۔ مولانا قاضی اطہر علی مبارکپوری نے علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی کا اس سلسلے میں بیان نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "قال[۳] الذھبی فی المشتبہ سندی بن عبدویہ ھو سھل بن عبدویہ الرازی یلقب السندی"

علامہ ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) رازی نے سہل بن عبدالرحمٰن کے باب میں یہ تشریح کی ہے "سھل بن عبدالرحمٰن المعروف بالسندی بن عبدویہ الرازی یکنیٰ بابی الھیثم"[۴]

مزید براں علامہ ابن ابی حاتم رازی نے سندی بن عبدویہ کے ترجمے میں آپ کے ان مختلف ناموں کا تشریحی تذکرہ کر کے معاملہ کی پوری وضاحت کر دی ہے چنانچہ لکھتے ہیں، "سندی بن عبدویہ الرازی، واسمہ سھل

---

[۱] ترجمہ انڈیا از کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۷ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء
[۲] ایضاً

[۳] رجال السند والہند ص ۱۳۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشمیری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔ بحوالہ تہذیب التہذیب امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ

[۴] کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۲۰۱ (امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدرآباد دکن ۱۳۶۰ھ

کے باشندہ ہیں۔ ان کا لقب "السِندی" یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہندی (سندھی) آزاد کردہ غلام تھے۔" [۱] پھر سھل بن عبدالرحمٰن کا علیحدہ ترجمہ باندھا ہے۔ لکھتے ہیں۔ " سھل، بنوزحل کا ایک آزاد کردہ شخص تھا جو حدیث و روایت کا علامہ تھا۔" [۲]

لیکن کتب رجال و سیر کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان سارے اسماء والقاب کا مسمّٰی اور ان پورے تراجم و تذاکیر کا مخرج و مرجع ایک شخصیت ہیں۔ مولانا قاضی اطہر علی مبارکپوری نے علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی کا اس سلسلے میں بیان نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں، " قال [۳] الذھبی فی المشتبہ سُندی بن عَبدوَیہ ھو سھل بن عَبدویہ الرّازی یلقب السندی"

علامہ ابومحمد عبدالرحمن بن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) رازی نے سھل بن عبدالرحمٰن کے باب میں یہ تشریح کی ہے " سھل بن عَبدالرحمٰن المعروف بالسندی بن عبدویہ الرازی یکنٰی بابی الھیثم " [۴]

مزید براں علامہ ابن ابی حاتم رازی نے سندی بن عبدویہ کے ترجمے میں آپ کے ان مختلف ناموں کا تشریحی تذکرہ کر کے معاملہ کی پوری وضاحت کر دی ہے چنانچہ لکھتے ہیں، " سِندی بن عَبدوَیہ الرّازی، واسمہ سھل

---

[۱] [۲] } ترجمہ انڈیا ز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۷ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

[۳] رجال السند والہند ص ۱۴۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔ بحوالہ تہذیب التہذیب امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ

[۴] کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۲۱۸ (امام ابومحمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدرآباد دکن ۱۳۶۱ھ

بن عبد الرحمٰن و یقال سہل بن عَبدویہ و کنیتہ ابو الھیثم الکلبی و کان قاضیاً علے ھمدان و قزوین "[1] ترجمہ :- السندی بن عبدویہ الرازی ان کا نام سہل بن عبد الرحمٰن ہے - اور کہا جاتا ہے سہل بن عبدویہ اور ان کی کنیت ابوالہیثم کلبی ہے - اور وہ ہمدان اور قزوین کے قاضی تھے -

آخر میں قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب "رجال السند والھند" میں ایک قول فیصل لکھ کر یہ معمہ حل کر کے رکھدیا - لکھتے ہیں "قال القاضی... سندی بن عَبدویہ ، سہل بن عَبدویہ ، سَہل بن عَبد الرحمٰن اسماء لسندی بن عبدویہ و لہ ترجمۃ علے کل اسم"[2]

ان عبارت
فقرے ترجمہ
تبدیل / ...
سہو

ترجمہ :- قاضی کہتے ہیں سندی بن عبدویہ ، سہل بن عبدویہ اور سہل بن عبدالرحمٰن سندی بن عبدویہ کے نام ہیں اور اس کا ہر ایک نام پر ایک ترجمہ ہے -

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ ان زعمائے مورخین و فضلائے مصنفین کے تراجم و بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سارے اسماء والقاب کا مقصود و مسمیٰ ایک شخص ہے -

شیخ سندھی کے القاب

الذہلی : چونکہ آپ بنو ذہل کے آزاد کردہ غلام تھے - لہٰذا آپ الذہلی کہلاتے ہیں[3]

الکلبی : اس کی نسبت قبیلہ بنو کلب کی جانب ہے - لیکن مورخین نے اس نسبت کی توجیہ نہیں بتائی ہے - اغلب گمان یہ ہے کہ شاید آپ کا بنو کلب سے موالات کا تعلق رہا ہوگا -

---

[1] :- کتاب الجرح و التعدیل ج ۲ قسم ۱ ص ۳۱۸ (علامہ ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم رازی م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۶۰ھ

[2] :- رجال السند والہند ص ۱۵۱ و ص ۱۵۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ہند ۱۳۷۷ھ و ۱۹۵۸ء

[3] :- انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۷

الذھبی الرازی :- چونکہ آپ صوبہ سندھ کے قریہ "دھک" میں رہائش پذیر تھے اس لئے آپ کو الدھکی الرازی کہتے ہیں[1]

شیوخ واساتذہ :-

شیخ سندی بن عبدویہ نے عراق و مدینہ منورہ کے مشائخ و محدثین سے علوم الحدیث کی تحصیل و تکمیل کر کے اس میدان میں بڑا نام و مقام پیدا کیا۔ اہل قلم نے آپ کے شیوخ میں مندرجہ ذیل علماء و محدثین کے نام گنے ہیں۔ شیخ زہیر بن معاویہ م ۱۷۲ھ، شریک بن ابی بکر، جریر بن حازم م ۱۷۰ھ، مندل بن علی، ابن ابی اویس الاصبحی م ۱۶۹ھ، ابراہیم بن طہمان، عبداللہ العمری، خالد بن میسرہ، ابو معشر، عمرو بن ابی قیس، محمد بن مسلم الطائفی، عیسیٰ بن عبدالرحمٰن السلمی اور عمر بن زائدہ وغیرہم ہے[2]

آخذین و تلامذہ :-

آپ سے شیخ زافر بن سلیمان، عمرو بن رافع م ۲۳۷ھ، ابو جعفر عبداللہ بن سالم، محمد بن یزید، اسمٰعیل بن یزید، حجاج بن حمزہ، ابو عبداللہ الطہرانی یعنی محمد بن حماد الطہرانی م ۲۷۱ھ محمد بن عمار، احمد بن ابراہیم زمقی، ابو مسعود، احمد بن فرات وغیرہم نے روایت کی ہے[3]

---

[1] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۳ (ڈاکٹر محمد اسحاق) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی آف بنگال ۱۹۵۵ء

[2] رجال السند والہند ص ۱۲۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء

[3] کتاب الانساب ص ۲۳۵، ص ۳۱۴ (امام سمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء
لسان المیزان ج ۳ ص ۱۱۶ (حافظ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۰ھ
معجم البلدان ج ۲ ص ۴۹۲ (علامہ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی م ۶۲۶ھ) مطبوعہ بیروت ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء

شیخ سندی بن عبدویہ کا مقام

مورخین رجال نے شیخ سندھی کو قدمائے محدثین وثقات رواۃ میں شمار کیا ہے[1]

علامہ ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم م ۳۲۷ھ آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "سمعت اباالولید یقول لم ار بالری اعلم بالحدیث من رجلین — یحیی بن ضریس ومن زائد الاصبح یعنی السندی "[2] ترجمہ:- میں نے ابوالولید الطیالسی م ۲۲۷ھ کو سنا کہتے تھے کہ میں نے دو شخصوں "یحیی بن ضریس اور زائد الاصبح" یعنی سندھی سے حدیث میں بڑا عالم نہیں دیکھا۔

پھر آگے وہ اپنے والد ابی حاتم کا سندی بن عبدویہ کے متعلق یہ تبصرہ نقل کرتے ہیں "سئل ابی عنہ فقال شیخ"[3] ترجمہ:- میرے والد ان کے بارے میں یعنی سندی بن عبدویہ کے بارے میں پوچھے گئے تو کہا وہ استاد فن ہیں۔

علامہ ابن حبان ابو حاتم محمد بن حبان م ۳۵۴ھ نے آپ کو ثقہ وثبت راوی مانا ہے۔ حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ لکھتے ہیں، "ذکرہ ابن حبان فی الثقات "[4] علامہ ابن حبان نے ان کو ثقات محدثین میں ذکر کیا ہے۔

علاوہ ازیں آپ کا عہدہ قضاء پر سرفراز کیا جانا بھی آپ کی علمی مہارت وثقاہت اور ثقاہت وصداقت پر ایک قابل قبول حجت ہے۔ امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں، " وکان قاضیا علی همدان وقزوین"[5] وہ ہمدان اور قزوین کے قاضی تھے

---

[1] انڈیا ز کنٹریبیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۲ (ڈاکٹر محمد اسحاق) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

[2، 3] کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۲۰۱ قسم ۱ (علامہ ابو محمد عبد الرحمن ابن ابی حاتم م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدرآباد دکن ۱۳۶۰ھ

[4] لسان المیزان ج ۳ ص ۱۱۶ (حافظ ابو الفضل ابن الحجر عسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدرآباد دکن ۱۳۳۰ھ

[5] کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ قسم ۱ ص ۳۱۸ (علامہ ابن ابی حاتم م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدرآباد دکن ۱۳۶۰ھ
رجال السند والہند ص ۱۲۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی (ہند) ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

مرویات :-

مولانا اطہر مبارکپوری القاضی نے آپ کی دو حدیثیں بیان کی ہیں جن میں سے ایک حدیث علامہ ابو الفضل احمد بن علی ابن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں اور دوسری حدیث امام طبرانی نے اپنی کتاب المعجم الصغیر میں روائیت کی ہے۔

I بروایت ابن الحجرؒ :-

قال الحافظ ابن الحجر فی تہذیب التہذیب فی ذکرہ ابی بکر التیمی و قد روی السندی ابن عبدویہ عن عمرو بن ابی قیس عن مطرف بن طریف عن المنہال بن عمرو عن التیمی عن ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) قال کنا نتحدث ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عہد الیؓ سبعین عہداً لم یعہدھا الی غیری رواہ الطبرانی فی معجمہ عن سہل بن الصباح عن احمد بن الفرات عن السندی "۔[1]

II بروایت الطبرانیؒ

قال الامام الطبرانی فی معجم الصغیر حدثنا احمد بن ابراہیم الزمقی الرازی ثنا سہل بن عبدربہ (عبدویہ) ثنا عبد اللہ بن العلا بن شیبۃ عن ابن عون عن عقبۃ بن عبد الفاخر عن ابی سعید الخدری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قال ذکر عند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

[1] رجال السند والہند ص ۱۵۱-۱۵۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔
بحوالہ تہذیب التہذیب (حافظ ابن الحجر العسقلانی)

العزل فقال لا علیکم ان لا تفعلوا فانما هو القدر" [1]

ترکِ وطن کا زمانہ:-

کسی مورخ نے علامہ سندھی کے ترکِ وطن کا زمانہ تاریخی حیثیت میں متعین نہیں کیا ہے۔ البتہ آپ کا نام 'سهل' اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ شیخ سندی کی پیدائش عرب کی ہے۔ یعنی آپ کے باپ دادا سندھ سے بصورت جنگی قیدی عرب لے جائے گئے تھے۔ اور وہاں پہنچنے کے بعد آپ کی ولادت ہوئی۔

کیونکہ "سهل" عربی لسان ولغت کا لفظ ہے۔ اور اس قسم کے اسماء سندھی زبان ومعاشرے میں متعارف نہیں تھے۔

اسی طرح آپ کے والد کا نام "عبدویہ" بھی عربی تغییر پر دلالت کرتا ہے۔

تاریخ وفات:-

ڈاکٹر محمد اسحٰق نے اپنی کتاب انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث میں شیخ موصوف کے ایک نام "السندی بن عبدویہ" کے ترجمے میں ان کا سالِ وفات لکھا ہے کہ بحدود ٢١٥ھ [1]، پھر ان کے دوسرے نام "سهل بن عبدالرحمن" کا ایک علیحدہ ترجمہ پیش کرتے ہوئے ان کا سال وفات بیان کیا ہے، "بحدود ٢٢٥ھ" [2] ظاہر ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے انہیں دو علیحدہ علیحدہ شخصیت سمجھ کر یہ مختلف تاریخیں ثبت کر لیں۔

---

[1] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ٢١٢ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگال ١٩٥٥ء

[2] ایضاً ص ٢١٣ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

لیکن ہماری حالیہ تحقیقات میں فضلائے مصنفین و علمائے محققین کے واضح بیانات سے یہ ثابت ہوا کہ ان سارے ناموں کا مسمّٰی و مقصود شخص واحد ہے لھذا اُس کی تاریخ وفات بھی ایک ہونی چاہئے۔ لیکن چونکہ نہ تاریخ ایک ہے اور نہ ان میں سے کوئی ایک بالجزم متعین کیا گیا ہے۔ اس لئے ہم بھی کسی ایک کو متعین نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمارے سامنے قابل قبول سبیل صرف یہ ہے کہ ہم شیخ سندھی کی تاریخ وفات کو ۲۱۵ھ اور ۲۲۵ھ کے درمیان محصور کر لیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب۔

شیخ عباس بن السندی

حسب و نسب: ارباب تراجم نے شیخ عباس کے حسب و نسب اور تعارف میں آپ کے مذکورہ نام و لقب سے بڑھ کر اور کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔ چنانچہ آپ کا ترجمہ تشنہ رہ گیا۔ البتہ آپ کی نسبتی کنیت "ابن السندی" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ محدثین سندھ سے ہیں۔ اس لئے فضلائے مصنفین نے باتفاق رائے آپ کو رجال سندھ میں شمار کیا ہے۔ [۱]

شیوخ و اساتذہ

شیخ عباس بن السندی نے شیخ داؤد بن شعیب اور شیخ ابوالولید ہشام بن عبد الملک طیالسی المتوفی ۲۲۷ھ سے حدیث کی تحصیل و سماعت کی ہے [۲]

آخذین و تلامذہ

آپ سے شیخ عقیلی اور اسامہ بن علی بن سعید نے روایت کی ہے [۳]

مرویات۔

شیخ عباس بن السندی کی مرویات سے مندرجہ ذیل احادیث کتب تراجم میں مذکور ہیں۔

۱۔ رجال السند والہند ص ۱۶۵ (قاضی ابو المعالی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

۲۔ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۳ (امام حافظ ابن عبد البر ابو عمر یوسف القرطبی الاندلسی ۴۶۳ھ) مطبوعہ مصر
میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۹۳ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی ۷۴۸ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ

۳۔ ایضاً - ایضاً - ایضاً - ایضاً - ایضاً -

I بروایتِ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ یحیٰ بن عباد کے ترجمے میں بیان کرتے ہیں

قال العقیلی حدثنا ابراھیم بن محمد والعباس بن السندی " قالا حدثنا داؤد بن شعیب حدثنا یحیٰ بن عباد عن ابن جریج عن ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم امر منادیا فنادی ان صدقۃ الفطر صاع من تمر او صاع من شعیر او نصف صاع من بُرٍّ و ان الولد للفراش وللعاھر الحجر رواہ الخضر بن سلام عن یحیٰ بن عباد ؎۱

II بروایت امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو عمر یوسف بن عبد البر القرطبی (م ۴۶۳ھ) نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم" کے باب "الخبر عن العلم" انہ یعود الی اللہ عز وجل" میں لکھا ہے،

" حدثنا احمد بن عبد اللہ حدثنا سلمۃ بن قاسم حدثنا اسامۃ بن علی بن سعید یعرف با بن علیک قال حدثنا عباس بن السندی ... قال حدثنا ابا الولید الطیالسی یقول سمعت ابن عیینہ منذ اکثر من ستین سنۃ یقول طلبنا ھذا الحدیث لغیر اللہ تعالٰی فاعقبنا اللہ تعالٰی ما ترون " ؎۲

(حاشیہ: ابو الولید)

وفات رحمۃ اللہ علیہ

شیخ سندھی کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی لیکن آپ کے شیخ وہم عصر امام ابو الولید طیالسی کے سال وفات (۲۲۷ھ) کو پیش نظر رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ تیسری صدی ہجری کے رجال سے ہیں

؎۱ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۹۳ (امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ و رجال السند والہند ۱۲۵

؎۲ جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۲۳ (امام ابن عبد البر ابو عمر یوسف م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مصر ایضاً - ایضاً

شیخ رجاء السندیؒ

شیخ رجاء تیسری صدی ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام) کے زعمائے محدثین و فضلائے متقدمین سے تھے[1]

حسب و نسب :- آپ کی کنیت ابو محمد اور نام و نسب ہے رجاء بن السندیؒ۔ والد کا نام کسی مورخ نے بیان نہیں کیا۔ کتب رجال میں آپ کو محض "ابن السندی" سے یاد کیا گیا ہے[2]

شیخ رجاء حسب و نسب اور نسل و وطن کے اعتبار سے وادیٔ سندھ کی پیداوار تھے۔ اور نسبت ولاء کے لحاظ سے آپ الحنظلی کہلاتے ہیں۔ مولانا ڈاکٹر محمد اسحٰق لکھتے ہیں "شیخ رجاء تیسری صدی ہجری کے قدیم راوی حدیث بنو حنظل کے ایک آزاد کردہ غلام کے فرزند تھے۔ جیسا کہ ان کی نسبت الحنظلی سے ظاہر ہوتا ہے"[3]

ترکِ وطن :

اس سلسلے میں کسی مورخ نے لب کشائی نہیں کی ہے۔ البتہ ڈاکٹر کے مذکورہ بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے باپ دادا سندھ کے جنگی قیدیوں کے قافلوں میں عربستان لے جائے گئے تھے۔ اور وہاں یہ خاندان بنو حنظل کی غلامی میں آ گیا تھا چونکہ یہ لوگ علاقۂ نیشاپور کے ضلع اسفرائین میں رہائش پذیر ہو گئے تھے اس لئے آپ کو اسفرائینی کہتے ہیں[4]

اسماعیل بن ... تبدیلی کیجیے

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء

[2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۷ (حافظ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ

[3] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۰۹ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء۔

[4] ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

حافظ ابو الفضل احمد بن الحجر العسقلانی نے آپ کو انہی نسبتی ناموں سے یاد کیا ہے، لکھتے ہیں: "رجاء بن السندی النیسابوری ابو محمد الاسفرائینی" [۱]

پروفیسر عبدالصمد صارم آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں: "مشہور محدث رجاء سندھی (م ۲۲۱ھ) ہندوستان سے ایران گئے اس لئے اسفرائینی مشہور ہوئے" [۲] ڈاکٹر محمد اسحاق نے لکھا ہے: "وہ (رجاء) نیشاپور کے شمالی ضلع اسفرائین میں رہائش پذیر ہو گئے" [۳]

شیوخ و اساتذہ

شیخ رجاء السندی نے خراسان و عراق (جو اس وقت علوم اسلامی قرآن و حدیث اور فقہ کے مراکز تھے) کے مشہور و ممتاز علماء و محدثین سے علوم حدیث کی تحصیل و تکمیل کی۔ آپ کے شیوخ و اساتذہ میں امام عبداللہ بن مبارک مروزی م ۱۸۱ھ، ابوبکر بن عیاش م ۱۹۳ھ، ابن ادریس م ۱۹۲ھ، امام حفص بن غیاث م ۱۹۴ھ اور امام سفیان بن عیینہ م ۱۹۸ھ قابل ذکر ہیں [۴] علاوہ ازیں آپ نے ایوب بن النجار الیمامی، عبدالسلام بن حرب، یحیٰ بن یمان، ابی خالد الاحمر، ابن وہب، حمزہ بن الحارث بن عمیر اور عفان بن سیار سے بھی حدیث کی سماعت و روایت کی ہے [۵]

آخذین و تلامذہ

شیخ رجاء علم و فن کی تحصیل و اکتساب کے بعد واپس اسفرائین پہنچے۔ اور سب سے اول آپ نے یہ چشمۂ فیض اپنے کنبے میں جاری کر کے اپنے گھرانے میں بڑے بڑے حفاظ اور نامور محدثین پیدا کئے مثلاً محمد بن رجاء اور محمد بن محمد بن رجاء، جنہیں مصنفین رجال ائمہ حدیث شمار کرتے ہیں [۶]

علاوہ ازیں عوام و خواص سے آپ سے فضلائے محدثین و ائمہ دین نے تحصیل و سماعت حدیث کی ہے۔ مثلاً:- امام احمد بن محمد بن حنبل م ۲۴۱ھ، امام ابن ابی الدنیا عبید بن سفیان بن قیس م ۲۸۱ھ، امام ابو حاتم الرازی م ۲۷۷ھ [۷]

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۹ (حافظ ابن حجر عسقلانی) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ

[۲] تاریخ الحدیث ص ۶۹ (پروفیسر عبدالصمد صارم ازہری) مطبوعہ آکسفورڈ اینڈ کیمبرج پریس لاہور ۱۹۶۳ء

[۳] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۰۹ (ڈاکٹر محمد اسحاق) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

[۴] ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

[۵] رجال السند والہند ص ۱۲۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ہند ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

[۶] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

[۷] ابراہیم بن موسیٰ اور شیخ ابو جعفر الجمال نے آپ سے حدیث لکھی۔

قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کے دار العلوم کی کارکردگی اور تدریس و تحدیث سے متعلق علامہ ابن ابی حاتم الرازی کی ایک روایت نقل کی ہے جو لکھتے ہیں، "سمعت ابی یقول رأیت ابراھیم بن موسیٰ وابا جعفر الجمال قد جاءا الی رجاء بن السندی یکتبان عنہ"[۱]
(ابن ابی حاتم رازی کہتے ہیں) میں نے اپنے والد سے سنا کہ کہتے تھے میں نے ابراہیم بن موسیٰ اور ابو جعفر جمال کو دیکھا کہ وہ رجاء بن السندی کے پاس آتے اور ان سے (حدیث) لکھا کرتے۔

☆ شیخ رجاء کا علمی و ادبی مقام۔

شیخ رجاء اپنے وقت کے امام و استاذ حدیث تھے۔ علمائے زمانہ آپ کو علوم اسلامی کا مرکز و رکن حدیث مانتے تھے۔ اور محدثین امت و ماہرین اصول و سنت آپ کو ثقہ، صدوق اور فصیح البیان راوی سمجھتے تھے۔ حافظ ابن الحجر عسقلانی نے آپ کے بارے میں مبصرین کے تبصرے اپنے تذکرے جمع کرکے لکھا ہے
قال ابو حاتم "صدوق" ذکرہ ابن حبان فی الثقات، قال الحاکم رکن من ارکان الحدیث وفی اعقابہ حفاظ محدثون، قال بکر بن خلف ما رئیت افصح منہ"[۲]
ترجمہ:- امام ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ (رجاء) سچے ہیں۔ علامہ ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے امام حاکم محمد بن عبد اللہ م ۴۰۵ھ کہتے ہیں کہ (رجاء) حدیث کے ستونوں میں سے ایک ستون ہیں۔ اور ان کے پسماندہ میں حفاظ اور محدث ہیں۔ اور بکر بن خلف کہتے ہیں کہ میں نے ان (رجاء) سے زیادہ فصیح کوئی نہیں دیکھا۔
علوم الحدیث میں ماہر فن ہونے کے ساتھ ساتھ رجاء فنون لغت و ادب اور لسان العرب میں بھی قادر الکلام استاذ تھے۔ جو علماء و مشائخ کے لئے بے حد ضروری ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق لکھتے ہیں،
"رجاء عربی لسان و ادب کے استاد فن تھے۔ بکر بن خلف کہتے ہیں میں نے ان سے بہتر فصیح البیان مقرر کوئی نہیں دیکھا۔"[۳]

---

[۱] رجال السند والہند ص ۱۲۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی (ہند) ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء
[۲] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۹ (حافظ ابن الحجر عسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ
[۳] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۰ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ یونیورسٹی آف ڈھاکہ ۱۹۵۶ء

قاضی اطہر مبارکپوری اپنی کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں آپ کے فرزند ابوعبداللہ محمد بن رجاء کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "ان کے والد رجاء السندی، ان کے لڑکے ابوبکر محمد بن محمد بن رجاء سندی اور ابوبکر حمدان بن محمد بن رجاء بن سندی، یہ سب حدیث کے ثقہ علماء ہیں۔ سندھ کا یہ گھرانا خراسان میں بیت العلم اور معدن الحدیث تھا۔"[1] علامہ سمعانی نے بھی شیخ رجاء اور ان کے خاندان کو محدثین سندھ کی جماعت کا سرگروہ شمار کیا ہے۔[3]

وفات

حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے بحوالہ آپ کے شاگرد ابوبکر بن عیاش لکھا ہے کہ شیخ رجاء بن السندی نے شوال ۲۲۱ھ میں وفات پائی۔[2]

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء

[2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۹ (حافظ ابن الحجر عسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ

[3] کتاب الانساب ص ۲۸، ۳۱۴ (امام سمعانی ابوسعید عبدالکریم بن محمد م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء

شیخ خلف بن سالم الحافظؒ

حسب ونسب :۔ آپ کی کنیت ابو محمد اور نام ونسب ہے، خلف بن سالم السندی[1] البغدادی المخرمی المهلبی الحافظ[1]۔ آپ قرن سوم کے حفاظ حدیث سے ہیں۔

شیخ خلف بن سالم اصل ونسل کے اعتبار سے سندھی اور بود وباش وسکونت کے لحاظ سے بغدادی، مخرمی ہیں۔ ڈاکٹر محمد اسحاق لکھتے ہیں، "ان کی نسبت "المخرمی" ان کی المخرم میں سکونت کی وجہ سے ہے جو بغداد میں ایک مشہور محلہ ہے[2]"

حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) "المخرم" کی تشریح میں لکھتے ہیں، "محلة ببغداد نزلها ولد یزید بن المخرم هكذا في لب اللباب[3]"۔ یعنی (المخرم) بغداد میں ایک محلہ ہے جہاں یزید بن مخرم کی اولاد اُتری۔ اسی طرح ہے لب اللباب میں۔

اور نسبت ولاء کی وجہ سے آپ کو المهلبی یا مولیٰ آل مهلب کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے آپکا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے، "خلف بن سالم ابو محمد المهلبی مولاهم السندی البغدادی الحافظ[4]" ترجمہ:۔ خلف بن سالم ابو محمد مہلبی ان کا آزاد کردہ غلام سندھی، بغدادی الحافظ۔

'مہلبی'، کی نسبت خلیفہ عبد الملک بن مروان کے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ سراق ازدی بصری کی جانب ہے۔ شاید آپ آل مہلب (مہلب کے خاندان) میں سے کسی کے غلام رہ چکے ہونگے۔ اس لئے آپ کو مولا آل مہلب یا مہلبی کہا جاتا ہے۔ یا ان سے موالاۃ کا تعلق قائم کرنے سے آپ کو یہ نسبت ملی۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۲ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ
تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۲۸ (علامہ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۱ء
کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۳۷۱ (حافظ ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷) مطبوعہ دائرہ معارف حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۷۰
رجال السند والہند ص ۱۱۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء

[2] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی سنہ ۱۹۵۵

[3] [4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۲ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی ابن الحجر العسقلانی م سنہ ۸۵۲) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۵

ترکِ وطن

کتب سیر ورجال سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظ خلف بن سالم کو بنو مہلب بحیثیت غلام سندھ سے عراق لے گئے۔ وہاں یہ کوفہ میں سکونت پذیر ہوکر تحصیل حدیث میں مصروف ہوگئے اور فراغت کے بعد بغداد تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے مشہور محلہ "المخرم" میں مستقل طور پر رہائش اختیار کرلی [۱]

لیکن آپ کی ہجرت کا سال وزمانہ معلوم نہیں ہوتا۔ کسی مورخ نے کوئی متعین تاریخ ~~وصال~~ نہیں بتائی ہے۔

شیوخ واساتذہ

شیخ خلف نے امت کے نامور ائمہ وحفاظ حدیث سے اس فن شریف کی تحصیل وتکمیل کرکے اونچا نام ومقام پیدا کیا۔ مثلاً ابوبکر بن عیاش (م ۱۹۳ھ) ہشیم بن بشیر (م ۱۸۳ھ)، یحیٰ بن علیّۃ سعید بن ابراہیم بن سعد (م ۲۱۹ھ) حافظ ابونعیم فضل بن دکین (م ۲۱۹ھ)، محمد بن جعفر غندر، یزید بن ہارون (م ۲۱۶ھ) وہب بن جریر البصری (م ۲۰۶ھ)، عبدالرزاق بن ہمام (م ۲۱۱ھ)، یحیٰ بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) عبدالرحمٰن بن مہدی (م ۱۹۸ھ) محمد بن عبداللہ بن نمیر (م ۲۳۴ھ)، ابواحمد الزبیری، محمد بن عبداللہ الاسدی الکوفی (م ۲۰۳ھ) وغیرہم [۲]

آخذین وتلامذہ

آپ کے تلامذہ میں جلیل القدر محدثین وائمہ دین شامل ہیں۔ مثلاً :- امام ابوحاتم رازی، احمد بن خیثمہ (م ۲۷۹ھ) محمد بن ادریس الحنظلی، حافظ ابوزرعہ عبدالرحمٰن بن عمرو الدمشقی (م ۲۸۱ھ) یعقوب بن شیبہ (م ۲۶۲ھ)

---

[۱] فقہائے ہند ج ۱ ص ۹۸ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۲ء طبع اول۔

[۲] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۲۸ (علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی) مطبوعہ قاہرہ مصر سنہ ۱۳۴۹ھ / سنہ ۱۹۳۱ء
تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۲ (حافظ ابن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۲۵ھ
تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹-۶۰ (علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

یحیٰ بن عبدک، عثمان بن اسد الدارمی (م ۲۸۰ھ)، یعقوب بن یوسف المطوعی، عباس بن محمد الدوری (م ۲۷۱ھ)، اسمٰعیل بن ابی الحارث، اسد بن شاہین (م ۲۵۸ھ)، حاتم بن لیث، جعفر بن محمد الطیالسی (م ۲۸۲ھ)، حسن بن علی العمری (م ۲۹۵ھ) ابوالقاسم عبداللہ بن محمد البغوی (م ۳۱۰ھ)، احمد بن علی الابار (م ۲۹۰ھ)، ابوبکر احمد بن علی بن سعید المروزی (م ۲۹۲ھ) اور احمد بن الحسن الصوفی وغیرہم [۱]

علاوہ ازیں اصحاب صحاح ستہ کے مشہور امام، حافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی م ۳۰۳ھ نے ایک واسطہ سے آپ سے روایت کی ہے۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی لکھتے ہیں، "واخرج النسائی عن رجل عنہ" [۲] امام نسائی نے ایک شخص کے واسطہ سے ان سے حدیث روایت کی ہے

اسی طرح مصنفین صحاح کے ایک دوسرے امام حافظ ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م ۲۷۵ھ) نے آپ سے حدیث کی سماعت کی ہے۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں، "اخبرنا احمد بن ابی جعفر اخبرنا محمد بن عدی بن زحر البصری فی کتابہ حدثنا ابوعبید محمد بن علی الاجری قال قال ابوداؤد سلیمان بن اشعث سمعت من خلف بن سالم خمسۃ احادیث سمعتھا من احمد بن حنبل" [۳]

ترجمہ:- ہمیں خبر دی احمد بن ابی جعفر نے، خبر دی ہمیں محمد بن عدی بن زحر البصری نے اپنی کتاب میں کہا کہ ابوداؤد سلیمان بن اشعث نے کہا کہ میں نے خلف بن سالم سے پانچ حدیثیں سنیں جنہیں میں نے امام احمد بن حنبل سے سنیں۔

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۷۵ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء
تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۲ (حافظ ابن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ
تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹ (علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ)
رجال السند والہند ص ۱۱۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی (ہند) ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء

[۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹ (علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ

[۳] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۲۳ (علامہ احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء
تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۲ (حافظ ابن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ

جرح و تعدیل

شیخ خلف بن سالم سندھ کے مایہ ناز علمائے متقدمین و فضلائے محدثین سے تھے۔ آپ کی ثقاہت و عدالت اور علمی درجہ و فضیلت محتاج بیان نہیں۔ آپ کا مقام علم و فضل انگشتِ طعن و جرح سے بہت اونچا ہے۔ لیکن تاہم چند ایک فقرے جرح و تنقید کے آپ کے خلاف نظر آرہے ہیں۔ مگر جرح کا سارا مواد آپ کے فضائل و خصائل کے بالمقابل آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ اور وہ اس معیار کا بھی نہیں کہ آپ کی فضیلت و ثقاہت کو مجروح و متاثر کر سکے۔

علامہ خطیب البغدادی اور حافظ ابن الحجر العسقلانی نے آپ کے حق و خلاف میں محققینِ فنون و ماہرینِ اصول کے سارے بیانات ذکر کئے ہیں جن میں جو مواد آپ کے خلاف ہے۔ وہ سارا حسب ذیل ہے

(۱) انه كان يحدث بمساوى الصحابة۔ [۱] — شیخ عبدالخالق بن منصور۔

وہ عیوب صحابہ کی احادیث بیان کرتے تھے۔

(۲) نقموا عليه لتبعه هذه الاحاديث۔ [۲] — امام احمد بن محمد بن حنبل ۲۴۱ھ

لوگ ان (خلف) پر ان احادیث کے پیچھے لگ جانے کے باعث اعتراض کرتے ہیں۔

(۳) لولا انه سفيه۔ [۳] — امام یحیٰ بن معین ۲۳۳ھ

کاش! وہ سادہ لوح نہ ہوتے!

خطیب البغدادی اور حافظ ابن الحجر العسقلانی نے مندرجۂ بالا جرح و قدح کی تفصیل و تعدیل بیان کی ہے جو حسب ذیل ہے۔ لکھتے ہیں۔ "حدثنا عبد الخالق بن منصور قال سالت يحيى بن معين عن خلف المخرمى فقال صدوق فقلت له يا ابا زكريا انه كان يحدث بمساوى اصحاب رسول الله صلے الله عليه واله وسلم۔ فقال قد كان يجمعها فاما ان يحدث بها فلا۔ [۴]

۱، ۲، ۳، ۴: تہذیب التہذیب ج۳ ص۱۵۲ (حافظ ابن الحجر عسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن۔ ۱۳۲۵ھ

۴: تاریخ بغداد ج۸ ص۳۲۸ (علامہ خطیب ابو بکر احمد بن علی البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۱ء

ترجمہ :- ہمیں عبدالخالق بن منصور نے بتایا کہ میں نے یحیٰ بن معین سے خلف مخرمی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ (خلف) سچے ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ وہ صحابۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عیوب میں حدیثیں بتاتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ وہ انہیں جمع کرتے تھے۔ لیکن جہاں تک ان کی تحدیث و روایت کا دارومدار ہے وہ انہیں روایت نہیں کرتے تھے۔

دوسرے اعتراض کی تفصیل و تعدیل حسب ذیل ہے :-

خطیب البغدادی لکھتے ہیں، "حدثنا ابوبکر المروزی، قال سئلتہ یعنی احمد بن حنبل عَن خلف المخرمی فقال نقموا علیہ بتبعہ ھٰذہ الاحادیث۔ قلت ھو صدوق قال ما اعرفہ یکذب"[۱]۔ ترجمہ:- ہمیں ابوبکر مروزی نے بتایا کہ میں نے ان سے یعنی امام احمد بن حنبل سے خلف مخرمی کے متعلق پوچھا۔ تو انہوں نے کہا کہ لوگ ان پر (خلف پر) ان کے ان احادیث کے پیچھے لگ جانے کے باعث اعتراض کرتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ وہ (خلف) سچے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ میں انہیں نہیں جانتا کہ جھوٹ بولتے ہوں (یعنی خلف)۔

لیکن ان دونوں اعتراضوں سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان احادیث کو صحیح و مستند سمجھ کر اشاعت و روایت کرنے کی خاطر جمع کرتے تھے۔ بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ وہ انہیں محض اپنی معلومات اور ایسی احادیث سے آگاہ ہونے کے لئے انہیں ڈھونڈ کر محفوظ کرتے۔ جس کی امام یحیٰ بن معین کے بیان (قد کان یجمعہا واما ان یحدث بہا فلا) سے واضح طور پر تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔ اور غیر صحیح یا موضوع احادیث کی تلاش و حفظ ان سے باخبر و متنبہ رہنے کی خاطر حفاظ و ائمہ حدیث کے لئے کوئی معیوب امر نہیں۔ بلکہ بہت ضروری ہے۔ تاکہ وہ اپنے آپ اور خلق خدا کو ان کے ضرر سے بچا سکیں۔ چنانچہ امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری ۲۵۶ھ نے دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد کی تھیں[۳]۔

ح۱ } تاریخ بغداد ج۸ ص۳۲۸ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء

ح۲ } تہذیب التہذیب ج۳ ص۱۵۲ (حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف نظامیہ ۱۳۲۵ھ

ح۳ الاکمال فی اسماء الرجال ص۶۳۰ (شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبیداللہ الخطیب) مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۳۶۵ھ

اور آخری اعتراض "لولا انہ سفیہ" کاش! وہ (خلف) سادہ لوح نہ ہوتے! کی توضیح و تفصیل حسبِ ذیل ہے۔ علامہ خطیب البغدادی لکھتے ہیں، "حدثنا احمد بن زہیر قال سَمِعتُ یحیٰ بن معین یقول لیس بخلف بن سالم المسکین باسٌ لولا انہ سفیہ[1]"
ترجمہ: ہمیں احمد بن زہیر نے بتایا کہ میں نے یحی بن معین سے سنا کہ کہتے تھے کہ خلف بن سالم مسکین میں کوئی خطرہ نہیں۔ کاش کہ وہ سادہ لوح نہ ہوتے!۔

اِس تبصرے (لولا انہ سفیہ) کا محدث کی صداقت و ثقاہت اور عدالت و شرائطِ روایت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ یحی بن معین نے آپ پر جرح کرنے کی خاطر یہ کہا تھا۔ بلکہ وہ خلف بن سالم الحافظ کی صداقت و عدالت کی خود تصدیق و توثیق کرتے ہوئے محض ان کی سادگیٔ مزاج پر اظہارِ افسوس کر رہے ہیں۔

تعدیل و تصدیق:-

اِس کے برعکس شیخ خلف بن سالم الحافظ کے محامد و محاسن کو دیکھیں تو دیکھتے ہیں کہ سارے علمائے اصول و ماہرینِ جرح و تعدیل آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آرہے ہیں۔ مثلاً:-
آپ کے ہم عصر امام الحدیث والمذہب ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ نے آپ کی شان میں فرمایا ہے "لا یشکّ فی صدقہ[2]" اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ "ما اعرفہ یکذب[3]" میں اسے نہیں جانتا کہ جھوٹ بولتا ہو۔
آگے ان کی عفت و تقویٰ کے متعلق فرماتے ہیں، "کنت اعرفہ[4] عفیف البطن والفرج" میں اسے پاکیزہ شکم و پاکدامن جانتا ہوں۔

[1] تاریخ بغداد ج۸ ص۳۲۰ (علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
[2] تہذیب التہذیب ج۳ ص۱۵۲ (حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۵
[3] تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۵۹ (امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۴
[4] رجال السند والہند ص۱۱۱-۱۱۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی (ہند) ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

اِمام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی المتوفی ۳۰۳ھ آپ کے حق میں فرماتے ہیں "ثقۃ"[1]
شیخ یعقوب بن شیبہ (م ۲۶۲ھ) جو آپ کے تلامذہ و رُواۃ میں سے ایک ثقہ راوی ہیں) آپکے حق میں فرماتے ہیں، "کان ثقۃ ثبتاً"[2]
ایک حدیث میں امام حمیدی اور شیخ مسدد نے امام خلف کی مخالفت کی تھی تو شیخ یعقوب بن شیبہ نے خلف کو حمیدی اور مسدد پر ترجیح دیتے ہوئے کہا "کان خلف اثبت منہما"[3] یعنی خلف ان دونوں سے زیادہ ثابت الروایت ہیں۔
امام ابوحاتم محمد بن حبان المتوفی ۳۵۴ھ نے آپ کو ثقات محدثین میں ذکر کرتے ہوئے کہا ہے، "کان من الحذاق المتقنین"[4]

آپ کی تصنیف و تالیف، تحدیث و تدریس اور استفادہ تلامذہ سے متعلق طبقات ابن سعد میں بیان ہے
"وقد کان صنف المسند من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وکان کثیر الحدیث وقد کتب الناس عنہ"[5] ترجمہ:۔ انہوں نے (خلف بن سالم نے) حضور پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث سے ایک مسند تصنیف کی تھی۔ اور کثیر الحدیث تھے اور لوگ ان سے احادیث لکھتے تھے۔
شیخ حمزہ الکنانی کہتے ہیں، "خلف بن سالم ثقۃ مامون من نبلاء المحدثین"[6] یعنی خلف بن سالم ثقہ اور محفوظ ہیں (عیوب جرح سے) اور شرفاء محدثین سے ہیں۔
شیخ احمد بن زہیر بن خیثمہ آپ کے بارے میں شیخ ابا المحلم کا تبصرہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "إنّ اخانا خلف بن سالم لیس علیہ احد ابسالم"[7] ترجمہ:۔ بے شک ہمارے بھائی خلف بن سالم سے کوئی راوی زیادہ سالم نہیں۔
شیخ ابوبکر المروزی آپ کے متعلق فرماتے ہیں، "ھو صدوق"[8] وہ سچے ہیں۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۲، ۱۵۳ (حافظ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن طبع ۱۳۲۵ھ
[2][3] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۲۸۔ ۳۲۹ (علامہ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
[4][5] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۹۲ (علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد م ۲۳۰ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ
[6] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۲، ۱۵۳ (حافظ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن طبع ۱۳۲۵ھ
[7][8] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۲۸۔ ۳۲۹ (علامہ ابوبکر الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء

علاوہ ازیں شیخ خلف کو علمائے امت حفاظِ حدیث و متقنین رواۃ میں شمار کرتے ہیں[۱] جو محدثین و علمائے اصول کے نزدیک رواۃ حدیث میں درجۂ اولیٰ کے مالک ہیں۔

امام ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی ۶۷۶ھ نے اس سلسلے میں امام مسلم بن الحجاج ۲۶۱ھ کے ایک بیان کا خلاصہ لکھا ہے، "ذکر مسلم رحمہ اللہ تعالےٰ انہ یقسم الاحادیث ثلثۃ اقسام۔ الاوّل ما رواہ الحفاظ المتقنون"[۲] ترجمہ:- امام مسلم بیان کرتے ہیں کہ احادیث تین قسم ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جسے معتمد حفاظ روایت کرتے ہیں۔ اس لئے آپ طبقہ اولیٰ کے محدثین و رواۃ میں شمار ہوتے ہیں۔

تصنیفات :-

ارباب قلم و اصحاب تراجم لکھتے ہیں کہ حافظ خلف نے ایک مسند تصنیف کی ہے[۳]

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں "قد کان صنف المسند من رسول اللہ صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم"

مرویات :-

علامہ ابوبکر خطیب البغدادی نے آپ کی مندرجہ ذیل مرویہ حدیث بیان کی ہے۔

اخبرنا عبد المومن الحافظ انا یحیی الیربوعی انا عمر وبن مهدی انا ~~خلف بن سالم انا وهب بن جریر انا~~ خلف بن سالم انا وهب بن جریر انا جویریہ انا یحیٰ بن سعید عن عمہ قال لما کان یوم الذی اصیب فیہ عمار اذا برجل قد برز بین الصفین جسیم علےٰ فرس ضخیم ینادی موجع (روحوا الی الجنۃ یا عباد اللہ) ثلاث مرات ثم

---

[۱] تہذیب التہذیب ج۳ ص۱۵۳ (حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ۔

[۲] مقدمہ شرح صحیح مسلم ص۱۵ (امام ابوزکریا یحیی بن شرف النووی م ۶۷۶ھ) مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء

[۳] تہذیب التہذیب ج۳ ص۱۵۳ (حافظ ابن الحجر العسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ انڈیا ڈسٹری بیوشن آف حدیث ص۲۰۹ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء

قال (فانها تحت ظلال السیوف) فثار الناس فاذا هو عمار بن یاسر فلم یلبث ان قتل"[۱] اسے قاضی اطہر مبارکپوری نے بھی اپنی کتاب رجال السند والہند میں نقل کیا ہے[۲]

ترجمہ:- ہمیں خبر دی عبدالمومن الحافظ نے - خبر دی ہمیں یحیی یربوعی نے - خبر دی ہمیں عمرو بن مہدی نے خبر دی ہمیں محمد بن احمد بن یعقوب سدوسی نے - خبر دی ہمیں میرے دادا نے خبر دی ہمیں خلف بن سالم نے خبر دی ہمیں وہب بن جریر نے خبر دی ہمیں جویریہ نے خبر دی ہمیں یحیی بن سعید نے اپنے چچا سے - انہوں نے کہا کہ جب وہ دن آ گیا جس میں عمار (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شہید ہو گئے - کیا دیکھتے ہیں! کہ اچانک ایک موٹے تازہ گھوڑے پر ایک جسیم آدمی دونوں صفوں کے درمیان ظاہر ہوا - جو دردناک تھا - پکارتا ! اے اللہ کے بندے ! جنت کی طرف دوڑو (تین بار ایسا پکارا) کہ وہ (جنت) تلواروں کی چھاؤں میں ہے - پھر لوگ جب منتشر ہو گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت عمار بن یاسر ہیں - پس دیر نہ گذری کہ قتل ہو گئے -

وفات:-

مستند مورخین و معتمد مصنفین نے لکھتے ہیں کہ حافظ خلف بن سالم السندی المخرمی بمقام بغداد شریف رمضان المکرم کے آخری دنوں میں ۲۳۱ھ میں وفات پائی[۳] جب کہ آپ کی عمر ۶۹ یا ۷۰ سال تھی[۴]

(جو سال ہجری [illegible] بھی لکھنا چاہیے ۱۶۱ء / ۱۶۲ھ)

---

[۱] تاریخ بغداد ج۸ ص۳۲۸ (علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء

[۲] رجال السند والہند ص۱۱۴ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ہند ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

[۳] تاریخ بغداد ج۸ ص۳۲۹ (علامہ ابوبکر خطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
تہذیب التہذیب ج۳ ص۱۵۲ (امام ابوالفضل حافظ احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ
رجال السند والہند ص۱۱۴ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

[۴] تہذیب التہذیب ج۳ ص۱۵۲ ، تاریخ بغداد ج۸ ص۳۲۸ ، رجال السند والہند ص۱۱۴ -

شیخ ابو عبد الملک محمد بن ابی معشر

حسب ونسب :- آپ سندھ کے مایہ ناز اور مشہور وممتاز استاذ الحدیث حضرت ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن المدنی التابعی السندی کے فرزند ہیں[۱] - آپ کا نام "محمد" اور کنیت ابو عبد الملک ہے - اور بنو ہاشم سے رشتہ غلامی کے سبب "الہاشمی" یا مولی بنی ہاشم کہلاتے ہیں - حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "محمد بن نجیح ابی معشر بن عبد الرحمٰن السندی ابو عبد الملک مولی بنی ہاشم .... الخ"[۲]

درجۂ تبع تابعی

شیخ ابو عبد الملک کو تبع تابعین ہونے کا شرف حاصل تھا - آپ نے اپنے والد ماجد شیخ نجیح بن عبد الرحمٰن (جو تابعی تھے) کی خدمت میں رہ کر تحصیل حدیث کی تھی -

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی م ۷۴۸ھ نے آپ کے والد کے ترجمے میں لکھا ہے "وحدث عنہ ابناہ محمد وعبد اللہ" حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں، "رأی ابن ابی ذئب وروی عنہ وروی عن ابیہ والنضر بن منصور العنبری"[۳]

ترجمہ :- (ابو عبد الملک نے) ابن ابی ذئب کو دیکھا - اور ان سے روایت کی اور اپنے والد اور نضر بن منصور عنبری سے روایت کی -

---

۱ فقہائے ہند ج ۱ ص ۹۲ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء
رجال السند والہند ص ۲۵۵ (قاضی ابو المعالی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ہند ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء
الرحیم جولائی ۱۹۶۳ء (سرزمین سندھ میں علم حدیث) مولانا امیر احمد مخدوم العباسی مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ

۲ ، ۳ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۸۹ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ -

اسی طرح ڈاکٹر محمد اسحاق نے اپنی کتاب "انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث" میں یہ تذکرہ کیا ہے [۱]

شیوخ و اساتذہ - ؛

شیخ ابو عبد الملک نے مدینہ منورہ کے امام حدیث حافظ ابن ابی الذئب محمد بن عبد الرحمٰن سے تحصیل و سماعت حدیث کی۔ لیکن ابھی آپ اپنے عنفوان شباب ہی میں تھے کہ آپ کے والد ماجد خلیفہ مہدی ۱۶۹ھ کی دعوت پر اپنے اہل و عیال کے ساتھ بغداد شریف تشریف لے گئے۔ اور وہاں انہوں نے بحکم و انتظام خلیفہ.... تدریس حدیث و تعلیم فنون شریعت کا ایک ادارہ قائم کیا۔ جہاں آپ نے اپنے والد ماجد سے درس حدیث و فقہ لیا۔ اور ان کی کتاب "کتاب المغازی" کی تعلیم حاصل کی [۲]

علاوہ ازیں آپ نے شیخ نضر بن منصور العنبری اور ابی نوح الانصاری وغیرہ سے بھی سماعت و روایت حدیث کی ہے [۳]

شیخ ابو عبد الملک کو علوم حدیث و فنون مغازی سے بے حد دلچسپی تھی بالخصوص اپنے والد ماجد کی تصنیف سے بڑا شغف تھا۔ چنانچہ آپ اس کتاب کے حصول کی خاطر رخت سفر باندھ کر المصیصہ پہنچے۔ جہاں اسے تلاش کر کے نقل کروا لی

[۱] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

[۲] سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم جولائی ۱۹۶۳ء مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ

[۳] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۹ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ -

حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م۸۵۲ھ اس سلسلے میں لکھتے ہیں، "قال الحسین بن حبان سألت زکریا عنہ فقال قدم المصیصۃ فسألت حجاجاً عنہ فقال جائنی فطلب منی کتابا مما سمعت من ابیہ فاخذھا ونسخھا وما سمعھا منی"[۱] ترجمہ حسین بن حبان کہتے ہیں کہ میں نے زکریا سے ان کے (ابوعبدالملک) بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ مصیصہ آئے۔ تو میں نے حجاج سے ان کی نسبت دریافت کی تو حجاج نے کہا کہ وہ (ابوعبدالملک) میرے پاس آئے اور مجھ سے وہ کتاب طلب کی جسے میں نے ان کے والد سے سنا تھا۔ پھر اسے لے کر لکھ لیا۔ لیکن مجھ سے اسے نہیں سنا۔

آخذین و تلامذہ۔

آپ سے امت کے بڑے بڑے حفاظ و ائمہ حدیث نے تحصیل حدیث کی۔ علوم اسلامی۔ قرآن و حدیث اور فقہ کی نشر و اشاعت اور فنونِ مغازی کے درس و روایت میں آپ نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ حافظ ابن الحجر العسقلانی نے آپ کے تلامذہ و رواۃ میں سے چند ایک فضلاء کے نام قلمبند کئے ہیں۔ لکھتے ہیں، "روی عنہ الترمذی ویحیی بن موسیٰ البلخی وابناہ الحسین وداؤد وابن ابی الدنیا وابوحاتم الرازی وابویعلی الموصلی وابن جریر الطبری وابوبکر بن المجدر وابوحامد الحضرمی واخرون"[۲] اور محمد بن لیث۔

[۱] تہذیب التہذیب ج۹ ص۱۸۸ (حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ
رجال السند والہند ص۲۵۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی (ہند) ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء

[۲] ایضاً۔ ایضاً ایضاً ایضاً

نیز یزید بن ہارون الحافظ م۲۱۷ھ اور ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی م۲۰۷ھ

ترجمہ :- ان سے امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی م ۲۷۹ھ ، شیخ یحییٰ بن موسیٰ البلخی م ۲۴۰ھ
شیخ حسین بن محمد بن ابی معشر م ۲۷۵ھ ، شیخ داؤد بن محمد بن ابی معشر م ۲۸۰ھ
امام ابوبکر ابن ابی الدنیا عبید اللہ بن محمد بن عبید م ۲۸۱ھ امام ابوحاتم رازی م ۲۷۷ھ
شیخ ابویعلی الموصلی ، امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری م ۳۱۰ھ ، ابوبکر بن المجذر اور
شیخ ابوحامد الحضرمی اور دوسرے لوگوں نے روایت کی ہے ۔

علاوہ ازیں علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی نے شیخ
یزید بن ہارون م ۲۱۶ھ امام محمد بن عمر الواقدی م ۲۰۷ھ اور شیخ اسحاق بن عیسیٰ الطباع
کو آپ کے شاگردوں میں شمار کیا ہے [۱]

شیخ محمد ابوعبد الملک کا مقام

شیخ ابوعبد الملک فضلائے صدوق وائمہ حدیث سے تھے ۔ آپ کی ثقاہت وصداقت
میں کسی اہل علم کو کلام نہیں ۔ ماہرین اصول وناقدین رجال آپ کو سلیم الروایت و
مرکز صداقت مانتے ہیں ۔ قاضی ابوالمعالی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں ، " قال ابوحاتم
الرازی محلہ الصدق " یعنی وہ سچائی کا مرکز ہے (یا) ان کا مرکز ومقام سچائی
ہے ۔ " وذکرہ ابن حبان فی الثقات " یعنی ابن حبان نے انہیں ثقات میں
ذکر کیا ہے ۔ " وقال ابویعلی " ثقۃ " شیخ ابویعلی موصلی کہتے ہیں کہ وہ
ثقہ ہیں [۲]

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۳۶ (علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء

[۲] رجال السند والہند ص ۵۵ (قاضی ابوالمعالی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ہند ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

علاوہ ازیں امام ترمذی، امام ابن جریر، امام ابوحاتم محمد بن ادریس رازی، حافظ یزید بن ہارون اور امام ابن ابی الدنیا وغیرہم جیسے جلیل القدر ائمہ وارکان حدیث کا آپ سے حدیث اخذ کرنا آپ کی جلالت وعظمت پر ایک بڑی حجت ہے۔

مرویات :-

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے براہ راست آپ سے حدیث کی سماعت وروایت کی ہے مندرجہ ذیل حدیث آپ کی مرویہ ہے۔

حدثنا محمد بن ابی معشر نا ابی عن محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ما بین .... المشرق والمغرب قبلۃ "[1]

علامہ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی نے آپ کی مرویہ احادیث روایت کی ہیں۔ مندرجہ ذیل حدیث انہوں نے اپنی کتاب "تاریخ بغداد" میں روایت کی ہے۔

حدثنا ابوحامد الحسین بن علی بن نصر حدثنا احمد بن جعفر بن حمدان القطیعی ببغداد حدثنا محمد بن اللیث الجوہری حدثنا محمد بن ابی معشر المدنی حدثنا ابی عن نافع عن ابن عمر (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کل مسکر خمر وان سکر کثیرہ فقلیلہ حرام[2]

وفات :-

مولانا محمد اسحٰق بھٹی لکھتے ہیں کہ شیخ ابوعبدالملک نے ۹۹ سال کی عمر میں سنہ ۲۴۴ھ میں وفات پائی۔[3]

لیکن آپ کے فرزند شیخ داؤد بن محمد کی روایت ہے کہ آپ سنہ ۲۴۷ھ میں فوت ہوئے

---

[1] جامع ترمذی ج۱ ص۔ (امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی م ۲۷۹ھ) مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی سنہ ۱۳۸۰ھ۔

[2] تاریخ بغداد ج۳ ص۳۰ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء

[3] فقہائے ہند ج۱ ص۹۳ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۴ء۔

جب کہ آپ کی عمر ننانوے سال آٹھ دن کی تھی ۔ حافظ ابن الحجر عسقلانی لکھتے ہیں'

"قال ابن قانع مات سنة اربع واربعين ومائتين (۲۴۴ھ) وقال ابنه داؤد بن محمد مات سنة ۲۴۷ھ وهو ابن تسع وتسعين سنة وثمانية ايام"[1] ترجمہ:۔ شیخ ابن قانع کہتے ہیں کہ (شیخ ابو عبد الملک) سنہ دو سو چوالیس ہجری میں فوت ہوئے ۔ اور ان کے فرزند داود بن محمد کہتے ہیں کہ وہ سنہ دو سو سینتالیس میں فوت ہوئے اور وہ ننانوے سال آٹھ دن کے تھے ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ کے بیٹے شیخ داؤد کا قول ابن قانع کی روایت کی نسبت زیادہ صحیح و قابل ترجیح ہے ۔ چنانچہ علامہ احمد بن الکامل القاضی نے شیخ داؤد کے بیان پر اعتماد کیا ہے ۔ عرب کا مقولہ ہے "اَهْلُ الْبَيْتِ اَدْرٰى بِمَا فِى الْبَيْتِ" یعنی گھر کے مالک گھر کی چیزوں سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں ۔

شیخ داؤد کی روایت کی صداقت پر یہ بات بھی ایک حجت ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کی عمر کے سال و دن بھی گن کر بتا دیئے ۔ یہ ان کی صحیح واقفیت کا بڑا ثبوت ہے ۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۸۸ (حافظ ابن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۂ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ
رجال السند والہند ص ۲۳۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

شیخ ابوحمزہؒ

حسب ونسب: آپ کی کنیت ابوحمزہ اور نام ونسب یہ ہے۔ هیثم بن عبد الاعلیٰ بن فرات السندی الاصبہانی ہے[1]

شیخ ابوحمزہ قرن سوم کے علمائے محدثینِ سندھ سے ہیں۔ آپ وطن اصلی کے اعتبار سے سندھی اور وطن سکنیٰ کے لحاظ سے اصفہانی کہلاتے ہیں۔ آپ کا یہ نسبتی نام "السندی" اس بات کی قوی دلیل ہے کہ آپ سندی النسل ہیں۔ اس بناء پر قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کو رجال سندھ میں شمار کیا ہے[2]

ترک وطن۔

لیکن ابوحمزہ کی تاریخ ہجرت کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ آپ کا یہ زیر تحریر مختصر ترجمہ قاضی اطہر مبارکپوری نے حافظ امام ابونعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی (م ۴۳۰ھ) کی کتاب "تاریخ مدینۃ الاصبہان" کے قلمی نسخہ (جو شیخ الاسلام مدینۃ المنورہ کے کتبخانہ میں موجود تھا) سے لیا ہے[3]

شیوخ واساتذہ

شیخ ابوحمزہ نے حدیث کی سماعت وتحصیل شیخ محمد بن راشد (امام ابوداود صاحب سنن کے شاگرد) اور شیخ اسمٰعیل بن عبد اللہ سے کی ہے[4]۔

---

[1] [2] [3] [4] } ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۷۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

۴۔ شیخ ابو حمزہ کا اصفہان میں دار الحدیث اور تلامذہ

شیخ ابو حمزہ اصفہان میں درس و روایتِ حدیث کا ایک ادارہ قائم کر کے اس فن شریف کی نشر و اشاعت کرتے رہے جہاں آپ سے شیخ ابو یعلی، شیخ عبدان اور شیخ ابن رستہ نے حدیث کی تحصیل کی۔

شیخ ابو حمزہ کے تفصیلی حالات و سوانح حیات کا مزید تذکرہ نہیں مل سکا۔ آپ کا پورا ترجمہ جو قاضی اطہر مبارکپوری نے بیان کیا ہے حسب ذیل ہے۔

"ابو حمزہ ہریم بن عبد الاعلیٰ بن فرات سندی اصفہانی، آپ نے محمد بن راشد صاحب ابی داؤد اور اسمٰعیل بن عبد اللہ سے روایت کی اور آپ سے عبدان، ابو یعلی اور ابن رستہ نے روایت کی۔ آپ نے ۲۲۰ھ میں اصفہان میں حدیث کی روایت کی۔"[1]

وفات۔ ۴

شیخ ابو حمزہ کی تاریخ وفات کا ان کے ترجمے میں کوئی بیان نہیں۔ البتہ ان کی تاریخ تدریس (۲۲۰ھ) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قرن سوم کے محدثین سے تھے۔

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء۔
بحوالہ قلمی نسخہ تاریخ اصفہان حافظ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ۔

شیخ سندی بن ابی ہارون

حسب و نسب: شیخ سندی کا نام و نسب اور ترجمہ اسی نسبتی نام و کنیت "السندی بن ابی ھارون" سے مذکور ہے[1]۔ مترجمین حضرات نے نہ آپ کا اپنا اصل نام ذکر کیا ہے نہ آپ کے والد ماجد کا۔

البتہ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ نے آپ کے تذکرے کے ساتھ ساتھ ایک اور نام "سندل بن ھارون" کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور دونوں کے تذکروں میں لکھ دیا ہے "شیخ لِمسدّدٍ مجھولٌ" یعنی "مسدد" کے شیخ ہیں مجہول ہیں[2]۔

ان ناموں کے اشتراک وصفی و تقارب لفظی نے شیخ کے ترجمے میں کافی اشتباہ پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ قاضی مبارکپوری نے اس پر لکھا ہے[3]، "کانھما واحدٌ" یعنی گویا کہ یہ دونوں ایک شخص ہیں۔

لیکن غور و فکر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ایک فرد نہیں بلکہ دو الگ الگ شخص ہیں۔ کیونکہ مقدم الذکر "سندی بن ابی ھارون" اور مؤخر الذکر "سندل بن ھارون" ہیں۔ اور ان دونوں ترجموں میں مشرق تا مغرب کا فرق موجود ہے جن کا رجلِ واحد پر بولنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے قاضی مبارکپوری نے ان کی وحدت کا کوئی بالجزم فیصلہ نہیں دیا بلکہ اشتباہ کا صیغہ "کانھما واحدٌ" کہہ کر مذکورہ شبہ کا اظہار کیا۔ اور علامہ ذہبی نے بھی دونوں کا تذکرہ کرتے وقت ان کا رجل واحد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

ف ۱ کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ قسم ۱ ص ۳۱۸ (امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف حیدرآباد دکن
رجال السند والہند ص ۱۳۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتیلری بازار بمبئی (ہند) ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۸ء۔
میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۲۹ (امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ۔

ف ۲ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۲۹ (امام ذہبی) مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ

ف ۳ رجال السند والہند ص ۱۳۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی (ہند) ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۸ء۔

شیخ سندی سندی الاصل محدثین سے ہیں:۔

اسی بناء پر مورخ ہند قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی دونوں کتابوں "رجال السند والہند" اور "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں آپ کو رجال سندھ میں شمار کیا ہے۔[1]
لیکن آپ کے حالات و سوانح حیات کی کوئی تفصیل دستیاب نہیں ہو سکی۔ آپ کے ترجمے کا اصل ماخذ امام ابن ابی حاتم الرازی کی کتاب "کتاب الجرح والتعدیل" ہے جس میں امام موصوف نے اپنے والد ماجد کے حوالے سے آپ کا ایک بہت مختصر ترجمہ بیان کرتے ہوئے آپ کو غیر معروف قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں، "سندی بن ابی ھارون روی عن .... وروی عنہ مسدد سمعت ابی یقول ذالک وسمعتہ یقول ھو مجہول"[2] ترجمہ:۔ شیخ سندی بن ابی ہارون نے روایت کی .... (استاد کا نام مذکور نہیں)۔۔۔۔ اور ان سے روایت کی شیخ مسدد نے۔ (پھر امام ابن ابی حاتم کہتے ہیں) میں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا۔ اور میں نے ان سے سنا کہتے تھے کہ وہ (شیخ سندی) مجہول یعنی غیر معروف ہیں۔
اسی طرح امام ذہبی (۷۴۸ھ) نے بھی آپ کی ایک ادھوری ترجمانی کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ مجہول شخص ہیں۔ لکھتے ہیں، "سندی بن ابی ھارون شیخ لمسدد مجہول"[3]
یعنی شیخ سندی بن ابی ہارون شیخ مسدد کے استاد ہیں مجہول ہیں۔
پھر قاضی اطہر مبارکپوری نے بھی آپ کا ایسا ہی تذکرہ کیا ہے۔[4]

شیوخ و تلامذہ۔

امام ابن ابی حاتم نے آپ کے شیخ کا نام خالی چھوڑا ہے[5]۔ اس طرح دوسرے مترجمین نے بھی آپ کے اساتذہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ البتہ آپ کے تلامذہ و رواۃ سے شیخ مسدد (۲۲۶ھ) کا

---

[1] رجال السند والہند ص۱۳۹ مطبوعہ کتبخانہ بازار بمبئی ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۸ء۔ } قاضی اطہر مبارکپوری۔
[4] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔ ص۱۵۵۔ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء۔ }
[2] کتاب الجرح والتعدیل ج۲ قسم۱ ص۳۱۸۔ مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۶۰ھ۔
[5] امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ۔
[3] میزان الاعتدال ج۱ ص۴۳۶ (امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۲۵ھ۔

نام نامی مذکور ہے۔[1]

وفات:-

شیخ سندی بن ابی ہارون کی وفات کا کوئی متعینہ سال وماہ کسی تذکرے میں مذکور نہیں۔ البتہ آپ کے شاگرد شیخ مسدد کی تاریخ وفات (۲۲۸ھ) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قرن سوم کے محدثین سے ہیں۔

اسی اعتبار سے قاضی اطہر مبارکپوری نے بھی آپ کو تیسری صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے رجال سے شمار کیا ہے۔[2]

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ قسم ۱ ص ۳۱۸ (امام ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۰ھ
میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۲۹ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۲۵ھ۔

[2] رجال السند والہند ص ۱۳۹ مطبوعہ کتیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء،
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۵ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء } قاضی اطہر مبارکپوری۔

شیخ ابو النصر السندیؒ

حسب ونسب:- آپ کی کنیت ابو النصر اور نام ونسب ہے فتح بن عبد اللہ السندی[1] اور حسب ونسب کے لحاظ سے آل حسن بن حکم کے آزاد کردہ غلام تھے[1] لیکن مولائے کریم کے فضل وکرم سے علم وفضل کے میدان میں آفتابِ عالم بن گئے۔
شیخ ابو النصر وطن اصلی کی نسبت سے "السندی" لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ لیکن آپ کے تفصیلی حالات کا تذکرہ کسی ترجمے میں مذکور نہیں۔ بہرحال علمائے تاریخ و تراجم نے آپ کو محدثین سندھ میں شمار کیا ہے[2]۔

تحصیل علوم واساتذہ:-

شیخ ابو النصر نے علوم حدیث کی تحصیل وسماعت شیخ حسن بن سفیان (م ۳۰۳ھ) ودیگر مشائخ حدیث سے کی اور فنون شریعت وعلم کلام کی تعلیم وتربیت شیخ ابو علی محمد بن عبد الوہاب الثقفی سے حاصل کر کے علمی دنیا میں بڑا نام ومقام پیدا کیا۔ اور محدث ہونے کے ساتھ ساتھ "الفقیہ" اور "المتکلم" کے القاب سے بھی سرفراز وممتاز ہو گئے۔
علامہ سمعانی ابو سعید عبد الکریم بن ابو بکر محمد (م ۵۶۲ھ) آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

"فتح بن عبد اللہ الفقیہ ابو النصر السندی المتکلم مولیٰ لآل حسن بن الحکم ثم عتق وقرأ الفقہ والکلام علی ابی علی الثقفی۔ سمع من الحسن بن ابی سفیان وغیرہ وحدث"[1]۔ ترجمہ:- شیخ فتح بن عبد اللہ الفقیہ (ماہر علوم شریعت) ابو النصر السندی المتکلم (ماہر علم کلام) آل حسن بن حکم کے غلام جو بعد میں آزاد کئے گئے۔ اور علوم فقہ وکلام

---

[1] کتاب الانساب ص ۷۷-۷۸ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابو بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیڈن ۱۹۱۲ء۔
[1] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۹۶ (مولانا عبد الحی الحسنی لکھنوی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء طبع اول۔
[2] رجال السند والہند ص ۱۹۱ مطبوعہ لشکری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔ } قاضی اطہر مبارکپوری
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۵ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء۔ }
تاریخ الحدیث ص ۰۰ (پروفیسر عبد الصمد صارم الازہری) مطبوعہ آکسفورڈ اینڈ کیمبرج پریس لاہور ۱۹۶۳ء۔
تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۰۰ (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۳۶ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۹۷۴ء۔

علامہ ابوعلی ثقفی سے پڑھے۔ اور علوم حدیث کی شیخ حسن بن ابی سفیان سے سماعت و روایت کی۔

تدریس و اشاعتِ علوم۔

شیخ ابوالنصر کا حلقۂ درس و روایت وسیع پیمانے پر جاری و ساری تھا۔ جہاں شائقینِ علوم کا ہمیشہ ہجوم رہتا تھا۔ یہاں تک کہ سیر و تفریح میں بھی تلامذہ و معتقدین کا انبوہ کثیر آپ کا ہم رکاب رہتا۔ آپ اپنی علمی قدر و منزلت اور بلند شخصیت کی شان و شوکت کو ظاہری طور پر بھی شایانِ شان طریقے سے قائم رکھتے تھے۔

امام سمعانی (م ۵۶۲ھ) نے آپ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے آپ کی وسعتِ فیضان و عظمتِ شان کا صحیح اندازہ معلوم ہو سکتا ہے۔ لکھتے ہیں، "اخبرنا ابوبکر احمد بن علی الادیب قال اخبرنا ابوعبداللہ الحافظ قال حدثنی عبداللہ بن الحسن قال کنا یوما مع ابی النصر السندی وفینا کثرۃ حوالینا ونحن نمشی فی الطین فاستقبلنا شریف سکران قد وقع فی الطین فلما نظر الینا شتم ابا النصر وقال یا قن یا عبد انا کما تری وانت تمشی وخلفک ھؤلاء فقال ابوالنصر ایھا الشریف تدری لم ھذا لانی متبع آثار جدک وانت متبع آثار جدی"۔[ا] ترجمہ:- خبر کی ہم سے ابوبکر احمد بن علی الادیب نے کہا، ہمیں خبر دی ابوعبداللہ الحافظ نے کہا، مجھ سے بات کی عبداللہ بن حسن نے کہا، کہ ایک دن ہم ابوالنصر سندھی کے ساتھ تھے۔ اور اس کے ارد گرد ہماری بہت بڑی جماعت تھی۔ اور ہم کیچڑ میں چل رہے تھے۔ تو ہمیں سامنے ایک سید ملا جو نشے میں تھا۔ اور کیچڑ میں گرا ہوا تھا۔ جب اس نے ہماری طرف دیکھا تو ابوالنصر کو گالی دینے لگا اور کہا۔ اے غلام! اے بندہ! میں تو اس حال میں ہوں جو تو دیکھ رہا ہے اور تو (بڑے ٹھاٹھ سے) چل رہا ہے اور یہ سب لوگ تیرے پیچھے ہیں (یعنی اپنی نسلی شرافت میں اپنی ذاتی ذلت اور

[ا] کتاب الانساب ص ۔۔۔ (امام ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء۔

ابونصر کے غلامانہ نسل وذاتی عظمت کو دیکھ کر حسرت کرنے لگا) تو شیخ ابونصر نے کہا ، اے جناب ! تجھے معلوم ہے کہ یہ کیوں ہے ! یہ اس لئے ہے کہ میں تیرے دادا کے نقشِ قدم پر چل رہا ہوں اور تو میرے دادا کے راستے پر جا رہا ہے ۔

لیکن افسوس کہ اس عظیم محدث کی نہ کسی تصنیف کا پتہ چلا اور نہ کسی مرویہ حدیث کا تذکرہ ملا ۔ مترجمین نے آپ کی محض عام تدریس وتحدیث اور عوام کا افادہ واستفادہ بیان کیا ہے ۔

وفات :-

قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں کہ شیخ ابونصر قرن چہارم کے محدثین سے تھے[۱]۔ لیکن ڈاکٹر محمد اسحٰق مرحوم نے اپنے تحقیقی مقالہ " انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث " میں ان کی تاریخ وفات ۲۷۵ھ / ۸۸۸ء دکھایا ہے [۲] واللہ اعلم بالصواب !

لیکن نہ آپ کا وطن اصلی (سندھ میں) معلوم ہوسکا نہ وطن اقامت ووفات کا کہیں بیان ملا ۔ اس سلسلے میں سارے مترجمین ومورخین خاموش ہیں ۔

---

۱ { رجال السند والہند ص ۱۹۱ مطبوعہ کنٹیلری بازار بمبئی سنہ ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء ۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۱ مطبوعہ مکتبۂ عارفین کراچی سنہ ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء } قاضی اطہر مبارکپوری ۔

۲ انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۳ (ڈاکٹر محمد مرحوم اسحاق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء

شیخ احمد بن السندی

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب یہ ہے شیخ احمد بن السندی بن فروخ المطرز البغدادی۔[1] مگر آپ کی کوئی کنیت مذکور نہیں۔

شیخ احمد کے والد ماجد کا معروف نسبتی نام "السندی" اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ سندی النسل تھے۔ اس لئے رجال سندھ کے مترجمین مثلاً قاضی اطہر مبارکپوری نے "رجال السند والہند" اور "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں"[1]، ڈاکٹر محمد اسحٰق نے "انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث"[2] میں اور پروفیسر عبدالصمد صارم الازہری نے "تاریخ الحدیث" میں[3] آپ کو طبقاتِ محدثینِ سندھ میں شمار کیا ہے۔

پس آپ نسل واصل کے لحاظ سے السندھی، سکونت کے اعتبار سے البغدادی اور پیشہ ومشغلہ کے پیش نظر المطرز کہلاتے ہیں۔ یعنی کڑھائی بنانے والے۔

ڈاکٹر محمد اسحٰق آپ کے پیشہ سے متعلق لکھتے ہیں، ترجمہ :- "وہ کڑھائی بنانے اور کشیدہ کاری سے اپنا گزر وبسر کرتے تھے۔ اس لئے وہ المطرز مشہور ہوئے۔"[4]

شیوخ واساتذہ :-

شیخ احمد السندی نے شیخ یعقوب بن ابراہیم الدورقی (م ۲۵۲ھ) سے حدیث کی تحصیل وسماعت کی تھی جو امام بخاری وامام مسلم کے استاذ وامام حدیث

---

[1] رجال السند والہند ص ۵۹، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء، مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۹۶۲ء

[2] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۳ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش

[3] تاریخ الحدیث ص ۔۔۔ (پروفیسر عبدالصمد صارم الازہری) مطبوعہ کیمبرج پریس لاہور ۱۹۶۳ء۔

[4] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۳ (ڈاکٹر محمد اسحٰق) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی۔ بنگال ۱۹۵۵ء۔

تھے۔ علاوہ ازیں شیخ ابو شعیب الحرانی سے بھی آپ نے روایت لی ہے۔[1]

۲۔ شیخ احمد کا ادارۂ حدیث و تلامذہ

۲۔ شیخ احمد نے درس و روایت کے ذریعے علوم حدیث کی خاطر خواہ خدمت کی۔ آپ نے البصرہ میں جو عراق کا ایک علمی مرکزی شہر تھا درس حدیث جاری کرکے شائقین و تشنگان دین کو سیراب کیا۔ آپ کے تلامذہ و رواۃ میں شیخ عبد اللہ بن عدی الجرجانی مشہور ہیں۔

امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) آپ کے اساتذہ و تلامذہ کے بیان میں لکھتے ہیں، "احمد بن السندی بن فروخ المطرز..... البغدادی حدث عن یعقوب بن ابراهیم الدورقی، روی عنه عبد الله بن عدی الجرجانی و ذکر انه سمع بالبصرة"[2]

ڈاکٹر محمد اسحاق نے آپ کی سکونت و تحصیل حدیث اور البصرے میں تدریس و تحدیث اور اساتذہ و تلامذہ کے بارے میں لکھا ہے، "شیخ احمد شیخ یعقوب بن ابراہیم الدورقی البغدادی (م ۲۵۲ھ) (جو امام بخاری م ۲۵۶ھ اور امام مسلم م ۲۶۱ھ کے شیخ تھے) کے شاگرد تھے۔ وہ بغداد میں رہائش پذیر تھے اور البصرہ میں درس حدیث میں مصروف تھے جہاں شیخ عبد اللہ بن عدی الجرجانی نے آپ سے تحصیل حدیث کی"[3] ترجمہ

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۲۳ (حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء

[2] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۸۶ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء۔

[3] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۳ (ڈاکٹر محمد اسحق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء

مرویات:-

امام ابونعیم احمد بن عبد اللہ الحافظ اصفہانی م ۴۳۰ھ نے آپ کی ذیل حدیث روایت کی ہے۔ "حدثنا محمد بن معمر ومحمد بن علی بن حبیش واحمد... بن السندی فی جماعۃ قالوا ثنا ابوشعیب الحرانی قالا ثنا یحیٰ بن عبد اللہ الحرانی قالا ثنا الاوزاعی ثنا محمد بن علی بن الحسین بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بن ابی طالب "ابوجعفر" حدثنی سعید بن المسیب عن ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال مثل الراجع فی صدقتہ کالکلب یاکل ثم یقیٔ فیرجع قیئہ فیاکلہ"۔[۱]

امام ابونعیم حدیث روایت کرنے کے بعد اس کی تصدیق وتوثیق میں لکھتے ہیں "صحیح من عیون حدیث الاوزاعی"[۲] یعنی یہ امام اوزاعی کی مرویات میں صحیح حدیث ہے۔

"اس سند... قالا... تصحیح... جائے"

ع اس سند کی رو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی نے یہ حدیث شیخ احمد بن السندی سے سماعت کی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ شیخ سندھی چوتھی صدی بھی پا گئے ہونگے۔

---

[۱] [۲] - حلیۃ الاولیاء، ج ۶ ص ۱۴۴ (حافظ امام ابونعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء

وفات۔ ۷

شیخ احمد بن السندی کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ اس کے متعلق روایات میں کافی اختلاف ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری نے "رجال السند والهند" میں لکھا ہے، "ولم اجد سنة وفاته ومات شيخه الدورقي في سنة اثنتين وخمسين ومائتين وكان احمد بن السندي المطرز من رجال المائة الثالثة"[1]

ترجمہ:- مجھے ان (احمد بن السندی) کا سن وفات نہیں ملا۔ اور ان کے استاذ شیخ دَورقی سنہ دو سو باون (۲۵۲ھ) میں وفات پاگئے لھذا احمد بن السندی المطرز تیسری صدی ہجری (علی صاحبھا الصلواۃ والسلام) کے رجال سے ہونگے۔ قاضی پھر اپنی دوسری کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں[2]....

"احمد بن سندی بن فروخ مطرز بغدادیؒ (موجود ۳۰۰ھ) مستقل قیام بغداد میں تھا"

اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ موصوف چوتھی صدی میں وفات پاگئے ہونگے۔ لیکن ڈاکٹر محمد اسحٰق نے آپ کی تاریخ وفات ۲۷۵ھ دکھائی ہے[3]۔ واللہ اعلم بالصواب

---

[1] رجال السند والہند ص۵۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کٹیلری بازار ممبئی ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۸ء

[2] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۵۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۹۶۷ء

[3] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۱۳ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی ڈھاکہ بنگال) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگال ۱۹۵۵ء

شیخ حسین بن محمد ؒ

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابوبکر اور نام ونسب ہے شیخ حسین بن محمد بن ابی معشر نجیح بن عبدالرحمٰن السندی - آپ قرن سوم کے سندھی فضلائے محدثین سے ہیں -

شیوخ واساتذہ -

شیخ حسین المعشری نے علوم حدیث کی سماعت وتحصیل اپنے والد ماجد شیخ ابوعبدالملک محمد بن ابی معشر (م ۲۴۷ھ) ، محمد بن ربیعہ (م ۱۹۹ھ) اور امام وکیع بن جراح م ۱۹۷ھ (جو امام شافعی م ۲۰۴ھ کے استاذ وامام حدیث تھے) سے کی تھی - شیخ حسین امام وکیع کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں - یہاں تک کہ آپ "صاحب وکیع" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے[2]

آخذین وتلامذہ -

شیخ حسین کے درس وافادہ سے خلق خدا نے بہت استفادہ کیا - آپ کے تلامذہ ورواۃ میں سے شیخ محمد بن احمد الحکمی ، شیخ اسمٰعیل بن محمد الصفار ، شیخ علی بن اسحاق المادرانی ، ابوعمرو بن السماک اور شیخ عثمان بن احمد الدقاق وغیرہ قابل ذکر ہیں -

علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں :

ے ۱ رجال السند والہند ص ۱۰۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کنیٹیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / سنہ ۱۹۵۸ء
سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم جولائی ۱۹۶۳ء مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد ص ۲۶۳

ے ۲ انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۰۶ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش سنہ ۱۹۵۵ء

الحسین بن محمد بن ابی معشر نجیح یکنی ابا بکر حدث عن ابیہ وعن محمد بن ربیعۃ و وکیع بن الجراح روی عنہ محمد بن احمد الحکیمی و اسمٰعیل بن محمد الصفار و علی بن اسحٰق المادرانی و ابو عمرو بن ..... السماک "[1] ترجمہ :- شیخ الحسین بن محمد بن ابی معشر نجیح جن کی کنیت ابوبکر ہے - اپنے والد (محمد) اور محمد بن ربیعہ، وکیع بن جراح سے روایت کرتے ہیں - اور ان سے شیخ محمد بن احمد الحکیمی، اسمٰعیل بن محمد الصفار، علی بن اسحٰق المادرانی اور ابو عمرو بن السماک روایت کرتے ہیں -

شیخ الحسین کی بے پناہ علمی خدمت اور تدریس و تحدیث کی بدولت معشری خاندان کی برای عظمت و شوکت کو قابل قدر شہرت نصیب ہوئی [2]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۹۱ - ۹۲ (علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ ھ -) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء

[2] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۰۶ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

جرح و تعدیل - ۴

شیخ ابوبکر الحسین المعشری اپنی عظمت و شہرت کے باوجود بھی ناقدین کی جرح و قدح کا نشانہ بنا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسحٰق لکھتے ہیں، ترجمہ "بدقسمتی سے وہ حدیث کی روایت میں معتبر نہیں پائے گئے تھے۔ اس لئے ان کی روایات کو قبول نہیں کیا گیا۔" [۱]

علامہ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ قاضی عبداللہ الصیمری، شیخ محمد بن عمران المرزبانی سے وہ شیخ عبدالباقی سے روایت کرتے ہیں کہ ابن ابی معشر وکیع کے شاگرد ضعیف ہیں۔

علامہ موصوف نے ایسی ایک اور روایت بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالواحد شیخ محمد بن عباس سے اور وہ شیخ علی بن المنادی سے روایت کرتے ہیں کہ شیخ معشری جو ابن ابی معشر المدنی کی اولاد سے ہیں باب خراسان کے شارع پر آتے تھے اور وکیع سے حدیث بیان کرتے تھے اور ثقہ نہیں تھے۔ پس لوگوں نے اسے چھوڑ دیا۔ [۲]

لیکن امام ابوحاتم محمد بن حبان (م ۳۵۴ھ) نے انہیں (شیخ الحسین کو) ثقات میں شمار کیا ہے۔ [۳]

---

[۱] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء

[۲] تاریخ بغداد جلد ۱ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء۔

[۳] سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد العباسی) الرحیم جولائی ۱۹۶۳ء مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ ۱۹۶۳ء

مرویات :-

علامہ خطیب البغدادی نے آپ کی چند حدیثیں بیان کی ہیں۔ جن میں سے ایک حدیث حسب ذیل ہے۔

اَنبأنا ابراھیم بن مخلّد بن جعفر حدثنا محمد بن احمد بن ابراھیم الحکیمی حدثنا ابوبکر الحسین بن محمّد بن ابی معشر انبأنا وکیع بن الجراح عن عُیینۃ بن عبد الرحمٰن بن جوشن عَن اَبیہ عن بریدۃ (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) قال قال رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علیکم ھدیاً قاصداً فانہ من یشادِ ھٰذا الدّین یَغلِبُہ"[1]

وفات :-

اِمام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی لکھتے ہیں کہ شیخ ابوبکر الحسین المعشری نے مورخہ ۹۔ رجب المرجب ۲۷۵ھ کو پیر کے دن وفات پائی[2]
ڈاکٹر محمد اسحٰق لکھتے ہیں کہ شیخ الحسین نے بغداد شریف سے منتقل ہو کر خراسان میں جاکے رہائش اختیار کی۔ جہاں وہ پیر کے دن مورخہ ۲۱۔ رجب المرجب ۲۷۵ھ/۸۸۸ء میں وفات پاگئے[3]

---

[1][2] تاریخ بغداد جلد ۸ صفحہ ۹۱-۹۲ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) - مطبوعہ:- مطبع السعادۃ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء

[3] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث صفحہ ۲۰۶ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء

شیخ القاسم بن العباس

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابو محمد اور نام ونسب ہے القاسم بن العباس الفقیہ المعشری - آپ قرن سوم کے سندھی فضلائے متقدمین وفقہائے محدثین سے ہیں۔ شیخ القاسم سندھ کے مشہور امام حدیث ومغازی، فقیہ وقت اور معشری خاندان کے بانی حضرت ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن کے نواسہ تھے[1]- اس نسلی نسبت ورشتہ کی بنا پر آپ کو بھی "المعشری" پکارتے ہیں - امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "القاسم بن العباس ابو محمد الفقیہ... المعروف بالمعشری[2]" لیکن آپ کی پدری نسل ونسبت معلوم نہ ہو سکی - کسی مترجم نے یہ نہیں لکھا کہ وہ کس قوم وقبیلے سے متعلق تھے[3]۔

شیوخ واساتذہ :-

شیخ القاسم نے حدیث کی تحصیل وسماعت بڑے بڑے ائمہ حدیث وثقہ رواۃ سے کی ہے مثلاً امام ابوالولید ہشام بن عبدالملک الطیالسی (م ۲۲۷ھ)، شیخ مسدد (م ۲۲۸ھ)، سہل بن بکار، زکریا بن یحیٰ الخزاز المقری اور شیخ عبدالواحد بن عمرو العجلی وغیرہم[3]۔

آخذین وتلامذہ :-

آپ سے ابوعمرو بن السماک، شیخ احمد بن کامل القاضی البغدادی اور شیخ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن ابراہیم (م ۳۵۴ھ) الشافعی وغیرہ نے تحصیل حدیث کی ہے[4]۔

---

[1] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۰ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء

[2] [3] [4] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۳۶ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) - مطبوعہ مطبع السعادہ قاہرہ مصر - ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء -

شیخ القاسم کا علمی مقام -۴

شیخ القاسم المعشری پر فضلائے محدثین و علمائے اصولیین میں سے کسی نے جرح و تنقید کا قلم نہیں اٹھایا ہے - بلکہ سارے مترجمین و محدثین نے متفقہ طور پر آپ کی ثقاہت و فقاہت کی توثیق کی ہے -

امام ابو بکر خطیب البغدادی لکھتے ہیں " وذکرہ الدارقطنی فقال لا بأس بہ " ترجمہ :- ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی م ۳۸۵ھ نے آپ کا تذکرہ کیا تو کہدیا کہ اس میں کچھ خطرہ نہیں - (یعنی اس پر کوئی جرح نہیں) [۱]

آگے آپ کے شاگرد شیخ احمد بن کامل القاضی کا آپ کے حق میں یہ بیان نقل کرتے ہیں، " وکان من الثقۃ والزھد والفقہ بمحل رفیع " [۲]
ترجمہ :- (شیخ القاسم) ثقاہت، زہد اور فقہ میں بہت اونچے مقام پر فائز تھے -

مزید براں امام خطیب البغدادی آپ کے مترجم نے خود آپ کا ترجمہ و مرویہ حدیث بلا جرح و قدح بیان کیا ہے - جس کے یہ معنی ہیں کہ شیخ القاسم کی شخصیت ناقدین کی جرح و تنقید سے بالاتر ہے - بلکہ قابل تعریف ہے چنانچہ خطیب موصوف آپ کو " الفقیہ " جیسے عظیم الشان لقب سے .... متصف کرتے ہیں [۳]

اسی طرح ڈاکٹر محمد اسحٰق آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں - ترجمہ :-

---

[۱] [۲] [۳] - " تاریخ بغداد " جلد ۱۲ ص ۴۳۶ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء

وہ (شیخ القاسم) بہ یک وقت راوی حدیث، فقیہ اور عالم تصوف تھے۔[1]

مرویات

امام خطیب البغدادی نے آپ کی ذیل حدیث دو واسطوں سے روایت کی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ خطیب دو واسطوں سے آپ کے شاگرد اور آپ دو.... واسطوں سے ان کے شیخ ہیں۔

"اخبرنا محمد بن احمد بن رزق والحسن بن ابی بکر قالا حدثنا احمد بن کامل القاضی قال حدثنا القاسم بن العباس المعشری حدثنا عبد الواحد بن عمرو العجلی حدثنا عبد الرحیم بن سلیمان عن اسمٰعیل بن ابی خالد عن سماک بن حرب عن عکرمۃ عن ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) قال اقبل النبی صلے اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم حین فرغ من بدر قال علیک العیر لیس دونہا شیٔ قال فناداہ العباس وھو اسیر لا یصلح فقال لہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم لم قال لان اللہ تعالٰی وعدک احدی الطائفتین وقد اعطاک ما وعدک"[2]

وفات

شیخ ابو محمد القاسم المعشری نے مورخہ ۲۔ شوال ۲۷۸ھ کو بروز جمعۃ المبارک مطابق جنوری ۸۹۲ء، وفات پائی۔[3]

---

[1] انڈیا ز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۰۶ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء۔

[2] [3] ۔ تاریخ بغداد جلد ۱۲ ص ۴۳۶ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء۔

شیخ داؤد بن محمدؒ

حسب و نسب:- آپ کی کنیت ابو سلیمان اور نام و نسب یہ ہے شیخ داؤد بن ابی عبدالملک محمد بن ابی معشر نجیح بن عبدالرحمٰن السندی ہے[1]۔ آپ مشہور سندھی محدث خاندان (المعشری) کے فضلائے قرنِ سوم سے ہیں۔

شیوخ و اساتذہ

شیخ داؤد نے علوم حدیث و فنون مغازی کی تحصیل و تکمیل اپنے والد ماجد شیخ محمد بن ابی مُعشر سے کی ہے۔ اور انہی کے توسط سے اپنے جد امجد حضرت ابو معشر کی کتاب "کتابُ المغازی" کی روایت کرتے ہیں۔

آخذین و تلامذہ۔

آپ کے تلامذہ و رواۃ سے شیخ احمد بن کامل القاضی کا نام نامی مذکور ہے[1]۔ علامہ خطیبؒ البغدادی آپ کے ترجمہ و تذکرہ اور تحصیل و تدریس کے بارے میں لکھتے ہیں، "داؤد بن محمد بن ابی معشر نجیح بن عبد الرحمٰن ابو سلیمان حدّث عن ابیہ عن ابی معشر کتاب المغازی رواہ عنہ احمد بن کامل القاضی وھو اخ الحسین بن محمد بن ابی معشر صاحب وکیع"[2]

ترجمہ:- شیخ داؤد بن محمد بن ابی معشر نجیح بن عبدالرحمٰن (جن کی کنیت ہے) ابو سلیمان اپنے والد کے توسط سے (حضرت) ابو معشر سے کتاب المغازی کی روایت کرتے ہیں۔

ھ[1] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۶۷ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۱ء

ھ[2] رجال السند والہند ص ۱۱۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتابی بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

ان سے (شیخ داؤد سے) شیخ احمد بن کامل القاضی اس کی روایت کرتے ہیں۔ اور وہ (شیخ داؤد) شیخ حسین بن محمد بن ابی معشر امام وکیع کے شاگرد کے بھائی ہیں قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں بھی آپ کے علمی فضل و کمال کی توصیف و تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں، "ابو سلیمان داؤد بن محمد بن ابو معشر اور ابو بکر حسین بن محمد بن ابو معشر نجیح سندھی بغدادی متوفی ۲۷۵ھ نے سیر و مغازی اور حدیث و تفسیر میں بلند مقام پایا"۔ [1]

علاوہ ازیں دوسرے مترجمین نے بھی آپ کا تذکرہ و ترجمہ سندھی فقہائے محدثین میں کیا ہے۔ [2]

وفات

شیخ داؤد المعشری نے سنہ ۲۸۰ھ میں وفات پائی۔ [3]

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۳۲۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۷ء

[2] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث لٹریچر ص ۲۰ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء

سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم جولائی ۱۹۶۳ء، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ سنہ ۱۹۶۳ء

[3] سرزمین سندھ میں علم حدیث ص (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم جولائی ۱۹۶۳ء، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ سنہ ۱۹۶۳ء۔

شیخ حبیش بن السندی

حسب و نسب:- آپ کا نام و نسب[1] شیخ حبیش بن السندی البغدادی القطیعی ہے[1] (صاحب ترجمہ) اس نام و نسب کے علاوہ آپ کے ترجمے میں مزید کوئی تفصیلی تعارف نہیں لکھا ہے۔

سندی النسل

شیخ حبیش کا نسبتی نام "ابن السندی" اس بات کی دلیل ہے کہ آپ سندی الاصل ہیں۔ اسی اعتبار سے مورخین سندھ و ہند مثلاً قاضی اطہر مبارکپوری نے "رجال السند والہند" اور "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں"[2] میں اور ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی نے "انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث" میں آپ کا رجالِ سندھ میں تذکرہ کیا ہے[3]

لیکن کسی مترجم نے اس بات کی وضاحت نہیں کی ہے کہ شیخ حبیش سندھ کے کس علاقے سے متعلق تھے؟ اور کب عرب پہنچے؟ مگر ان کے نام "حبیش" کے عربی وضع قطع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے والد ماجد سندھ سے عرب میں جا کر رہائش پذیر ہو گئے۔ جہاں وہ پیدا ہو گئے اور انہیں اس عربی نام سے سرفراز کیا گیا۔

اور صاحبِ ترجمہ کی نسبتی کنیت "ابن السندی" بھی اس امر کی غمازی کرتی ہے۔ یعنی آپ کے والد ماجد سندھ سے ہجرت کر کے عرب پہنچے تھے۔ تو وہاں اہل عرب انہیں اصلی نام کی بجائے اصلی وطن (سندھ) سے منسوب کر کے "السندی" "السندی" پکارتے رہے۔ جس سے بعد میں شیخ حبیش کی کنیت

---

[1] رجال السند والہند ص ۹۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ امپائر بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔
تاریخ بغداد جلد ۸ ص ۲۷۳ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء

[2] رجال السند والہند ص ۹۵ مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۸ء
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۳ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء } قاضی اطہر مبارکپوری

[3] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۳ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی

"ابن السندی" بنی - جن کی اس کے علاوہ اور کوئی کنیت مذکور نہیں۔
اور چونکہ یہ لوگ وہاں قطیعہ بغداد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے تو اس نسبت سے انہیں البغدادی القطیعی کہتے ہیں۔

القطیعہ :- بغداد میں سات مشہور محلوں کا نام ہے۔ جنہیں خلیفہ المنصور العباسی (م ۱۵۸ھ) نے اراکین سلطنت کی رہائش پذیری کے لئے بنایا تھا۔
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی شیخ ابو بکر قطیعی کے تعارف و بیان میں لکھتے ہیں "... قطیعی، تصغیر کا صیغہ نہیں ہے بلکہ قاف کے فتح اور طاء کے کسرہ سے ہے۔ یاء اس میں نسبت کی ہے۔ یعنی منسوب بہ قطیعہ۔ "قطیعہ" بغداد میں سات محلوں کا نام ہے"
پھر قاموس کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں "قاموس میں ہے کہ قطیعہ بروزن شَرِیعَہ بغداد میں چند محلّے ہیں جن کو خلیفہ منصور نے اعیان دولت کو آبادی و سکونت کے لئے عطا کئے تھے"۔[1]

شیوخ و اساتذہ۔

شیخ حبیش نے علوم الحدیث کی تحصیل و سماعت حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) م ۲۴۱ھ اور شیخ عُبَید بن محمد العیشی سے کی ہے۔
امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں، "حبیش بن السندی حدث عن عبید بن محمد العیشی واحمد بن حنبل"[2]۔ یعنی حبیش بن السندی نے شیخ عبید بن محمد العیشی اور امام احمد بن حنبل سے۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق نے بھی آپ کے ان اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے[3]

[1] بستان المحدثین صـ ۵۶ (علامہ سید عبد العزیز شاہ محدث دہلوی) مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی (اردو ترجمہ)
[2] تاریخ بغداد ج ۸ صـ ۲۷۳ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
[3] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث صـ ۲۱۳ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء

قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کے ترجمے میں لکھا ہے، "وذکرہ ابن الجوزی فی مناقب الامام احمد بن حنبل فیمن حدث عن الامام احمد علی الاطلاق من الشیوخ والاصحاب"[1] ترجمہ:- امام ابن الجوزی نے انہیں امام احمد بن حنبل کے مناقب میں ان لوگوں کے زمرے میں ذکر کیا ہے (اساتذہ و تلامذہ میں سے) جو مطلقاً امام احمدؒ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔

قاضی موصوف نے اپنی دوسری کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں لکھا ہے، "حبیش بن سندی بغدادی حضرت امام احمد بن حنبل کے تلامذہ میں ہیں اور اُن سے حدیث پڑھی ہے۔"[2]

آخذین و تلامذہ :-

آپ کے تلامذہ و رُواۃ کے باب میں اہل قلم نے شیخ محمد بن مخلد کا نام نامی ذکر کیا ہے۔ امام خطیب البغدادی لکھتے ہیں، "روی عنہ محمد بن مخلد"[3] اور یہی تذکرہ قاضی اطہر مبارکپوری اور ڈاکٹر محمد اسحاق نے بھی کیا ہے۔

وفات :-

شیخ حبیش بن السندی نے ۲۸۰ھ میں وفات پائی۔[4]

---

[1] رجال السند والہند (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشمیری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

[2] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء

[3] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۲۷۳ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء

[4] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۳ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء

شیخ السندی بن ابان رحمۃ اللہ علیہ

حسب ونسب:- آپ کی کنیت ابو النصر اور نام ونسب ہے السندی بن ابان البغدادی ہے۔ آپ قرنِ سوم کے فضلائے محدثین سندھ سے ہیں [1] لیکن تذکرہ نگاروں نے آپ کا کوئی ذاتی نام نہیں لکھا ہے۔ سب نے آپ کو اسی نسبتی نام ولقب سے موسوم کیا ہے۔ شاید آپ کے والدین نے جذبۂ حب الوطنی کے باعث آپ کو "السندی" نام رکھا۔ یا آپ کی پیدائش عرب میں ہوئی تھی اور اہلِ عرب بنسبت وطنی کے اعتبار سے آپ کو اسی نام ولقب سے پکارتے رہے۔

مگر اس خاندان کی ہجرت و ورودِ عرب کا قرن وتاریخ کسی تذکرے میں مذکور نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے جدِ امجد عرب پہنچے تھے۔ اور آپ کے والد "ابان" عرب میں پیدا ہوئے جن کا یہ عربی نام رکھا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہر صورت آپ وطن اصلی کے اعتبار سے سندھی اور وطن سکنیٰ کے لحاظ سے البغدادی کہلاتے ہیں اور اسی بناء پر مترجمین نے آپ کو رجال سندھ میں شمار کیا ہے [2]

تحصیلِ حدیث کا اشتیاق واساتذہ۔

شیخ ابو النصر بغداد شریف کے ایک جید عالم شیخ خلف بن ہشام (م ۲۲۷ھ) کے غلام تھے۔ جن کے فیضِ صحبت کے اثر سے آپ کو تحصیل حدیث کا شوق شغف دامن گیر ہوا۔ چنانچہ آپ شیخ موصوف سے فیض یابی واجازت کے بعد کوفہ کے عظیم محدث شیخ یحیی بن عبد الحمید الحمانی (م ۲۲۸ھ) (۱) کی خدمت میں

---

[1] تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۳۳ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
رجال السند والہند ص ۱۳۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتبلدی بازار بمبئی ۱۹۵۸ء / ۱۳۷۷ھ۔
انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۲ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء۔

[2] رجال السند والہند ص ۱۳۹، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۵ (قاضی اطہر مبارکپوری)
انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۲ (ڈاکٹر محمد اسحاق)۔

حاضر ہوئے۔ اور ان سے علوم الحدیث کی تحصیل وتکمیل کرکے غلامی سے نکل کر آقائی حاصل کرلی [1] قاضی اطہر مبارکپوری آپ کی توصیف میں لکھتے ہیں، "ابونصر سندی بن ابان بغدادی۔ متوفی ۲۸۱ھ بغداد کے قدماء محدثین اور مشہور رواۃ حدیث میں ہیں" [عہ]

آخذین وتلامذہ

آپ کے تلامذہ ورواۃ میں شیخ عبدالصمد بن علی الطستی کا نام نامی مذکور ہے۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی [1] نے آپ کے تذکرے میں لکھا ہے "السندی بن ابان ابونصر حدث عن یحیٰ بن عبد الحمید الحمانی۔ روی عنہ عبدالصمد بن علی الطستی [2] ترجمہ:۔ شیخ سندی بن ابان ابونصر نے حدیث کی تحصیل شیخ یحیٰ بن عبدالحمید الحمانی سے کی ہے۔ ان سے شیخ عبدالصمد بن علی الطستی روایت کرتے ہیں۔ قاضی اطہر مبارکپوری نے بھی یہی تذکرہ لکھا ہے۔ [عہ]

وفات۔

شیخ ابونصر السندی بن ابان نے ذی الحجہ ۲۸۱ھ میں بغداد میں وفات پائی [3]

[1] انڈیا از کنزی بیوشن ٹو ہڈیث ۲۱۴ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی) مطبوعہ ڈھاکہ بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء

[عہ] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں صفحہ ۱۵۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء

[2] تاریخ بغداد [illegible] (ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء

[عہ] رجال السند والہند [illegible] (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتبہ کیلری بازار بمبئی ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۹ء

[3] تاریخ بغداد جلد ۹ صفحہ ۲۳۴ (امام ابوبکر خطیب البغدادی) مطبوعہ قاہرہ مصر۔ رجال السند والہند ۱۳۶ (قاضی اطہر) انڈیا از کنٹری بیوشن ٹو ہڈیث صفحہ ۲۱۴ (ڈاکٹر محمد اسحاق)۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں صفحہ ۱۵۵ (قاضی اطہر مبارکپوری)

شیخ عبدالرحمٰن بن السندی

حسب ونسب: آپ کا نام ونسب ہے، شیخ عبدالرحمٰن بن السندی ؒ متبر جمین نے اس سے مزید آپ کا کوئی تعارف پیش نہیں کیا ہے۔ [1]

شیخ عبدالرحمٰن کے ترجمے کا اصل ماخذ حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی ۸۵۲ھ کی کتاب تہذیب التہذیب ہے۔ جس میں فاضل مصنف نے آپ کا تذکرہ شیخ عراک بن خالد کے ترجمے کے تحت کیا ہے۔ چنانچہ ان کا پورا بیان حسب ذیل ہے۔

"عراک بن خالد بن یزید بن صالح بن صبیح المری ابوالضحاک الدمشقی روی عن ابیہ ویحیٰ بن الحارث الذماری وقرأ علیہ ابراھیم ابن ابی عیلۃ وابراھیم بن وثیمۃ وعبدالرحمٰن بن السندی وعبدالملک بن ابان وعثمان بن عطاء الخراسانی" [2] ترجمہ: شیخ عراک بن خالد بن یزید بن صالح بن صبیح المری ابو الضحاک الدمشقی نے اپنے والدِ ماجد اور شیخ یحیٰ بن الحارث الذماری سے روایت کی ہے اور ان سے پڑھا شیخ ابراہیم بن ابی عیلۃ، شیخ ابراہیم بن وثیمۃ، شیخ عبدالرحمٰن بن السندی، شیخ عبدالملک بن ابان اور شیخ عثمان بن عطاء الخراسانی نے۔

یہاں صاحبِ ترجمہ کا محض نام بحیثیت راوی مذکور ہے۔ علاوہ ازیں آپ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔

البتہ قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کا ایک علیحدہ باب تو باندھا ہے۔ لیکن کوئی وضاحتی ترجمہ نہیں لکھا ہے۔ تہذیب التہذیب کے بیان پر محض ایک فقرہ "وکان عبدالرحمٰن من رجالِ المأۃ الثالثۃ" کا اضافہ کیا گیا ہے۔ [3]

---

[1] تہذیب التہذیب ج۷ ص۱۷۱ (حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶
رجال السند والہند ص۱۴۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء

[2] تہذیب التہذیب ج۷ ص۱۷۱ (حافظ ابن الحجر العسقلانی) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ۔

[3] رجال السند والہند ص۱۴۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) ۔ مطبوعہ کتیلری بازار بمبئی (ہند) ۱۹۵۸ء

شیخ عبدالرحمن کے والد کا نام "السندی" اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خاندان اہل سندھ سے ہے۔ اور اس کا یہ نسبتی نام اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ وہ سندھ سے عرب پہنچا تو وہاں اسے اصل وطن سے منسوب کر کے "السِّندِی" کہتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔

شیخ موصوف کا عرب میں وطن سکنی بھی معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن اس بات سے کہ آپ نے شیخ عراک دمشقی سے تحصیل حدیث کی تھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی سکونت دمشق میں ہوئی تھی۔

شیوخ واساتِذہ :-

شیخ ابن السندی نے حدیث کی تحصیل وسماعت شام کے مشہور استاذِ حدیث شیخ عراک بن خالد بن یزید الدمشقی سے کی۔[1]

رُواۃ وتلامِذہ :-

آپ کے تلامذہ ورواۃ سے کسی کا نام مذکور نہیں۔

وفات :-

شیخ عبدالرحمن کی تاریخ وسال وفات کا کوئی بیان نہیں ملتا۔ البتہ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں، "وکانَ عبدُالرّحمٰن مِن رِجالِ المِائۃِ الثّالثۃ"[2] یعنی شیخ عبدالرحمن تیسری صدی ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے محدثین سے تھے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج۷ ص۱۷۱ (حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی م۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۲۶ھ
رجال السند والہند ص۱۰۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔

[2] رجال السند والہند ص۱۰۲۔

شیخ علی بن بنان السندی

حسب ونسب:- آپ کی کوئی کنیت مذکور نہیں اور نام ونسب یہ ہے شیخ علی بن بنان السندی البغدادی العاقولی ؎۱

شیخ علی اصل ونسل اور وطن اصلی کے اعتبار سے السندی اور وطن سکنیٰ کے لحاظ سے البغدادی اور العاقولی کہلاتے ہیں۔

"العاقول یا دیر العاقول" بغداد شریف سے پندرہ فرسخ کے فاصلے پر مدائن ونعمانیہ کے درمیان ساحل دجلہ پر ایک بستی ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری اس سلسلے میں لکھتے ہے، "والعاقولی والدیر العاقولی نسبۃ الیٰ دیر..... العاقول بین مدائن کسریٰ والنعمانیۃ۔ وبینہ وبین بغداد خمسۃ عشر فرسخا علیٰ شاطی دجلۃ" ؎۲

لیکن مترجمین نے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ اس خاندان کی سندھ سے ہجرت کب اور کیسے واقع ہوئی تھی؛ البتہ شیخ کے والد کے نام "بنان" سے یہ اندازہ قرین قیاس اور صحیح معلوم ہوتا ہے کہ شاید بنان کے والد سندھ سے عرب منتقل ہو گئے تھے۔ اور بنان وہاں پیدا ہوئے تو انہیں اس عربی نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ "بنان" عربی زبان کا کلمہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

؎۱ تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۳۵۲ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء
رجال السند والہند ص ۱۲۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء

؎۲ رجال السند والہند ص ۱۲۶۔

شیوخ واساتذہ :-

شیخ علی السندیؒ نے حدیث کی سماعت وتحصیل شیخ ابوالاشعث العجلی اور شیخ یعقوب بن ابراہیم الدّورقی (م ۲۵۲ھ) سے کی ہے۔

رُواۃ وتلامذہ :-

آپ کے تلامذہ ورواۃ میں شیخ محمد بن ابراہیم بن بیطر العاقولی کا نام مذکور ہے۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) آپ کے اساتذہ وتلامذہ کے باب میں لکھتے ہیں، "حدّث عن ابی الاشعث العجلی ویعقوب الدّورقی روی عنہ محمد بن ابراہیم بن بیطر العاقولی"[1] ترجمہ:- حدیث کی روایت کی (شیخ علی نے) شیخ ابوالاشعث العجلی اور شیخ یعقوب الدورقی سے۔ اور ان سے روایت کی شیخ محمد بن ابراہیم بن بیطر العاقولی نے۔

قاضی اطہر مبارکپوری نے بھی اپنی کتاب رجال السند والہند میں یہی تذکرہ لکھا ہے۔[2]

مرویات :-

امام ابوبکر الخطیب البغدادی نے آپ کی مرویات سے مندرجہ ذیل حدیث روایت کی ہے جسے قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے[3]۔

حدثنی الازہری حدثنا محمد بن ابراہیم بن حمدان القاضی اخبرنا علی بن بنان السندی الدیر عاقولی حدثنا ابوالاشعث احمد بن المقدام حدثنا زہیر بن العلاء حدثنا ثابت البنانی عن عمر بن ابی سلمۃ عن ام سلمۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اذا اصابت احدکم مصیبۃ فلیقل انا للہ وانا الیہ راجعون اللہم احتسب

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۳۵۴ (امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء

[2] [3] رجال السند والہند ص ۲۰۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ لمیٹڈ بازار ممبئی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء۔

مصیبتی فاجرنی فیہا وابدلنی بہا خیرا منہا ۔ فلما احتضر ابوسلمۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قال اللّٰہم اخلفنی فی اھلی بخیر فلما قبض ابوسلمۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قلت ومن خیر من ابی سلمۃ فلم ازل حتیٰ قلتہا ۔ فلما انقضت عدتہا خطبہا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فردتہ ثم خطبہا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فردتہ ثم بعث الیہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قالت مرحبا برسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ۔ ؎۱

وفات ۔

شیخ علی بن بنان کی تاریخ وفات کا مترجمین نے کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے ۔ لیکن آپ کے شیخ یعقوب بن ابراہیم الدورقی کے سال وفات (۲۵۲ھ) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ تیسری صدی ہجری (علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے محدثین سے ہیں اور آپ کی وفات اسی صدی کے آخری حصہ یا چوتھی صدی کے ابتدائی حصے میں واقع ہوئی ہوگی ۔

قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں ؎۲ "کان علی بن بنان السندی من رجال المائۃ الثالثۃ او من حدودہا" ترجمہ :- شیخ علی بن بنان السندی تیسری صدی یا اس کے قریب کے محدثین سے تھے ۔

؎۱ تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۳۶۳ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء

؎۲ رجال السند والہند ص ۱۰۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء ۔

شیخ محمد بن عبداللہ السندی۔

حسب و نسب:۔ آپ کی کنیت ابو الحسن اور نام و نسب شیخ محمد بن عبداللہ السندی البصری ہے۔ آپ قرن سوم کے فضلائے سندھ سے ہیں۔ اسی اعتبار سے قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کو محدثین سندھ میں شمار کیا ہے [۱]۔ اور علامہ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی (م ۶۲۶ھ) نے تو آپ کو صرف وطن اصلی کی نسبت سے یاد کرتے ہوئے "السندی" لقب سے متصف کیا ہے۔ اور وطن سکونت "البصرہ" سے منسوب ہی نہیں کیا ہے [۲]۔

شیخ ابو الحسن کے حالات و سوانح حیات کی کوئی تفصیل مترجمین کو دستیاب نہ ہو سکی۔ آپ کے ترجمہ کا اصل ماخذ علامہ یاقوت الحموی کی کتاب معجم البلدان ہے جس میں انہوں نے آپ کا ذکر "الکلاء" کے ترجمے کے تحت ایک مختصر فقرے میں۔۔۔۔ کیا ہے۔ معجم کی پوری عبارت حسب ذیل ہے۔

"والکلاء اسم محلۃ مشہورۃ وسوق بالبصرۃ ایضاً سمیت بذالک ینسب الیہا ابو الحسن احمد بن عبداللہ بن جعفر بن محمد البصری الکلائی یروی عن ابی الحسن محمد بن عبداللہ السندی [۳]"۔ ترجمہ: اور الکلاء، بصرہ میں ایک مشہور محلے کا نام ہے۔ اور ایک بازار بھی ہے جو اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس کی طرف شیخ ابو الحسن احمد بن عبداللہ بن جعفر بن محمد البصری الکلائی منسوب کئے جاتے ہیں۔ روایت کرتے ہیں شیخ ابو الحسن محمد بن۔۔۔۔ عبداللہ السندی سے۔

ھ۱ رجال السند والہند ص ۲۲۴ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کیٹلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

ھ۲، ھ۳ — معجم البلدان ج ۴ ص ۴۷۳ (علامہ شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی م ۶۲۶ھ) مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

قاضی اطہر مبارکپوری نے علامہ حموی کی مذکورہ عبارت نقل کرتے ہوئے آپ کے تعارف میں صرف "البصری" لقب کا اضافہ کیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صاحب ترجمہ نے سندھ سے ہجرت کر کے البصرہ میں جاکر سکونت اختیار کی تھی۔ پس آپ وطن اصلی کے اعتبار سے "السندی" اور وطن سکونت و اقامت کے لحاظ سے "البصری" شمار ہوتے ہیں۔

اساتذہ و تلامذہ:-

کتب تراجم میں شیخ محمد السندی کے شیوخ و اساتذہ کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا اور آپ کے رواۃ و تلامذہ میں شیخ ابو الحسن احمد بن عبد اللہ البصری کا نام نامی مذکور ہے۔ جس کا علامہ یاقوت الحموی اور قاضی اطہر مبارکپوری نے ذکر کیا ہے [1]

وفات:-

شیخ ابو الحسن السندی کی تاریخ و سال وفات کا کوئی بیان نہیں مل سکا البتہ قاضی اطہر مبارکپوری نے قرن کی نشاندہی کی ہے۔ لکھتے ہیں "..... الاشبہ انہ کان من رجال المائۃ الثالثۃ" [2] یعنی زیادہ مشابہ و موافق حق بات یہ ہے کہ وہ (شیخ ابو الحسن السندی) تیسری صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے رجال سے تھے۔

---

[1] معجم البلدان ج۳ ص۲۷۲ (علامہ ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی م ۶۲۶ھ) مطبوعہ۔ بیروت ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء
رجال السند والہند ص۲۲۴ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ۔ کتیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء

[2] رجال السند والہند ۲۲۴۔

شیخ موسیٰ بن السندی

حسب ونسب:- آپ کی کنیت ابو محمد اور نام ونسب یہ ہے موسیٰ بن السندی الجرجانی البکرآبادی۔ آپ قرن سوم کے فضلائے محدثین سندھ میں سے شمار ہوتے ہیں[1]

شیخ موسیٰ کی نسبتی کنیت "ابن السندی" اس بات کی دلیل ہے کہ آپ سندی النسل تھے۔ اور "الجرجانی اور البکرآبادی" القاب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے جرجان کے قصبہ بکرآباد میں سکونت اختیار کی تھی۔ لھذا آپ کو وطن اصلی کے اعتبار سے سندھی اور وطن سکونت کے لحاظ سے جرجانی اور بکرآبادی کہتے ہیں۔ اسی بناء پر مترجمین ومورخین سندھ وہند نے آپ کو رجال سندھ میں شمار کیا ہے[2]

علاوہ ازیں علامہ ابو القاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم السہمی الجرجانی نے تو... آپ کو براہ راست "السندی" لکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ آپ سندی الاصل ہیں چنانچہ لکھتے ہیں[3]، "موسیٰ السندی ابو محمد الجرجانی البکرآبادی روی فی سنۃ ثلاثین ومائتین عن وکیع بن الجراح" ترجمہ:- شیخ ابو محمد موسیٰ سندھی جرجانی بکرآبادی نے سنہ دوسو تیس ۲۳۰ میں امام وکیع بن جراح سے حدیث کی روایت کی۔

---

[1] رجال السند والہند ص ۲۵۱ مطبوعہ کتیلری بازار بمبئی سنہ ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔ } قاضی اطہر مبارکپوری
[2] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۶ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی سنہ ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء }

[3] تاریخ جرجان ص ۴۲۶ (علامہ ابو القاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم الجرجانی) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۹۵۰ء

شیوخ واساتذہ:-

شیخ موسیٰ بن السندی نے علوم حدیث کی تحصیل وسماعت اپنے قرن کے بڑے بڑے حفاظ وائمہ حدیث مثلاً امام وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ)[1] حافظ ابومعاویۃ الضریر[2]، شیخ ابراہیم بن ابی خالد، شیخ یعیش البسطامی[3]، شیخ شبابہ اور شیخ اسمٰعیل بن حکیم سے کرکے علم وفضل میں بڑا نام ومقام پیدا کیا۔

رواۃ وتلامذہ:-

آپ کے رواۃ وتلامذہ میں شیخ محمد بن عمر بن العلاء الصیرفی[1]، شیخ عمران بن موسیٰ[2]، شیخ علی بن محمد[3]، ام عبدالرحمٰن بن محمد بن علی الجرجانی[4] اور شیخ ابوعلی الحسن بن حفص الجرجانی قابل ذکر ہیں[1]۔

علاوہ ازیں شیخ ابوبکر احمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل بن العباس الاسماعیلی (م ۳۷۱ھ) نے ایک واسطہ سے آپ سے روایت لی ہے[3]۔ جن کے متعلق علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں، "شہر جرجان میں اپنے وقت کے امام تھے۔ فقہ اور حدیث میں ان کو لوگ مقتدا سمجھتے تھے"[4]

[1، 2، 3] تاریخ جرجان ص ۴۳۶ (علامہ ابوالقاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم السہمی الجرجانی) مطبوعہ دائرۃ معارف نظامیہ دکن ۱۹۵۰ء
رجال السند والہند ص ۲۵۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتابی بازار بمبئی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء۔

[4] بستان المحدثین ص ۶۲ (اردو ترجمہ) (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) مطبوعہ کلام کمپنی کراچی ۔ ۱۳۳۶ھ
مترجم مولانا عبدالسمیع الدیوبندی

مرویات :-

شیخ موسیٰ السندی کی مرویہ احادیث سے علامہ سہمی الجرجانی نے مندرجہ ذیل حدیثیں اپنی کتاب تاریخ الجرجان میں روایت کی ہیں۔ جنہیں قاضی مبارکپوری نے بھی اپنی کتاب رجال السند والہند میں نقل کی ہیں عہ

I

اخبرنا ابو بکر الاسمٰعیلی حدثنی عمران بن موسیٰ حدثنا موسیٰ بن السندی حدثنا وکیع حدثنا سفیان عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہم) قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بین العبد وبین الکفر ترک الصلواۃ قال قلت لجابر ھل کنتم تعدون شیئاً من الذنوب شرکا.... قال معاذ اللہ ۔" لہ

II

حدثنا احمد بن موسیٰ بن عیسیٰ حدثنا علی بن محمد حدثنا موسیٰ بن السندی حدثنا ابو معاویۃ الضریر حدثنا العوام بن جویریۃ عن عبد الرحمٰن بن سمرۃ (رضی اللہ عنہم) قال قال لی رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم یا عبد الرحمٰن لا تسئل الامارۃ " لہ۲

شیخ موسیٰ کا علمی مقام :

شیخ موسیٰ السندی اپنے ہم عصر محدثین میں خاص نام و مقام کے مالک تھے - آپ امام وکیع بن الجراح (جو امام شافعیؒ م ۲۰۴ھ کے استاذ تھے) کے شاگرد خاص تھے - اور ان کا التزام کیا تھا - مولانا ابو القاسم السہمی...

لہ ۱، لہ ۲ } - تاریخ جرجان ص ۴۳۶ (علامہ ابو القاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم السہمی الجرجانی) مطبوعہ دائرۃ المعارف نظامیہ دکن ۱۹۵۰ء

عہ رجال السند والہند ص ۲۵۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کٹیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

الجرجانی لکھتے ہیں، "وکانَ عِندہٗ کُتُبُ وکیعٍ"[۱] یعنی ان کے پاس امام وکیعؒ کی کتابیں تھیں۔

علمائے وقت و حفاظِ حدیث آپ کی وجاہت و ثقاہت اور صداقت و فضیلت کے مقر و معترف تھے۔ امام سہمی لکھتے ہیں، "قال لنا عبدُاللّٰہ بن عدی الحافظ ھو ثقۃ"[۲] ترجمہ:- ہم سے شیخ عبداللہ بن عدی الحافظ نے کہا کہ وہ (شیخ موسیٰ السندی) ثقہ ہیں۔ امام موصوف آگے لکھتے ہیں

وقد کان محمّد بن عمر بن العلاء الصّیرفی اذا حدثنا عنہ یقول حدثنا ابو محمد موسیٰ بن السندی السکاک الثقۃ المامون[۳]"

ترجمہ:- بہ تحقیق شیخ محمد بن عمر بن العلاء الصیرفی جب ہمیں ان سے حدیث سناتے تھے تو کہتے تھے ہم سے حدیث روایت کی شیخ ابو محمد موسیٰ بن السندی السکاک نے جو ثقہ اور مامون (یعنی جرح و قدح سے پاک و محفوظ ہیں)

امام سہمیؒ کے متذکرہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ (امام سہمی رح) آپ کے ایک واسطہ سے راوی اور شاگرد اور آپ ایک واسطہ سے ان کے شیخ و استاذ ہیں۔

وفات

شیخ موسیٰ کی کوئی متعین تاریخ وفات کسی تذکرے میں مذکور نہیں۔ البتہ آپ کے مترجم امام سہمی کے اس بیان سے کہ شیخ موسیٰ امام وکیع سے ۲۳۰ھ میں حدیث بیان کر رہے تھے[۲] یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ تیسری صدی کے رجال سے تھے۔ چنانچہ قاضی اطہر مبارکپوری نے اس کی توثیق کی ہے۔ لکھتے ہیں، "ابو محمد موسیٰ بن سندی جرجانی بکرآبادی تیسری صدی میں جرجان کے مشہور... رواۃ حدیث میں ہیں"[۴]

۱، ۲، ۳:- تاریخ جرجان ص۴۳۶ (علامہ ابو القاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم السہمی الجرجانی) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۹۵۰ء

۴:- ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۵۶ (قاضی ابو المعالی اطہر مبارکپوری) مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔

شیخ ابو موسیٰ الدیبلی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابو موسیٰ اپنی اسی کنیت ہی سے مشہور ہیں۔ آپ کا نام و نسب کسی بھی تذکرے میں مذکور نہیں۔ اصحاب تراجم و اہل قلم نے آپ کے نسب نامے میں صرف اتنا لکھدیا ہے کہ آپ حضرت شیخ المشائخ سیدنا سلطان ابو یزید طیفور بن عیسیٰ البسطامی رح (م ۲۶۱ھ) کے بھانجے ہیں[1]۔ اس سے علاوہ آپ کا کوئی تفصیلی تعارف و ترجمہ کہیں بھی دستیاب نہ ہو سکا۔

چنانچہ امام ابن الجوزی عبدالرحمٰن بن علی م ۵۹۷ھ نے حضرت سلطان ابو یزید بسطامی کے تذکرے میں آپ کا بحیثیت راوی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "قال ابو موسیٰ الدیبلی ابن اخت ابی یزید البسطامی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما)... الخ[2]"

قاضی اطہر مبارکپوری نے تو آپ کا علیحدہ ایک باب باندھا ہے۔ لیکن انہوں نے بھی آپ کا اس سے زیادہ کوئی تفصیلی تذکرہ بیان نہیں کیا ہے۔ جو ترجمہ انہوں نے لکھا ہے وہ "الف تا ی" مندرجہ ذیل ہے۔

"کَانَ اَبُومُوسیٰ الدیبلی البغدادی ابنا لاختِ الشیخ ابی یزید طیفور بن عیسیٰ البُسطامی المتوفی ۲۶۱ھ وکَانَ من کبار رجال المائۃِ الثالثۃِ[3]" ترجمہ:- شیخ ابو موسیٰ دیبلی بغدادی حضرت شیخ ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بُسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۲۶۱ھ کے بھانجے تھے اور تیسری صدی ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے بڑے محدثین سے تھے۔

آخر میں قاضی موصوف نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آپ کا مفصل ترجمہ نہیں مل سکا۔ لکھتے ہیں، "ولم اجد من ترجمۃ ھذا الرجل الکبیر غیر ما ذکرتہ[4]"

ترجمہ:- اور مجھے اس عظیم شخص کے حالات و سوانح حیات سے، سوائے اس کے

---

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۹۳ (علامہ ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی م ۵۹۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۵۶ھ
رجال السند والہند ص ۲۹۰، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء
تذکرہ علمائے دیبل (علامہ عبدالعلیم ندوی) پاکستان میں فروغِ عربی ص ۳۱۳ ۔ مطبوعہ کراچی یونیورسٹی ۱۹۷۵ء

[2] صفۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۹۲ (امام ابن الجوزی م ۵۹۷ھ)

[3][4] رجال السند والہند ص ۲۹۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کمیلری بازار بمبئی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء۔

کہ میں نے بیان کیا مزید کچھ نہیں ملا۔
اسی طرح قاضی موصوف نے اپنی دوسری کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں بھی آپ کا ایک ادھورا تذکرہ لکھا ہے[1]۔ اور مولانا عبدالعلیم ندوی نے اپنے مقالہ "تذکرہ علمائے دیبل" میں آپ کا ذکر کیا ہے[2]۔ لیکن اس میں بھی آپ کا واضح تعارف نہیں پایا جاتا۔ البتہ انہوں نے اتنا ضرور لکھا ہے کہ اصل وطن دیبل اور سکونت بغداد میں تھی۔
بہرصورت آپ کی نسبت الدیبلی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ اصل وطن کے لحاظ سے دیبلی (سندھی) تھے اور البغدادی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خاندان سندھ سے منتقل ہونے کے بعد بغداد میں سکونت پذیر ہو گیا تھا[3]۔ لیکن ان لوگوں کی ہجرت و وُرُودِ عرب کا قرن و زمانہ معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ اس بات سے کہ آپ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے بھانجے تھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے والد ماجد ترکِ وطن کر کے عرب پہنچ گئے تھے۔ اور وہاں شیخ بسطامیؒ کی ہمشیرہ سے ان کی شادی ہوئی اور آپ وہاں پیدا ہوئے۔

شیوخ و اساتذہ۔

شیخ ابوموسیٰ کے شیوخ و اساتذہ میں محض حضرت شیخ المشائخ سلطان ابویزید طیفور بن عیسیٰ البسطامی م ۲۶۱ھ کا نام نامی مذکور ہے۔[4]

رواۃ و تلامذہ۔

آپ کے تلامذہ و رواۃ میں شیخ علی بن جعفر البغدادی کا ذکر ملتا ہے[5]

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۴۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء۔
[2] [3] تذکرۂ علمائے دیبل (علامہ عبدالعلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی ص ۳۱۳ مطبوعہ کراچی یونیورسٹی ۱۹۶۵ء
[4] صفۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۹۲-۹۴ (علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد ابن الجوزی م ۵۹۷ھ) مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶
[5] تذکرہ علمائے دیبل - (علامہ عبدالعلیم ندوی) ص ۳۱۳
رجال السند والہند ص ۲۸۹، ۲۹۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتابخانہ بازار بمبئی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء۔

مرویات:-

علامہ ابوالفرج ابن الجوزی نے آپ کی مرویہ احادیث سے مندرجہ ذیل حدیث اپنی کتاب صفۃ الصفوہ میں روایت کی ہے:۔

اخبرنا محمد بن ابی منصور قال اخبرنا المبارک بن عبد الجبار قال انا محمد بن علی الصوری قال حدثنا احمد بن الحسن المالکی قال انا علی بن جعفر البغدادی قال قال ابو موسیٰ الدبیلی ابن اخت ابی یزید البسطامی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) انبانا ابو یزید البسطامی یعنی طیفور بن عیسیٰ رح قال انبانا محمد بن منصور الطوسی قال اخبرنا سفیان بن عیینۃ عن محمد بن سوقہ عن نافع بن جبیر عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ..... الجیش الذی یخسف بھم فقالت ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لعل فیھم المکرہ قال انھم یبعثون علی نیاتھم۔ (الحدیث)[1]

وفات:-

شیخ دبیلی کی تاریخ وفات کسی تذکرے میں مذکور نہیں۔ البتہ قاضی اطہر علی مبارکپوری نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ قرن سوم کے محدثین سے ہیں۔ لکھتے ہیں، "وکان من کبار رجال المائۃ الثالثۃ"[2] اور یہ قول صحیح بھی ہے کیونکہ آپ کے شیخ حضرت سلطان ابو یزید رح بھی قرن سوم کے رجال سے تھے۔ ان کی تاریخ وفات ۲۶۱ھ ہے[3]

---

[1] صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۹۲-۹۳ (علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد ابن الجوزی ۵۹۷ھ) مطبوعہ:۔ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۶ھ

[2] [3] رجال السند والہند ص ۲۰۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشمیری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء

شیخ اسمٰعیل بن السندی

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ہے ابو ابراہیم اور نام ونسب ہے اسمٰعیل بن السندی الخلال البغدادی [۱] ہے آپ قرن سوم کے مشائخ سندھ سے ہیں [۲]
شیخ اسمٰعیل کا کوئی مفصل ترجمہ کتب تراجم میں مذکور نہیں۔ البتہ آپ کی کنیتِ نسبتی "ابنُ السِّندی" سے آپ کے نسل واصل اور وطن اصلی کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ فضلائے سندھ سے تھے۔ اور آپ کے لقب "البغدادی" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی سکونت بغداد میں تھی۔ بغداد شریف کے جس محلے میں آپ رہائش پذیر تھے وہ "باب الشام" کے نام سے مشہور تھا۔ [۲]

آپ کی کنیت "ابن السندی" سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے والد ماجد نے ترک وطن کیا ہوگا۔ اور عرب میں پہنچنے پر اہل عرب نے انہیں سندھ کی نسبت سے "السندی" پکارنا شروع کیا۔ چنانچہ وہ اسی نام ولقب سے مشہور ہوئے اور بعد میں شیخ اسمٰعیل کی کنیت اِسی سے بنی۔

اسی بنا پر کہ آپ سِندی الاصل تھے قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کا شمار محدثینِ سندھ میں کیا ہے [۳]

شیخ اسمٰعیل پیشہ ومعاش کے لحاظ سے "خلال" تھے یعنی سرکہ بناکر فروخت کرتے تھے اس لئے آپ کو "الخلال" کہا جاتا ہے۔ [۴]

---

[۱] تاریخ بغداد جلد ۶ ص ۲۹۵ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
[۲] رجال السند والہند ص ۸۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء۔

[۳] رجال السند والہند ص ۸۰ مطبوعہ بمبئی } قاضی اطہر مبارکپوری۔
[۴] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں مطبوعہ کراچی

اساتذہ و تلامذہ:-

شیخ اسمٰعیل نے تحصیل و سماعتِ حدیث شیخ سلم بن ابراہیم اور بشر بن الحارث سے کی اور آپ سے شیخ محمد بن مخلد نے سماعت و روایت کی۔

علامہ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادیؒ م ۴۶۳ھ نے آپ کے شیوخ و تلامذہ کے باب میں لکھا ہے، "اسمٰعیل بن السندی ابو ابراہیم الخلال حدث عن سلم بن ابراہیم الوراق وحکی عن بشر بن الحارث، روی عنہ محمد بن مخلد۔[1]"

ترجمہ:- شیخ اسمٰعیل بن السندی ابو ابراہیم خلال (سرکہ ساز) نے حدیث روایت کی شیخ سلم بن ابراہیم وراق سے اور خبر بیان کی شیخ بشر بن الحارث سے۔ ان سے روایت کی شیخ محمد بن مخلد نے۔

مرویات:-

علامہ خطیب البغدادیؒ نے آپ کی مرویہ احادیث سے مندرجہ ذیل حدیث روایت کی ہے جسے قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب رجال السند والہند میں نقل کی ہے۔

"اخبرنی الازہری حدثنا عبد اللہ بن عثمان بن یحیٰ حدثنا محمد بن مخلد حدثنا اسمٰعیل بن السندی ابو ابراہیم الخلال باب الشام قال سألت بشر بن حارث عن حدیث فقال اتق اللہ فان کنت ترید للدنیا فلا تردہ و ان کنت تریدہ للآخرۃ فقد سمعت۔"[2]

وفات:-

شیخ ابن السندی کی تاریخ وفات کی تعیین نہ ہو سکی۔ تاہم قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کو قرن سوم کے محدثین سے شمار کیا ہے، لکھتے ہیں "کان اسمٰعیل بن السندی البغدادی من رجال المائۃ الثالثۃ"[3]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۸۳ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادیؒ م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء
[2] رجال السند والہند ص ۹۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشمیری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔
[3] رجال السند والہند ص ۹۰۔

شیخ عبّاس بن عبداللہؒ

حسب و نسب :- آپ کی کنیت ابوالحارث اور نام و نسب یہ ہے شیخ عباس بن عبداللہ بن العباس السّندی الاسدی الانطاکی ہے۔ ؎۱

شیخ عباس قرن سوم کے محدثین و فضلائے سندھ سے ہیں۔ آپ کو اصل و نسل کے لحاظ سے سندھی اور وطن و لادت و اقامت کے اعتبار سے انطاکی کہا جاتا ہے۔ شیخ عباس ان زط (سندھی جاٹ) یا سیابجوں کی نسل سے ہیں جنہیں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۴۹ھ میں البصرہ سے انطاکیہ منتقل کیا تھا۔ یا ان جاٹوں سے تھے جنہیں حضرت محمد بن قاسم ۹۶ھ نے سندھ سے حجاج کے پاس بھیجا تھا اور حجاج نے انہیں ولید بن عبدالملک کے پاس شام روانہ کیا تھا۔ پھر ولید نے انہیں شام کے شمالی علاقہ الانطاکیہ میں آباد کرایا۔

اِس سلسلے میں علامہ ابوالعباس احمد بن یحییٰ البلاذری م ۲۷۹ھ لکھتے ہیں، "امیر معاویہ رضہ نے ۴۹ھ/۵۰ھ میں سواحل کی طرف البصرہ کے زط (جاٹ) اور السیابجہ کی ایک قوم منتقل کی اور ان میں سے بعض کو انطاکیہ میں بسایا۔ انطاکیہ میں سندھی جاٹ قوم کا محلہ "زط" کے نام سے مشہور ہے۔ ان سندھی جاٹوں کی اولاد سے ایک قوم "بوقا" میں آباد ہے۔ جو انطاکیہ کی عملداری و اختیار میں ہے ان کو بھی "زط" کہتے ہیں"۔ ؎۲

علامہ موصوف آگے لکھتے ہیں، "اسی طرح بہت سے لوگ "زط" قوم (جاٹ) سے محمد بن قاسم نے فتح سندھ کے بعد حجاج کے پاس عراق بھیجے تھے حجاج نے انہیں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس شام بھیجا اور ولید نے ان کو بھی انطاکیہ میں منتقل کیا"۔ ؎۳

؎۱ تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۱۹ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ
انڈیاز کنٹریبیوشن ٹو دی اسٹڈی آف حدیث ص ۱۹۶ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء

؎۲، ؎۳ :- فتوح البلدان ص ۲۴۲ (اردو ترجمہ) (علامہ ابوالعباس احمد بن یحییٰ البلاذری م ۲۷۹ھ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۰ء
مترجم سید ابوالخیر مودودی۔

"نباط" کے متعلق امام ابن اثیر ابو الحسن علی بن محمد (م ٦٣٠ھ) بھی لکھتے ہیں کہ یہ ایک سندھی قوم تھی - اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ البصرہ میں رہتے تھے اور قیدخانوں کی محافظت پر مامور تھے۔[1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شیخ عباس قوم و وطن کے لحاظ سے سندھی اور سکونت و اقامت کے اعتبار سے انطاکی ہیں - اور آپ کے لقب "الاسلمی" سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آپ کا عرب کے مشہور قبیلہ بنو اسد سے موالات کا تعلق ہوا ہوگا -

شیوخ و اساتذہ -

شیخ عباس نے اپنے وقت کے فضلائے امت و ائمہ حدیث سے تحصیل و سماعت حدیث کی تھی - مثلاً شیخ اسحٰق بن ابراہیم، امام علی بن المدینی، شیخ سعید بن منصور، شیخ عبد اللہ بن محمد العیشی، امام محمد بن کثیر الصنعانی م ٢١٦ھ، شیخ مسلم بن ابراہیم م ٢٢٢ھ اور شیخ الہیثم بن جمیل الانطاکی م ٢١٣ھ وغیرہم ۔[2]

رواۃ و تلامذہ -

آپ نے تدریس و تحدیث کے ذریعے بڑے بڑے ائمہ و حفاظ حدیث پیدا کیے - جن میں سے امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النسائی م ٣٠٣ھ، امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم م ٣١٦ھ مصنف صحیح، شیخ الحسن بن حبیب الحصائری، شیخ ابو الطیب محمد بن حمید الخولانی، شیخ ابو جعفر بن جعفر العلوی، شیخ احمد بن مہران الفارسی المصری اور شیخ ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی قابل ذکر ہیں۔[3]

شیخ عباس کا بحیثیت راوی مقام

آپ ایک مستقیم الروایت اور ثقہ راوی تھے - آپ کے خلاف کسی نے جرح و قدح کا قلم نہیں اٹھایا ہے - حافظ ابو الفضل احمد بن الحجر العسقلانی م ٨٥٢ھ لکھتے ہیں "قال النسائی لا باس بہ - و ذکرہ ابن حبان فی الثقات" یعنی امام نسائی کہتے ہیں کہ ان میں کچھ خطرہ نہیں اور امام ابن حبان نے تو انہیں ثقہ رواۃ میں شمار کیا ہے - ابن الحجر آخر میں لکھتے ہیں "قلت و قال مسلمۃ ثقۃ"[4]

---

[1] الکامل فی التاریخ ص١٤١ (علامہ ابن اثیر ابو الحسن علی بن محمد م ٦٣٠ھ) مطبوعہ مصر ١٢٩٠ھ -

[2،3،4] تہذیب التہذیب ج٥ ص١١٩ (حافظ ابو الفضل احمد بن الحجر العسقلانی م ٨٥٢ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ١٣٢٦ھ

انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ٩٦-٩٧ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ١٩٥٥ء

ترجمہ:۔ میں کہتا ہوں کہ شیخ مسلمۃ کہتے ہیں کہ وہ (شیخ عباس) ثقہ ہیں۔ یعنی حافظ ابن الحجر خود بھی ان کی ثقاہت وعدالت پر یہ شہادت پیش کرتے ہیں کہ وہ ..... واقعی ثقہ ہیں۔

وفات:۔

شیخ عبّاس کی تاریخ وفات کا کوئی صحیح پتہ نہ چل سکا۔ البتہ ڈاکٹر[1] محمد اسحٰق کے بیان کے مطابق شیخ موصوف نے تیسری صدی (علٰی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام) کے نصف آخر میں وفات پائی ہوگی۔

[1] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۱۹۷ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش ۱۹۵۵ء

شیخ ابن ابی الشوارب ؒ

حسب ونسب:- آپ کا نام ونسب شیخ محمد بن عبد الملک ابن ابی الشوارب ہے، اور آپ بھی اسی کنیت سے مشہور ومتعارف ہیں۔[۱]

"ابن ابی الشوارب" بغداد کے ایک مشہور خاندان کا نام ہے جس کے آپ چشم وچراغ تھے مولانا سید عبد العلی الحسنی لکھنوی لکھتے ہیں۔[۲] "وبنو ابی الشوارب بیت مشہور ببغداد" شیخ محمد بن عبد الملک ان عرب فضلاء وائمہ حدیث سے ہیں جو عرب سے سندھ میں تشریف لاکر سکونت پذیر ہوئے تھے۔[۳]

شیوخ واساتذہ:-

شیخ ابن ابی الشوارب نے علوم حدیث کی سماعت وتحصیل عرب وعراق کے بڑے بڑے حفاظ وائمہ حدیث سے کی ہے۔ مثلاً شیخ یزید بن زریع[۴]، حافظ ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق[۵] شیخ یحیٰ ابن سلیم[۶]، شیخ عبد العزیز بن المختار[۷]، شیخ یحیٰ بن عمرو بن مالک[۸] اور شیخ بشر بن المفضل[۹] اور ان کے علاوہ بیشمار محدثین سے آپ نے روایت کی ہے۔

آخذین وتلامذہ:-

آپ کے تلامذہ ورواۃ نیز بے شمار ہیں۔ جن میں سے اصحاب سنن وصحاح قابل ذکر ہیں۔ جن کا آپ سے حدیث اخذ کرنا آپ کے علم وفضل اور ثقاہت وصداقت کی ایک بہت بڑی حجت ہے۔ مثلاً امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النسائی م ۳۰۳ھ نے اپنی کتاب سنن نسائی میں اور امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی م ۲۷۹ھ نے اپنی کتاب سنن ترمذی میں براہ راست آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں

---

۱ - رجال السند والہند ص ۱۹۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی [illegible]
سندھ میں [illegible] (مولانا [illegible]) مطبوعہ [illegible] شاہ ولی اللہ اکیڈمی [illegible] ۱۹۶۳ء
۲ - حاشیہ [illegible] (علامہ سید عبد العلی بن سید عبد الحی شاہ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن [illegible]
۳ - رجال السند والہند ص [illegible] (مولانا [illegible])
۴ - سنن ترمذی [illegible] ۵ - سنن ترمذی ج ۱ [illegible] ۶ - ترمذی ج ۱ ص ۱۸۹ ۷ - سنن ترمذی ج ۳ [illegible] ۸ - ترمذی [illegible]
۹ - سنن ترمذی ج ۱ [illegible] (امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ م ۲۷۹ھ) مطبوعہ [illegible] کتب خانہ [illegible] کراچی [illegible] سنن مذکورہ میں ان مشائخ سے آپ کی روایتیں موجود [illegible]

مسندِ قضاء اور ورودِ سندھ

شیخ ابن ابی الشوارب کو ان کی علوم حدیث و فنون شریعت میں اعلیٰ مہارت و کمال کے پیش نظر بغداد شریف میں دارالافتاء و مسند قضاء کا قلمدان سپرد کیا گیا تھا۔ اور پھر خلیفہ ابو العباس احمد المعتضد باللہ المتوفی ۲۸۹ھ نے انہیں ۲۸۳ھ میں عراق سے سندھ کے دارالخلافہ المنصورہ کا قاضی مقرر کرکے بھیجا۔ جب کہ سندھ کا حاکم مہروق بن رائک تھا۔ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں، "وفی دولتہ (اے مہروق بن رائک، ملک السند) فی سنۃ ۲۸۳ جاء محمد بن ابی الشوارب من بغداد قاضیاً علی المنصورۃ و کان عالماً فاضلاً جلیلاً"[۱] ترجمہ:- اور اس کی حکومت کے دوران (یعنی مہروق بن رائک بادشاہ سندھ کی) سنہ ۲۸۳ھ میں شیخ محمد بن ابی الشوارب بغداد سے المنصورہ کے قاضی مقرر ہو کر آئے۔

ایک جگہ پر لکھتے ہیں، "ولم یزل القضاء فی آل ابی الشوارب الی مدۃ و منہم محمد بن ابی الشوارب قاضی المنصورۃ فی سنۃ ۲۸۳ھ کان قبلہ قاضیاً فی بغداد"[۲] ترجمہ:- اور ایک عرصے تک عہدۂ قضاء آل ابی الشوارب میں جاری رہے۔ اور ان میں سے شیخ محمد بن ابی الشوارب ہیں۔ سنہ ۲۸۳ھ میں وہ المنصورہ کے قاضی تھے۔ اس سے پہلے وہ بغداد میں قاضی تھے۔

قاضی موصوف نے آل ابی الشوارب میں عہدہ قضاء کے اجراء و قیام کے متعلق اپنی دوسری کتاب، "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں ایک تفصیلی بیان دیا ہے۔ لکھتے ہیں، "قاضی ابن ابی الشوارب بغداد کے

---

[۱] [۲] رجال السند والہند ص ۱۶۶، ۱۶۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ [illegible] بمبئی [illegible] ۱۹۵۸ء

قاضی القضاۃ تھے۔ عباسی دورِ خلافت میں ان کا خاندان پشتہا پشت سے علم اور دین کا گھرانا تھا۔ قضاۃ آلِ ابن ابی الشوارب خلفاء کے بعد سب سے زیادہ اثر و رسوخ اور اقتدار کے مالک تھے۔ اس خاندان میں عہدۂ قضا ان کے جدِ امجد حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے چلا آتا تھا۔ جن کو فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قاضی و حاکم مقرر فرمایا تھا۔"[1]

الغرض: شیخ محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب اصل و نسل کے لحاظ سے عرب اور مسکن و مزار کے اعتبار سے سندھی شمار ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر مورخ پاک و ہند قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کو محدثین سندھ کی فہرست میں درج کیا ہے۔ جس کی تصدیق امام ابن اثیر ابو الحسن علی بن محمد بن محمد ۶۳۰ھ کے بیان سے ہوتی ہے۔ آپ نے اپنی مایہ ناز کتاب الکامل فی التاریخ میں واقعات ۲۸۳ھ کے تحت لکھا ہے[2]، "وفیہا فی شوال مات محمد بن ابی الشوارب و کانت ولایتہ القضاء بمدینۃ المنصورۃ ستۃ اشہر" ترجمہ:- اور اس میں (یعنی ۲۸۳ھ میں) ماہ شوال شیخ محمد بن ابی الشوارب نے وفات پائی۔ اور آپ کا عہدۂ قضا المنصورہ شہر میں چھ مہینے کا۔

اس بیان سے یہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ شیخ محمد بن عبد الملک ابن ابی الشوارب واقعی اپنی عمر کے آخر میں المنصورہ سندھ کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کو سندھی فضلاء میں شمار کیا گیا ہے۔

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۱۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ: مکتبہ عارفین کراچی۔ ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء

بذل القوۃ ص ۲۱۳ علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

[2] رجال السند والہند ص [illegible] (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء بحوالہ الکامل فی التاریخ [illegible] ابن اثیر ابو الحسن علی بن محمد بن محمد ۶۳۰ھ مطبوعہ مصر ۱۲۹۰ھ۔

مرویات :-

شیخ ابن ابی الشوارب کثیر الروایت اور ثقہ راوی اور فضلائے محدثین سے تھے مصنفین صحاح نے آپ کی بیشمار حدیثیں روایت کی ہیں۔ جن میں سے ایک دو حدیثیں بطور نمونہ یہاں تحریر کی جائینگی۔

I بروایت النسائیؒ :-

اَخبرنا محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب قال ثنا یزید قال ثنا معمر عن الزہری عن عُبَید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباس عن ابی طلحۃ (رضی اللہ تعالے عنہم) قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول لاتدخل الملٰئکۃ بیتاً فیہ کلبٌ ولا صورۃ تماثیل "[1]

II بروایت الترمذیؒ :-

حدثنا محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب ثنا عبد العزیز بن المختار عن سُہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالے عنہم قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا اکل احدکم فلیلعق اصابعہ فانہ لایدری فی ایتھن البرکۃ "[2]

وفات :-

شیخ ابن ابی الشوارب کا سندھ میں عرصۂ زیست وقیام چھ مہینے رہا۔ آپ سنہ ۲۸۳ھ میں سندھ تشریف لائے تھے۔ اور اسی سال (۲۸۳ھ میں) بماہ شوال وفات پائی[3]

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ ص ۲۹۵ (امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی سنہ ۳۰۳ھ) مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی۔

[2] سنن ترمذی جلد ۲ ص ۱۰ (امام ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی م ۲۷۹ھ) مطبوعہ مطبع نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔ سنہ ۱۳۸۰ھ۔

شیخ محمد بن محمد بن رجاء الحافظ

حسب و نسب :- آپ کی کنیت ابو بکر ہے اور ابن السندی بھی کہلاتے ہیں۔ عہ
اور نام و نسب شیخ محمد بن محمد بن رجا بن السندی النیسابوری، السندی
الاسفرائینی ہے۔ وطن اصلی کے لحاظ سے آپ کو السندی اور وطن ولادت و سکونت
کے اعتبار سے الاسفرائینی یا النیسابوری کہتے ہیں۔ لہ
شیخ ابو بکر مشہور سندھی محدث و امام الحدیث شیخ رجاء السندی الحافظ
الاسفرائینی کے پوتے ہیں۔ آپ کا گھرانا دار الحدیث تھا۔ اور آپ حافظ ابن الحافظ
ابن الحافظ، ثقہ ابن الثقہ ابن الثقہ تھے۔ ۲ے

سندھ سے ہجرت :-

شیخ ابو بکر کے دادا شیخ رجاء الحافظ (م ۲۲۱ھ) سندھ سے ہجرت
کر کے نیشاپور گئے اور وہاں ضلع اسفرائین میں سکونت اختیار کی
اس بناء پر یہ خاندان نیشاپوری اور اسفرائینی کہلاتا ہے۔
ڈاکٹر محمد اسحاق حافظ رجاء کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "(ترجمہ) وہ (رجاء)
نیشاپور کے شمالی ضلع اسفرائین میں رہائش پذیر ہو گئے"۔ ۳ے

عہ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۳۰ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۳ھ
لہ رجال السند والہند ص ۲۱۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔
۲ے کتاب الانساب ص ۳۱۴ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیڈن ۱۹۱۲ء
۳ے انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۰۹ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

شیوخ واساتذہ :-

شیخ ابو بکر نے اپنے وقت کے بڑے بڑے حفاظ وائمہ حدیث سے علوم الحدیث کی تحصیل کر کے دنیا میں بڑا نام ومقام پیدا کیا ۔ آپ کے اساتذہ میں امام احمد بن محمد بن حنبل م ۲۴۱ھ حافظ اسحٰق بن راہویہ م ۲۳۸ھ شیخ علی بن عبد اللہ المدینی م ۲۳۵ھ (جو امام بخاری کے شیوخ تھے)، شیخ ابراہیم بن محمد بن محمد الشافعی، شیخ ابو عمار الحسین، شیخ عمر بن علی، شیخ ابن نمیر اور شیخ ابو بکر بن شیبہ م ۲۳۵ھ قابل ذکر ہیں ۔ [1]

علاوہ ازیں آپ نے اپنے والد ماجد شیخ ابو عبد اللہ محمد بن رجاء اور اپنے دادا شیخ رجاء الحافظ سے بھی تحصیل وسماعت حدیث کی تھی ۔ [2]

آخذین وتلامذہ :-

آپ سے آپ کے ہم عصر مشائخ وعلمائے امت نے درس وروایت لی ہے ۔ آپ کے تلامذہ ورواۃ میں شیخ یحیٰ بن منصور، شیخ ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق م ۳۱۶ھ شیخ ابو حامد، شیخ ابن الشرقی، شیخ محمد بن الصالح، شیخ ابن اخرم، شیخ ابو النضر محمد بن محمد وغیرہم بیشمار رواۃ ومحدثین شمار کئے جاتے ہیں ۔ [3]

اور ابن حبان (ابو حاتم) محمد بن حبان بن احمد البستی (م ۳۵۴ھ) نے آپ سے حدیث لکھی۔

ابن حبان ۸۰ برس کی عمر میں ۲۳ شوال ۳۵۴ھ / ۱۱ اکتوبر ۹۶۵ء میں فوت ہوئے۔

ع ۔ کتاب الانساب ص ۳۱۴ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی الشافعی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء۔

۱ ۔ معجم المؤلفین ج ۱۱ ص ۲۱۶ (شیخ عمر رضا کحالہ) مطبوعہ ۔ الترقی دمشق ۱۳۵۶ھ ۔

۲ ۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۳ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۳ھ

۳ ۔ کتاب الانساب ص ۳۱۴ (امام سمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء
تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۳ (امام ذہبی م ۷۴۸ھ) ۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۳ھ

شیخ ابوبکر بحیثیت محدث

شیخ ابوبکر اس محدث گھرانے کی شخصیت تھے جیسے عرب میں بیت العلم اور معدن الحدیث کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ خود محدث، ثقہ، حافظ اور شیخ الحدیث[۵۰] آپ کے والد ماجد محدث، ثقہ، حافظ اور استاذ الحدیث اور آپ کے جد امجد بھی... محدث، ثقہ، حافظ اور امام الحدیث تھے[۱]۔

علمائے اصول و ماہرین جرح و تعدیل اس خاندان کو حفاظ، ثقہ اور ائمہ حدیث تسلیم کرتے ہیں اور انہیں حجت، صدوق اور ارکان الحدیث جیسے القاب و آداب سے یاد کرتے ہیں۔

علامہ ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی لکھتے ہیں، "وکان رجاء وابنہ ابو عبداللہ وابنہ ابوبکر ثلاثتھم ثقات ثبت"[۵۱]۔ یعنی شیخ رجاء، ان کے فرزند شیخ ابوعبداللہ اور ان کے فرزند شیخ ابوبکر تینوں ثقہ اور ثابت الحدیث ہیں۔

اس طرح امام ابن حبان شیخ ابوبکر سے براہ راست حدیث کی تحصیل کرتے ہوئے آپ کی صداقت و ثقاہت کے متعلق لکھتے ہیں، "کتبت عنہ بمکۃ وھو صدوق ثقۃ"[۵۲] ترجمہ:- میں نے ان سے مکہ معظمہ میں حدیثیں لکھیں۔ اور وہ سچے، ثقہ ہیں۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم م ۴۰۵ھ اس خاندان کے بارے میں لکھتے ہیں ~~اس خاندان کے بارے میں لکھتے~~

"رجاء من ارکان الحدیث وفی اعقابہ حفاظ محدثون"[۵۳] ترجمہ:- (شیخ رجاء) حدیث کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے۔ اور اس کی اولاد میں حفاظ حدیث اور محدثین ہیں۔

---

۵۰ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء

۵۱ کتاب الانساب ص ۳۱۳ (امام ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن سن ۱۹۱۲ء۔

۵۲ رجال السند والہند ص ۲۱۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کیشلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔ بحوالہ امام ابن حبان۔

۵۳ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۹ (حافظ ابوالفضل احمد بن علی ابن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ۔ دائرۃ المعارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ۔ بحوالہ امام حاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ م ۴۰۵ھ۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ) آپ کو حافظ الحدیث و امام کے القاب و آداب سے ذکر کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں: "ابنُ السّنّدی الحافظ الامام ابوبکر الاِسفرائینی مُصَنِّفُ الصَّحِیح وَمخرجُہ علے کتاب مُسلِم"۔ [۱] ترجمہ:- شیخ ابن السّندی حافظ، امام ابوبکر اسفرائینی "الصّحیح" کے مصنف ہیں۔ اور اس کا مخرج امام مسلم کی کتاب پر ہے۔ (یعنی امام مسلم کی صحیح کے مطابق احادیث کی تخریج کی ہے۔

امام ذہبی آگے آپ کے بارے میں امام حاکم کا تبصرہ پیش کرتے ہیں لکھتے ہیں: "قَالَ الحاکم کانَ دیّناً ثبتاً مقدماً فی عصرہٖ"۔ [۲] ترجمہ:- امام حاکم کہتے ہیں کہ وہ (شیخ ابوبکر) متدین، ثابت الروایت اور اپنے زمانے میں مقدم یعنی پیشوا و مقتدا تھے۔

قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کے تذکرے میں علامہ ابن ناصر الدین کا بیان اپنی کتاب رجال السند والہند میں نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں: [۳] "محمّد بن محمّد بن رجاء السّندی الاِسفرائینی ابوبکر کان حافظاً ثبتاً تقوم بہ الحجۃ والاحتجاج" ترجمہ:- شیخ ابوبکر محمد بن محمد بن رجاء السندی حافظ الحدیث، ثابت الروایت تھے ان سے حجت اور استدلال قائم ہوتا ہے۔

اسی طرح آپ کے ہندی مترجم ڈاکٹر محمد اسحٰق بھی آپ کی توصیف و تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ [۴]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۲۳ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ
[۲] ـــ
[۳] رجال السند والہند ص۲۳۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔
[۴] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۰۹ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

تصنیف و تالیفات

شیخ ابوبکر نے جس طرح تدریس و تحدیث سے علمِ حدیث کی نمایاں خدمت کی اسی طرح انہوں نے تصنیف و تالیف سے بھی اس فن شریف کی قابلِ تعریف معیار پر نشر و اشاعت کی۔

مترجمین و مورخین کا بیان ہے کہ آپ نے حدیث شریف کی ایک اعلیٰ تصنیف "الصّحیح" کے نام سے مرتب کیا تھا۔ جسے "المستخرج علی صحیح مسلم" کہتے ہیں۔

قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں، "وله مُستخرج علی صحیح مسلم بن حجاج"[1]

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ نے لکھا ہے: "مُصَنِّف الصحیح و مخرجه علی کتاب مسلم"[2] یعنی شیخ ابوبکر "الصحیح" کے مصنف ہیں اور اس کی تخریج امام مسلم کی کتاب (الصحیح) کے طریقے پر کی ہے۔

لیکن مولانا محمد اسلم کا بیان ہے کہ آپ نے دو کتابیں تصنیف کی ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں[3]

"ابوبکر نے احادیث کا ایک مجموعہ "الصحیح" کے نام سے مرتب کیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے امام مسلم بن حجاج نیشاپوری کی 'الصحیح' کا خلاصہ بھی تیار کیا تھا۔"

یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مولانا محمد اسلم کا ماخذ امام ذہبی کی کتاب "تذکرۃ الحفاظ" ہے جس کی اصل عبارت یہ ہے "مصنف الصحیح و مخرجه علی کتاب مسلم" مولانا موصوف نے عبارت ہذا کے پہلے شق "مُصنف الصحیح" کو ایک تصنیف اور دوسرے شق "و مخرجه علی کتاب مسلم" سے ایک دوسری تصنیف مراد لی ہے۔ حالانکہ اس عبارت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں۔ بلکہ پورے کلام سے مقصود صرف ایک تصنیف "الصحیح" ہے۔ اور عبارت کے دوسرے حصہ "و مخرجه علی کتاب مسلم"

---

[1] رجال السند والہند ص ۳۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۳۰ (امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن [illegible]

[3] سرمایۂ عمر ص ۱۵۵ (پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء۔

سے امام ذہبی کا مقصد اس بات کی وضاحت کرنی ہے کہ ان کی کتاب "الصحیح" میں تخریج احادیث امام مسلم کی "صحیح" کے طریقے پر کی گئی ہے۔ اس سے کوئی اور کتاب مقصود نہیں۔

قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی دوسری کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں واضح طور پر صرف ایک کتاب کی تصریح کی ہے۔ لکھتے ہیں:
"ابو بکر محمد بن محمد بن رجاء سندی جرجانی متوفی ۲۸۶ھ حافظ حدیث ہیں۔ اور صحیح مسلم کے انداز پر حدیث کی ایک اہم کتاب "مستخرج علی صحیح مسلم" لکھی ہے"۔[1]

الغرض: ~~سارے مترجمین و تذکرہ نگاروں نے آپ کی محض ایک تصنیف کا تذکرہ کیا ہے۔~~ اور ان کے بیانات سے آپ کی صرف ایک تصنیف ثابت ہوتی ہے۔

وفات

شیخ ابو بکر محمد بن محمد الحافظ اور امام حدیث نے ۲۸۶ھ ہجری ...... (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں وفات پائی۔[2]

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ:- مکتبۂ عارفین کراچی - ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء-
قاضی اطہر نے کتاب ہذا کے ص ۳۲۳ میں دوبارہ اس کا، انہی الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

[2] رجال السند والہند ص ۲۱۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتیلری بازار بمبئی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء،
تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۳۰ (حافظ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ
سرمایۂ عمر ص ۱۵۶ (پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء
معجم المؤلفین ج ۱۱ ص ۲۱۸ (علامہ شیخ عمر رضا کحالہ) مطبوعہ البرقی دمشق ۱۳۵۶ھ-
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۱
انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۰ (ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ بنگال) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

شیخ محمد بن رجاء

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور نام ونسب ہے شیخ محمد بن رجاء بن السندی النیسابوری الاسفرائینی[1] - آپ رجاء خاندان کے عظیم محدث اور محدثینِ سندھ کے مایہ ناز شخصیت تھے -

لیکن علامہ عمر رضا کحالہ نے آپ کی کنیت "ابوبکر" اور آپ کے لڑکے محمد بن محمد بن رجاء کی کنیت ابو عبداللہ لکھی ہے - اور شیخ محمد بن محمد بن رجاء کی تصنیف "الصحیح" کو ان کے والد شیخ محمد کی تصنیف قرار دی ہے - اور شیخ ابوبکر محمد بن محمد بن رجاء کے ترجمہ میں کسی تصنیف وتالیف کا ذکر ہی نہیں کیا ہے[2] - پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجم کو دونوں شخصیتوں میں ان کے اسمی اشتراک کے باعث کچھ سہو ومغالطہ ہوا ہے - کیونکہ ان کا بیان سارے تراجم کے خلاف ہے - چنانچہ امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) نے آپ کی کنیت ابو عبداللہ بتایا ہے - لکھتے ہیں، "محمد بن رجاء ابو عبداللہ النیسابوری والد محمد بن محمد وھو من اسفرائین رستاق نیسابور[3] .... الخ"

یعنی - شیخ محمد بن رجاء ابو عبداللہ نیشاپوری شیخ محمد بن محمد کے والد اور وہ نیشاپور کے قریہ اسفرائین سے ہیں -

امام سمعانی ابو سعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد الشافعی (م ۵۶۲ھ) بھی آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور آپ کے فرزند کی کنیت ابوبکر بتاتے ہیں - چنانچہ شیخ رجاء کے ترجمے میں لکھتے ہیں[4]، "ومن ولدہ ابوبکر محمد بن محمد بن احمد بن رجاء السندی

1. تاریخ بغداد ج ۵ ص ۲۷۶ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
کتاب الانساب ص ۳۱۲ (امام ابو سعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی الشافعی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء -
رجال السند والہند ص ۲۱۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء،
تاریخ الحدیث ص ۲۲۱ (پروفیسر عبدالصمد صارم الازہری) مطبوعہ آکسفورڈ اینڈ کیمبرج پریس لاہور ۱۹۶۳ء -
2. معجم المولفین ج ۹ ص ۳۰۷ (شیخ عمر رضا کحالہ) مطبوعہ الترقی دمشق ۱۳۵۷ھ -
3. تاریخ بغداد ج ۵ ص ۲۷۶ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء -
4. کتاب الانساب ص ۳۱۲ (امام ابو سعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ - مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء -

آگے شیخ ابوبکر کے والد کے ترجمے میں لکھتے ہیں[۱] "والدہ ابو عبد اللہ محمد بن رجاء بن السندی النیسابوری والد محمد بن محمد وھو من اسفرائین" اسی طرح دوسرے فضلائے مترجمین مثلاً امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی نے ... تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۲۳ میں، قاضی اطہر مبارکپوری نے رجال السند والہند ص۲۱۹ اور "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۵۵" میں، ڈاکٹر محمد اسحٰق نے انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۱۱ میں اور پروفیسر عبد الصمد الازہری نے تاریخ الحدیث ص۲۲۱ میں "ابو عبد اللہ" آپ کی کنیت اور "ابوبکر" آپ کے فرزند محمد بن محمد بن رجاء کی کنیت دکھائی ہے۔ اور کتاب "الصحیح" کو شیخ ابوبکر محمد بن محمد کی تصنیف قرار دی ہے۔

تحصیل حدیث واساتذہ۔

شیخ ابو عبد اللہ محمد بن رجاء کچھ عرصہ اپنے والد ماجد شیخ رجاء الحافظ سے درس حدیث لیتے رہے[عہ]۔ پھر بلخ جاکر شیخ مکی بن ابراہیم بن علی الذہلی سے علوم الحدیث کی تحصیل کی۔ اس کے بعد حج وزیارت بیت اللہ شریف کی خاطر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے مشائخ وائمہ حدیث سے حدیث میں مزید استفادہ کیا[۲]۔ علاوہ ازیں آپ نے اکثر حدیث کی سماعت وروایت حضرت نضر بن شمیل سے کی ہے[۳] جو دو واسطوں سے حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ جیسا کہ مرویات کے ضمن میں ذکر کیا جائیگا۔

امام سمعانی لکھتے ہیں۔ "سمع النضر بن شمیل ومکی بن ابراھیم بن علی الذھیلی ومحمد بن اسحٰق بن خزیمۃ[عہ] ترجمہ:۔ سماعت کی (شیخ ابو عبد اللہ نے) حضرت نضر بن شمیل، مکی بن ابراہیم بن علی ذہلی اور شیخ محمد بن اسحٰق بن خزیمہ سے۔

ا، عہ:۔ کتاب الانساب ج۱ ص۳۱۵ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر السمعانی م۵۶۲ھ) مطبوعہ لیڈن سنہ ۱۹۱۲ء۔
عہ عہ:۔ انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۱۱ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی سنہ ۱۹۵۵ء
۲ھ معجم المولفین ج۹ ص۳۰۶ (شیخ عمر رضا کحالہ) مطبوعہ البرقی دمشق سنہ ۱۳۵۷ھ۔
۳ھ تاریخ بغداد ج۵ ص۲۷۶ (علامہ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ قاہرہ مصر سنہ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء

تدریس واشاعتِ حدیث۔

شیخ ابوعبداللہ نے مکہ معظمہ سے واپسی پر بغداد شریف میں کچھ عرصہ قیام کرکے تدریس وتحدیث کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ آپ کی پہلی درس گاہ تھی۔ جہاں آپ سے ساکنان عراق ومکینان بغداد نے خاطر خواہ استفادہ کیا۔[۱]

دوسری درس گاہ۔

کچھ مدت کے بعد آپ اپنے وطن اسفرائین واپس تشریف لاکر درس وروایت میں مشغول ومصروف رہے۔ بالخصوص اپنے والد ماجد شیخ رجاء کی وفات (۲۲۱ھ) کے بعد ان کا حلقۂ درس چلاتے رہے۔ اس طرح آپ نے اپنی پوری زندگی تدریس وتحدیث اور اشاعتِ حدیث میں وقف وصرف کردی تھی۔[۲]

رُواۃ وتلامذہ۔

آپ سے بڑے بڑے حفاظ وائمہ مذاہب مثلاً شیخ ابن ابی الدنیا عبیداللہ بن محمد الحافظ (م ۲۸۱ھ) امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الصفار اور آپ کے فرزند محمد نے حدیث کی سماعت وتحصیل کی ہے۔[۳]

---

۱ ۔ انڈیا از کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۱-۲۱۰ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء۔

۲ ۔ رجال السند والہند ص ۳۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ ۱۹۵۸ء۔

۳ ۔

ع ۔ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۲۴۶ (آپ کی مرویہ حدیث موجود ہے)۔ مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۱ء۔ امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ۔

شیخ ابو عبد اللہ کا مقام

شیخ ابو عبد اللہ محمد بن رجاء، قرن سوم کے ثقہ رواۃ و فضلائے محدثین سندھ سے تھے۔ علم حدیث و فن روایت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ علمائے اصول و ماہرین جرح و تعدیل جیسا کہ پچھلے ابواب میں ذکر کیا جا چکا ہے اس گھرانے کو دار الحدیث اور اس خاندان کو حفاظ و محدثین کا گھرانا مانتے ہیں[1]۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم م ۴۰۵ھ آپ کے والد شیخ رجاء کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "رکن من ارکان الحدیث وفی اعقابہ حفاظ محدثون"[2]
ترجمہ:- (شیخ رجاء) حدیث کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے۔ اور اس کے پسماندوں یعنی اولاد میں حفاظ و محدثین ہیں۔

امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ لکھتے ہیں[3] "وکان رجاء وابنہ ابو عبد اللہ وابنہ ابو بکر ثلاثتہم ثقات اثباتا"۔ ترجمہ:- شیخ رجاء ان کے فرزند ابو عبد اللہ اور ان کے فرزند ابو بکر تینوں ثقہ اور ثابت الحدیث ہیں۔

قاضی اطہر مبارکپوری نے شیخ ابراہیم کا اس طبقۂ محدثین کے بارے میں یہ ریویو نقل کیا ہے "قال ابراہیم سمعت ابا عبد اللہ محمد بن یعقوب الحافظ یقول رجاء السندی وابنہ ابو عبد اللہ وابنہ ابو بکر ثلاثتہم ثقات[4]"، ترجمہ:- شیخ ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن یعقوب حافظ سے سنا کہ کہتے تھے کہ شیخ رجاء، اس کا لڑکا ابو عبد اللہ اور اس کا لڑکا ابو بکر تینوں ثقہ ہیں۔

ف۱ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی سنہ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔

ف۲ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۶۸ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ۔ رجال السند والہند ص ۲۱۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشمیری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔

ف۳ کتاب الانساب ص ۳۱۴ (امام ابو سعید عبد الکریم السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیڈن سنہ ۱۹۱۲ء۔ رجال السند والہند ص ۲۱۹۔

ف۴ رجال السند والہند ص ۲۱۹۔

مرویات :-

آپ کی مرویات میں سے علامہ خطیب البغدادی نے مندرجہ ذیل حدیثیں روایت کی ہیں۔ مگر پہلے ہم وہ حدیث بیان کرینگے جس کا تذکرہ امام سمعانی نے کیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق یہ حدیث شیخ ابوعبداللہ صاحب ترجمہ کی کتاب "الصحیح" سے لی گئی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

I

اخبرنا محمد بن احمد بن یعقوب اخبرنا محمد بن نعیم الضبی حدثنا ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الصفار املاءً قال حدثنا محمد بن رجاء السندی حدثنا النضر بن شمیل عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قال کلکم راعٍ وکلکم ..... مسئول عن رعیتہٖ "[1]

II [2]

اخبرنا علی بن محمد بن عبداللہ بن بشران معدل قال حدثنا ..... الحسین بن صفوان البروعی اخبرنا عبداللہ بن ابی الدنیا حدثنا محمد بن رجاء السندی اخبرنا النضر بن شمیل اخبرنا شعبۃ حدثنا ..... عدی بن ثابت قال سمعت سعید بن جبیر عن ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) قال جعل جبریل یدس الطین فی فی فرعون من اجل قولہ " لا الٰہ الا اللہ "۔[2]

وفات :-

شیخ ابوعبداللہ کی تاریخ وفات میں قدرے اختلاف ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق آپ کی تاریخ وفات ۲۴۶ھ / ۸۶۰ء بتاتے ہیں[3]۔ جبکہ شیخ عمر رضا کحالہ نے ۲۹۰ھ دکھائی ہے[4] اور یہ بہت بڑا فرق ہے۔ البتہ اگر آپ کے والد ماجد اور تلامذہ کے سال ہائے وفات[5] وزمانے کو مدنظر رکھا جائے تو ڈاکٹر محمد اسحاق کا قول قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] تاریخ بغداد ج۵ ص۲۷۶ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ مطبع السعادۃ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء

[2] (ایضاً)

[3] رجال السند والہند ص۲۱۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتبہ کیٹلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

[4] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۱۰-۲۱۱ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء۔

[5] معجم المؤلفین ج۹ ص۳۰۶ (شیخ عمر رضا کحالہ) مطبوعہ الترقی دمشق ۱۳۵۶ھ۔

[6] شیخ رجاء سال وفات ۲۲۶ھ / ۲۲۱ھ - تلامذہ - امام احمد بن حنبل م ۲۴۱ھ حافظ ابن ابی الدنیا م ۲۸۱ھ

شیخ احمد بن السندی۔

حسب ونسب:- آپ کا نام ونسب شیخ احمد بن السندی الباغی الرازی ہے۔ آپ کی کنیت بھی ابن السندی ہے۔

شیخ احمد قرنِ سوم کے رجالِ معتمدین و فضلائے محدثینِ سندھ سے تھے۔[1]

ابن السندی:- آپ کی اس نسبتی کنیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ سندی النسل ہیں۔ اسی بناء پر رجالِ سندھ وہند کے مترجم قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کو محدثین سندھ میں شمار کیا ہے۔[2] اور اسی وجہ سے آپ کے اصل مترجم بھی آپ کو اسی نسبت سے یاد کرتے ہیں۔[3] لیکن آپ کے حالات وسوانح حیات، ترکِ وطن اور درس وتدریس کا کوئی تفصیلی تذکرہ دستیاب نہ ہو سکا۔

آپ کے ترجمے کا اصل ماخذ امام ابو محمد عبدالرحمن ابن ابی حاتم کی کتاب "کتاب الجرح والتعدیل" ہے جس میں انہوں نے دو مقام پر آپ کا محض ضمنی تذکرہ کیا ہے۔[3] قاضی اطہر مبارکپوری انہیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، "قال القاضی لم اقف علی ذکر ھذا المحدث الکبیر غیر ما ذکرہ الرازی"۔[4]

ترجمہ:- میں اس محدث کبیر کے حالات سے سوائے اس کے کہ امام رازی نے بیان کیا ہے کچھ واقف نہ ہو سکا۔

قاضی اطہر نے اپنی دوسری کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں آپ کا ایک مجمل تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "احمد بن السندی رازی تیسری صدی ہجری کے علمائے حدیث میں ہیں۔ خراسان کے شہر رے میں رہتے تھے"۔[5]

---

[1] رجال السند والہند ص ۵۶ مطبوعہ کتیلر کا بازار بمبئی۔ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔ } قاضی اطہر مبارکپوری
[2] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۲۔ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی۔ ۱۳۹۶ھ/۱۹۶۷ء }

[3] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ۱ ص ۱۳۶ (امام ابو محمد عبدالرحمن ابن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن

[4] رجال السند والہند ص ۵۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی

[5] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۲۔

امام ابن ابی حاتم رازی نے ایک جگہ شیخ ابراہیم بن محمد کے تذکرے میں آپ کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں: "حدثنا عبد الرحمن نا ابی نا احمد بن السندی البا غی الرازی قال سمعت ابراهیم بن موسیٰ قال اخبرنی عبد الرحمن بن الحکم بن بشیر عن سفیان بن عیینة انه قال ذات یوم ما بقی احد اروی عن ابن المنکدر منی فقیل له ابراهیم بن ابی یحییٰ! قال انما نرید اهل الصدق"[1]

یہاں آپ کا بحیثیت راوی ذکر آچکا ہے۔

دوسرے مقام پر امام رازی نے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن حمید رازی کے ترجمے میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "نا عبد الرحمن قال سمعت ابی یقول حضرت حانوت عبد الرحمن ختن ابی عمران الصوفی انا واحمد بن السندی وعنده جزءان۔ فقلت هذان جزءان لك قال نعم قلت ممن سمعت قال عن ابی زهیر عبد الرحمن بن مغراء، فاذا مکتوب فی اول الجزء احادیث لمحمد بن اسحق ثم علی اثر ذلك شیوخ علی بن مجاهد والآخر احادیث سلمة بن الفضل۔ فقلت احد الجزئین هو من حدیث علی بن مجاهد والآخر احادیث سلمة بن الفضل۔ فقال لا۔ احدثنا به ابو زهیر۔ فعلمت علی احادیث منها غرائب حسان فلما رأیته قد لج ترکت الجزئین عنده وخرجت۔ ثم دخلت انا وابن السندی بعد ایام علی ابن حمید فقال هٰهنا احادیث لم ننظر فیه۔ فاخرج الی جزئین فاذا الاحادیث قد کتبه وقرأ مشاهیر مما مربی فی ذینك الجزئین۔ واذا قد کتب تلك الغرائب واذا هو یحدث بما کان فی الجزء الذی ذکرت انا العبد انه من حدیث علی بن مجاهد عن علی بن مجاهد والذی ذکرت انه عن سلمة یحدث به عن سلمة..... علی الاستواء فقلت لابن السندی تری هٰذه الاحادیث هی الاحادیث

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱ ص ۱۲۶ (امام ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ) مطبوعہ: دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن

التی رئیت فی الجزئین الذین کانا عند عبدک فلما خرجنا من عند ابن حمید و قد کتبت تلک الاحادیث الغرائب التی کنت اشتھیت ان اسمعہ من عبدک سمعتہ من ابن حمید - ورآھما فی حانوتی فاخذھما وذھب بھما "[1] ترجمہ :- ہمیں خبر دی شیخ عبدالرحمٰن نے (کہتے ہیں) میں نے اپنے والد سے سنا کہہ رہے تھے کہ میں اور شیخ احمد بن السندی شیخ ابو عمران صوفی کے داماد شیخ عبدک کی دوکان میں گئے - تو اس کے پاس دو جزء (حدیث کے رسالے) تھے تو میں نے (عبدک سے) کہا، کیا ! یہ جزء آپ کے ہیں ! کہا، ہاں - میں نے کہا، تو نے ان کی کس سے سماعت کی ؟ کہا شیخ ابو زہیر عبدالرحمٰن بن مغراء سے (میں نے دیکھا تو) ابتدا جزء میں شیخ محمد بن اسحٰق کی احادیث ہیں - پھر ان کے آخر میں شیخ علی بن مجاہد کے اساتذہ مذکور ہیں - اور دوسرا جزء شیخ سلمہ بن الفضل کی احادیث کا ہے - تو میں نے کہا ان دونوں جزؤں سے ایک شیخ علی بن بن مجاہد کی احادیث کا ہے اور دوسرا شیخ سلمہ بن الفضل کی حدیثوں کا - تو کہا کہ نہیں - نہیں - یہ حدیثیں ہم سے شیخ ابو زہیر نے بیان کی ہیں - تو میں نے ان میں غرائب حسان کی احادیث پہچان لیں - پس جب میں نے دیکھا کہ وہ انہیں مخفی کر رہا ہے تو میں دونوں جزؤں کو اس کے پاس چھوڑ کر نکلا -

پھر میں اور شیخ ابن السندی کچھ دنوں کے بعد شیخ ابن حمید کے پاس پہنچے تو (شیخ ابن حمید نے) کہا کہ یہاں کچھ احادیث ہیں ہم نے ان میں نظر نہیں ڈالی ہے اور میرے پاس دو جزء (حدیث کے رسالے) نکال لائے - (میں نے جو دیکھا) تو جو احادیث لکھی ہیں اور جو مشائخ پڑھے وہ وہی تھے جو ان دونوں جزؤں میں میری نظر سے گذری تھیں - اور وہی غرائب لکھے ہیں اور وہی احادیث بیان کر رہا ہے جو اس جزء میں تھیں جس کا میں نے شیخ عبدک سے ذکر کیا تھا کہ وہ شیخ علی بن مجاہد کی ہیں - وہ انہیں شیخ علی بن مجاہد سے بیان کر رہا ہے -

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج۱ قسم ۲ ص ۱۳۶ (امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی ۳۲۷ھ) مطبوعہ ادارہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن

اور وہ جزء جس کا میں نے کہا تھا کہ وہ شیخ سلمہ سے ہے، وہ اسے ہو بہو شیخ سلمہ سے روایت کر رہے ہے۔ تو میں نے شیخ ابن السّندی سے کہا، کیا! دیکھا آپ نے! کہ یہ احادیث وہی احادیث ہیں جنہیں میں نے ان دونوں جزؤں میں دیکھا تھا جو شیخ عبدک کے پاس تھے۔

پھر جب ہم شیخ ابن حمید کے یہاں سے نکلے اور میں نے وہ غرائب احادیث لکھ چکا تھا جن کی مجھے خواہش تھی کہ شیخ عبدک سے انہیں سنوں، میں نے انہیں شیخ ابن حمید (ابو عبداللہ محمد بن حمید الرازی) سے سننے۔ اور دیکھا ان جزؤں کو (شیخ ابن السّندی نے) تو انہیں اٹھالیا اور لے گیا۔

اِن متذکرۂ بالا بیانات کی روشنی میں مندرجہ ذیل چند نکات واضح ہوتے ہیں

(۱) شیخ احمد بن السّندی امام ابو حاتم (مترجم ابو محمد عبدالرحمٰن کے والدِ ماجد) کے ہم عصر تھے۔

(۲) دونوں مشائخ (شیخ ابن السّندی اور امام ابو حاتم رازی) کا آپس میں بہت گہرا تعلق تھا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اکثر علمی مجالس و محافل اور سفر و حضر میں ہم رکاب و ہم سفر رہا کرتے تھے۔

(۳) امام ابو حاتم رازی نے آپ سے روایت اخذ کی ہے۔

(۴) امام ابن ابی حاتم ابو محمد عبدالرحمٰن نے صاحب ترجمہ سے اپنی ملاقات کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ ابن السندی ان کی پیدائش سے قبل یا ان کی بالکل طفولیت کے زمانے میں سن شعور سے پہلے وفات پاگئے تھے۔

(۵) شیخ ابن السّندی کو احادیث کی تحصیل و جمع کرنے کا بے حد شوق و شغف رہتا تھا۔ جب شیخ ابو حاتم نے اپنی مطلوبہ احادیث شیخ ابن حمید سے لکھ کر رکھ دیں تو آپ وہ سب کے سب ان سے لے کر لے گئے۔

قاضی اطہر مبارکپوری علامہ ابن ابی حاتم کا مذکورہ بیان نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں[1] " وبھذا الظھر شدۃ اعتنائہ بالاحادیث والروایات "
ترجمہ :- اور اسی سے آپ کی احادیث و روایات سے شدید توجہ اور گہری دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے -

الباغی الرازی :-

چونکہ آپ خراسان کے علاقہ "رے" کے قصبہ "باغ" میں سکونت پذیر تھے اس لئے آپ کو "الباغی الرازی" کہتے ہیں -
یعنی اصل و نسل اور وطن اصلی کے لحاظ سے شیخ احمد کو السندی اور وطن اقامت و سکونت کے اعتبار سے آپ کو الباغی ، الرازی کہا جاتا ہے[2]

وفات :-

شیخ احمد بن السندی کی تاریخ وفات کا کوئی تذکرہ دستیاب نہ ہو سکا البتہ اس بات سے کہ آپ امام ابو حاتم ۲۷۷ھ کے ہم عصر تھے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ تیسری صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے محدثین سے تھے - اسی بناء پر قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کو قرن سوم کے رجال میں شمار کیا ہے[3]

---

[1] رجال السند والہند ص۵۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشیری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء -

[2] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۵۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء -

[3] رجال السند والہند ص۵۶ ، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۵۲ -

شیخ الفضل بن السکین رحمۃ اللہ علیہ

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابوالعباس اور نام ونسب شیخ الفضل بن السکین بن سحیت القطیعی البغدادی السندی ہے۔[1]

شیخ ابوالعباس اپنے آبائی واجدادی وطن کے اعتبار سے سندھی اور وطن سکونت کے لحاظ سے القطیعی، البغدادی شمار ہوتے ہیں۔ لیکن آپ کی صحیح شہرت وتعارف آپ کے نسبتی نام السندی سے ہوتا ہے۔

علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

"الفضل بن سکین بن سحیت ابوالعباس القطیعی یعرف بالسندی وکان اسود۔[1]" ترجمہ:- شیخ ابوالعباس الفضل بن السکین بن سحیت القطیعی، (اپنے نسبتی نام) "السندی" سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور سانولے تھے۔

شیخ الفضل چونکہ بغداد کے مشہور محلہ قطیعہ[2] میں سکونت پذیر تھے اس لئے انہیں القطیعی کہا جاتا ہے۔

ترکِ وطن :-

شیخ الفضل کا سال وزمانہ ہجرت معلوم نہ ہوسکا۔ کسی مترجم نے اس کا بیان نہیں کیا ہے۔ لیکن آپ کے نام ونسب کا عربی وضع قطع اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ خاندان قدیم زمانے میں ترک وطن کرکے عرب پہنچ گیا ہوگا۔ جہاں ان کی پیدائش ہوئی اور انہیں ان عربی ناموں سے نوازا گیا۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۳۶۲ (علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
رجال السند والہند ص ۱۹۲ (قاضی ابوالمعالی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء۔

[2] القطیعہ :- قطیعہ بغداد میں سات مشہور محلوں کا نام ہے جنہیں خلیفہ المنصور العباسی ۱۵۸ھ نے زعمائے سلطنت کی اقامت وسکونت کی خاطر عطا کئے تھے۔
بستان المحدثین (اردو ترجمہ) (علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) مطبوعہ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی ۱۳۳۴ھ

شیوخ و اساتذہ

شیخ ابو العباس الفضل نے حدیث کی سماعت و تحصیل شیخ صالح بن البیان الساحلی اور شیخ واحد بن محمد الرملی سے کی تھی[1]

آخذین و تلامذہ

آپ کے تلامذہ و رواۃ میں شیخ ابو یعلی احمد بن علی بن المثنی (م ۳۰۷ھ)، شیخ محمد بن موسیٰ بن حماد البربری، شیخ ابراہیم بن عبد اللہ المخرمی اور شیخ محمد بن محمد الباغندی مذکور ہیں[2]

مرویات

علامہ خطیب البغدادی نے آپ کی مندرجہ ذیل حدیث اپنی کتاب تاریخ بغداد میں روایت کی ہے۔

"اخبرنا ابو الحسن محمد بن عبد الواحد حدثنا عمر بن محمد بن علی الناقد ..... حدثنا ابراهیم بن عبد الله بن ایوب المخرمی حدثنا الفضل بن سخیت ..... القطیعی حدثنا صالح بن بیان حدثنا المسعودی عن القاسم بن عبد الرحمن عن ابیه عن عبد الله بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قال دخلت المسجد ورسول الله صلی الله علیه وآله وسلم جالس فسلمت وجلست فقلت لاحول ولاقوة الا بالله فقال لی النبی صلی الله علیه وآله وسلم الا اخبرک بتفسیرها قلت بلی یارسول الله فقال لاحول عن معصیة الله الا بعصمة الله ولاقوة علی طاعة الله الا بعون الله - وضرب منکبی وقال هکذا اخبرنی بها جبرئیل یا ابن ام عبد"[3]

۱ۃ ۳ۃ تاریخ بغداد جلد ۱۲ صفحہ ۳۶۲ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
۲ۃ رجال السند و الہند صفحہ ۱۹۲-۹۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء -

وفات ؎

شیخ الفضل کی تاریخ وفات کا اہل قلم نے کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ البتہ آپ کے شاگرد ابویعلی الموصلی کی تاریخ وفات (۳۰۷ھ) سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی وفات قرن سوم کے اواخر یا قرن چہارم کے اوائل میں واقع ہوئی ہوگی۔

واللہ اعلم بالصواب۔

اَلبابُ الرّابِعُ۔

قرنِ چہارم کے رجال ؒ

قرن چہارم

(۱) شیخ ابو اسحٰق ابراہیم۔

حسب ونسب:۔ آپ کی کنیت ابو اسحٰق اور نام ونسب ہے شیخ ابراہیم بن السندی بن علی بن بہرام الاصبہانی ہے۔ آپ قرن چہارم کے فضلائے محدثین وعلمائے اصولیین سے ہیں۔

شیخ ابو اسحٰق اصل ونسل اور وطن اصلی کے اعتبار سے سندھی اور وطن سکونت واقامت کے لحاظ سے اصفہانی کہلاتے ہیں۔[۱]

شیخ ابو اسحٰق کے حالات وسوانح حیات کی کوئی تفصیل کتب تراجم میں مذکور نہیں بحض آپ کے والد کا نسبتی نام "السندی" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ خاندان وادئ سندھ کی پیداوار ہے۔ اور یہ کہ سندھ سے آپ کا والد ہجرت کرکے اصفہان پہنچا جہاں لوگ اسے وطن سے منسوب کرکے "السندی" پکارنے لگے اور وہ اسی نام سے مشہور ہوگیا۔

اِسی بناء پر قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کو رجال سندھ میں شمار کیا ہے۔[۲]

شیوخ واساتذہ۔

شیخ ابو اسحٰق نے حدیث کی سماعت وتحصیل شیخ محمد بن ابی عبدالرحمٰن المقری اور شیخ محمد بن زیاد الزیادی سے کی ہے۔[۳]

رُواۃ وتلامذہ۔

آپ سے شیخ ابراہیم بن محمد حمزہ، شیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر، شیخ محمد بن یوسف اور شیخ سلیم بن احمد نے حدیث کی سماعت وروایت کی ہے۔[۴]

۱؎ ۲؎ ۳؎ ۴؎ :۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۳۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء۔
قاضی اطہر نے شیخ ابو اسحٰق کا ترجمہ امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی کی کتاب "تاریخ مدینۃ اصبہان" قلمی نسخہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ کو نقل کیا ہے جو شیخ الاسلام مدینہ منورہ کے کتبخانہ میں موجود تھا۔ (حاشیہ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۳)

علاوہ ازیں حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی (م ۴۳۰ھ) نے ایک واسطہ سے آپ سے روایت لی ہے۔ اس طرح سے حافظ ابو نعیم اصفہانی ایک واسطہ سے آپ کے شاگرد اور آپ ایک واسطہ سے ان کے شیخ ہوتے ہیں
قاضی اطہر لکھتے ہیں، "ابو نعیم اصفہانی نے ایک واسطہ سے آپ سے روایت کی ہے اور صاحب اصول بتایا ہے" [1] قاضی صاحب موصوف آپ کے حالاتِ حلیہ میں لکھتے ہیں:
"سرخ رنگ کا خضاب استعمال کرتے تھے" [2]

وفات [3]

شیخ ابو اسحٰق نے ۳۱۰ھ میں وفات پائی [3]

[1، 2] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۳۰ ۔ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء۔
قاضی اطہر مبارکپوری۔
[3] بحوالہ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ کی تاریخ مدینہ اصفہان قلمی نسخہ۔ (کتب خانہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ)
تاریخ نقل ترجمہ ۔ ۲۲۔ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ۔

شیخ ابو جعفر محمد بن ابراہیم

حسب و نسب :- آپ کی کنیت ابو جعفر اور نام و نسب ہے شیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللہ الدیبلی المکی مجاور مکۃ المکرمہ -

آپ کی پیدائش سندھ کے مشہور ساحلی شہر دیبل میں ہوئی[1]۔ سال پیدائش کا کوئی تذکرہ نہیں مل سکا - اور آپ کا مقامِ ہجرت و وفات مکۃ المکرمہ ہے ۔ اصحاب تراجم آپ کو وطن اصلی و مقامِ ولادت کے اعتبار سے الدّیبلی السّندی اور وطنِ ہجرت و مقامِ سکونت و مجاورت کے لحاظ سے المکّی اور مجاور مکہ کہتے ہیں :-

علامہ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی م ۶۲۶ھ "دیبل" کے تذکرے میں لکھتے ہیں "مَدینۃ مشھورۃ علےٰ ساحِل بحر الھند وَقد ینسَبُ الیھا قوم مِنَ الرّواۃ مِنھم ابوجعفر محمد بن ابراھیم الدیبلی جاور مکۃ"[2] ترجمہ :- (دیبل) بحر ہند کے کنارے پر ایک مشہور شہر ہے ۔ جس کی طرف راویانِ حدیث کی ایک قوم منسوب کی جاتی ہے ۔ جن میں سے شیخ ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی جو مکۃ المکرمہ میں مجاور بنے تھے -

قاضی اطہر مبارکپوری آپ کا ترجمہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں ، "ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی مکی - آپ محدث مکہ کے لقب سے مشہور ہیں - دیبل سے جاکر مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت و مجاورت اختیار فرمائی - اور مجاور مکہ کہلائے"۔

اسی طرح مولانا عبدالعلیم نے بھی آپ کا ایسا تذکرہ لکھا ہے[3]

---

[1] "بر سرزمین سندھ میں علم حدیث" (مخدوم امیر احمد العباسی) "الرحیم" مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ جولائی ۱۹۷۳ء

[2] معجم البلدان ج ۲ ص ۴۹۵ (علامہ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی م ۶۲۶ھ) مطبوعہ بیروت سنہ ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء -

[3] تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱۳ (مولانا عبدالعلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی - مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی سنہ ۱۹۷۹ء ، ابو جعفر دیبلی اور قرونِ مکاتیب نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) مرتبہ مولانا عبدالشہید نعمانی - پاکستان میں فروغ عربی -

ترکِ وطن اور تحصیلِ علوم۔

شیخ ابو جعفر نے ابتدائی تعلیم اپنے شہر و وطن میں حاصل کی۔[۵۱] لیکن اعلیٰ تعلیم کے شوق و شغف نے آپ کو ترکِ وطن پر مجبور کیا۔[۵۲] چنانچہ آپ اس مقصدِ عظمیٰ کی خاطر عراق پہنچے جو ان دنوں دنیا میں علوم اسلامی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ آپ نے وہاں کافی عرصہ سکونت اختیار کی۔ اور فضلائے محدثین و زعمائے مفسرین سے علوم تفسیر و حدیث کی تحصیل و تکمیل کی۔ پھر مکہ مکرمہ جا کر وہاں کے مشائخ حدیث سے بھی استفادہ کیا۔[۵۳]

شیوخ و اساتذہ۔

شیخ ابو جعفر کے شیوخ میں مندرجہ ذیل مشائخ قابل ذکر ہیں۔[۵۴]

۱۔ شیخ حسین بن حسن بن حرب المسمیٰ بابن عبد اللہ المروزی (م ۲۴۶ھ) جن سے آپ نے امام ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن المبارک المروزی (م ۱۸۱ھ) کی کتاب "کتاب البر و الصلۃ" کی سماعت و روایت کی ہے۔ یعنی شیخ دیبلی ایک واسطہ سے امام ابن المبارک کے شاگرد اور امام موصوف ایک واسطہ سے آپ کے شیخ شمار ہوتے ہیں۔

۲۔ شیخ سعید بن عبد الرحمٰن بن حسان ابو عبید المخزومی (م ۲۴۹ھ)۔ جن سے شیخ ابو جعفر نے امام سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) کی کتاب "کتاب التفسیر" ~~کی روایت~~ کی سماعت و روایت کی ہے۔

۳۔ شیخ محمد بن احمد بن زید بن عبد اللہ القرشی ابو یونس المدنی (م ۲۵۰ھ) جن سے آپ نے مکاتیب النبی (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) پر مشتمل "جزء الدیبلی" کی روایت کی ہے۔

اور علاوہ ازیں آپ نے شیخ ابو صالح محمد بن زنبور بن ابی الازہر المکی (م ۲۴۸ھ) اور شیخ عبد الحمید بن صبیح سے بھی حدیث اخذ کیا ہے۔[۵۵]

---

۵۱ تذکرہ علمائے دیبل ص ۱۳۔ پاکستان میں فروغ عربی ص ۲۲۵ (مولانا عبد العلیم ندوی) مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی سن ۱۹۶۱ء و

۵۲ } تذکرہ علمائے دیبل، ابو جعفر دیبلی (مرتبہ مولانا عبد الشہید نعمانی) پاکستان میں فروغ عربی۔

۵۳ } سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا میر احمد مخدوم العباسی) مطبوعہ "الرحیم" شاہ ولی اللہ اکیڈمی جولائی سن ۱۹۶۳ء۔ حیدرآباد سندھ

۵۴ :۔ تذکرہ علمائے دیبل۔ (مولانا عبد الحلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی۔ و مولانا عبد الشہید نعمانی۔ مقالہ ابو جعفر دیبلی۔

۵۵ معجم البلدان ج ۲ ص ۹۵ (علامہ ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی م ۶۲۶ھ) مطبوعہ بیروت (شام) ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء۔

آخذین و تلامذہ۔

آپ سے شیخ ابو علی نیشاپوری الحافظ، شیخ ابو الحسن احمد بن ابراہیم بن فراس المکی، شیخ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی المقری الحافظ، شیخ اسحٰق بن احمد بن خربان النہاوندی، شیخ احمد بن عبد اللہ بن سعید ابو العباس الدیبلی اور شیخ احمد بن رحیم وغیرہم نے حدیث کی سماعت و روایت کی ہے[1]

شیخ احمد ... کا ... آگے لکھ...

چند شبہات۔ I

قاضی اطہر مبارکپوری نے شیخ ابو الحسن احمد بن ابراہیم بن فراس المکی اور شیخ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی المقری کو آپ کے شیوخ کی فہرست میں شامل کیا ہے[2] جب کہ مولانا عبد العلیم نے تذکرہ علمائے دیبل میں انہیں آپ کے تلامذہ و رواۃ میں شمار کیا ہے[3]

II دوم یہ کہ شیخ عبد الحمید بن صبیح کو قاضی اطہر مبارکپوری اور مولانا عبد العلیم نے آپ کے شیوخ میں گنا ہے[4] لیکن مخدوم امیر احمد عباسی نے انہیں آپ کے تلامذہ میں شامل کیا ہے[5]

اگرچہ بظاہر ان بیانات میں قدرے تضاد نظر آ رہا ہے لیکن فی الحقیقت ان میں کوئی بنیادی تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے شیخ ابو جعفر دیبلی نے ان مشائخ سے روایت لی ہو اور پھر جب آپ خود علم و فضل کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو کر مسند درس پر بیٹھے تو ان اکابرین نے آپ سے حدیث اخذ کیا ہو۔

ایسے محدثین و علمائے اصول کی اصطلاح میں "روایۃ الاکابر عن الاصاغر"

---

[1] تذکرہ علمائے دیبل۔ پاکستان میں فروغ عربی ص ۳۳۶ (ابو جعفر دیبلی) مرتبہ مولانا عبد الشہید نعمانی (عبد العلیم ندوی)

[2] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء۔

[3] تذکرہ علمائے دیبل پاکستان میں فروغ عربی ص ۳۳۶

[4] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۲ (قاضی اطہر مبارکپوری)
تذکرہ علمائے دیبل پاکستان میں فروغ عربی ص ۳۳۶

(یعنی بڑوں کا چھوٹوں سے روایت کرنا) کہتے ہیں۔ اور یہ معیوب و ناپسندیدہ بھی نہیں ہے بلکہ عام و مقبول اور مستحسن ہے۔ اس باب میں محدثین کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (م ۱۲۵ھ) جو امام مالک بن انس (رحمہما اللہ تعالیٰ) کے استاد ہیں خود ان سے فریعہ بنت مالک بن سنان کی حدیث "معتدہ کے سکنیٰ کے بارے میں" روایت کرتے ہیں [1]

اس سے شیخ ابوجعفر دیبلی کی عظمت شان کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ کے شیوخ و اساتذہ بھی آپ سے استفادہ کرتے نظر آرہے ہیں۔

الغرض! شیخ دیبلی نے مکہ مکرمہ میں درس و روایتِ حدیث کا چشمۂ فیض جاری کرکے عرب کے عوام و خواص اور طلباء و علماء کو فیضیاب و سیراب کیا۔ اس لئے مترجمین رجال آپ کو "محدثِ مکہ" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

تصنیف و تالیف۔

شیخ ابوجعفر دیبلی نے تدریس و تحدیث کے ساتھ ساتھ اس فن شریف میں تصنیف و تالیف سے بھی قابل تعریف کارنامے سر انجام دئے۔ لیکن آپ کی تصنیفات میں صرف "جزء الدیبلی" کا تذکرہ ملتا ہے۔ جو مکاتیب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے اس مضمون میں منظم طریقے سے کوئی پہلی اور مستقل تصنیف آپ ہی کی ہو سکتی ہے مولانا عبدالشہید نعمانی مصنفِ فاضل دیبلی کی اس شہ کار کی توصیف میں لکھتے ہیں

"ہماری معلومات کے مطابق اس مضمون پر باقاعدہ کسی مستقل تصنیف کے آغاز کا سہرا محدثِ ابوجعفر الدیبلی کے سر ہے" [2]

تصنیف

الجزءُ الدَّیبلی۔

اصطلاح محدثین میں "الجزء" احادیث کے اس مجموعے کو کہتے ہیں جس میں مصنف نے

[1] بستان المحدثین (اردو) ص ۱۶۔۱۵ (شاہ عبدالعزیز المحدث الدهلوی) مطبوعہ کلام کمپنی کراچی ۱۳۴۴ھ

[2] پاکستان میں فروغ عربی ص ۳۹۳ (ابوجعفر دیبلی اور تدوین مکاتیب نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) - مرتبہ مولانا عبدالشہید نعمانی) مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی - ۱۹۸۵ء

صرف ایک صحابی، یا ایک راوی کی مرویات یا محض ایک مضمون سے متعلق احادیث جمع کی ہوں۔

چونکہ شیخ ابوجعفر نے اپنے اِس مجموعے میں محض ایک صحابی "حضرت عمرو بن حزم رضؓ" کی مرویات جمع کی ہیں اور وہ بھی صرف ایک نوع حدیث یعنی مکاتیب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر مشتمل ہیں۔ اس لئے آپ کے رسالے کو "جُزءُ الدّیبلی" کہتے ہیں۔

اس میں کل پچیس مکاتیب ہیں۔ جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں۔ مثلاً کچھ جاگیروں کے وثیقے ہیں اور کچھ امان نامے۔ اور بعض میں احکامات ہیں۔ اِن میں ایک مفصل ہدایت نامہ بھی ہے جسے حضور پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت عمرو بن حزم (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کو لکھوا دیا تھا۔ جب کہ انہیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا[۵۱]

شیخ ابوجعفر یہ سب احادیث حضرت عمرو بن حزم رضؓ سے صرف دو واسطوں سے روایت کرتے ہیں[۵۲] یعنی شیخ ابوجعفر دو واسطوں سے حضرت عمروؓ کے شاگرد اور حضرت عمروؓ دو واسطوں سے آپ کے شیخ واستاد ہیں۔

مولانا عبدالشہید نعمانی کا بیان ہے کہ "جزء الدیبلی" کو شیخ شمس الدین حافظ محمد بن علی بن طولون نے اس رسالے کو اپنی تصنیف "اِعلام السائلین عن کتب سیّد المرسلین" (صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلّم) کے آخر میں شامل کیا ہے جو مکمل سند کے ساتھ منقول ہے[۵۳]

شیخ ابن طولون کی مذکورہ کتاب کا ان کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا قلمی نسخہ کتبخانہ ظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے۔ اور دوسرا ایک نسخہ جس میں جزء الدیبلی بھی شامل ہے مکتبۃ القدسی والبدیہ دمشق سے ۱۳۴۸ھ میں شائع ہوا ہے[۵۴]

[۵۱]، [۵۲]، [۵۳]، [۵۴] — ابوجعفر دیبلی اور تدوین مکاتیب نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) مرتبہ مولانا عبدالشہید نعمانی۔ پاکستان میں فروغ عربی ص ۳۳۷ تا ۳۳۸۔ مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی۔ ۱۹۷۵ء۔

حافظ ابن طولون کے علاوہ جزء الدیبلی کی روایت شیخ ابو جعفر دیبلی کے مشہور شاگرد شیخ ابو علی نیشاپوری الحافظ نے بھی کی ہے۔[1]

جزء الدیبلی کا ایک مکتوب۔[2]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - هٰذَا الْكِتَابُ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ لِعَظِيمِ الْمُحَارِبِيِّ أَنَّ لَهُ الْمُجْمَعَةَ مِنْ رَامِسٍ لَا يُحَاقُهُ فِيهَا أَحَدٌ[2]

(وَكَتَبَ الْأَرْقَمُ)

شیخ ابو جعفر نے مندرجہ صدر مکتوب گرامی کو حسب ذیل سند سے روایت کی ہے

"حدثنا عبد الملك ابن ابي بكر محمد ابن عمرو بن حزم عن ابيه عن جده عمرو بن حزم قال كتب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لعظيم: "هٰذَا الْكِتَابُ ..... الخ[3]

علامہ ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی (م ۶۲۶ھ) نے اسی "فرمان" کو اپنی کتاب "معجم البلدان" میں مذکورہ بالا سند سے روایت کی ہے[4]۔ اسی طرح یہ مکتوب اسی اسناد سے طبقات ابن سعد میں بھی مذکور ہے۔[5]

---

[1] [2] [3] پاکستان میں فروغ عربی ص ۳۳۶-۳۸ (ابو جعفر دیبلی اور تدوین مکاتیب نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) مرتبہ مولانا عبد الشہید نعمانی -) مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی۔ ۱۹۷۵ء۔

[4] پاکستان میں فروغ عربی ص ۳۳۷ - بحوالہ معجم البلدان امام ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی م ۶۲۶ھ۔

[5] طبقات ابن سعد - بحوالہ پاکستان میں فروغ عربی ص ۳۳۷ -

مرویات

جزء الدیبلی کے علاوہ شیخ ابوجعفر کی اور مرویہ احادیث بھی مذکور ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل حدیث کو امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ) نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں روایت کی ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری نے اسے اپنی کتاب "رجال السند والھند" میں نقل کیا ہے[1]۔ I

اَخبرتنا فاطمۃ بنت جوھر الوالزبیدی انبا نا ابوالفتح الطائی انبانا زین الحافظ احمد بن نصر نا عبدالرحمٰن بن عمرو العطار انباء احمد بن فراس بمکۃ ثنا محمد بن ابراھیم الدیبلی ثنا الحسین بن الحسن المروزی انبا محمد بن علی ثنا شعبۃ عن ابی اسحٰق عن البراءؓ قال اھدیت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم حلۃ من حریر فجعل اصحابہ یلمسونھا ویعجبون من لینھا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم "مناديل سعد بن معاذ فی الجنۃ افضل او خیر مما ترون"[1]

حافظ ابن عبدالبر ابوعمر یوسف بن عبداللہ (م ۴۶۳ھ) نے آپ کی مندرجہ ذیل حدیث اپنی کتاب "جامع بیان العلم" میں روایت کی ہے۔ II

حدثنا سعید بن نصر وسعید بن عثمان قالا حدثنا احمد بن رحیم قال حدثنا محمد بن ابراھیم الدیبلی قال حدثنا ابوعبداللہ المخزومی قال حدثنا سفیان بن عیینۃ قال حدثنا عمرو بن دینار قال اخبرنی سعید بن جبیر قال قلت لابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) ان نوفا البکالی یزعم ان موسیٰ صاحب الخضر لیس بموسیٰ بنی اسرائیل فقال کذب۔ حدثنا ابی بن کعب ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم (فذکر الحدیث بطولہ)[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ - امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ - بحوالہ رجال السند والھند ص ۲۰۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ - بمبئی - ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۸ء

[2] جامع بیان العلم - حافظ امام ابن عبدالبر ابوعمر یوسف بن عبداللہ م ۴۶۳ھ - بحوالہ رجال السند والھند ص ۲۰۵ -

وفات

شیخ ابوجعفر دیبلی نے اپنی ساری زندگی مجاورتِ مکۃ المکرمہ اور خدمتِ امتِ مرحومہ میں بسر کر کے جمادی الاول ۳۲۲ھ ہجری (علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بخاکِ حرمِ پاک وفات پائی ۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ) [1]

[1] رجال السند والہند ص ۲۰۵ ۔ مطبوعہ کتیبکری بازار بمبئی ۔ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء ۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۳ ۔ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء ۔ } قاضی اطہر مبارکپوری

پاکستان میں فروغِ عربی ص ۳۳۷ ۔ مقالہ ابوجعفر دیبلی ۔ (مولانا عبدالشہید نعمانی) ۔
مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی ۔ ۱۹۷۵ء ۔

شیخ ابراہیم بن محمد الدیبلی

حسب ونسب:- آپ کا نام ونسب شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن عبداللہ الدیبلی البغدادی ہے۔ آپ چوتھی صدی ہجری (علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے مشاہیر ومحدثینِ سندھ سے ہیں۔[ع۵]

چونکہ آپ رحلت وہجرت کے دوران اپنے والد ماجد کے ساتھ ہم رکاب وہم سفر رہے تھے اِس لیئے بعض مترجمین[۱] نے آپ کو ساکن بغداد اور بعض نے مکین مکۃ المکرمہ قرار دیا ہے[۲]۔ لیکن رجال السند والہند[۳] کے تعارفی عنوان اور دوسرے تراجم کے تذکرہ وبیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی مستقل سکونت بغداد شریف میں تھی۔

چنانچہ قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی دوسری کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں واضح طور پر اس کی تصریح کی ہے۔ لکھتے ہیں، "ابراہیم بن محمد بن ابراہیم دیبلی بغدادی، چوتھی صدی میں دیبل کے مشاہیر علمائے حدیث میں سے تھے۔ آپ نے موسیٰ بن ہارون، اور محمد بن علی الصائغ الکبیر وغیرہ سے حدیث کی روایت کی تھی۔ اور اعیان بغداد میں تھے۔"[۴]

اسی طرح علامہ خطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) نے تاریخ بغداد میں اور امام سمعانی (م ۵۶۲ھ) نے کتاب الانساب میں آپ کو محض بغداد کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی کتابیں آپ کے

۱:- مولانا عبدالحلیم ندوی۔ تذکرہ علمائے دیبل ص۳۳۳ پاکستان میں فروغِ عربی۔ و مولانا عبدالشہید نعمانی مقالہ ابوجعفر دیبلی پاکستان میں فروغ عربی مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی ۱۹۶۵ء۔

۲:- پروفیسر محمد اسلم۔ سرمایۂ عمر ص۱۷۳ مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء۔

۳:- رجال السند والہند ص۶۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء۔

۴:- ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۶۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔

ع۵:- رجال السند والہند ص۶۲، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۶۰۔

ترجمے کے اصل ماخذ ہیں۔ اس لئے یہی قول صحیح ہو سکتا ہے کہ آپ کی مستقل سکونت و اقامت بغداد میں تھی۔ اور جن مبصرین نے آپ کو مکۃ المکرمہ سے منسوب کیا ہے اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ شیخ ابراہیم اپنے والد ماجد کے ایام حیات میں ان کے ساتھ مکۃ المکرمہ میں رہائش پذیر تھے اور ان کی وفات کے بعد بغداد منتقل ہو گئے۔ اس لئے آپ المکی بھی کہلاتے ہیں اور البغدادی بھی۔

شیوخ و اساتذہ۔

شیخ ابراہیم دیبلی نے حدیث کی تحصیل و سماعت شیخ موسیٰ بن ہارون اور شیخ محمد بن علی الصائغ الکبیر اور اس قرن کے دوسرے حفاظ و ائمہ حدیث سے کی تھی۔ علامہ ابو سعید عبدالکریم السمعانی م ۵۶۲ھ اس سلسلے میں لکھتے ہیں، "یروی عن موسیٰ بن هارون و محمد بن علی الصائغ الکبیر و غیرهما"۔[۱] اسی طرح دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی آپ کے ان شیوخ کا تذکرہ کیا ہے[۲]۔

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ کسی تذکرے میں یہ بیان نہیں ملتا کہ شیخ ابراہیم نے اپنے والد ماجد سے بھی درس لیا ہے۔ اس کی صحیح وجہ معلوم نہ ہو سکی کہ آپ کے والد ماجد کا نام کیونکر فہرست شیوخ میں مذکور نہیں۔

آخذین و تلامذہ۔

آپ کے تلامذہ و رواۃ میں صرف شیخ ابو یعلی حمزہ بن محمد بن حمزہ قزوینی کا نام مذکور ہے[۳]۔

وفات:۔

شیخ ابراہیم کی صحیح تاریخ وفات کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ آپ کے مترجمین آپ کے والد کے قرن و سال وفات کے پیش نظر آپ کو چوتھی صدی کے محدثین میں شمار کرتے ہیں[۴]۔

۱۔ کتاب الانساب ص ۲۳۶ (امام ابو سعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء

۲۔ پاکستان میں فروغ عربی ص ۳۳ (مقالہ مولانا عبدالشہید نعمانی)
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء۔
صرف علامہ حموی نے شیخ موسیٰ بن ہارون کا ذکر کیا ہے۔ (معجم البلدان ج ۲ ص ۴۹۵) مطبوعہ بیروت ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء۔

۳۔ تاریخ بغداد ج ۶ ص ۷۷ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ بیروت ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء۔

۴۔ رجال السند والهند ص ۔۔ مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۰۔ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۔ قاضی اطہر مبارکپوری۔

شیخ ابو العباس احمد بن عبد اللہ

حسب و نسب:- آپ کی کنیت ابو العباس اور نام و نسب[لے] شیخ احمد بن عبد اللہ بن سعد الزاہد الدیبلی النیسابوری ہے۔

شیخ ابو العباس قرنِ چہارم کے زہادِ محدثین و رجالِ کاملین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ تارک الدنیا، طالب المولیٰ اور خدا ترس و خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کا طریقہ و طرزِ زندگی کیا تھی؛ فقر و عبادت، زہد و ریاضت، مزاج میں سادگی، خوراک سادہ، لباس پشمینہ اور اکثر برہنہ پا پھرا کرتے تھے۔ اسی بناء پر آپ کو "الزاہد" کے لقب سے متصف کیا جاتا ہے[عہ]۔ علامہ ابو سعید عبد الکریم السمعانی آپ کا ترجمہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں، "احمد بن عبد اللہ بن سعد ابو العباس الدیبلی من الغرباء المتقدمین ومن الفقراء الزہاد" اور آگے لکھتے ہیں[لے]، "وکان یلبس الصوف وکان یمشی حافیا"۔ یعنی پشمینہ لباس پہنتے تھے اور اکثر ننگے پاؤں چلتے تھے۔

شیخ ابو العباس وطن جدی و پدری کے اعتبار سے دیبلی، سندھی اور وطن سکونت و اقامت کے لحاظ سے نیشاپوری کہلاتے ہیں[ع]۔

ترکِ وطن اور تحصیل علم و فن:-

شیخ دیبلی نے علوم حدیث کی تحصیل و جستجو میں وطن مادری کو خیر باد کہہ کر ممالک اسلامیہ

لے:- کتاب الانساب ص ۲۳۷ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن سنہ ۱۹۱۲ء۔

لے } تذکرہ شیخ دیبل ص ۳۱۳، ۳۱۵ (مولانا عبد العلیم زروی) مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی ۱۹۷۵ء۔

فقہائے ہند جلد ص ۹۴، ۹۶ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء طبع اول۔

عہ } [illegible] ص ۱۱۰ مطبوعہ [illegible] ۱۹۷۶ء، رجال السند والہند ص ۵۲، ۵۶ مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۶ھ، ۱۹۵۷ء، قاضی [illegible]

[illegible] ص ۱۲۳ (مولانا محمد [illegible]) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء۔

کے مشہور مراکزِ علمی کے بلاد و امصار مثلاً مکۃ المکرمہ، بغداد شریف، بصرہ، مصر، دمشق، بیروت، حران، تستر، عسکر اور نیشاپور وغیرہ کا سیر و سفر کیا۔ اور وہاں کے ائمۂ وقت و حفاظ حدیث سے علوم حدیث و فنون شریعت کی تحصیل و تکمیل کی۔

شیوخ و اساتذہ :-

آپ کے شیوخ و اساتذہ جن کا امام سمعانی نے ذکر کیا ہے حسب ذیل ہیں :-
بصرہ میں شیخ ابو الخلیفہ القاضی، بغداد میں شیخ جعفر بن محمد الفریابی، مکۃ المکرمہ میں شیخ المفضل بن محمد الجندی اور شیخ محمد بن ابراہیم الدیبلی، مصر میں شیخ علی بن عبدالرحمن اور شیخ محمد بن زبان، دمشق میں شیخ ابو الحسن احمد بن عمیر بن جوصا، بیروت میں شیخ ابو عبدالرحمن مکحول الشامی (جو اپنے وقت کے امام حدیث تھے)، حران میں شیخ ابو عروبہ الحسین بن ابی معشر المعشری، تستر میں شیخ احمد بن زہیر التستری، عسکر میں شیخ مکرم بن عبدان بن احمد الحافظ اور نیشاپور میں شیخ ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ (جو امام و حافظ حدیث اور مصنف صحیح ہیں) اور ان کے ہم عصر دوسرے ائمہ و مشائخ حدیث سے بھی آپ نے سماعت و تحصیل حدیث کی ہے۔ امام سمعانی آپ کے متذکرہ بالا شیوخ و اساتذہ کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں، "واقرانہم" یعنی ان کے ہمعصروں سے۔

آخذین و تلامذہ :-

آپ کی نیشاپور کی درسگاہِ خانقاہ میں اپنی ساری زندگی علوم و فنون کے لیل و نہار میں کھپانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ سے بیشمار شائقین علم و فن اور علماء و فضلاء نے

ص ا { کتاب الانساب ص ۲۳۶ (امام ابو سعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی ۵۶۲ھ م) مطبوعہ لیدن سنہ ۱۹۱۲ء۔
رجال السند والہند ص ۵۶-۵۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشیلری بازار بمبئی سنہ ۱۳۷۷ھ م ۱۹۵۸ء
تذکرہ علمائے دیبل (مقالہ علامہ عبدالعلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی۔ مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی۔ ۳۱۴-۳۱۵ سنہ ۱۹۷۵ء }

سماعت و اخذ حدیث کیا ہو گا۔ لیکن آپ کے تذکرے میں امام سمعانی نے محض امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم صاحب المستدرک المتوفی (سنہ ۴۰۵ھ) کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں، "سمع عنہ الحاکم ابو عبد اللہ الحافظ"[1] یعنی ان سے حدیث کی سماعت کی امام ابوعبداللہ الحاکم الحافظ نے۔

نیشاپور میں مستقل قیام و مشاغل :-

شیخ ابوالعباس جس زمانے میں نیشاپور پہنچے اس وقت وہاں محدث کبیر امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ الحافظ کی درسگاہ خانقاہ شیخ حسن بن یعقوب الحدادی میں جاری تھی۔ آپ خانقاہ میں رہائش پذیر ہو کر تحصیل حدیث و فقہ میں مشغول و مصروف ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد شہر نیشاپور کے اندرونی علاقے میں آپ کی شادی ہو گئی۔ اور صاحب اولاد بنے۔

لیکن زندگی بھر آپ کے درس و تدریس اور عبادت و ریاضت میں تا زمو جبنا فرق نہ آیا۔ آپ کا تادم زیست معمول و مشغلہ یہ رہا کہ دن بھر درسگاہ خانقاہ میں علوم و فنون کے درس و تدریس میں ہمہ تن مشغول و مصروف رہتے اور پانچ وقت کی نماز باجماعت جامع مسجد میں ادا کرتے اور رات اپنے گھر میں بچوں کے ساتھ گذارنے کے لئے شہر تشریف لے جاتے جو خانقاہ سے کافی فاصلے پر تھا۔[2]

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ ابوالعباس مشاغل خانگی و فرائض عیالداری کی ادائگی کے باوجود بھی اپنے علمی و عملی مشاغل کی سرانجام دہی اور تعبد و دین داری

[1] کتاب الانساب ورق ۲۳۳ (امام ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن سنہ ۱۹۱۲ء
رجال السند والہند [illegible] (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی [illegible]

[2] کتاب الانساب ورق ۲۳۳ (امام سمعانی)
فقہائے ہند [illegible] (محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ [illegible] ثقافت اسلامیہ لاہور [illegible] طبع اول۔
رجال السند والہند [illegible] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں [illegible] (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی [illegible]

میں بھی ایک مردِ عامل و فردِ کامل واقع ہوئے تھے۔

لیکن افسوس! کہ اس محدث کبیر و عالمِ شہیر کی نہ کسی تصنیف کا ذکر ملا اور نہ... آپ کی کوئی روایت دستیاب ہو سکی۔

وفات :- ۱؎

شیخ ابو العباس دیبلی نے رجب المرجب ۳۴۳ھ ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں نیشاپور میں وفات پائی۔ اور حیرہ کی قبرستان میں دفن کئے گئے (رحمہ اللہ)

۱؎ :- کتاب الانساب ص ۲۳۷ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن سنہ ۱۹۱۲ء۔
رجال السند والہند ص ۵۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشیلری بازار بمبئی ۱۳۷۸ھ ۱۹۵۸ء۔
فقہائے ہند جلد ۱ ص ۹۶ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۴ء۔ طبع اول۔
تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱۲ تا ۳۱۵ (مولانا عبد الحلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی۔
مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی۔ سنہ ۱۹۶۱ء

شیخ احمد رح بن القاسم

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابوبکر اور نام ونسب یہ ہے شیخ احمد بن القاسم بن سیما المعدل البیع البغدادی ابن السندی [1]

شیخ احمد قرن چہارم کے مشاہیر سندھ سے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو بغداد میں اصل وطن سے منسوب کرکے "ابن السندی" پکارا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی پہچان وشناخت اسی کنیت "ابن السندی" سے ہی ہوتی تھی۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی اس سلسلے میں لکھتے ہیں "ویعرف بابن السندی [2]" یعنی (شیخ احمد) "ابن السندی" (نسبتی کنیت) سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور یہ اس بات کی قوی حجت ودلیل ہے کہ شیخ احمد نسل واصل کے لحاظ سے سندھی تھے۔ عرب وعراقی نہیں تھے۔ اور بغداد سے آپ کی نسبت محض سکونت واقامت کے اعتبار سے ہے۔

عہدے ومشاغل۔

شیخ ابن السندی بغداد میں دو عہدوں پر متعین تھے۔

(I) آپ "مُعَدِّل" تھے۔ یعنی سرکاری طور پر لوگوں کی شہادت کی عدالت میں توثیق وتصدیق کرتے تھے [3]

قاضی اطہر مبارکپوری اس کی تشریح میں لکھتے ہیں، "المعدّلُ هو الذی یشهد لعدالة الناس عند القاضی عند المحاکمة ویخبره عن احوالهم وکان المعدلون یکتبون اسماء الناس وصفاتهم فی دیوان لهم وکان تکون هذه الوظیفة من الحکومة [4]" ترجمہ :- المعدل وہ شخص ہے جو

---

[1] [2] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۵۴ (علامہ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
رجال السند والہند ص ۵۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتابی بازار بمبئی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۲ مطبوعہ کراچی - قاضی اطہر۔

[3] رجال السند والہند ص ۵۶
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء۔

مقدمات میں قاضی کے پاس لوگوں کی صداقت (گواہی وغیرہ میں) کی تصدیق کرتا ہے۔ اور قاضی کو ان کے احوال سے مطلع کرتا ہے۔
اور معدلین (یعنی اس عہدے پر متعین افسران) لوگوں کے نام ونسب اور ان کے کوائف اپنے دفتروں میں لکھا کرتے تھے۔ اور یہ عہدہ حکومت کی جانب سے متعین ہوتا تھا

II البیّع :- یعنی آپ شہر میں لوگوں کے درمیان مکانات وغیرہ کی خرید و فروخت میں وکالت و دلالی کا کام سرانجام دیتے تھے۔ اس لئے آپ کو "البیع" کہتے تھے[۱]
قاضی اطہر اس کی توضیح وتشریح میں لکھتے ہیں، "البیع ھو متولی البیاعۃ والتوسط فی الخانات بین البائع والمشتری من التجار لا متیعۃ"[۲]
ترجمہ :- وہ کچھ معاوضہ پر تجار سے بائع ومشتری کے درمیان مکانوں اور سراؤں کی خرید وفروخت کے معاملہ میں متولی وتوسط یعنی وکیل وذریعہ تھے۔
آپ کا ان عہدوں پر فائز ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ بغداد میں صاحب اعتماد وصاحب اثر شخصیت تھے۔ اور حکومت وعوام کا آپ پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ اور یہی وہ صفات وخصائل ہیں جو ایک محدث کے لئے بہت ضروری ہیں۔

شیوخ واساتذہ۔

شیخ ابن السندی نے تحصیل وسماعت حدیث شیخ احمد بن اسمٰعیل الادمی اور شیخ اسمٰعیل بن محمد الصفار سے کی ہے۔[۳] اور شیخ ابو جعفر محمد بن ابراہیم الدیبلی

آخذین وتلامذہ۔

آپ کے تلامذہ ورواۃ میں شیخ عبدالعزیز بن علی الازجی کا نام گرامی مذکور ہے[۴]

[۱] رجال السندو الہند ص۵۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشمیری بازار بمبئی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۵۴ (قاضی اطہر) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء۔
[۲] رجال السندو الہند ص۵۷ (قاضی اطہر)
[۳] تاریخ بغداد ج۶ ص۳۵۳ (علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء۔
[۴] رجال السندو الہند ص۵۷۔

جن کے توسط سے علامہ خطیب البغدادی نے آپ کی روایات واحادیث حاصل کی ہیں۔

خطیب البغدادی اس سلسلے میں خود لکھتے ہیں "حَدَّثَنِیْ عَنْہُ عبدالعزیز بن علی الازجی وقال کان احد الشھود المعدلین[1]" ترجمہ:۔ مجھ سے شیخ عبدالعزیز بن علی الازجی نے ان سے (شیخ ابن السندی سے) حدیث بیان کی۔ اور کہا کہ وہ شہود معدلین میں سے ایک تھے۔

خطیب البغدادی کے بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ ابن السندی علامہ خطیب کے ایک واسطہ سے شیخ اور آپ شیخ ابن السندی کے ایک واسطہ سے شاگرد ہیں۔

وفات

شیخ ابن السندی کی کوئی صحیح اور متعین تاریخ وفات مذکور نہیں۔ البتہ قاضی مبارکپوری نے آپ کے قرن وصدی کی نشاندہی کی ہے۔ لکھتے ہیں "قال القاضی کان احمد بن القاسم بن السندی من رجال المائۃ الرابعۃ[2]" ترجمہ:۔ قاضی کہتے ہیں کہ شیخ احمد بن القاسم بن السندی چوتھی صدی کے رجال سے تھے۔ اور یہی تذکرہ قاضی موصوف نے اپنی دوسری کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں بھی کیا ہے[3]۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۵۲ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء
رجال السند والہند ص ۵۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتبہ حجازیہ بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔

[2] رجال السند والہند ص ۵۷۔

[3] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔ ص ۱۵۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء۔

بن محمد مواز بینی دیبلی کے ذکر میں امام علی بن موسیٰ دیبلی کی درسگاہ کی نشاندہی کی ہے جو دیبل میں تھی اور جس میں امام خلف بن محمد دیبلی نے اپنے شیخ امام علی بن موسیٰ دیبلی سے حدیث پڑھی"۔

علامہ خطیب البغدادی اس سلسلے میں امام خلف کا اپنا بیان پیش کر کے لکھتے ہیں "قال خلف بن محمد الدیبلی حدثنا علی بن موسی الدیبلی بالدیبل الخ" ترجمہ: شیخ خلف بن محمد دیبلی کہتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی شیخ علی بن موسیٰ دیبلی نے دیبل میں۔

بغداد کی درسگاہ حدیث :- امام علی بن موسیٰ کچھ زمانے کے بعد بغداد شریف تشریف لے گئے اور وہاں تحدیث و تدریس کا سلسلہ جاری کر کے عرب و عجم کے تشنگانِ دین کو سیراب و فیضیاب کرتے رہے۔

امام خلف کا اس درسگاہ میں بھی آپ سے حدیث اخذ کرنا ثابت ہے۔ امام ابوبکر خطیب البغدادی نے تاریخ بغداد میں ۲ ؎ امام ابو سعید السمعانی نے کتاب الانساب میں ۴ ؎ امام خلف کے تذکرے میں لکھتے ہیں، "نزل بغداد وحدث بہا عن علی بن موسی الدیبلی"... الخ یعنی (شیخ خلف) بغداد میں اترے اور امام علی بن موسیٰ دیبلی سے حدیث کی روایت کی۔

پروفیسر محمد اسلم آپ کی دونوں درسگاہوں کی تدریس و تحدیث کا اس طرح بیان کرتے ہیں "آپ چوتھی صدی کے مشہور محدثین سے ہیں۔ آپ دیبل سندھ میں درس حدیث دیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے بغداد شریف گئے۔ جہاں بہت علماء نے ان سے حدیث کی سماعت کی"۔ ۵ ؎

قاضی اطہر مبارکپوری نے بھی ان کی تصریح کی ہے۔ لکھتے ہیں: "آپ چوتھی صدی کے کبار محدثین میں سے ہیں۔ اپنے شہر دیبل میں حدیث کا درس دیتے تھے۔ چنانچہ خلف بن محمد دیبلی نے دیبل ہی میں آپ سے روایت کی ہے۔ آپ نے بغداد میں بھی حدیث کی روایت کی ہے"۔ ۶ ؎ اسی طرح قاضی موصوف نے امام خلف بن محمد کے ترجمے میں بھی ان دونوں درسگاہوں کا بیان کیا ہے ۷ ؎

---

۱ ؎ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء۔

۲ ؎ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۳۳ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء۔

۳ ؎ رجال السند والہند ص ۱۸۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ حجازی بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔

۴ ؎ کتاب الانساب ص ۲۳۷ (امام ابو سعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی الشافعی ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء۔

۵ ؎ سرمایہ عمر ص ۱۶۱ (پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۶۷ء۔

۶ ؎ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) ۷ ؎ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۱۔

مرویات ؎۱

شیخ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) نے آپ کی مندرجہ ذیل حدیث اپنی کتاب تاریخ بغداد میں روایت کی ہے۔ جسے قاضی اطہر نے بھی نقل کی ہے۔

أخبرني ابو نصر احمد بن محمد بن احمد الوتار اخبرنا احمد بن عمر ان حدثني خلف بن محمد الديبلي المواز يني صدوقنا حدثنا علي بن موسى.... الديبلي بالديبل حدثنا داؤد بن صغير واخبرني احمد بن محمد العتيقي حدثنا علي بن عمر الحربي حدثنا عبيد الله بن عبد الله الصيرفي ابو العباس في درب الثلج حدثنا داؤد بن صغير حدثنا ابو عبد الرحمن الشامي عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال كلام اهل السموات لا حول ولا قوة الا بالله“ ؎۱

وفات ؎۲

شیخ علی بن موسیٰ چوتھی صدی ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے مشائخ سے ہیں۔ لیکن آپ کی تاریخ وفات کی کسی مترجم و مورخ نے تعیین نہیں کی ہے۔

؎۱ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۳۳ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء۔
رجال السند والہند ص ۱۱۳ تا ۱۱۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کمیٹری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

؎۲ رجال السند والہند ص ۱۰۸۔ } قاضی اطہر مبارکپوری
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۳۳ }
سترہ باید عمر ص ۱۶۱ (پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء۔ تذکرۂ علمائے دیبل ص ۳۱۶ (علامہ عبد العلیم ندوی) پاکستان میں فروغ علم...
فقہائے ہند ج ۱ ص ۹۹ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع اول ۱۹۷۳ء۔

شیخ خلف بن محمد المواز ینی۔

حسب ونسب:- آپ کا نام ونسب شیخ خلف بن محمد الموازینی الدیبلی البغدادی ہے۔ آپ قرن چہارم کے کبار محدثین سندھ وائمہ حدیث میں شمار ہوتے ہیں[1]۔

امام خلف کا اصل وطن دیبل (سندھ) اور مسکن بغداد شریف تھا۔ لہٰذا آپ دونوں نسبتوں (الدیبلی اور البغدادی) سے منسوب ومتصف ہوتے ہیں۔
لیکن اصحاب تراجم نے آپ کے ترکِ وطن کے کوائف وحالات حیات کی کوئی تفصیل نہیں بتائی ہے۔ آپ کے ترجمے کے اصل ماخذ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی کی کتاب "تاریخ بغداد" اور امام ابوسعید السمعانی کی کتاب "کتاب الانساب" ہیں۔ فاضل مترجموں نے بہ یک زبان آپ کا ترجمہ حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "خلف بن محمد الموازینی الدیبلی نزل بغداد وحدث بها عن علی بن موسیٰ الدیبلی"[2]۔ ترجمہ:- شیخ خلف بن محمد الموازینی الدیبلی بغداد تشریف لائے اور یہاں شیخ علی بن موسیٰ دیبلی سے حدیث کی روایت کی۔
علاوہ ازیں خطیب البغدادی امام خلف کا اپنا ایک بیان روایت کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں[3]، قال خلف بن محمد الدیبلی حدثنا علی بن موسیٰ الدیبلی بالدیبل "یعنی خلف بن محمد دیبلی کہتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی شیخ علی بن موسیٰ دیبلی نے دیبل میں۔
ان بیانات وروایات بالخصوص آپ کی مرویہ حدیث کی اسناد میں غور وخوض سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ اصل ونسل کے لحاظ سے دیبلی سندھی اور نزول واقامت کے اعتبار سے بغدادی ہیں۔ دوم یہ کہ آپ کی شیخ علی بن موسیٰ سے تحصیل حدیث پہلے دیبل میں ہوئی تھی۔ بعد میں آپ بغداد تشریف لے گئے جہاں آپ نے ان سے دوبارہ حدیث کی روایت کی۔ پھر خود تدریس وتحدیث میں مشغول ومصروف رہے۔

۱۔ رجال السند والہند ص ۱۴۳۔۱۵۰ مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۹۱ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء (قاضی اطہر)، تذکرہ علمائے دیبل ص ۲۶ (مولانا عبدالحلیم ندوی)، پاکستان میں فروغ علوم، سرمایہ عمر ص ۱۹۱ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۶۵۔۹۶ (مولانا عبدالحی بن فخر الدین الحسینی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء۔

۲۔ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۳۳ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء۔ ۳۔ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۳۳
کتاب الانساب ص ۲۳۶ (امام ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی الشافعی ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء۔

شیوخ واساتذہ۔

امام خلف کے اساتذہ میں امام علی بن موسیٰ دیبلی کا ذکر ملتا ہے۔ آپ نے شیخ موصوف سے ان کی دونوں درسگاہوں (دیبل اور بغداد کی) میں تحصیل وسماعت حدیث کی تھی۔ امام خطیب البغدادی شیخ خلف کی، دیبلی درسگاہ میں شیخ علی بن موسیٰ سے سماعت حدیث کے بارے میں ان کا اپنا بیان روایت کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں [1]

"قال خلف بن محمد الدیبلی حدثنا علی بن موسی الدیبلی بالدیبل"

ترجمہ:- امام خلف بن محمد دیبلی کہتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی شیخ علی بن موسیٰ دیبلی نے دیبل میں۔

اور اسی طرح خطیب البغدادی اور امام سمعانی نے آپ کے ترجمے میں بغدادی درسگاہ میں بھی آپ کی امام علی بن موسیٰ سے سماعت وروایتِ حدیث کا بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں [2]، "نزل بغداد وحدث بها عن علی بن موسی الدیبلی"

یعنی (شیخ خلف بن محمد الموازینی الدیبلی) بغداد شریف میں تشریف لائے۔ اور یہاں شیخ علی بن موسیٰ دیبلی سے حدیث کی روایت کی۔

اسی طرح باقی مترجمین نے بھی آپ کی امام علی بن موسیٰ سے دونوں مقامات میں تحصیل حدیث کا تذکرہ کیا ہے [3]

تدریس حدیث وتلامذہ۔ [4]

امام خلف تحصیل علوم وفنون کے بعد خود تدریس وتحدیث کا سلسلہ جاری کرکے شائقین علم وتشنگان دین کو سیراب وفیضیاب کرتے رہے۔

---

[1] تاریخ بغداد ج۲ ص۳۳۳ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/سنہ ۱۹۳۱ء۔

[2] رجال السند والہند ص۱۱۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۷۷ھ/سنہ ۱۹۵۸ء۔
تاریخ بغداد ج۲ ص۳۳۳۔
کتاب الانساب ص۲۳۵ (امام ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن۔ سنہ ۱۹۱۲ء۔
رجال السند والہند ص۱۱۳

[3] تذکرہ علمائے دیبل ص۳۱۴۔ (مولانا عبدالعلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی۔
نزہۃ الخواطر ج۱ ص۶۶ (علامہ ابوالحسنات عبدالحی بن فخرالدین م۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۴۷ء۔
سندھ میں علم حدیث (مولانا ابو محمد [illegible]) [illegible] مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ جولائی سنہ ۱۹۶۳ء۔

مولانا عبد العلیم ندوی آپ کی سماعت و تحصیل حدیث اور خدمتِ دین و.... تدریس و تحدیث کے بارے میں لکھتے ہیں؂۱ " علی بن موسیٰ دیبلی سے اپنے وطن اور جائے سکونت دونوں جگہ حدیث کی سماعت کی۔.... اور فیضِ استفادہ جاری کیا۔"
آپ کے تلامذہ و رواۃ میں صرف شیخ ابو الحسن احمد بن محمد بن عمران ... بن الجُندی کا نام مذکور ہے؂۲

مرویات ۔

امام ابو بکر خطیبؒ البغدادی نے آپ کی مرویات میں سے مندرجہ ذیل حدیث روایت کی ہے ۔ " اخبرنی ابو النصر احمد بن محمد بن احمد الوتار اخبرنا احمد بن عمران حدثنی خلف بن محمد الدیبلی المواز ینی صدیقنا حدثنا علی بن موسیٰ الدیبلی بالدیبل حدثنا داؤد بن صغیر و اخبرنی احمد بن محمد العتیقی حدثنا علی بن عمر الحربی حدثنا عبید اللہ بن عبد اللہ الصیرفی ابو العباس فی درب الثلج حدثنا داؤد بن صغیر حدثنا ابو عبد الرحمٰن الشامی النوا عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قال کلام اھل السموات ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔"؂۳
چونکہ یہ حدیث امام خطیب البغدادی نے آپ سے دو واسطوں سے روایت کی ہے اس لئے خطیب البغدادی دو واسطوں سے آپ کے شاگرد اور آپ دو واسطوں سے ان کے شیخ و استاذ شمار کئے جاتے ہیں ۔

وفات کتبِ تراجم میں آپ کی وفات کی کوئی متعین تاریخ مذکور نہیں ہمارے تذکرہ نگار محض اس قدر بتاتے ہیں کہ آپ قرنِ چہارم کے رجال سے ہیں ۔؂۴

؂۱ تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱۶ (مولانا عبد العلیم ندوی) پاکستان میں فروغِ عربی ۔
؂۲ کتاب الانساب ص ۲۳۶ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی ۵۶۲ھ م) مطبوعہ لیڈن ۱۹۱۲ء ۔
تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۳۳ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ م) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
سرمایہ عمر ص ۱۶۱ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء ، رجال السند والہند ص ۱۱۴-۱۱۵ (قاضی اطہر) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء
؂۳ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۳۳ (امام خطیب البغدادی) ، رجال السند والہند ص ۱۱۵ ۔
؂۴ رجال السند والہند ص ۱۱۵ ، تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱۶ ، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ جامعہ کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء

شیخ ابو بکر محمد بن حسین بن احمد

شیخ محمد بن حسین الدیبلی۔

حسب ونسب:۔ آپ کی کنیت ابو بکر اور نام ونسب یہ ہے شیخ محمد بن حسین بن محمد الدیبلی الشامیؒ۔ آپ قرن چہارم کے سندھی علمائے حدیث سے ہیں۔ [1]
شیخ محمد بن حسین اصل ونسل اور وطن اصلی کے لحاظ سے دیبلی (سندھی) اور وطن سکونت واقامت کے اعتبار سے شامی ہیں۔ اسی بناء پر مترجمین آپ کو دونوں نسبتوں سے یاد کرتے ہیں۔ [2]

ترکِ وطن وتحصیل علوم۔

شیخ ابو بکر کی مفصل سوانح حیات اور ابتدائی تعلیمی حالات کا کوئی ذکر نہیں ملا اور نہ آپ کے ترک وطن وہجرت کی صحیح تاریخ معلوم ہو سکی۔
البتہ آپ کے شیخ ابو داؤد نیشاپوری کی تاریخ وفات (۳۳۹ھ) کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے وطن عزیز سے کم از کم قرن چہارم کے ربع اول یا زلزلہ دیبل (۲۸۰ھ) کے واقعہ کے بعد رختِ سفر باندھ کر شام پہنچ گئے۔ جہاں آپ نے مستقل سکونت اختیار کی اور شیخ ابو داؤد موصوف نزیل دمشق سے ان کی وفات ... (۳۳۹ھ) سے قبل تحصیل حدیث کی۔

شیوخ واساتذہ۔

شیخ ابو بکر دیبلی کے شیوخ واساتذہ میں شیخ ابو داؤد نیشاپوری نزیل دمشق المتوفی ۳۳۹ھ قابل ذکر ہیں۔ جن سے آپ نے دمشق میں درس حدیث لیا۔ [3]
علاوہ ازیں آپ نے فن تجوید میں امام ہارون اخفش کے تلامذہ شیخ محمد بن احمد

[1] رجال السند والہند ص ۲۱۶ مطبوعہ کیٹلری بازار بمبئی (ہند) ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء } قاضی اطہر مبارکپوری
[2] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۲ ۔ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۔ ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء
[3] تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱۴ ۔ (مولانا عبد العلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی ۔ مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی ۱۹۸۵ء

اور شیخ جعفر بن حمدان سے قرأت کی سماعت و روایت کی۔[۱]

رواۃ و تلامذہ

آپ کے مکتب فیض و چشمۂ فیضان سے بہت سے تشنگانِ دین و شائقین حدیث و قرآن سیراب و فیضیاب ہو گئے۔

آپ کے تلامذہ و رواۃ میں بالخصوص امام ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی الحافظ ۳۸۵ھ[۲] صاحب سنن کی شخصیت قابل فخر ہے۔

شیخ دیبلی سے امام دار قطنی کا حدیث و روایت اخذ کرنا آپ کے علمی فضل و کمال اور وجاہت و ثقاہت کی ایک قوی حجت ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالعلیم ندوی آپ کے انہی فضائل و خصائل کے پیش نظر لکھتے ہیں: "آپ نہایت ثقہ تھے"۔[۳]

علاوہ ازیں شیخ عبد الباقی بن الحسن نے بھی آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔[۴]

وفات

شیخ ابوبکر دیبلی کی تاریخ وفات کا کتب تراجم میں کوئی تذکرہ نہیں ملا۔ البتہ مترجمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ قرن چہارم کے محدثین سے ہیں۔ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں:

قال القاضی کان رحمہ اللہ تعالیٰ من رجال المائۃ الرابعۃ فان من احد شیوخہ ابو داؤد النیسابوری نزیل دمشق مات سنۃ ۳۳۹ھ[۵] ترجمہ: قاضی کہتے ہیں کہ (شیخ ابوبکر دیبلی) رحمہ اللہ تعالیٰ چوتھی صدی کے رجال سے تھے کیونکہ ان کے اساتذہ میں سے ایک شیخ ابو داؤد نیشاپوری نزیل دمشق ہیں جو ۳۳۹ھ میں فوت ہوئے۔

۱ھ رجال السند والہند ص ۲۱۶ مطبوعہ کتیلری بازار بمبئی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء } قاضی اطہر مبارکپوری۔

۲ھ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۳ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء }

۳ھ تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱۴ (مولانا عبدالعلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی۔ مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی ۱۹۷۹ء

۴ھ

۵ھ رجال السند والہند ص ۲۱۶۔

۶ھ تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱۴۔

تصنیف و تالیف -

شیخ ابو عبد اللہ کی تصنیفات کے بارے میں اکثر اہل قلم و اصحاب تراجم خاموش نظر آتے ہیں۔ البتہ علامہ سمعانی کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا کوئی مجموعۂ احادیث ضرور تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں[1]: "وقدم بغداد حاجاً وحدث بها بحديث "كلكم راع" ولم يكن في روايته عن عائشة (رضي الله تعالى عنها) فلما رجع ونظر في كتابه ولم يجد فيه ذكر عائشة (رضي الله تعالى عنها) فكتب اليهم بذالك۔" ترجمہ:- (شیخ ابو عبد اللہ) حج کرتے ہوئے بغداد تشریف لائے اور وہاں حدیث "كلكم راع" سنائی۔ اور ان کی روایت یعنی سلسلہ اسناد میں "عن عائشة (رضي الله تعالى عنها)" نہیں تھا۔ پھر جب واپس ہو گئے اور اپنی کتاب میں دیکھا اور اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر نہیں پایا تو ان لوگوں کو اس کے بارے میں لکھ بھیجا یعنی جس اسناد سے حدیث کی روایت کی گئی تھی وہ صحیح ہے۔ علاوہ ازیں شیخ عمر رضا کحالہ نے آپ کے ترجمے میں آپ کی ایک تصنیف "الصحیح علی شرط مسلم" کا واضح طور پر ذکر کیا ہے[2]۔

الغرض! ان بیانات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ضرور کوئی کتاب لکھی ہے اور ہو سکتا ہے کہ شیخ کحالہ کی روایت کے مطابق وہ بھی "الصحیح علی شرط مسلم" ہو۔ لیکن وہ اس قدر مشہور نہ ہوئی جس قدر آپ کے فرزند شیخ ابوبکر کی "الصحیح" مشہور ہوئی۔ اس لئے باقی مترجمین نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

ف١ کتاب الانساب ص ٣١٢ (امام ابو سعید عبد الکریم السمعانی م ٥٦٢ھ) مطبوعہ لیدن ١٩١٢ء -

ف٢ معجم المؤلفین جلد ١٠ ص ٣٠٧ (شیخ عمر رضا کحالہ) مطبوعہ الترقی دمشق ١٣٧٦ھ -

شیخ حسین بن محمد الدیبلی۔

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابوالقاسم اور نام ونسب شیخ حسین بن محمد بن اسد الدیبلی الدمشقی ہے[1]۔ آپ قرن چہارم کے ممتاز محدثین سندھ میں شمار ہوتے ہیں۔ شیخ ابوالقاسم اصل ونسل اور وطن اصلی کے اعتبار سے دیبلی اور مقام سکونت واقامت کے لحاظ سے دمشقی کہلاتے ہیں[2]۔

ترکِ وطن اور تحصیل علم وفن۔

شیخ ابوالقاسم دیبلی علوم الحدیث کے طلب وشوق میں اپنا وطن عزیز چھوڑ کر دمشق جا پہنچے۔ اور وہاں کے مشائخ کبار وحفاظ حدیث سے حدیث کی سماعت وتحصیل کی[3]۔ لیکن آپ کا سنہ ہجرت کتب تراجم میں مذکور نہیں۔ البتہ آپ کے شیخ ابویعلی موصلی کی تاریخ وفات (٣٠٧ھ) سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ آپ کم از کم شیخ موصوف کے سال وفات سے دس پندرہ بیس سال پہلے دمشق پہنچ چکے ہونگے۔ جہاں آپ نے ان سے حدیث کی سماعت کی۔

شیوخ واساتذہ۔

آپ کے شیوخ میں شام کے محدث کبیر امام حدیث حافظ شیخ ابویعلی احمد بن علی بن المثنیٰ الموصلی صاحب المسند والمعجم (م ٣٠٧ھ) قابل ذکر ہیں۔

امام ابن عساکر علی بن حسن ثقۃ الدین (م ٥٧١ھ) لکھتے ہیں، "حدث بدمشق عن ابی یعلی الموصلی وغیرہ[4]" ترجمہ:- (شیخ ابوالقاسم نے) دمشق میں شیخ ابویعلی موصلی وغیرہ سے حدیث کی تحصیل کی۔

---

[1] تاریخ ابن عساکر ج٢ ص ٣٥٥ (امام ابن عساکر علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ثقۃ الدین م ٥٧١ھ) مطبوعہ روضۃ الشام ١٣٣٢ھ
[1] رجال السند والہند ص ١٠٥ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ١٣٧٧ھ/١٩٥٨ء۔
[2] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ١٦١ (مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ١٣٨٦ھ/١٩٦٦ء) قاضی اطہر
سرمایہ عمر ص ١٦٤ (پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ١٩٧٦ء، تذکرہ علمائے دیبل ص ٣١٥ (مولانا عبدالحلیم مرزوقا) ٣١٤ دیبل
[3] سرمایہ عمر ص ١٦٤، تذکرہ علمائے دیبل ص ٣١٥، [3] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ١٦١ - رجال السند والہند ص ١٠٥ - تذکرہ علمائے
[4] تاریخ ابن عساکر ج٢ ص ٣٥٥ -

شیخ احمد بن محمد ابوالفوارس۔

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابوالفوارس اور نام ونسب شیخ احمد بن محمد بن الحسین بن السندی الصابونی مسند مصر ہے - آپ قرن چہارم کے فضلائے محدثین و علمائے مسندین سندھ سے ہیں۔[1] آپ

شیخ ابوالفوارس وطن جدی وپدری کی نسبت سے سندھی اور وطنِ ولادت واقامت کی نسبت سے مصری کہلاتے ہیں - اسی نقطہ نگاہ سے فضلائے مترجمین وعلمائے مورخین کہیں آپ کے والد کو وطن اصلی سے (سندھ سے) منسوب کرکے آپ کو "ابن السندی" لکھتے ہیں اور کہیں یہ نسبت براہ راست آپ ہی کی جانب کرکے آپ کو "السندی" لقب سے یاد کرتے ہیں۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی تذکرۃ الحفاظ میں الحافظ العسال کی تاریخ وفات کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، "وتوفی معہ فی العام مسند مصر ابو الفوارس احمد بن محمد بن الحسین بن السندی الصابونی"[2] پھر امام موصوف حافظ ابوالولید نیشاپوری کے ترجمے کے تحت لکھتے ہیں، "ومات فیھا احمد بن محمد بن الحسین بن السندی الصابونی"[3] پھر آپ کے شاگرد شیخ ابوزرعۃ الصغیر الرازی کے تذکرے میں آپ کو "السندی" سے متصف کیا ہے۔ لکھتے ہیں[4] سمع ابوزرعۃ ...... اباالفوارس السندی " ترجمہ :- شیخ ابوزرعہ نے شیخ

(سنہ ۳۴۹ھ)

---

[1] رجال السند والہند ص ۵۹۔ مطبوعہ کشیلری بازار بمبئی سنہ ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۲۲۔ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی سنہ ۱۹۶۷ء (قاضی اطہر مبارکپوری ......)

[2] [3] [4] تذکرۃ الحفاظ - امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی - بحوالہ رجال السند والہند ص ۵۹ - مطبوعہ کشیلری بازار بمبئی سنہ ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء (قاضی اطہر مبارکپوری۔)

ابو الفوارس سندھی سے حدیث کی سماعت کی۔

اسی طرح امام موصوف اپنی مذکورہ کتاب میں[1] اور امام سبکی تاج الدین ابو النصر عبد الوہاب بن تقی الدین (م ۷۷۱ھ) اپنی کتاب "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ"[2] میں امام ابو محمد الربیع بن سُلیمان کے ترجمے میں آپ کو "السِّندِی" پکارتے ہیں۔ دونوں مورخین بہ یک قلم لکھتے ہیں، "وَ اٰخر مَن حَدَّثَ عَنہُ ابو الفوارس السِّندِی"۔

ترجمہ:- اور آخری شخص جس نے ان سے (شیخ ربیع سے) حدیث کی سماعت و روایت کی ہے ابو الفوارس السندی ہیں۔

امام جلال الدین عبد الرحمن السیوطی م ۹۱۱ھ اور علامہ عبد الحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ آپ کے تذکرے میں آپ کو "ابن السِندِی" لکھتے ہیں[3]۔ ادھر حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ نے اپنی کتاب "لسان المیزان" میں آپ کا تعارف "السِّندِی" لقب سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "احمد بن محمد السندی ابو الفوارس[4]"

علاوہ ازیں مترجمین و مورخین سندھ و ہند مثلاً قاضی اطہر مبارکپوری اور ڈاکٹر محمد اسحٰق نے اسی بناء پر آپ کو محدثینِ سندھ میں شمار کیا ہے[5]۔

ترکِ وطن

کسی مترجم نے ابو الفوارس خاندان کا زمانہ و قرنِ ترکِ وطن متعین کیا۔ اور ان کا تفصیلی حال کہیں مذکور ہے۔ البتہ مورخین کے اس قول کے پیش نظر کہ شیخ ابو الفوارس ۲۶۴ھ میں بمقام مصر پیدا ہوئے تھے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ کم از کم تیسری صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے نصف اول میں اپنا دیس چھوڑ کر

[1] تذکرۃ الحفاظ۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ۔ بحوالہ رجال السند والہند ص ۵۹-۶۰ مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ (قاضی اطہر)

[2] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۶۰ (امام سبکی تاج الدین ابو النصر عبد الوہاب بن تقی الدین الشافعی م ۷۷۱ھ) مطبوعہ مصر۔

[3] حسن المحاضرہ امام جلال الدین عبد الرحمن السیوطی م ۹۱۱ھ۔ بحوالہ شذرات الذہب ج ۲ ص ۳۸۰ (علامہ عبد الحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ

[4] لسان المیزان ج ۱ ص ۲۹۶ (حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۰ھ۔

[5] رجال السند والہند ص ۵۹۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۲ (قاضی اطہر مبارکپوری)
انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۵ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء۔

اُس پردیس میں جا بسے جہاں شیخ ابو الفوارس پیدا ہوئے۔ پس وطن ولادت واقامت کے اعتبار سے آپ کو المصری کہا جاتا ہے۔

اَلصَّابُونی:- اس صفت نسبتی کی توجیہ خود اِس لفظ سے ظاہر ہے۔ کہ آپ کسی صابون سازی کے کارخانے میں ملازم یا حصّہ دار تھے[۱]

شیوخ واساتذہ:-

شیخ ابو الفوارس نے مصر کے مشائخ کبار وائمہ حدیث مثلاً شیخ محمد بن حمادِ الطہرانی، شیخ ابو ابراہیم المزنی، شیخ محمد بن عبد العزیز، شیخ یونس بن عبد الاعلی وغیرہم سے سماعت وتحصیل حدیث کی ہے[۲]

علاوہ ازیں آپ کے شیوخ میں امام ابو محمد الربیع بن سلیمان المرادی (م ۲۷۰ھ) (جو امام شافعی م ۲۰۴ھ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے جلیل القدر شاگرد اور مصاحب خاص تھے) قابلِ ذکر ہیں۔ یعنی شیخ ابو الفوارس امام شافعیؒ کے ایک واسطہ سے شاگرد وراوی اور امام شافعیؒ ایک واسطہ سے ان کے شیخ واستاذ ہوتے ہیں۔

امام تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن تقی الدین السبکی الشافعی (م ۷۷۱ھ) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں اور امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ) تذکرۃ الحفاظ میں امام ربیع بن سلیمان کے ترجمے میں ان کے تلامذہ ورواۃ کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، "واٰخرھم ابو الفوارس السندی" ترجمہ:- ان کا (یعنی شیخ ربیع کے تلامذہ کا) آخری شخص شیخ ابو الفوارس سندھی ہیں۔

۱؎ انڈیا از کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۵ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء۔

۲؎ رجال السند والہند ص ۵۹-۶۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء

۳؎ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۶۰ (امام ابو نصر تاج الدین عبد الوہاب بن تقی الدین السبکی م ۷۷۱ھ) مطبوعہ مصر

۴؎ تذکرۃ الحفاظ۔ امام ذہبی، بحوالہ رجال السند والہند ص ۵۹-۶۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء

عو} لسان المیزان ج ۱ ص ۲۹۶ (حافظ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۰ھ

عہ} شذرات الذہب ج ۲ ص ۳۸۱ (مورخ عبد الحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ المطبع القدسی الازہر مصر ۱۳۵۰ھ

۵؎ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۰۳ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ

رواۃ وتلامذہ :-

شیخ سندھی کی تدریس وتحدیث سے خلق کثیر مستفید ومستفیض ہوگئی تھی، آپ کے[۳] تلامذہ ورواۃ میں شیخ ابوزرعۃ الصغیر الرازی[۱]، شیخ احمد بن محمد بن الحاج[۲] اور شیخ ابن نظیف کا تذکرہ ملتا ہے[۳]۔ اور یہ آپ کے آخری شاگرد ہیں۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ) اور امام عبدالحی بن العماد الحنبلی (م ۱۰۸۹ھ)[۴] نے آپ کے تلامذہ ورواۃ کے باب میں لکھا ہے، "واٰخر من روی عنہ ابن نظیف"۔

ترجمہ :- اور آخری شخص جس نے آپ سے روایت کی شیخ ابن نظیف ہیں۔

مرویات :-

امام ذہبی نے آپ کی مندرجہ ذیل حدیث اپنی کتاب "میزان الاعتدال"[۵] میں روایت کی ہے، جسے قاضی اطہر نے بھی اپنی کتاب رجال السند والہند میں نقل کی ہے[۶]

"اخبرنا محمد بن الحسین حدثنا محمد بن عماد انبأنا ابن رفاعۃ انا الخلعی نا احمد بن محمد بن الحاج حدثنا احمد بن محمد بن السندی املاءً حدثنا محمد بن عزیز۔ بایلۃ۔ حدثنا سلامۃ بن روح حدثنا عقیل عن الزہری عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اھل الجنۃ البلہ"۔

وفات :-

شیخ ابوالفوارس نے ایک سو پانچ برس عمر پا کر ماہ شوال ۳۴۹ھ میں وفات پائی[۷]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش ۲۴۴ھ میں ہوئی تھی۔

شیخ ابوالفوارس کا علم حدیث میں مقام :- شیخ ابوالفوارس ثقہ راوی اور مسند محدث تھے۔ امام سیوطی آپ کو "الثقۃ المعمر مسند دیار مصر"[۸] کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ قاضی اطہر لکھتے ہیں، "مسند دیار مصر کے لقب سے مشہور ہیں، علم حدیث میں ان کا مقام بہت بلند تھا"[۹]

---

۱ تا ۳ رجال السند والہند ص ۶۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء۔

۴ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۰۳ (امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ۔ جس میں آپ کی اس شیخ سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے

۳ تذکرۃ الحفاظ (امام ذہبی) بحوالہ رجال السند والہند ص ۶۰، ۴ شذرات الذہب ج ۲ ص ۳۸۰ (مورخ عبدالحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ

۵ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۰۳، ۶ رجال السند والہند ص ۶۰، ۷ شذرات الذہب ج ۲ ص ۳۸۰، لسان المیزان ج ۱ ص ۲۹۶، رجال السند والہند ص ۶۰

۸ حسن المحاضرہ امام جلال الدین عبدالرحمن السیوطی م ۹۱۱ھ۔ بحوالہ رجال السند والہند ص ۵۹،

۹ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء۔

شیخ ابو جعفر عبد اللہ ۔ ۴ ۔ ابن بویہ ۔

حسب ونسب :۔ آپ کی کنیت ابو جعفر اور نام ونسب ہے شیخ عبد اللہ بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن عیسیٰ بن ابی جعفر المنصور المنصوری[۱] ۔ آپ کی ایک دوسری کنیت جس سے آپ متعارف ہوتے ہیں "ابن بویہ" ہے ۔

شیخ ابو جعفر قرن چہارم کے ثقہ محدثین و مشاہیر سندھ سے ہیں ۔ آپ سندھ کے مرکزی شہر و دار الخلافہ المنصورہ کی جامع مسجد کے خطیب و امام تھے ۔

امام ابو سعید عبد الکریم السمعانی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں "ابو جعفر عبد اللہ بن اسمٰعیل بن ابراھیم بن عیسیٰ بن ابی جعفر المنصور المنصوری یعرف بابن بویہ کان امام جامع مدینۃ المنصور و کان ثقۃ"[۲] ترجمہ :۔ شیخ ابو جعفر عبد اللہ بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن عیسیٰ بن ابی جعفر المنصور المنصوری "ابن بویہ" سے متعارف ہوتے ہیں ۔ المنصور شہر کی جامع مسجد کے امام تھے اور ثقہ تھے ۔

ترک وطن اور حصول علم وفن :۔

اہل تراجم نے اگرچہ آپ کی ہجرت و ترک وطن کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن تاہم آپ کی، شیخ ابن ابی الدنیا ۲۸۱ھ البغدادی سے سماعت و تحصیل حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے شیخ موصوف کی وفات (۲۸۱ھ) سے قبل ضرور عراق و بغداد کا سفر کیا ہوگا ۔ ورنہ آپ کا ان سے سماع ثابت نہیں ہوگا ۔ کیونکہ شیخ ابن ابی الدنیا کا مولد و مسکن بغداد تھا[۳] ۔ ان کا سفر سند و ہند قطعاً ثابت نہیں ۔ اس لئے یہ ماننا پڑیگا کہ آپ نے حصول علم وفن کی خاطر عراق و عرب کا سفر کیا تھا ۔

---

[۱] سرمایہ عمر ص۱۶۶ (پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور سنہ ۱۹۷۶ء ۔

[۲] کتاب الانساب ص۵۴۳ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی الشافعی ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن سنہ ۱۹۱۲ء

[۳] بستان المحدثین (اردو ترجمہ) ص۱۱۰ (علامہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی) مطبوعہ کلام کمپنی کراچی سنہ ۱۳۳۴ (مترجم مولوی عبد السمیع استاذ دیوبند) ۔

شیوخ واساتذہ :۔

شیخ ابوجعفر نے علوم حدیث کی سماعت وتحصیل شیخ ابن ابی الدنیا عبید اللہ بن محمد بن عبید البغدادی (م ۲۸۱ھ)، شیخ احمد العطاردی، شیخ سوارہ بن عیسٰی اور شیخ اسمٰعیل بن اسحٰق وغیرہم سے کی ہے۔

رُواۃ وتلامذہ :۔

آپ کے رواۃ وتلامذہ میں شیخ ابوالحسین محمد بن زرف اور شیخ احمد الھادا کے نام مذکور ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے حلقہ فیض اور چشمہ فیضان سے تشنگان دین وشائقین فن کا ایک جم غفیر سیراب وفیضیاب ہوگیا تھا۔

امام ابوسعید سمعانی آپ کے اساتذہ وتلامذہ کے باب میں لکھتے ہیں[1]، "وکان ثقۃ یروی عن احمد العطاردی واسمٰعیل بن اسحٰق وسوارۃ بن عیسٰی وابن ابی الدنیا وغیرھم۔ روی عنہ ابوالحسن محمد بن زرف واحمد الھادا وجماعۃ"، ترجمہ :۔ (شیخ ابوجعفر) ثقہ تھے۔ حدیث کی روایت کرتے ہیں شیخ احمد العطاردی شیخ اسمٰعیل بن اسحٰق، شیخ سوارہ بن عیسٰی اور شیخ ابن ابی الدنیا وغیرہم سے اور ان سے شیخ ابوالحسن محمد بن زرف اور شیخ احمد الھادا نے روایتِ حدیث کی ہے۔

وفات :۔

شیخ ابوجعفر منصوری نے ۳۵۰ھ ہجری (علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں وفات پائی۔[2]

---

[1] کتاب الانساب ورق ۵۴۲ (امام ابوسعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء۔

[2] کتاب الانساب ورق ۵۴۲۔
سرمایہ عمر ص ۱۷۰ (پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء۔

شیخ ابراہیم بن علیؒ

حسب ونسب :- آپ کا نام نامی ونسب گرامی شیخ ابراہیم بن علی بن السندی ہے۔ آپ قرنِ چہارم کے محدثین سندھ سے ہیں[1]۔

ابن السندی :- یہ نسبت اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ ابراہیم اصل ونسل کے لحاظ سے وادیِ سندھ کی پیداوار ہیں۔ اسی بناء پر اصحاب تراجم نے آپ کو رجال سندھ میں شمار کیا ہے[2]۔

ترکِ وطن :-

شیخ ابراہیم کے سوانح وحالات کی کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔ مترجم نے آپ کا محض نام ونسب اور آپ کی روایت کردہ ایک حدیث بیان کی ہے۔ اور آخر میں لکھتے ہیں؛ "لم اقف علی ترجمتہ غیر ما ذکرت[3]" ترجمہ:- مجھے ان کے حالات کا سوائے اس کے کہ میں نے بیان کیا ہے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

البتہ مترجم کے اس قول (ولعلہ من اھل بغداد[4]) سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آپ کے باپ دادا ترک وطن کر کے بغداد جا کر اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ جہاں وہ اپنے وطن سے منسوب ہو کر "السندی" پکارنے لگے۔

شیوخ وتلامذہ :-

شیخ ابراہیم کے شیوخ وتلامذہ کی کوئی فہرست دستیاب نہ ہو سکی۔ یہاں صرف آپ کی مرویہ حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ شیخ محمد بن عبداللہ بن یزید المقری[5] سے حدیث کی

ے۱ رجال السند والہند ص ۶۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

ے۲ رجال السند والہند ص ۶۹، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۴ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء (قاضی اطہر مبارکپوری)

ے۳ ، ے۴ رجال السند والہند ص ۶۸۔

ے۵ رجال السند والہند ص ۶۱، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۴ (قاضی اطہر مبارکپوری)

روایت کرتے ہیں اور آپ سے شیخ عبداللہ بن محمد نے سماعت و روایت کی ہے[۵۱]

مرویات

شیخ ابراہیم کی مرویات سے مندرجہ ذیل حدیث امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی الحافظ (م ۴۳۰ھ) نے اپنی کتاب "حلیۃ الاولیاء" میں روایت کی ہے[۵۲]، جسے قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب "رجال السند والہند" میں نقل کی ہے[۵۳]

"حدثنا عبداللہ بن محمد حدثنا ابراہیم بن علی بن السندی حدثنا محمد بن عبداللہ بن یزید المقری حدثنا مروان بن معاویۃ عن اسمٰعیل بن عیاش عن ثعلبۃ بن مسلم الخثعمی عن ایوب بن بشیر العجلی عن شفی بن ماتع الاصبحی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال اربعۃ یوذون اہل النار علی ما بہم من الاذی۔ یسعون ما بین الحمیم والجحیم یدعون بالویل والثبور ویقول اہل النار بعضہم لبعض ما بال ہؤلاء قد آذونا علی ما بنا من الاذی۔ قال فرجل مغلق علیہ تابوت من جمر ورجل یجر امعائہ ورجل یسیل فوہ قیحا ودما ورجل یاکل لحمہ۔ فیقال لصاحب التابوت ما بال الابعد قد آذانا علی ما بنا من الاذی فیقول ان الابعد فی عنقہ اموال الناس ثم یقال للذی یجر امعائہ ما بال الابعد قد آذانا علی ما بنا من الاذی فیقول ان الابعد کان لا یبالی این اصاب البول منہ لا یغسلہ ثم یقال للذی یسیل فوہ قیحا ودما ما بال الابعد قد آذانا علی ما بنا من الاذی فیقول ان الابعد کان ینظر الی کلمۃ فیستلذھا کما یستلذ الرفث ثم یقال للذی کان یاکل لحمہ ما بال الابعد قد آذانا علی ما بنا من الاذی فیقول ان الابعد کان یاکل لحوم الناس۔"

چونکہ یہ حدیث امام ابو نعیم الاصبہانی نے شیخ ابراہیم السندی کے شاگرد شیخ عبداللہ بن محمد سے براہ راست اخذ کی ہے اس لئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حافظ ابو نعیم ایک واسطہ سے آپ کے شاگرد اور آپ ایک واسطہ سے ان کے شیخ ہیں۔

وفات: شیخ ابراہیم السندی قرن چہارم کے محدثین سے ہیں[۵۴] لیکن تاریخ و سال وفات کا کوئی ذکر نہیں مل سکا۔

۵۱۔ رجال السند والہند ص ۶۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء بحوالہ حلیۃ الاولیاء، حافظ ابو نعیم الاصبہانی

۵۲۔

۵۳۔ رجال السند والہند ص ۶۸ -

شیخ ابو العباس محمد الدیبلی

حسب و نسب :- آپ کی کنیت ابو العباس اور نام و نسب یہ ہے شیخ محمد بن محمد بن عبد اللہ الزاہد الدیبلی الوراق ہے[۱]

شیخ ابو العباس دیبل (سندھ) کے قرن چہارم کے ثقات محدثین و زہاد متقین سے تھے۔ آپ عالم باعمل، فاضل بے بدل اور زاہد بے مثل تھے۔ اس لئے مترجمین آپ کو "الزاهد" کے لقب سے یاد کرتے ہیں[۲]

چونکہ آپ کا پیشہ و مشغلہ تجارت کتب تھا لہذا آپ کو الوراق کہا جاتا ہے[۳]

ترکِ وطن :-

اگرچہ شیخ ابو العباس کے ترک وطن و سفرِ طلب علم و فن کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں مل سکا لیکن تاہم آپ کے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے طلب و تحصیل حدیث اور پھر خدمتِ علم و تدریسِ حدیث کی خاطر ضرور ہجرت کر کے بلاد عراق و خراسان کا سفر کیا ہوگا۔ کیونکہ آپ کے اساتذہ و رُواۃ فاریاب، عسکر، نیشاپور، بصرہ اور بغداد وغیرہ علاقہائے عراق و خراسان کے محدثین ہیں۔

شیوخ و اساتذہ :-

شیخ ابو العباس نے علوم حدیث کی سماعت و تحصیل شیخ ابو الخلیفہ فضل بن حباب الجمحی ۳۰۵ھ، شیخ جعفر بن محمد بن الحسن الفریابی ۳۰۱ھ، شیخ عبدان بن احمد بن موسیٰ العسکری اور شیخ محمد بن عثمان بن ابی سوید البصری وغیرہم سے کی ہے[۴]

---

۱ - رجال السند و الہند ص ۲۲۶ (مطبوعہ کشیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۶ء) } قاضی اطہر مبارکپوری
۲ - ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۳-۱۶۴ - مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء }
۳ - تذکرۂ علمائے دیبل ص ۳۱۵ (مولانا عبد العلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی - مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی ۱۹۷۱ء
۴ - کتاب الانساب ق ۲۳۶ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی ۵۶۳ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء

رواۃ وتلامذہ :-

آپ کے تلامذہ و رواۃ میں امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم صاحب مستدرک[ف۱] المتوفی ۴۰۵ھ قابل ذکر ہیں۔ جن کا آپ سے حدیث اخذ کرنا آپ کے علم و فضل اور ثقاہت و وجاہت اور علوِ مرتبت کی بڑی حجت ہے۔

وفات :-

شیخ ابوالعباس دیبلی نے رمضان المکرم ۳۵۴ھ[ف۲] ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں وفات پائی۔ اور آپ کی نماز جنازہ شیخ ابوعمرو بن نجید نے پڑھائی[ف۳]

ف۱ :- کتاب الانساب ط ۲۳۶ (ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن سنہ ۱۹۱۲ء -
رجال السند والہند ص ۲۳۵ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء ۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۹۳ ۔ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی سنہ ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء ۔ } قاضی اطہر مبارکپوری
تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱۵ (مولانا عبدالعلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی ۔

ف۲ :- رجال السند والہند ص ۲۳۶ ۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۹۳ ۔ تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱۵

ف۳ :- رجال السند والہند ص ۲۳۶ ۔

شیخ ابوبکر احمد بن السندی۔

حسب ونسب :۔ آپ کی کنیت ابوبکر اور نام و نسب ہے شیخ احمد بن السندی بن الحسن بن بحر الحداد الزاہد الجداری البغدادی ؒ۔ آپ قرن چہارم کے ثقات محدثین و مشائخ متقین سندھ سے ہیں [۱]

ابن السندی :۔ اس صفت نسبتی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابوبکر اصل وطن کے لحاظ سے سندھی ہیں۔ ڈاکٹر محمد اسحاق اس کی تصریح میں لکھتے ہیں، ترجمہ "السندی" کی نسبت ان کے (شیخ ابوبکر کا) سندی الاصل ہونے پر دلالت ... کرتی ہے [۲]

اسی بناء پر قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کو محدثین سندھ میں شمار کیا ہے جو آپ کا تذکرہ ان کے زمرے میں کیا ہے۔

الحدّاد :۔ "الحداد" سے آپ کا متصف ہونا دو اعتبار سے معلوم ہوتا ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ آپ حداد (لوہار) گھرانے سے تعلق رکھتے ہونگے [۳]

(۲) دوسرے یہ کہ "حداد" سے بغداد شریف کا مشہور محلہ "قطیعۃ الحداد" مراد ہو۔ اور آپ کی سکونت وہاں واقع ہوئی ہو۔

قاضی اطہر مبارکپوری آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "بغداد میں محلہ "قطیعۃ الحداد" میں مستقل قیام تھا" [۴]

لیکن علامہ ابن الاثیر الجزری نے آپ کو واضح الفاظ میں "قطیعہ بنی جدار" کی طرف منسوب کرکے "الجداری" صفت سے متصف کیا ہے۔

آپ اپنی کتاب "کتاب اللباب فی تھذیب الانساب" میں "الجداری" کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "ھذہ النسبۃ الی قطیعۃ بنی جدار وھی محلۃ ببغداد" [۵]

---

[۱] رجال السند والہند ص۴۷ مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۵۳ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی [۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء] قاضی اطہر

[۲] [۳] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص۲۱۵ (ڈاکٹر محمد اسحاق، پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء۔

[۴] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۵۳۔

[۵] رجال السند والہند ص۴۷ بحوالہ "کتاب اللباب فی تھذیب الانساب" امام ابن الاثیر الجزری۔

مِنہا احمد بن السندی بن الحسن بن بحر الجداری البغدادی وکان صدوقاً[1] ترجمہ:- یہ نسبت قطیعہ بنی جدار کی طرف ہے۔ اور یہ بغداد میں ایک محلہ ہے جس سے شیخ احمد بن السندی بن الحسن بن بحر الجداری البغدادی ہیں۔ اور وہ نہایت سچے تھے۔

علامہ ابن اثیر نے شیخ ابن السندی کی زیر بحث صفت "الحداد" کا اس ترجمے میں ذکر ہی نہیں کیا ہے۔

امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ آپ کا ترجمہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں ،، احمد بن السندی بن الحسن بن بحر ابوبکر الحداد[2]... الخ اس ترجمے میں "الحداد" کا ذکر تو ہے لیکن "الجداری" کا کلمہ موجود نہیں۔ مگر علامہ خطیب آگے صاف الفاظ میں لکھتے ہیں ،، کان ثقۃ ، صادقاً ، خیراً فاضلاً یسکن قطیعۃ بنی جدار[3] ترجمہ:- (شیخ ابوبکر) ثقہ ، سچے ، برگزیدہ اور فضیلت والے تھے۔ قطیعہ بنی جدار میں رہائش پذیر تھے۔ اور امام ابوسعید السمعانی نے بھی آپ کا ترجمہ انہی الفاظ میں لکھا ہے[4]

ان دونوں اماموں کے بیانات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی رہائش قطیعہ بنی جدار میں تھی۔ مگر اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ ابوبکر السندی نے یکے بعد دیگرے دونوں محلوں ..... (قطیعۃ الحداد اور قطیعہ بنی جدار) میں رہائش کی ہو۔ پھر آپ کا دونوں محلوں سے منسوب ہونا صحیح ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شیوخ و اساتذہ:-

شیخ ابوبکر نے علوم حدیث کی سماعت و تحصیل اپنے وقت کے جلیل القدر حفاظ و مشائخ حدیث سے کی ہے۔ مثلاً شیخ محمد بن العباس المودب ، شیخ حسین بن علویۃ القطان اور شیخ موسیٰ بن ہارون الحافظ وغیرہم[5]

---

[1] رجال السند والہند ص۲۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء ، بحوالہ کتاب اللباب فی تہذیب الانساب علامہ ابن الاثیر الجزری۔

[2] [3] تاریخ بغداد ج۴ ص۱۸۲ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء۔

[4] کتاب الانساب ص۳۱۴ (امام ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء۔

[5] تاریخ بغداد ج۴ ص۱۸۲ ۔ کتاب الانساب ص۳۱۴ ، رجال السند والہند ص۲۷ ، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۵۳

رواۃ و تلامذہ :-[1]

آپ کے حلقۂ فیض و چشمۂ فیضان سے خلق کثیر سیراب و فیضیاب ہوئی۔ آپ کے تلامذہ و رواۃ میں شیخ ابو زرقویہ (جنہوں نے آپ سے شیخ ابو حذیفۃ البخاری کی کتاب "المبتدأ" اور دوسری احادیث کی روایت کی ہے)، شیخ ابو علی بن شاذان اور امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الحافظ الاصبہانی م ۴۳۰ھ اور شیخ الحسن بن ابی بکر یہ دونوں حضرات امام خطیب البغدادی کے براہ راست استاذ ہیں۔

پس شیخ ابو بکر سندھی امام خطیب البغدادی کے ایک واسطہ سے استاذ اور امام بغدادی ایک واسطہ سے آپ کے شاگرد و راوی شمار ہوتے ہیں۔

مرویات :-

شیخ سندھی کی مرویات سے مندرجہ ذیل حدیث حافظ ابو نعیم الاصبہانی کی کتاب حلیۃ الاولیاء سے لی گئی ہے۔ جو آپ سے بکثرت روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابو بکر احمد بن السندی ثنا موسیٰ بن ہارون الحافظ ثنا عباس بن ولید ثنا بشر بن المفضل ثنا ابو عون عن عمیر بن اسحاق عن مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال استعملنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی عمل فلما جئت قال کیف وجدت الامارۃ قلت یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ما ظننت الا ان الناس کلھم خول لی واللہ لا الی واللہ لا الی علی عمل ما دمت حیا۔"[2]

II آپ کی مندرجہ ذیل حدیث امام خطیب البغدادی نے اپنی کتاب "تاریخ بغداد" میں روایت کی ہے:- اخبرنا الحسن بن ابی بکر اخبرنا احمد بن السندی الحداد حدثنا محمد بن العباس المؤدب حدثنا یحیٰ بن النعمان حدثنا محمد بن طلحۃ

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۸۷ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء۔ رجال السند والہند ص ۴۷ مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۳ مطبوعہ مکتبہ ... قاضی اطہر

[2] رجال السند والہند ص ۴۸ بحوالہ حلیۃ الاولیاء، امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی الحافظ م ۴۳۰ھ۔

[3] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۸۷، رجال السند والہند ص ۴۸۔

عن زبید عن مجاهد عن عائشة رضی اللہ تعالی عنها قالت قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما زال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ ..... سیورثہ "

شیخ ابوبکر کے فضائل وخصائل

امام ابوبکر السندی جہاں علمی ثروت ومرتبت سے صاحب کمال تھے وہاں آپ عملی دولت وفضیلت سے بھی صاحب جلال وجمال تھے۔ سارے فضلائے مترجمین وعلمائے محدثین آپ کے علم وفضل اور ثقاہت وصداقت کے ساتھ ساتھ آپ کے زہد وعمل اور عبادت وریاضت کے بھی مدح خواں ہیں۔

آپ کے ثقہ شاگرد حافظ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی لکھتے ہیں، "کان یُعدّ من الابدال"[1] یعنی (شیخ ابوبکر) ابدال سے شمار کیے جاتے تھے۔

امام خطیب البغدادی اپنے شیخ ابونعیم الحافظ سے ایک حدیث میں سلسلۂ اسناد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں[2] "حدثنا ابونعیم الحافظ حدثنا احمد بن السندی بن بحر بن الحداد وکان یعدّ من الابدال" اور آگے لکھتے ہیں[3] "سالت ابا نعیم عن احمد بن السندی فقال ثقة" ترجمہ:- میں نے حافظ ابونعیم سے شیخ احمد بن السندی کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ وہ ثقہ ہیں۔

خطیب موصوف ایک اور مقام میں لکھتے ہیں، "کان ثقة صادقا خیرا فاضلا"[4] ترجمہ (شیخ احمد بن السندی) ثقہ، سچے، برگزیدہ اور فضیلت والے محدث تھے۔

پھر فرماتے ہیں[5] "سمعت ابابکر البرقانی ذکر ابن السندی فوثقہ" ترجمہ:- میں نے شیخ ابوبکر البرقانی کو سنا کہ شیخ ابن السندی کی بات کی تو انہیں ثقہ قرار دیا۔

امام ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی (م ۵۶۲ھ) آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں[6] "کان ثقة صادقا خیرا فاضلا۔" یعنی (شیخ ابوبکر) ثقہ، سچے، برگزیدہ اور صاحب فضیلت تھے۔

امام ابن الاثیر الجزری بھی آپ کے حق میں فرماتے ہیں[7] "کان صدوقا" وہ نہایت سچے تھے۔

---

[1] رجال السند والہند ص۶۶ بحوالہ حلیۃ الاولیاء (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ)

[2، 3، 4، 5] تاریخ بغداد ج۴ ص۱۸۶ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ، ۱۹۳۱ء، رجال السند والہند

[6] کتاب الانساب ص۳۱۳ (امام ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء۔

[7] رجال السند والہند ص۴۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) بحوالہ کتاب اللباب فی تہذیب الانساب، امام ابن الاثیر الجزری۔

وفات :-

شیخ ابوبکر بن السندی الزاہد نے ۳۵۹ ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں وفات پائی[1] (رحمہ اللہ تعالیٰ ونور مرقدہٗ)۔

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۸۶ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
شذرات الذہب ج ۳ ص ۲۸ (علامہ عبد الحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ
رجال السند والہند ص ۱۴۹ مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء ، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۳ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء قاضی اطہر
انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۵ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء -

شیخ احمد بن محمد الدیبلی رحمۃ اللہ علیہ

حسب و نسب:- آپ کی کنیت ابوبکر اور نام و نسب یہ ہے شیخ احمد بن محمد بن ہارون بن سلیمان بن علی الحربی الرازی البغدادی الدیبلی المقری[1]۔ آپ قرن چہارم کے ثقات محدثین و علمائے مجودین سے ہیں۔

شیخ ابوبکر وطن مادری کی نسبت سے دیبلی (سندھی) اور وطن سکونت و اقامت کے لحاظ سے البغدادی کہلاتے ہیں[2]۔

الرازی:- یہ صفت نسبتی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ آپ نے شاید کچھ عرصہ علم و فن کی تحصیل کے لئے خراسان کے علاقہ "رے" میں سکونت اختیار کی ہوگی۔ جس کے باعث آپ کو "الرازی" کہا جاتا ہے۔

چونکہ آپ علوم الحدیث میں فضل و کمال حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ فن تجوید و قرأت میں بھی اعلٰے مہارت و شہرت کے مالک بنے تھے اس لئے آپ کے القاب میں المقری (ماہر تجوید و قرأت) لقب کا اضافہ ہو گیا[3]۔

ترکِ وطن:-

شیخ ابوبکر دیبلی کی وطن سے ہجرت و بیرون وطن سکونت کی کوئی تاریخ و سال اور تفصیل حال کہیں بھی مذکور نہیں۔

اغلب گمان یہ ہے کہ یہ لوگ دیبل کے تباہ کن زلزلہ (۲۸۰ھ) کے بعد ملک و وطن سے دل برداشتہ ہو کر علوم و فنون کے دلکش مراکز عراق و خراسان کے بلاد و امصار میں جا بسے۔ مثلاً بغداد، رے وغیرہ۔ اور اس وجہ سے آپ البغدادی اور الرازی

---

[1] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۱۴ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء۔
رجال السند والہند ص ۶۳ مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۰۔ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء قاضی اطہر مبارکپوری۔
تذکرہ علمائے دیبل (مولانا عبدالحلیم) ص ۳۱۶ - پاکستان میں فروغ عربی۔ مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی ۱۹۷۵ء

[2] رجال السند والہند ص ۶۳، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۰۔
تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱۶

القاب سے مشہور و معروف ہوئے ہیں۔

شیوخ و اساتذہ:-

شیخ ابوبکر دیلمی نے حدیث کی سماعت و روایت شیخ جعفر بن محمد الفریابیؒ اور شیخ ابراہیم بن شریک الکوفی سے کی تھی۔

اور فن تجوید و قرأت شیخ حسنون بن الہثیم الدویری سے حاصل کیا۔ یعنی آپ نے شیخ حسنون سے امام عاصم کی قرأت میں بہ واسطہ شیخ ہبیرہ بن محمد بروایت امام حفص بن سلیمان قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی ہے[1]

آخذین و تلامذہ:-

آپ سے شیخ محمد بن علی الباداء، شیخ ابویعلی بن دوما النعال اور قاضی ابوالعلاء محمد بن یعقوب الواسطی نے سماعت و تحصیل حدیث کی ہے۔

قاضی ابوالعلاء موصوف نے فن تجوید میں بھی آپ سے روایت و قرأت کی سند حاصل کی ہے[2]

علامہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) آپ کی تحصیل علم و فن، تدریس و تحدیث اور اساتذہ و تلامذہ کے بیان میں لکھتے ہیں[3] "حدثنا عن جعفر بن محمد الفریابی وابراهیم بن شریک الکوفی وذکر انه قرأ علی حسنون بن الهیثم الدویری القرآن بحرف عاصم من طریق هبیرة بن محمد عن حفص بن سلیمان عنه، روی عنه محمد بن علی البادا وحدثنا عنه ابویعلی بن دوما النعال والقاضی ابوالعلاء الواسطی وکان ابوالعلاء یسند عنه قراءة عاصم روایة وتلاوة" ترجمہ:- (شیخ ابوبکر) شیخ جعفر بن محمد الفریابی، شیخ ابراہیم بن شریک الکوفیؒ سے اور بیان کیا کہ انہوں نے (شیخ ابوبکر)

---

[1] رجال السند والہند ص ۹۳ - مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۸ء، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۹۱ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۹۶۷ء (قاضی اطہر مبارکپوری)

[2] تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱۶ (مولانا عبدالعلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی - مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی ۱۹۶۵ء
سرمایہ عمر ص ۱۶۱ (پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء

[3] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۱۳ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء -
رجال السند والہند ص ۹۳ (قاضی اطہر مبارکپوری)

[4] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱ (امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ مطبع السعادہ مصر ۱۳۲۵ھ -

شیخ حسنون بن الہیثم الدوری سے امام عاصم سے قرأت میں شیخ ہبیرہ بن محمد کے طریقہ پر بروایت امام حفص بن سلیمان قران مجید پڑھا۔

اور ان سے روایت کی شیخ محمد بن علی الباوانے اور ان سے ہمیں حدیث بیان کی شیخ ابویعلی بن دوما النعال اور قاضی ابوالعلاء الواسطی نے۔ اور قاضی ابوالعلاء امام عاصم کی قرأت میں قران مجید کی روایت و تلاوت کی سند ان سے بیان کرتے تھے۔

امام خطیب البغدادی کے متذکرہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے شیخ ابویعلی بن دوما اور قاضی ابوالعلاء کے واسطے سے شیخ ابوبکر دیبلی سے حدیث اخذ کی ہے۔ یعنی امام خطیب ایک واسطے سے شیخ ابوبکر کے شاگرد اور وہ خطیب کے (ایک واسطے سے) شیخ ہوتے ہیں۔

مرویات :-

امام ابوبکر خطیب البغدادی نے آپ کی مرویات سے مندرجہ ذیل حدیث اپنی کتاب تاریخ بغداد میں روایت کی۔ یہ اُن کی شیخ سندھی سے صرف ایک واسطے سے روایت ہے۔ "اخبرنا الحسن بن حسین النعال اخبرنا احمد بن محمد بن هارون الرازي الحاجي اخبرنا جعفر بن محمد الفريابي حدثنا محمد بن عائذ حدثنا ... الهيثم بن حميد حدثني العلاء بن الحارث وابو وهب عن مكحول عن ابي اسماء الرحبي عن ثوبان مولى رسول الله صلى الله وآله وسلم قال ثوبان بينا انا امشي مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اذ مر برجل يحتجم بعد ما مضى من شهر رمضان ثمان عشرة فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم افطر الحاجم والمحجوم"[1]

پیدائش و وفات[2] :- قاضی ابوالعلاء کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ابوبکر السندی سے ان کی تاریخ پیدائش پوچھی تو انہوں نے اپنی تاریخ پیدائش ۲۷۵ھ بتادی۔ آپ کی وفات بروز پیر مورخہ ۲۰/۲۱ رجب المرجب ۳۷۰ھ میں واقع ہوئی۔ ع

---

[1] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۱۴ (امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء۔

[2] رجال السند والہند ص ۶۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء۔

ع :- ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۰ (قاضی اطہر) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء، سرمایہ عمر ص ۱۲۱ (مولانا محمد ...) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ...، تذکرہ ... ص ۳۱۶ (مولانا عبدالحلیم ندوی) مطبوعہ پاکستان ...

شیخ عبداللہ بن جعفر المنصوری

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابو محمد اور نام ونسب یہ ہے شیخ عبداللہ بن جعفر بن مرہ المنصوری المقری ہے آپ قرنِ چہارم کے فضلائے محدثین وعلمائے مجودینِ المنصورہ سندھ میں شمار ہوتے ہیں - رنگ وصورت میں سیاہ فام تھے - لیکن علم وسیرت میں ستارۂ منصورہ بنے -

شیخ ابو محمد کے حالات وکوائف کی تفصیل کتب تراجم میں مذکور نہیں - آپ کے ترجمے کا اصل ماخذ امام سمعانی کی کتاب "کتاب الانساب" ہے - امام سمعانی نے آپ کا جو ترجمہ لکھا ہے وہ کلی جزی حسب ذیل ہے -

" ابو محمد عبد اللہ بن جعفر بن مرۃ المنصوری المقری کان اسود سمع الحسن بن مکرم واقرانہ ، روی عنہ الحاکم ایضا جماعۃ " [۱] ترجمہ :- شیخ ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن مرہ المنصوری المقری (عالم قرأت) سیاہ فام تھے - شیخ حسن بن مکرم اور ان کے ہم عصر محدثین سے - اور آپ سے روایت کی امام حاکم (ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ) اور ایک جماعت نے بھی -

اس تذکرے سے جو کچھ ہم اخذ کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ :-

آپ کے لقب "المنصوری" سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا اصل وطن المنصورہ سندھ تھا - لیکن تحصیل علوم اور تدریس واشاعت حدیث کی خاطر عربستان چلے گئے جہاں آپ نے حدیث کی تحصیل وتکمیل وہاں کے حفاظ ومحدثین مثلاً شیخ حسن بن مکرم وغیرہ سے کر کے خود درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا - جہاں آپ سے امام حاکم وغیرہ نے حدیث اخذ کی -

---

[۱] کتاب الانساب ص ۵۴۳ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء -
رجال السند والہند ص ۱۶۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء -
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۱ (قاضی اطہر) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء -
نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۶۷ (علامہ عبد الحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۴۷ء -

[۲] کتاب الانساب ص ۵۴۳ -

وفات :-

شیخ ابو محمد عبد اللہ المنصوری کی تاریخ وصال کا کسی مترجم و مورخ نے کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ البتہ آپ کے شاگرد امام حاکم (م ۴۰۵ھ) کے قرن اور سال وفات کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ چوتھی صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے رجال سے تھے یا قرن پنجم کا بھی کچھ حصہ پا لیا ہو گا۔

شیخ ابو محمد الداؤدی المنصوری۔

حسب ونسب:۔ شیخ منصوری محض اپنی کنیت "ابو محمد" سے مشہور و متعارف ہیں۔ کسی مترجم نے آپ کے نام ونسب کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ہمارے سامنے اس ترجمے کا اصل ماخذ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المقدسی البشاری کی (م ۳۸۰ھ) کتاب "احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" ہے علامہ موصوف نے خود شیخ منصوری سے المنصورہ میں ملاقات کی تھی۔ جس کا تذکرہ اپنی مذکورہ کتاب میں کیا ہے۔ اور شیخ موصوف کا ترجمہ وتعارف صرف اسی کنیت ولقب سے لکھا ہے۔ کہتے ہیں[۱] "ورائیت ابا محمد المنصوری داؤدیاً" ترجمہ:۔ اور میں نے شیخ ابو محمد منصوری کو داؤدی مذہب کا پایا۔ یعنی دیکھا کہ وہ داؤدی مذہب کے عالم تھے۔

اسی طرح سارے مترجمین آپ کو صرف کنیت ہی سے یاد کرتے ہیں[۲]

شیخ ابو محمد قرن چہارم کے ان محدثین سے ہیں جو عرب سے سندھ تشریف لائے۔ اور یہاں سکونت پذیر ہو کر اہل سندھ سے شمار ہونے لگے[۲]

لیکن آپ کے ترک وطن کے اسباب وعلل اور آپ کی سوانح حیات وتفصیلی حالات کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ اغلب قیاس یہ ہے کہ چونکہ شیخ موصوف داؤدی مذہب کے پیشوا تھے۔ اور اس وقت سندھ میں ہباری خاندان کی حکومت تھی۔ جس میں داؤدی مذہب کا رواج ورواج اور داؤدی علماء کا عروج تھا۔ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں، "دولت ہباریہ کا سرکاری مذہب داؤدی ظاہری تھا۔" تو ابو محمد بھی اس امر کے پیش نظر سندھ تشریف لائے ہونگے! کیونکہ شاہان ہباریہ کی علم دوستی اور مذہب داؤدی سے پیوستگی اور ملک سندھ میں علماء کے اعزاز عام کے باعث یہ علاقہ علماء وفضلاء بالخصوص ائمہ داؤدی کا مرجع ومرکز بنا تھا۔ جو اکثر یہاں اعزاز واقتدار کے مالک بنتے تھے۔

قاضی اطہر لکھتے ہیں "سندھ میں عہدۂ قضاء پر داؤدی علماء قابض تھے۔"[۳]

[۱]:۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص۴۸۱ (علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المقدسی البشاری م ۳۸۰ھ) مطبوعہ بریل لیدن ۱۹۰۶ء

[۲]:۔ سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) مطبوعہ اقلیم جولائی ۱۹۶۳ء شاہ ولی اکیڈمی حیدرآباد سندھ۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۳۰، ۱۲۱، ۱۵۰، ۱۵۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء۔ سرمایہ عمر ۱۹۶۸ء (پروفیسر محمود) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء، پاکستان میں فروغ عربی ص۲۷۹۔

[۳]:۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۳۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) [۴] سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی)

چنانچہ شیخ ابو محمد داؤدی بھی جب سندھ تشریف لائے تو آپ کو آپ کے علم و فضل اور مذہب و مسلک کے پیش نظر مملکتِ سندھ کے دار الخلافہ المنصورہ میں عہدۂ قضاء کا قلمدان سپرد کیا گیا۔ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں، "مقدسی نے اپنے زمانے میں امام ابو محمد داؤدی کو منصورہ کا قاضی بتایا ہے۔ جو اس وقت داؤدی مذہب کے امام تھے"۔ [۱]

تدریس و تحدیث اور تصنیف و تالیف۔

شیخ ابو محمد کی تحصیل علوم اور اساتذہ و تلامذہ کی تفصیل و فہرست کسی بھی ترجمے میں مذکور نہیں۔ لیکن آپ کے المنصورہ میں تدریسی و تصنیفی مشاغل و کارنامے قابل ذکر ہیں علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المقدسی (م ۳۹۰ھ) ۳۷۵ھ میں سندھ کی سیر و سیاحت کے لئے آئے تھے۔ اور المنصورہ میں قاضی ابو محمد المنصوری سے آپ کی ملاقات ہوئی تو آپ ان کی علمی حیثیت و عظمت اور تدریسی و تصنیفی مشاغل و کارناموں کا مشاہدہ کرتے ہوئے اپنے تاثرات کا ان الفاظ میں اظہار کیا۔ [۲] "ورأیت ابا محمد المنصوری داؤدیا اماما فی مذھبہ ولہ تدریس و تصانیف قد صنف کتبا عدۃ حسنۃ"۔ ترجمہ:- اور میں نے شیخ ابو محمد المنصوری کو داؤدی پایا اور اپنے مذہب (داؤدی) کا امام۔ اور ان کا سلسلہ درس جاری تھا۔ اور ان کی تصنیفات بھی تھیں۔ انہوں نے متعدد عمدہ عمدہ کتابیں تصنیف کی تھیں۔

علامہ مقدسی کے متذکرہ بالا بیان سے مندرجہ ذیل امور کی وضاحت ہوتی ہے

(۱) شیخ ابو محمد کا مذہب داؤدی ظاہری تھا۔

(۲) آپ اپنے مذہب (داؤدی) کے امام یعنی مجتہد تھے۔

(۳) آپ کی المنصورہ میں ایک درس گاہ تھی۔ جس میں تدریس و تحدیث کا کام جاری تھا۔

(۴) آپ ایک فاضل مصنف تھے۔ اور کئی اعلیٰ اعلیٰ کتابیں آپ نے تصنیف کی تھیں۔

۱:- ہندوستان عربوں کی حکومت میں ص۲۱۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء۔

۲:- احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص۴۸۱ (علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المقدسی البشاری م ۳۹۰ھ) مطبوعہ بریل لیدن ۱۹۰۶ء۔

۳:- رجال السند و الہند ص۲۴۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشمیری بازار بمبئی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء۔

لیکن نہ کسی مترجم نے ان تصنیفات کی وضاحت و تفصیل بتائی ہے اور نہ ان کا کوئی پتہ چل سکا۔ شاید یہ کسی انقلاب و سیاسی بحران کا شکار ہو گئیں یا مرورِ ایام و زوالِ اقوام کے باعث ضائع ہو گئیں۔

وفات:-

شیخ ابو محمد المنصوری کی صحیح تاریخ و سالِ وفات کا کوئی تذکرہ نہیں مل سکا۔ البتہ اس بات سے کہ علامہ مقدسی نے ۳۷۵ھ میں آپ سے ملاقات کی تھی[1] یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قرنِ چہارم کے محدثین سے تھے۔

لہ:- رجال السند والہند ص ۶۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتابیلہ ی بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔

شیخ احمد بن محمد المنصوری رح-

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابوالعباس[1] اور نام ونسب یہ ہے[1] شیخ احمد بن محمد بن صالح التیمی القاضی الداودی المنصوری ہے- آپ قرن چہارم کے فضلائے محدثین وفقہائے داؤدیین سے ہیں-

آپ نسلاً عرب کے مشہور خاندان بنو تمیم کے چشم وچراغ تھے- اس قبیلے سے منسوب ہو کر "التیمی" کہلاتے ہیں[2]- لیکن آپ کے گھرانے کی آمد سندھ کی کوئی متعین تاریخ مذکور نہیں- البتہ چونکہ عرب قبائل کی ہجرت سندھ فتح سندھ کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی- چنانچہ محمد بن قاسم نے فتح دیبل کے بعد وہاں چار ہزار عرب گھرانے بسائے[3] اس طرح بعد کے ادوار میں بھی عرب عمال وگورنروں کی سندھ میں تقرری وقیام سے ان کے قبائل اقارب اور احباب کی یہاں ہجرت واقامت جاری وساری رہی- تو آپ کا بھی اسی طرح کوئی بزرگ کسی دور میں یہاں آکر آباد ہوا ہوگا-

قاضی اطہر مبارکپوری آپ کے لقب "التیمی" کی حسب ذیل الفاظ میں تشریح وتوضیح کرتے ہیں[4] "التیمی :- فالی بنی تمیم سکنوا فی السند وانتشر امرھم" یعنی التیمی بنو تمیم کی طرف منسوب ہیں- جو سندھ میں سکونت پذیر ہو گئے اور خوب پھیل گئے-

قاضی موصوف آگے عرب عمال وامراء کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں[5] "فالتیمیون فی السند من اسرۃ ھؤلاء العمال والامراء" ترجمہ :- پس تیمی لوگ سندھ میں ان حکام اور امراء کے پسماندگان سے ہیں-

اور چونکہ آپ سندھ کے دار السلطنت المنصورہ میں آباد وسکونت پذیر ہو گئے تھے اور پھر تحصیل علوم کے بعد یہاں کے عہدۂ قضاء پر سرفراز ہو گئے اس لئے آپ کو المنصوری کہا جاتا ہے-

---

1. الفہرست اردو ص ۳۲۰ (علامہ ابوالفرج محمد بن اسحٰق ابن ندیم ۳۸۵ھ) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۹ء مترجم محمد اسحٰق بھٹی-
   رجال السند والہند ص ۶۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء-
2. :- رجال السند والہند ص ۶۳
3. ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۲۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء
4. 5. :- رجال السند والہند ص ۶۳-

ترکِ وطن اور طلبِ علم وفن:-

شیخ ابوالعباس ابتداء میں اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے (جن کا نام کتب تراجم میں مذکور نہیں) تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر جب مزید علم وفن کا شوق وشغف دامن گیر ہوا تو وطن پدری سے ہجرت کر کے فارس وعراق تشریف لے گئے۔ اور وہاں باقاعدہ سکونت پذیر ہو کر ان علاقوں کے مشائخ وائمہ حدیث سے سماعت وتحصیل حدیث کی۔ پھر خود بھی وہاں کچھ عرصہ تک تدریس وتحدیث اور اشاعتِ حدیث میں مشغول ومصروف رہے۔ جہاں آپ سے بڑے بڑے علماء ومشائخ دین مثلاً امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم (م ۴۰۵ھ) وغیرہ نے اخذ حدیث کیا۔ کچھ عرصہ بعد المنصورہ واپس آئے۔[1]

علامہ ابو اسحٰق شیرازی اپنی کتاب "طبقات الفقہاء" میں لکھتے ہیں،[2] "القاضی ابوالعباس احمد بن منصور صاحب کتاب النیر اخذ العلم عن مملوک لہ الذی اعتقہ خرج الی بغداد وتعلم ثم عاد الی المنصور" ترجمہ قاضی ابوالعباس احمد بن منصور "کتاب النیر" کے مصنف۔ (انہوں) علم اپنے اس غلام سے جنہیں آزاد کیا، حاصل کیا۔ بغداد کی طرف نکلے اور تعلیم حاصل کی۔ پھر المنصور کی طرف واپس آئے۔

یہاں فاضل شیرازی سے آپ کے نسب میں کچھ لغزش ہوئی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے "احمد بن منصور" حالانکہ آپ کا نام ونسب باتفاق مترجمین ومورخین "احمد بن محمد المنصوری" ہے۔ البتہ اگر شیخ موصوف "احمد بن المنصوری" لکھتے تو بات کچھ بن سکتی۔ یعنی پھر یہ کہا جاتا کہ مترجم نے شیخ احمد کے والد کا ذاتی نام (محمد) چھوڑ کر اس کی جگہ انہیں ان کے وطن (المنصورہ) سے منسوب کر کے "المنصوری" کہا ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری نے بھی آپ کا یہ ترجمہ اپنی کتاب "رجال السند والهند" میں نقل کرنے کے بعد یہی اعتراض کیا ہے[3] لیکن نہ معلوم کہ علامہ شیرازی سے یہ سہو کیونکر واقع ہوا ہے۔

---

1. رجال السند والهند ص ۶۱ مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۸ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء [قاضی اطہر مبارکپوری]
2. رجال السند والهند ص ۶۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) بحوالہ طبقات الفقہاء (علامہ ابو اسحٰق شیرازی)
3. رجال السند والهند ص ۶۱

شیخ ابو العباس بھی شیخ ابو محمد کی طرح داؤدی مذہب کے مقتدا و امام تھے۔ اس لئے آپ "الداؤدی" لقب سے ملقب ہوتے ہیں۔ حافظ ابن ندیم ابو الفرج محمد بن اسحاق (م ۳۸۵ھ) آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "والمنصوری ہو ابو العباس احمد بن محمد بن صالح علی مذھب داؤد من افاضل الداؤدیین[1]" ترجمہ اور المنصوری، وہ ابو العباس احمد بن محمد بن صالح ہیں۔ جو امام داؤد ظاہری الاصبہانی (م ۲۷۰ھ) کے مذہب پر فضلائے داؤدیین سے ہیں۔

اسی طرح امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی (م ۵۶۲ھ) آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں، "احمد بن محمد بن القاضی المنصوری سکن العراق وفارس یکنی بابی العباس کان اماما علی مذھب داؤد الاصبہانی[2]" ترجمہ:- شیخ احمد بن محمد القاضی المنصوری عراق و فارس میں سکونت پذیر ہوئے، ابو العباس کنیت رکھتے ہیں۔ امام داؤد اصفہانی کے مذہب کے امام و پیشوا تھے۔

امام ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی (م ۶۲۶ھ) نے بھی انہی الفاظ میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں[3]، "لھم فقیہ یکنی ابا العباس داؤدی المذھب" ترجمہ:- اہل سندھ کا ایک داؤدی المذہب عالم فقہ تھا جس کی "ابو العباس" کنیت تھی۔

امام ابو العباس کا مقام:-

ان فضلائے مترجمین کے مذکورہ بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ ابو العباس المنصوری کا علم و فن میں درجہ و مقام بہت بلند تھا۔ آپ کو "الفقیہ" (ماہر فنون شریعت) اور "امام المذھب" (پیشوائے مذہب و مجتہد) کے القاب سے متصف کیا جاتا ہے۔ اور علماء آپ کو فضلائے مذہب میں شمار کرتے ہیں۔

---

[1] الفہرست ص ۳۲۲ (حافظ ابو الفرج محمد بن اسحاق ابن ندیم م ۳۸۵ھ) مطبوعہ

[2] کتاب الانساب ص ۵۴۲ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء۔

[3] رجال السند والہند ص ۶۲ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۸ء، بحوالہ:- معجم البلدان۔ علامہ ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی م ۶۲۶ھ۔

اساتِذہ و تلامذہ۔

شیخ ابو العباس نے فارس و عراق کے مشائخ کبار و حفاظ حدیث مثلاً شیخ اثرم، شیخ ابو العباس بن اثرم اور شیخ ابو روق الخضرانی سے حدیث کی تحصیل و سماعت کی۔ اور ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے حاصل کی تھی۔ مگر ان کا نام و ترجمہ معلوم نہ ہو سکا۔

آپ کے تلامِذہ و رواۃ میں امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم (م ۴۰۵ھ) کا تذکرہ ملتا ہے۔ امام ابو سعید عبد الکریم السّمعانی م ۵۶۲ھ نے آپ کے ترجمے میں آپ کی عراق و فارس میں سکونت پذیری کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے شیوخ و تلامذہ کا بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں[1] "سمع اثرم و طبقتہ۔ روی عنہ الحاکم ابو عبد اللہ الحافظ" (شیخ ابو العباس نے) شیخ اثرم اور ان کے طبقہ کے محدثین سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے امام حاکم ابو عبد اللہ (محمد بن عبد اللہ) الحافظ نے روایت کی۔ ایک اور روایت میں آپ کی سماعت و روایت کا شیخ ابو العباس بن اثرم اور شیخ ابو روق الخضرانی سے بھی بیان کیا گیا ہے[2]۔

قاضی اطہر مبارکپوری امام سمعانی کے حوالے سے لکھتے ہیں، "سمع بفارس ابا العباس بن اثرم و بالبصرۃ ابا روق الخضرانی[3]" ترجمہ:- سماعت کی (شیخ ابو العباس نے) فارس میں شیخ ابو العباس بن اثرم سے اور بصرہ میں شیخ ابو روق الخضرانی سے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی نے بھی شیخ ابو روق الخضرانی کو آپ کے شیوخ میں شمار کیا ہے[4]۔

ح ۱، ح ۲، ح ۳ :- کتاب الانساب ص ۲۴۴ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء،
رجال السند والہند ص ۶۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

ح ۴ :- میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۶۶ (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی ۷۴۸ھ) مطبوعہ مطبع السعادہ مصر ۱۳۲۵ھ۔
رجال السند والہند ص ۶۳۔

شیخ ابو العباس کے ترجمے میں قاضی اطہر مبارکپوری کا مغالطہ :-

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المقدسی البشاری (م ۳۹۰ھ) نے اپنے سفر سندھ ۳۷۵ھ کے دوران المنصورہ میں کس سے ملاقات کی تھی ؟

اس معاملے میں قاضی اطہر مبارکپوری سے ایک واضح مغالطہ سرزد ہو گیا ہے۔ آپ نے اپنی کتاب رجال السند والہند میں یہ ملاقات شیخ ابو العباس احمد بن محمد بن صالح التمیمی المنصوری کے لئے قرار دی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں، "قال القاضی کان احمد بن محمد بن صالح التمیمی المنصوری من رجال المائۃ الرابعۃ فان المقدسی جاء الی السند فی حدود سنۃ (۳۷۵ھ) ولقیہ فی المنصورۃ"[1] ترجمہ :- قاضی کہتے ہیں کہ شیخ احمد بن محمد بن صالح تمیمی منصوری چوتھی صدی کے محدثین سے تھے۔ کیونکہ مقدسی تقریباً ۳۷۵ھ میں سندھ آئے تھے اور ان (شیخ احمد بن محمد) سے المنصورہ میں ملاقات کی۔

حالانکہ علامہ مقدسی کے اپنے بیان "ورائیت ابا محمد المنصوری"[2] سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے منصورہ میں شیخ ابو العباس احمد سے نہیں بلکہ شیخ ابو محمد سے ملاقات کی تھی۔

اور قاضی موصوف خود بھی اپنی دوسری کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں (جو رجال السند والہند کے بعد لکھی گئی ہے) اس بات کی واضح الفاظ میں تصدیق و توثیق کرتے ہیں کہ علامہ مقدسی نے شیخ ابو محمد المنصوری سے ملاقات کی تھی۔[3] چنانچہ آپ مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۵۷ پر لکھتے ہیں، "مقدسی نے منصورہ میں قاضی ابو محمد منصوری کی تعلیمی و تدریسی سرگرمی اور تصنیفی کارگزاری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے، "ولہ تدریس وتصانیف قد صنف کتبا عدۃ حسنۃ" پھر آگے صفحہ ۱۵۸ میں لکھتے ہیں، "قاضی ابو محمد داؤدی منصوری

1ھ :- رجال السند والہند صفحہ ۴۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) [illegible] ۱۳۷۸ھ
2ھ :- احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم صفحہ ۴۸۱ (علامہ ابو عبد اللہ محمد المقدسی البشاری متوفی ۳۹۰ھ) مطبوعہ بریل لیدن ۱۹۰۶ء
3ھ :- ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں صفحہ ۱۵۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) [illegible] ۱۹۶۷ء

آپ سے مقدسی نے منصورہ میں ملاقات کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ آپ داؤدی مذہب کے امام اور منصورہ کے قاضی ہیں"... الخ۔ [1]

لیکن قاضی صاحب نے جہاں رجال السند والہند میں یہ ملاقات ابوالعباس سے منسوب کی ہے وہاں وہ اپنے مدعا کی تشکیل دینے کی خاطر علامہ مقدسی کے اپنے واضح بیان (رائیت ابا محمد المنصوری) کی بے جا تاویل کرنے پر مجبور ہو گئے چنانچہ لکھتے ہیں، "والکنہ ذکرہ بکنیۃ ابی محمد بخلاف القوم فانھم ذکروہ بکنیۃ ابی العباس۔ فیمکن ان یکون لہ کنیتان او وقع السھو عن المقدسی" [2]

ترجمہ:۔ لیکن (مقدسی نے) انہیں "ابو محمد" کی کنیت سے ذکر کیا ہے۔ بخلاف دوسرے مترجمین کے کہ انہوں نے انہیں ابوالعباس کی کنیت سے یاد کیا ہے۔ مگر یہ باتیں حجت وحقیقت سے خالی ہیں۔ کیونکہ اس قسم کا کوئی ثبوت نہیں کہ شیخ احمد بن محمد کی دو کنیتیں ہوں۔ یا علامہ مقدسی کو اپنے ملاقاتی کی کنیت وشخصیت کے بارے کچھ سہو واشتباہ ہو گیا ہو۔

بلکہ قاضی اطہر کی مذکورہ تاویل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ "ابو محمد اور ابو العباس" دونوں مشائخ کو رجل واحد سمجھ کر خود مغالطہ واشتباہ سے دوچار ہو گئے ہیں۔ کیونکہ علمائے محققین وفضلائے مترجمین کے تراجم وبیانات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "ابو محمد" اور "ابوالعباس" رجل واحد کی کنیتیں نہیں بلکہ ان سے دو الگ الگ شخصیتیں مقصود ہیں۔

امام ابوسعید سمعانی نے اپنی کتاب کتاب الانساب میں [3]، علامہ ابوالحسنات عبدالحی بن فخرالدین الحسینی الثقافۃ الاسلامیۃ میں [4]، مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے البینات میں [5] اور مولانا محمد اسلم نے سرمایہ عمر میں [6] شیخ ابو محمد منصوری کا علیحدہ ترجمہ لکھا ہے اور شیخ ابوالعباس المنصوری کا علیحدہ۔

ف[1]:۔ [illegible]

ف[2]:۔ رجال السند والہند [illegible]

ف[3]:۔ کتاب الانساب [illegible]

ف[4]:۔ الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند [illegible]

ف[5]:۔ [illegible] البینات [illegible]

ف[6]:۔ سرمایہ عمر [illegible]

یہاں تک کہ قاضی اطہر مبارکپوری نے خود بھی اپنی کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں کئی مقامات پر ان دونوں مشائخ کو علیحدہ علیحدہ..... شخصیت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

آپ مذکورہ کتاب کے باب "دولت ہباریہ کا سرکاری مذہب داودی ظاہری تھا" کے تحت ایک جگہ علامہ مقدسی کا شیخ ابو محمد منصوری کے بارے میں یہ بیان لکھتے ہیں:

"اور میں نے قاضی ابو محمد منصوری سے ملاقات کی ہے جو داؤدی المذہب ہیں اور اپنے مذہب کے امام ہیں۔ ان کا حلقہ درس جاری ہے۔ اور انہوں نے کئی اچھی اچھی کتابیں تصنیف کی ہیں۔" [۱]

پھر اسی باب میں آگے لکھتے ہیں: "سندھ میں بھی عہدہ قضاء پر داؤدی علماء قابض تھے۔ مقدسی نے اپنے زمانے میں امام ابو محمد داؤدی کو منصورہ کا قاضی بتایا ہے۔ جو اس وقت مذہب کے امام تھے۔ اور اس میں ان کی متعدد عمدہ تصانیف تھیں۔" [۲]

اور یہ بیان جاری رکھتے ہوئے شیخ ابو العباس کے متعلق لکھتے ہیں: "اسی طرح قاضی ابو العباس احمد بن محمد تمیمی منصوری بھی کئی کتابوں کے مصنف اور منصورہ کے قاضی تھے۔" [۳]

آگے اپنی کتاب کے باب (منصورہ کی علمی مرکزیت اور یہاں کے علماء و محدثین) کے تحت لکھتے ہیں [۴]: "قاضی ابو محمد منصوری داؤدی مسلک کے امام تھے اور منصورہ میں مستقل قیام پذیر تھے۔" ...... پھر شیخ ابو العباس کے بیان میں لکھتے ہیں: "اسی طرح قاضی ابو العباس احمد بن محمد المنصوری یہاں کے قاضی تھے۔ وہ بھی داؤدی مسلک کے فضلاء میں سے تھے۔" [۵]

قاضی موصوف نے آگے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ترجمہ بھی پیش کیا ہے۔ چنانچہ شیخ ابو العباس کے ترجمے میں لکھتے ہیں [۶]: "قاضی ابو العباس احمد بن محمد بن صالح تمیمی منصوری متوفی ۳۶۰ھ آپ شہر منصورہ کے قاضی اور داؤدی مذہب کے امام تھے۔ ان کا شمار فضلاء داؤدی میں تھا"

۱:۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۲۰ (قاضی اطہر مبارکپوری، مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء)
۲:۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۲۱
۳:۔ ایضاً
۴:۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۷
۵:۔ ایضاً
۶:۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۱

اور شیخ ابو محمد کے باب میں لکھتے ہیں، "قاضی ابو محمد داؤدی منصوری ہیں۔ آپ سے مقدسی نے منصورہ میں ملاقات کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ آپ داؤدی مذہب کے امام اور منصورہ کے قاضی ہیں"۔۔۔ الخ[1]

اِن بیانات و تراجم کی روشنی میں بالخصوص دونوں متنازعہ فیہ امور کا صریح اور واضح فیصلہ سامنے آگیا۔ اور ثابت ہوا کہ:۔

(۱) 'ابو محمد' اور 'ابو العباس' دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں۔

(۲) علامہ مقدسی نے منصورہ میں 'ابو العباس' سے نہیں بلکہ ابو محمد المنصوری سے ملاقات کی تھی۔

تصنیف و تالیف:۔

شیخ ابو العباس کی تصانیف میں مترجمین نے کتاب المصابیح، کتاب الهادی اور کتاب النیر کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن ندیم ابو الفرج محمد بن اسحاق لکھتے ہیں[2] "وله کتب جلیلة حسنة کبار۔ منها کتاب المصابیح کبیر، کتاب الهادی، کتاب النیر"

ترجمہ:۔ ان کی (شیخ ابو العباس کی) بڑی بڑی عظیم الشان اچھی کتابیں ہیں۔ ان میں سے کتاب المصابیح (جو بڑی اور ضخیم ہے)، کتاب الهادی اور کتاب النیر ہیں۔

آپ کی ان کتابوں کا نام موجود ہے لیکن ان کے کوائف و حالات کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

وفات:۔

شیخ ابو العباس کی تاریخ وفات کا کسی تذکرہ نگار نے بیان نہیں کیا۔ البتہ آپ کے شاگرد امام ابو عبد اللہ محمد بن ابی عبد اللہ الحاکم ۴۰۵ھ اور آپ کے مترجم علامہ ابن ندیم الحافظ ۳۸۵ھ کے سالہائے وفات کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ چوتھی صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے محدثین سے ہیں۔

---

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی سنہ ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۷ء

[2] الفہرست ص ۳۲۰ (علامہ ابو الفرج محمد بن اسحٰق ابن ندیم ۳۸۵ھ) مطبوعہ

شیخ عبدالرحیم الدیبلی

حسب ونسب:- آپ کا نام ونسب شیخ عبدالرحیم بن یحیٰ الدیبلی ہے۔
شیخ عبدالرحیم قرن چہارم کے مشائخ کبار وفضلائے محدثین دیبل (سندھ) سے ہیں۔
مگر آپ کا کوئی تفصیلی تذکرہ کہیں سے دستیاب نہ ہو سکا۔
آپ کا زیرِ تحریر ترجمہ قاضی اطہر مبارکپوری کی کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" سے لیا گیا ہے۔ جسے انہوں نے ۲۲، محرم الحرام ۱۳۸۶ھ میں امام حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی کی کتاب تاریخ مدینۃ اصفہان (قلمی) سے نقل کیا ہے جو اس وقت شیخ الاسلام مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود تھی[۱]۔
قاضی صاحب کا آپ کے بارے میں پورا بیان "الف" تا "ی" حسب ذیل ہے۔
"عبدالرحیم بن یحیٰ الدیبلی:- آپ نے ولید بن مسلم دمشقی سے اور آپ سے ابوالقاسم شعیب بن احمد دیبلی نے روایت کی ہے۔ یہ ولید امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) کے شاگرد ولید نہیں۔ کیونکہ وہ یعنی امام اوزاعی کے شاگرد ولید بن مسلم دوسری صدی کے اور یہ چوتھی صدی کے محدثین سے ہیں۔

اساتذہ وتلامذہ:-

قاضی اطہر کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ عبدالرحیم حصول علم وفن کی خاطر ترک وطن کر کے عرب چلے گئے تھے۔ جہاں آپ نے شیخ ولید بن مسلم دمشقی سے تحصیل وسماعتِ حدیث کی۔ اور آپ سے شیخ ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد دیبلی نے روایت کی ہے۔
قاضی اطہر لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالرحیم سے امام ابونعیم احمد بن عبداللہ الحافظ

---

[۱] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۲۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء۔ بحوالہ امام ابونعیم الحافظ الاصبہانی
قاضی اطہر نے اپنی کتاب مذکورہ ص۲۳ میں چند ایک ایسے محدثین کا تذکرہ کیا ہے جن کا ترجمہ آپ نے حافظ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی (م ۴۳۰ھ) کی کتاب تاریخ اصفہان سے لیا ہے۔ شیخ عبدالرحیم بھی ان میں سے ہیں۔
آپ اس سلسلے میں لکھتے ہیں: ان حضرات کے حالات امام ابونعیم اصفہانی کی تاریخ مدینۃ اصفہان قلمی سے کتب خانہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں ۲۲، محرم ۱۳۸۶ھ کو نقل کئے گئے ہیں۔ حاشیہ "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" ص۲۳ (قاضی اطہر)

الاصبہانی (م ۴۳۰ھ) نے دو واسطوں سے روایت کی ہے۔[1]
اس کے یہ معنی ہیں کہ شیخ عبدالرحیم دو واسطوں سے حافظ ابونعیم کے استاذ اور شیخ ہیں اور حافظ ابونعیم دو واسطوں سے آپ کے شاگرد و راوی شمار ہوتے ہیں۔

وفات

شیخ عبدالرحیم دیبلی کی تاریخ و سال وفات اور کیفیت و مقام وفات کا کوئی ذکر و بیان مذکور نہیں۔ آپ کے مترجم قاضی اطہر نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ البتہ آپ کے شاگرد ابوالغنم دیبلی کے قرن و سال وفات کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ چوتھی صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے محدثین سے ہیں۔

[1] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۳۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔
بحوالہ امام ابونعیم حافظ الاصبہانی تاریخ اصفہان (قلمی) کتب خانہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ
تاریخ تحریر ۲۲۔ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ۔

شیخ فضل بن احمد المنصوری

حسب ونسب:- آپ کا نام ونسب شیخ فضل بن احمد اصفہانی ہاشمی منصوری ہے اور فضل بن صالح منصوری کے نام سے بھی مشہور ومتعارف ہیں۔

شیخ فضل المنصورہ سندھ کے فضلائے محدثین سے ہیں۔ لیکن کتب تراجم میں آپ کا کوئی تفصیلی تذکرہ موجود نہیں۔

رجال سندھ وہند کے مورخ ومترجم قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کا ترجمہ اپنے سفر حجاز کے دوران امام حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ کی کتاب تاریخ مدینۃ اصفہان (قلمی) سے کتب خانہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں مورخہ ۲۲۔ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ میں نقل کیا تھا۔ ترجمہ لفظ بہ لفظ حسب ذیل ہے:-

اگر یونہا کی جگہ "مستا" کا لفظا لکھا جا ئے

"فضل بن احمد اصفہانی ہاشمی منصوری:- آپ نے منصورہ سے بغداد جاکر حدیث کی روایت کی۔ ہدبہ بن خالد سے حدیث کی تعلیم پائی۔ فضل بن صالح کے نام سے بھی مشہور ہیں"۔ [۱]

قاضی اطہر کے اس بیان وترجمے سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوتے ہیں:-

(۱) شیخ فضل کا اصل وطن المنصورہ (سندھ) ہے جہاں سے وہ حصول تعلیم کی خاطر بغداد چلے گئے۔ لیکن ترک وطن کی تاریخ مذکور نہیں۔

(۲) آپ کے اساتذہ میں سے مشہور ترین محدث شیخ ہدبہ بن خالد ہیں۔ یا کہ آپ نے اپنی اکثر تعلیم انہی سے حاصل کی ہے۔ اس لئے محض انہی کا ذکر کیا گیا۔

۱۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۳۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ۔ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء۔

(۳) آپ کے لقب اصفہانی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے حصول تعلیم کے
بعد بغداد چھوڑ کر مستقل سکونت اصفہان میں رکھی تھی۔ اسی لیئے آپ کو ترجمے
میں بغداد سے منسوب نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ کی نسبت محض اصفہان کی جانب کی جاتی ہے۔
(۴) ہاشمی :- اس نسبت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ موصوف نے عرب میں قیام پذیری
کے دوران قبیلہ بنو ہاشم سے موالاۃ کا تعلق قائم کیا ہوگا۔

علاوہ ازیں، آپ کے مترجم قاضی اطہر نے آپ کی تدریس و تحدیث اور
تلامذہ و رواۃ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

وفات :-

شیخ فضل المنصوری کی تاریخ وفات کا، ترجمے میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

شیخ ابو الغنم شعیب بن محمد الدیبلیؒ -

حسب و نسب :- آپ کا نام و نسب شیخ شعیب بن محمد بن احمد بن شعیب بن بذیع بن سوار الدیبلی المصری ہے[۵۱] اور کنیت ابو الغنم - "ابو الغنم" کے علاوہ دو اور کنیتیں "ابو القاسم اور ابن ابی قطعان"[۵۲] بھی مذکور ہیں -

لیکن مولانا عبد العلیم ندوی نے اپنے مقالہ "تذکرہ علمائے دیبل" میں ابن ابی قطعان کی جگہ "ابو قطعان" لکھا ہے، کہتے ہیں[۵۳] "ابو قطعان دیبلی سے شہرت پذیر ہو"

آپ کے جد امجد کا نام شعیب ہے یا سعید ؟ :-

اس میں ارباب تراجم نے کچھ اختلاف کیا ہے - مولانا عبد الحی بن فخر الدین الحسینی ۱۳۴۱ھ نے نزہتہ الخواطر میں اور علامہ ابو سعید عبد الکریم السمعانی ۵۶۲ھ نے کتاب الانساب میں "شعیب بن بذیع" لکھا ہے[۵۴] جب کہ قاضی اطہر مبارکپوری نے رجال السند و الہند میں، مولانا عبد العلیم ندوی نے مقالہ "تذکرہ علمائے دیبل" اور مولانا محمد اسلم نے سرمایہ عمر میں "سعید بن بذیع" لکھا ہے[۵۶]

تصحیح و ترجیح :-

چونکہ اس ترجمے کا اصل ماخذ امام ابو سعید السمعانی کی کتاب کتاب الانساب ہے - لھذا امام سمعانی کی روایت منبع و مرجع کی حیثیت رکھتی ہے اور وہی صحیح ہے - علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ کہیں طباعت کی غلطی سے اس نام میں تصحیف واقع ہوئی ہو - اور جب ایک مترجم نے "شعیب" کی جگہ سعید لکھدی تو دوسرے مورخ بھی اس کی دیکھا دیکھی میں سعید ہی لکھدیا - کیونکہ شعیب اور سعید کے الفاظ و حروف میں التباس و اشتباہ کی وجہ سے مغالطے کا امکان بہت زیادہ ہے -

---

۵۱ - سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم - مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ جولائی ۱۹۶۳ء

۵۲-۵۳ - ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء - فقہائے ہند ص ۹۱ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۲ء طبع اول - کتاب الانساب ص ۲۳۶ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء - رجال السند و الہند ص ۱۵۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

۵۴ - تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱ (مولانا عبد العلیم ندوی) - پاکستان میں فروغ عربی - مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی ۱۹۶۱ء

۵۵ - نزہتہ الخواطر ج ۱ ص ۹ (مولانا عبد الحی بن فخر الدین الحسینی) مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن - کتاب الانساب (سمعانی) ص ۲۳۶

۵۶ - رجال السند و الہند ص ۱۵۲ - تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱ - سرمایہ عمر ص ۱۴۳ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور

چنانچہ اگر "شعیب" کے "ش" اور "ب" کے نقطے حذف ہوں اور ب "مقطوع" شکل میں لکھا جائے تو یہ لفظ (شعیب) صاف طور پر "سعید" بن جاتا ہے۔

لہٰذا ان امور کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحیح نام "شعیب" ہے اور امام سمعانی اور علامہ عبدالحی الحسینی کا قول صحیح اور قابل ترجیح ہے۔ جن کی پیروی مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے کر کے "شعیب" لکھا ہے[ع]۔

شیخ ابو الغنم اصل و نسل کے لحاظ سے وادیِ سندھ کی پیداوار ہیں۔ اور مقام دیبل سے منسوب ہو کر دیبلی کہلاتے ہیں۔ اور سکونت و اقامت کے اعتبار سے آپ کو مصری کہا جاتا ہے[1]۔

ترکِ وطن اور اشاعتِ علم و فن

شیخ ابو الغنم تارکین وطن قدمائے محدثینِ سندھ سے شمار ہوتے ہیں[2]۔ لیکن آپ کے تفصیلی حالات و سوانح حیات کا کتب تراجم میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

مترجمین حضرات مثلاً، علامہ عبدالحی نے نزہۃ الخواطر ج ا ص ٦٧ میں، مولانا اطہر القاضی مبارکپوری نے رجال السند والہند ص ١٥٧ اور "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ١٦١ میں، مولانا محمد اسلم نے سرمایہ عمر ص ١٦٢ میں، مولانا عبدالعلیم ندوی نے تذکرہ علمائے دیبل ص ٣١ میں اور مولانا امیر احمد مخدوم عباسی نے "سرزمین سندھ میں علم حدیث" میں شیخ موصوف کے ترجمہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ آپ اپنا وطن (دیبل سندھ) چھوڑ کر مصر چلے گئے اور وہاں سکونت پذیر ہو کر تدریس و تحدیث اور اشاعت حدیث کا سلسلہ جاری کیا۔ جہاں آپ سے علماء و محدثینِ مصر وغیرہ نے اخذِ احادیث کیا جن میں سے شیخ ابو سعید بن یونس مشہور ہیں۔

ع۔ فقہائے ہند ج ا ص ۹۱۔

1۔ تذکرہ علمائے دیبل ص ٣١ (مولانا عبدالعلیم ندوی)، پاکستان میں فروغ عربی۔ مطبوعہ کراچی یونیورسٹی ١٩٧٥ء۔

2۔ فقہائے ہند ج ا ص ۹۱ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ١٩٧٤ء۔

ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ١٦١ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ١٣٨٦ھ / ١٩٦٦ء۔

رجال السند والہند ص ١٥٧ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ١٣٧٧ھ / ١٩٥٨ء۔

انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ٣٦ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ١٩٥٥ء۔

سرمایہ عمر ص ١٦٢ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ١٩٧٦ء۔

سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم جولائی ١٩٦٣ء، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ۔

البتہ قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں شیخ عبدالرحیم دیبلی کے بیان میں آپ کا ایک ضمنی تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:[1]

"عبدالرحیم بن یحیٰی دیبلی :- آپ نے ولید بن مسلم دمشقی سے اور آپ سے ابوالقاسم شعیب بن احمد دیبلی نے روایت کی ہے"۔

قاضی صاحب کے اس بیان سے اس بات کا اشارہ مل جاتا ہے کہ شیخ شعیب دیبلی تحصیل علوم کی خاطر وطن چھوڑ کر نہیں گئے تھے چنانچہ یہاں آپ نے اپنے ایک ہم وطن محدث شیخ عبدالرحیم دیبلی سے علم حدیث اخذ کیا۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی کے بیان سے اس بات کی کچھ وضاحت و تصدیق مل سکتی ہے، لکھتے ہیں:[2] "طلب علم کی غرض سے دیبل سے مصر گئے اور وہاں تعلیم حدیث سے بہرہ ور ہوئے"

شیوخ و تلامذہ :-

شیخ ابوالغنم دیبلی کے اساتذہ میں صرف شیخ عبدالرحیم بن یحیٰی دیبلی کا نام گرامی مذکور ہے جس کا قاضی اطہر مبارکپوری نے ذکر کیا ہے[1]

آپ کے تلامذہ و رواۃ میں مترجمین شیخ ابوسعید بن یونس کا ذکر کرتے ہیں امام ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی نے کتاب الانساب میں[3]، علامہ عبدالحی نے نزہۃ الخواطر میں[4] اور قاضی اطہر مبارکپوری نے رجال السند والہند میں[5] اس سلسلے میں شیخ ابوسعید بن یونس کا اپنا بیان نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "قال ابوسعید بن یونس کتبتُ عنہ" ترجمہ:- شیخ ابوسعید بن یونس ....

ا ع ؛- ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۲۳۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء۔

۵۲ :- فقہائے ہند جلد ۱ ص۹۱ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء طبع اول۔

۵۳ :- کتاب الانساب ص۲۳۶ (امام ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء۔

۵۴ :- نزہۃ الخواطر بہجۃ المسامع والنواظر ج۱ ص۴۶ (علامہ سید عبدالحی بن فخرالدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء۔

۵۵ :- رجال السند والہند ص۱۵۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔

کہتے ہیں، میں نے ان سے (شیخ ابوالغنم سے) لکھا۔ یعنی احادیث و روایتیں لکھیں۔ اسی طرح باقی تذکرہ نگار بھی آپ کے رواۃ میں شیخ موصوف کا نام لیتے ہیں[1]

وفات :- ۷

شیخ ابوالغنم دیبلی نے ڈاکٹر محمد اسحٰق کے بیان کے مطابق[2] ۳۷۰ھ ہجری (علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) مطابق ۹۸۰ء وفات پائی۔

---

[1] سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) مطبوعہ الرحیم شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد سندھ جولائی ۱۹۶۳ء
تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۱ (مولانا عبدالحلیم ندوی)
برصغیر میں علم حدیث ص ۱۶۴ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء
فقہائے ہند جلد ۱ ص ۹۱ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء

[2] انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۳۶ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء

الباب الخامس۔

قرن پنجم کے رجال۔

شیخ ابو محمد الحسن بن حامد الدیبلی

حسب و نسب[1]:- آپ کی کنیت ابو محمد اور نام و نسب یہ ہے۔ شیخ الحسن بن حامد بن الحسن بن حامد الدیبلی البغدادی ہے اور الادیب آپ کا تخلص ہے۔ شیخ ابو محمد قرن پنجم کے فضلائے محدثین و علمائے متموّلین دیبل (سندھ) سے تھے۔ آپ اصل و نسل اور وطن اصلی کے اعتبار سے دیبلی سندھی، اور وطن سکونت و اقامت کے لحاظ سے البغدادی کہلاتے ہیں۔

امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی نے آپ کی ایک حدیث روایت کرتے ہوئے سند کے بیان میں اس بات کی وضاحت کی ہے۔ لکھتے ہیں[2]: اخبرنا الصوری اخبرنا الحسن بن حامد بن الحسن بن حامد البغدادی واصلہ دیبلی

لیکن اس خاندان کا ترک وطن کی تاریخ و سال کتب تراجم میں مذکور نہیں۔

شیوخ و اساتذہ:-

شیخ ابن حامد نے بغداد پہنچنے کے بعد وہاں کے حفاظ و ائمہ حدیث سے تحصیل و سماعت حدیث کی جن میں سے شیخ علی بن محمد الموصلی، شیخ الحسن ابن العلیل، شیخ دعلج، شیخ ابوبکر محمد بن الحسن النقاش اور شیخ ابو علی الطوماری وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

امام خطیب البغدادی آپ کے شیوخ و اساتذہ کے بیان میں ایک جگہ لکھتے ہیں: "سمع من علی بن محمد بن سعید الموصلی" یعنی (شیخ ابن حامد نے) شیخ علی بن محمد بن سعید الموصلی سے حدیث کی سماعت کی۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۷ ص ۳۰۳ (امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء
رجال السند والہند ص ۹۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء
کتاب المنتظم ج ۸ ص ۱۸۱ (علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزی م ۵۹۷ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۸ھ
علامہ ابن الجوزی نے آپ کے نسب میں دو اور ناموں کا اضافہ کیا ہے: "الحسن بن حامد بن الحسن بن حامد بن الحسن بن حامد"

[2] تاریخ بغداد ج ۷ ص ۳۰۳، رجال السند والہند ص ۹۶۔

[3] ایضاً:- التاریخ الکبیر ج ۴ ص ۱۵۹ (امام ابن عساکر علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ثقۃ الدین الشافعی م ۵۷۱ھ) مطبوعہ روضۃ الشام ۱۳۳۲ھ

علامہ خطیب آگے آپ کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں جسے آپ نے شیخ.... الحسین بن العلیل سے روایت کی ہے۔

خطیبؒ پھر اپنے شیخ محمد بن علی الصوری کا آپ کے کچھ شیوخ کے بارے میں ایک بیان پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ " قال لی الصوری کتبہ عبدالغنی بن سعید الحافظ عن رجل عن شیخنا ابی حامد قال وذکرہ لنا ابن حامد انہ سمع من علیج وابی بکر محمد بن الحسن النقاش وابی علی الطوماری "

ترجمہ:- مجھ سے شیخ صوری نے کہا کہ لکھا اسے (مرویہ حدیث کو) حافظ عبدالغنی بن سعید نے ایک شخص سے (اس نے) ہمارے شیخ ابی حامد سے، کہا (اس مرد نے) کہ بیان کیا اسے ہمارے لئے شیخ ابن حامد نے کہ انہوں نے (شیخ ابن حامد نے) سنا اسے شیخ دعلج، شیخ ابی بکر محمد بن الحسن النقاش اور شیخ ابو علی الطوماری سے۔

تدریس حدیث اور آخذین و تلامذہ

شیخ ابن حامد اگرچہ ایک بہت بڑے سرمایہ دار تاجر اور صاحب جاہ و جلال شخص تھے لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ علم و فن اور شعر و سخن کے میدان میں بھی صاحب فضل و کمال رجال سے تھے۔ جہاں آپ اپنے دنیوی امور و مشاغل میں مصروف رہتے ہیں وہاں آپ تدریس و تحدیث اور اشاعتِ حدیث میں بھی مشغول نظر آتے ہیں۔ شیخ ابن حامد کی مستقل سکونت و اقامت اور درس و افادہ تو بغداد شریف میں تھا لیکن آپ بغداد کے علاوہ مصر و دمشق بھی تشریف لے گئے۔[۳] اور وہاں حلقہ تدریس و تحدیث قائم کرکے خلقِ خدا کو مستفیض و مستفید کرتے رہے۔

۱، ۲:- تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۰۳ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء۔ رجال السند والہند ص ۹۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء۔

۳:- التاریخ الکبیر ج ۲ ص ۱۵۹ (علامہ ابن عساکر علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ۵۷۱ھ) مطبوعہ روضۃ الشام ۱۳۳۲ھ۔ رجال السند والہند ص ۹۶۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۱۷ (مولانا عبدالحلیم ندوی)۔ سرمایہ عمر ص ۱۶۵-۲۲ (مولانا محمد اسحٰق) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء۔

ع و:- تذکرہ علمائے ہند ص ۳۱۷۔ سرمایہ عمر ص ۱۶۵۔ پاکستان میں عربی زبان [illegible] مطبوعہ کراچی یونیورسٹی ۱۹۷۵ء۔

علامہ ابن عساکر علی بن حسن بن ہبۃ اللہ (م ۵۷۱ھ) اپنی کتاب التاریخ الکبیر میں آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "قدم دمشق وحدث بہا وبمصر[ع]"

ترجمہ:- (شیخ ابن حامد) دمشق آئے اور یہاں حدیث بیان کی اور مصر میں بھی۔

امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) آپ کی ایک حدیث اپنے شیخ الصوری سے روایت کرتے ہوئے سلسلۂ اسناد میں ان کا (شیخ الصوری کا) یہ بیان ذکر کرتے ہیں، "سمعت منہ بمصر[لہ]" یعنی میں نے ان سے (شیخ ابن حامد سے) مصر میں سنا۔

شیخ ابن حامد کے تلامذہ و رُواۃ یقیناً بیشمار ہونگے۔ لیکن ترجمے میں علامہ خطیب نے ان میں سے صرف شیخ محمد بن علی الصوری کا ذکر کیا ہے جو علامہ خطیب کے اپنے استاذ ہیں۔ بالخصوص شیخ ابن حامد کی حدیث جو آگے بیان کی جائیگی، آپ نے انہی سے روایت کی ہے۔

اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ امام خطیب ایک واسطہ سے شیخ ابن حامد کے شاگرد اور شیخ ابن حامد ایک واسطہ سے ان کے استاذ و شیخ شمار ہوتے ہیں۔

مرویات:-

آپ کی مرویات میں سے علامہ خطیب البغدادی نے آپ کی مندرجہ ذیل حدیث روایت کی ہے[لہ]، "اخبرنا الصوری، اخبرنا الحسن بن حامد بن الحسن بن حامد البغدادی واصلہ دیلمی سمعت منہ بمصر قال حدثنا الحسن بن العلیل العنزی، حدثنا عبد العزیز بن مسلمۃ بن قعنب اخو عبد اللہ بن مسلمۃ - وما رأینا عندہ الا شیئاً یسیراً وکان یحدث ویبکی - قال حدثنا عبد العزیز بن ابی حازم عن ابیہ عن ابی سعید المقبری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من عمرہ اللہ تعالیٰ ستین سنۃ فقد عذر الیہ فی العمر" اور اسے امام ابن عساکر نے التاریخ الکبیر میں اور قاضی اطہر نے رجال السند والہند میں روایت کی ہے[۳][عہ]

لہ، لہ:- تاریخ بغداد ج ۷ ص ۳۰۳ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء

۳، عہ:- التاریخ الکبیر ج ۴ ص ۱۶۱ (امام ابن عساکر علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ثقۃ الدین الشافعی ۵۷۱ھ) مطبوعہ روضۃ الشام ۱۳۳۲ھ۔
رجال السند والہند ص ۹۷ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

محمد عمل ۔۔۔

شیخ ابن حامد کا بغداد میں وقار و اقتدار :-

شیخ ابن حامد عالم فاضل و محدث کامل ہونے کے ساتھ ساتھ بغداد شریف کے بڑے بڑے سرمایہ دار تجار میں شمار ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ بڑے مہمان نواز بھی تھے بغداد میں "خان ابن حامد" کے نام سے مشہور مسافر خانہ جو زعفرانی گلی میں واقع تھا آپ ہی کا تھا۔ علامہ خطیب البغدادی لکھتے ہیں، "وکان تاجرا اموالا والیہ ینسب خان ابن حامد الذی فی درب الزعفرانی [1]" ترجمہ :- (شیخ ابن حامد) بڑے سرمایہ دار تاجر تھے۔ اور سرائے ابن حامد جو زعفرانی گلی میں تھی ان کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں آپ بلدیہ بغداد کے نظم و نسق میں بھی ایک بااثر و باوقار حیثیت و شخصیت کے مالک تھے۔ شہر کے نرخ و بار کا نشیب و فراز آپ کے کنٹرول و اختیار میں رہتا تھا۔ آپ کے فضل و کمال اور جاہ و جلال کی شہرت و عظمت عرب و عجم کے دور و دراز علاقوں میں پھیل چکی تھی۔ جسے سن کر آپ کے شوق ملاقات میں علماء و فضلاء اور ادیب و شعراء آپ کے یہاں فروکش ہوتے تھے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی ۵۹۷ھ آپ کے ان کوائف و اوصاف میں لکھتے ہیں [2]، "وکان تاجرا ذا اموال نزل علیہ المتنبی حین قدم بغداد وکان القیم بامورہ فقال لہ لو کنت مادحا تاجرا لمدحتک" ترجمہ :- (شیخ ابن حامد) بڑے سرمایہ دار تاجر تھے (عرب کے مشہور شاعر) ابوالطیب احمد المتنبی (۳۵۴ھ) جس وقت بغداد آئے تو آپ کے یہاں اترے۔ اور (اس وقت) شہری نرخ و بار آپ کے احکام کے تابع تھے۔

تو علامہ متنبی (آپ کے اخلاق حسنہ، فضل و کمال، منصب و جاہ اور شخصیت و تربیت کے پیش نظر) کہنے لگے، "اگر میں کسی تاجر کی مدح سرائی کرتا تو آپ کی مدح کرتا"

---

[1] :- تاریخ بغداد ج ۷ ص ۳۰۳ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء۔
رجال السند و الہند ص ۹۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

[2] :- کتاب المنتظم ج ۷ ص ۱۸۱ (علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی ۵۹۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ ۱۳۵۹ھ۔
رجال السند و الہند ص ۹۸۔

متنبی کے قول کا مقصود و مفہوم صاف طور پر واضح ہے کہ وہ شیخ ابن حامد کو ان کے علم و فضل، جاہ و جلال اور جامع اوصاف حمیدہ کے باعث لائق ستائش و قابلِ تعریف شخصیت قرار دیتے ہیں۔ لیکن متنبی خود اپنی خودداری و عظمت کی وجہ سے تونگر پرستی کی تہمت سے بچنے کے لئے کسی تاجر و سرمایہ دار کی مدح خوانی نہیں کرتے لہٰذا ابن حامد کی بھی نہیں کی۔

اس عبارت پر غور کریں ترمیم

امام خطیب البغدادی رحمہ اللہ کی آپ سے ملاقات

امام ابوبکر خطیب البغدادیؒ کے مندرجۂ ذیل بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے شیخ ابن حامد دیبلی سے ملاقات کی ہے۔ لیکن آپ ان کی مندرجہ ذیل نظم کے علاوہ کسی حدیث کی ان سے سماعت و روایت کا ذکر نہیں کرتے ہیں۔

لکھتے ہیں، "وانشدنی المترجم لنفسه"[1] یعنی مجھے مترجم (شیخ ابن حامدؒ) اپنی ذات کے بارے میں شعر سنائے۔

شَرَیتُ المعالی غیر منتظر بها	کسادًا ولا سوقًا تقوم لها اجری
وما انا من اهل المکاس وکلما	توفرت الاثمان کنت لها اشری

ان مشائخ کی ملاقات میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ دونوں فضلاء مکین بغداد تھے۔ اور شیخ ابن حامد دیبلی کی وفات (۴۰۷ھ) کے وقت خطیبؒ پندرہ سال کے تھے۔ کیونکہ وہ ۳۹۲ھ میں پیدا ہوئے تھے[2]۔

دوم یہ کہ خطیب ثقہ و صدوق رجال سے ہیں۔ ان کی یہ بات (ملاقات والی) بالکل درست اور صحیح ہے۔

---

[1]: تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۰۲ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء۔ رجال السند والہند ص ۹۰ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

[2]: بستان المحدثین ص ۱۲۳ (اردو) (علامہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی) مطبوعہ کلام کمپنی کراچی ۱۳۳۶ھ۔

وفات :-

شیخ ابن حامد کی تاریخ وفات میں قدرے اختلاف ہے ۔ علامہ ابن الجوزی ابو الفرج عبد الرحمن (م ۵۹۷ھ) نے اپنی کتاب کتاب المنتظم میں آپ کا تذکرہ وفیات ۳۸۵ھ کے باب میں کیا ہے[51]

لیکن امام ابو بکر خطیب البغدادی لکھتے ہیں[52] "مات بمصر سنۃ سبع واربع مائۃ" یعنی (شیخ ابن حامد) مصر میں سنہ چار سو سات ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں فوت ہو گئے ۔

اسی طرح امام ابن عساکر علی بن حسن (م ۵۷۱ھ) التاریخ الکبیر میں لکھتے ہیں، "توفی بمصر فی یوم الاحد مستھل شوال من سنۃ سبع واربع مائۃ"[53]

ترجمہ :- (شیخ ابن حامد نے) مصر میں اتوار کے دن یکم شوال سنہ (۴۰۷ھ) میں وفات پائی ۔

اسی طرح قاضی اطہر مبارکپوری[54]، مولانا محمد اسلم[55]، مولانا عبد العلیم ندوی[56] وغیرہ سب کا اسی بات پر اتفاق ہے کہ آپ نے مصر میں ۴۰۷ھ میں وفات پائی تھی بلکہ قاضی اطہر مبارکپوری "رجال السند والہند" میں دونوں اقوال ۳۸۵ھ اور ۴۰۷ھ والے کو ذکر کرنے کے بعد صاف الفاظ میں (۴۰۷ھ) کی روایت کو ترجیح دے کر لکھتے ہیں، "قال القاضی قول الخطیب وابن عساکر فی وفاۃ الحسن بن حامد الدیبلی اصح"[57] ترجمہ :- قاضی کہتے ہیں کہ امام خطیب البغدادی اور امام ابن عساکر کا قول شیخ الحسن بن حامد دیبلی کی وفات کے بارے میں زیادہ صحیح ہے۔

---

۵۱ :- کتاب المنتظم ج ۷ ص ۱۸۱ (علامہ ابو الفرج عبد الرحمن ابن الجوزی م ۵۹۷ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۵۸ھ ۔ طبع اول ۔

۵۲ :- تاریخ بغداد ج ۷ ص ۳۰۳ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء ۔

۵۳ :- التاریخ الکبیر ج ۴ ص ۱۵۱ (امام ابن عساکر علی بن حسن بن ہبۃ اللہ م ۵۷۱ھ) مطبوعہ روضۃ الشام ۱۳۳۲ھ ۔

۵۴ :- ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۶۱ مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء

۵۵ :- سیر ماہ عجم ص ۱۶۶ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء ۔

۵۶ :- تذکرہ علمائے دیبل ص ۳۰ (مولانا عبد العلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی ۔ مطبوعہ کراچی یونیورسٹی ۱۹۷۰ء

۵۷ :- رجال السند والہند ص ۹۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشمیری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء ۔

اور قاضی اطہر کی یہ ترجیح بالکل صحیح اور معقول ہے کیونکہ ....

(I) علامہ خطیب البغدادی کی شیخ ابن حامد دیبلی سے ملاقات ثابت ہے جس کا بیان اس کے عنوان میں گذر چکا ہے۔ اور خطیبؒ علامہ ابن جوزیؒ کی بتائی ہوئی تاریخ (۳۸۵ھ) سے سات سال بعد (۳۹۲ھ) میں پیدا ہوئے تھے لہٰذا کیسی بھی صورت میں شیخ دیبلی کا سال وفات ۳۸۵ھ نہیں ہو سکتا۔

(II) دوم یہ کہ امام خطیب البغدادیؒ شیخ ابن حامدؒ کے قرن کے مورخ ہیں جب کہ ابن جوزیؒ ۵۹۷ھ قرن ششم کے رجال سے ہیں۔ اس لئے ابن جوزیؒ کی نسبت خطیب البغدادیؒ شیخ دیبلیؒ کے حالاتِ حیات و کوائفِ ممات سے زیادہ واقف و باخبر ہونگے۔

شیخ ابن حامد کا مصر میں وفات پانے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپنے اپنی زندگی کے آخری ایام مصر میں جا کر بسر کیئے۔ مولانا محمدؐ اسلم لکھتے ہیں، "اپنی عمر کے آخری ایام مصر میں جا کر گذارے[1]"

---

[1]: سرمایہ عمر ص ۱۶۶ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء

شیخ احمد بن محمد المنصوری

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابوبکر اور نام ونسب شیخ احمد بن محمد المنصوری البکر آبادی ہے[1] - آپ المنصورہ (سندھ) کے محدثین قرن پنجم میں شمار ہوتے ہیں شیخ ابوبکر کا وطنِ جدی وپدری المنصورہ ہے - اس لئے آپ کو المنصوری کہا جاتا ہے - اور تذکرہ نویس ومترجمین آپ کو رجال ومحدثین سندھ میں شمار کرتے ہیں لیکن چونکہ آپ کی مستقل سکونت واقامت جرجان کے مشہور شہر بکر آباد میں تھی لہذا آپ کو البکر آبادی بھی کہا جاتا ہے -

قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں[2] "وطن منصورہ تھا مگر جرجان کے شہر بکر آباد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے" - اسی طرح مولانا محمد اسلم لکھتے ہیں، "آپ نے ترکِ وطن کر کے جرجان کے ایک نواحی قصبہ بکر آباد میں جا کر سکونت اختیار کی - اور وہاں مورخہ ۲۹ - جمادی الاول ۴۲۳ھ کو وفات پائی"[3]

شیوخ واساتذہ :-[4]

شیخ ابوبکر نے حدیث کی تحصیل وسماعت شیخ ابوبکر بن اسمٰعیل اور شیخ ابن عدی الحافظ سے کی ہے - لیکن آپ کے تدریسی کارنامہ اور رواۃ وتلامذہ کا کوئی تذکرہ کتب تراجم میں نہیں ملتا -

---

[1] تاریخ جرجان ص۸۵ (امام ابو القاسم حمزہ بن یوسف السہمی الحافظ الجرجانی م ۴۲۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن سنہ ۱۹۵۰ء - رجال السند والہند ص۵۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۵۸ - مطبوعہ مکتبہ عارفین

[2] :- ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۵۸ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی سنہ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء -

[3] :- سرمایہ عمر ص۱۲۸ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور سنہ ۱۹۷۶ء -

[4] تاریخ جرجان ص۸۵ ، رجال السند والہند ص۵۸ ، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۱۵۸ ، سرمایہ عمر ص۱۲۸ -

شیخ ابوبکر کا علمی مقام :-

شیخ ابوبکر المنصوری کا علم و فضل میں مقام بہت بلند تھا۔ علوم حدیث میں ثقہ فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ آپ فنون شریعت میں بھی فقیہ کامل تھے۔ اس لئے آپکے مترجمین "الفقیہ" کے لقب سے متصف کرتے ہیں۔

امام ابوالقاسم حمزہ بن یوسف الجرجانی آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں: "ابوبکر احمد بن محمد المنصوری الفقیہ البکرآبادی"[1] اسی طرح مولانا محمد اسلم بھی آپ کے تعارف میں لکھتے ہیں: "بہت بڑے فقیہ و بلند پایہ محدث و ثقہ راوی گذرے ہیں"[2]

افسوس کہ اس شیخ کبیر کے تفصیلی حالات و سوانح حیات کسی ترجمے میں.... نہ مل سکے۔ آپکے ترجمے کا اصل ماخذ امام ابوالقاسم حمزہ بن یوسف السہمی الجرجانی کی کتاب "تاریخ جرجان" ہے جس میں فاضل مصنف نے آپ کا پورا تذکرہ و ترجمہ صرف ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے۔ لکھتے ہیں[3]: "ابوبکر احمد بن محمد المنصوری الفقیہ البکرآبادی روی عن ابی بکر بن اسمٰعیل و ابن عدی الحافظ توفی یوم الاثنین و دفن یوم الثلاثاء للتاسع والعشرین من جمادی الاولی سنۃ اثنین وعشرین واربعمائۃ" ترجمہ:- شیخ ابوبکر احمد بن محمد المنصوری الفقیہ (ماہر فنون شریعت) البکرآبادی، شیخ ابی بکر بن اسمٰعیل اور شیخ ابن عدی الحافظ سے روایت کرتے ہیں۔ پیر کے دن وفات پائی اور منگل کے دن مورخہ ۲۹۔ جمادی الاول سنہ چارسو بائیس ہجری میں دفن کئے گئے۔

ص۱:- تاریخ جرجان ص۵۸ (امام ابوالقاسم حمزہ بن یوسف السہمی الحافظ الجرجانی ...) مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۹۵۰ء

ص۲:- سرمایہ عمر ص۱۶۸ (مولانا محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور سنہ ۱۹۷۶ء۔

ص۳:- تاریخ جرجان ص۵۸ ۔ اسی بیان کو قاضی اطہر مبارکپوری نے رجال السند والہند ص۵۵ میں نقل کیا ہے۔

شیخ نصر اللہ بن احمد سندھیؒ

حسب ونسب :- شیخ نصر اللہ مشہور سندھی محدث شیخ احمد بن القاسم بن سیما البیع ابن السندی کے فرزند ارجمند ہیں[عہ] - اور کنیت آپ کی ابو الحسن ہے[لف]

لیکن حیرت ہے کہ مترجمین حضرات نے شیخ نصر اللہ کا پورا نام ونسب ذکر تو کر لیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی ان کی ان کے والد ماجد سے اس نسبت وتعلق کا اظہار ہی نہیں کیا ہے - بلکہ ڈاکٹر محمد اسحٰق کے ترجمے نے تو انہیں ایک اجنبی اور لاتعلق شخص قرار دیدیا ہے - لکھتے ہیں "وہ ایک سندھی غلام کا سوتیلا بیٹا تھا جو خراسان میں خریدا گیا تھا - اور ابن السندی مشہور ہو گیا"[۵۲]

شیخ نصر اللہ بھی اپنے والد ماجد کی طرح "ابن السندی" اور "البیع"[۵۳] کے القاب وآداب سے مشہور ومتعارف تھے[عہ]

آپ کی نسبتی کنیت "ابن السندی" کی توجیہ تو ظاہر ہے کہ آپ خود سندھی اور سندھی کے فرزند تھے -

اور آپ کا لقب "البیع" یا نسبتی ہے کہ آپ کے والد بیع تھے تو اس نسبت سے آپ کو بھی "البیع" کہنے لگے - یا حقیقی ہے کہ آپ اپنے والد کے بعد ان کے جانشین ہو کر خود اس عہدہ وپیشہ پر متعین ہوئے -

---

لف } تاریخ بغداد ج۱۳ ص۳۰۲ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء۔

عہ } رجال السند والہند ص۲۵۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص۵۶۲ (قاضی اطہر) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔

۵۲ :- انڈیاز کنٹری بیوشن ٹو حدیث (ترجمہ) ص۲۱۵ (ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء۔

۵۳ :- البیع : وہ آدمی جو شہر میں لوگوں کے درمیان مکانوں دکانوں اور سراؤں وغیرہ کی خرید وفروخت کا متولی ہو اور ان کے توسط وذریعہ سے ان کے بیع وشراء کا معاملہ طے ہوتا ہے۔

عہ :- شیخ احمد بن القاسم بن سیما البیع المحدث ابن السندی البغدادی قرن چہارم کے رجال سے ہیں اس باب میں ان کا ذکر ہو چکا ہے - ان کے [illegible]

سکونت بغداد :-

شیخ ابو الحسنؒ وطن جدی و پدری اور اصل ونسل کے اعتبار سے تو سندھی تھے لیکن چونکہ آپ کے والد ماجد شیخ احمدؒ بن القاسم پہلے ہی سے بغداد میں آکر مقیم ومکین ہو گئے تھے اور انہیں اس نسبت سے "البغدادی" کہا جاتا تھا۔ اس لئے آپ بھی بغداد میں سکونت پذیر ہو کر اسی لقب سے متصف ہو گئے۔

اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ ابو الحسنؒ کی پیدائش بھی بغداد میں ہوئی ہوگی۔

شیخ ابو الحسنؒ کی مستقل سکونت واقامت بغداد شریف کے مشہور اور محلہ کبیر "الازج" میں واقع تھی اس لئے انہیں "مِن اھلِ باب الازج" کے تعارفی فقرے سے متعارف کیا جاتا ہے امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی آپ کے ترجمہ وتعارف میں لکھتے ہیں[1]

"نصر اللّٰہ بن احمد بن القاسم بن سیما ابو الحسن المعروف بابن السندی البیع من اھل باب الازج" ترجمہ:- شیخ نصر اللہ بن احمد بن القاسم بن سیما ابو الحسن جو (لقب) ابن السِندی سے مشہور ومتعارف ہیں۔ "بابُ الازج"... والوں میں سے ہیں۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۰۲ (امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء۔
رجال السند والہند ص ۲۵۵ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ علمی کتب خانہ بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔

اساتذہ و تلامذہ :-

شیخ ابوالحسنؒ نے حدیث کی تحصیل و سماعت شیخ ابوالقاسم بن سنبک اور عمر بن محمد[1] سے کی ہے۔ اور آپ سے امام خطیب البغدادی روایت کرتے ہیں۔

امام موصوف لکھتے ہیں، "حدث عن ابی القاسم بن سنبک، کتبت عنہ وکان صدوقا[2]" ترجمہ:- حدیث کی روایت (شیخ ابوالحسن نے) شیخ ابوالقاسم بن سنبک سے کی۔ میں نے ان سے (حدیثیں) لکھیں اور نہایت سچے تھے۔

امام خطیب البغدادی کا آپ سے حدیث اخذ کرنا اور آپ کو "صدوق" سے متصف کرنا (جو اصطلاح محدثین میں محدث و راوی کے لئے ایک بہت اونچا وصف ہے) آپ کے علم و فضل اور وجاہت و ثقاہت کے لئے ایک بہت بڑی حجت ہے۔

مرویات :-

آپ کی مرویہ احادیث میں سے امام خطیب البغدادی نے مندرجہ ذیل حدیث روایت کی ہے:

"اخبرنا نصر اللہ بن احمد حدثنا عمر بن محمد بن ابراہیم المشاہد حدثنا محمد بن محمد بن سلیمان الباغندی حدثنا علی بن عبد اللہ المدینی حدثنا ملازم بن عمرو الیمانی حدثنی عبد اللہ بن بدر الحنفی عن قیس بن طلق عن ابیہ طلق بن علی قال لدغتنی عقرب عند النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرقانی ومسحہا"[3]

وفات :-

شیخ ابوالحسنؒ نے ذی القعدہ ۴۳۳ھ ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں وفات پائی[4]

---

[1] مرویات میں دی گئی حدیث آپ نے انہی سے روایت کی ہے۔ حدیث عنقریب بیان کی جا رہی ہے۔

[2][3] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۰۲ (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ) مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء
رجال السند والہند ص ۲۵۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۸ء۔

[4] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۰۲ - ، رجال السند والہند ص ۲۵۹ ، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۶ - مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء ، قاضی اطہر مبارکپوری۔
انڈ یا ز کنٹری بیوشن ٹو حدیث ص ۲۱۵ (ڈاکٹر محمد اسحٰق بر تحصیر یونیورسٹی آف ڈھاکہ) مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء۔

شیخ ہبتہ اللہ کے سوانح حیات اور ترک وطن کی تاریخ وحالات کا کوئی تفصیلی تذکرہ موجود نہیں۔ آپ کے ترجمہ کا اصل ماخذ امام ابو سعید السمعانی کی کتاب "کتاب الانساب" ہے جس میں انہوں نے شیخ ابو سعید محمد بن الخشاب البغدادی کے ترجمے میں آپ کا ایک ضمنی دو لفظی تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "روی لنا عنہ محمد بن الفضل الفرادی وھبتہ اللہ بن سھل السندی"[1] "ترجمہ:- ان سے (شیخ ابو سعید سے) روایت کی ہمارے لئے شیخ محمد بن الفضل الفرادی اور شیخ ہبتہ اللہ السندی نے۔

اور امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی نے بھی اسی طرح آپ کا امام ابو المعالی (۴۷۷ھ) کے ترجمے میں ضمناً ذکر کیا ہے کہ وہ (شیخ ہبتہ اللہ) امام ابو المعالی سے روایت کرتے ہیں۔[2]

اور ایک دوسرے مقام میں امام ذہبی نے حافظ ابن عساکر کے ترجمے میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے[3]: "انہ سمع ھبتہ اللہ السندی باصبھان" یعنی انہوں نے (حافظ ابن عساکر نے) شیخ ہبتہ اللہ السندی سے اصفہان میں سماعت حدیث کی۔

قاضی اطہر اپنی کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں آپ کا پورا ترجمہ ان الفاظ میں لکھا ہے، "ہبتہ اللہ بن سہل سندی اصفہانی محدث ہیں"[4]

قاضی صاحب موصوف رجال السند والہند میں امام سمعانی اور امام ذہبی کے متذکرہ بالا تراجم وبیانات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں[5]: "لم اقف علی احوال ھذا الامام الجلیل غیر ھذا وکان عارفا بالحدیث اماما فیہ یسکن باصبھان وکان من رجال المائۃ الخامسۃ"

ترجمہ:- میں اس جلیل القدر امام کے حالات پر سوائے اس کے (جو میں نے ذکر کیا) واقف نہ ہو سکا۔ اور وہ حدیث میں ماہر اور امام تھے، اصفہان میں سکونت پذیر تھے اور پانچویں صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے محدثین سے تھے۔
لیکن آپ کی تاریخ وفات کسی تذکرے میں مذکور نہیں۔

---

[1] کتاب الانساب ص ۱۹۹ (امام ابو سعید عبد الکریم بن ابی بکر محمد السمعانی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیڈن ۱۹۱۲ء۔

[2] [3] رجال السند والہند ص ۲۶۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء بحوالہ تذکرۃ الحفاظ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی م ۷۴۸ھ۔

[4] ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۵۶ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔

[5] رجال السند والہند ص ۲۶۳۔

شیخ ہبۃ اللہ بن سہل

حسب و نسب :- آپ کا نام و نسب شیخ ہبۃ اللہ بن سہل السندی الاصبہانی ہے - آپ قرن پنجم کے سندھی تارکین وطن محدثین میں شمار ہوتے ہیں -

شیخ ہبۃ اللہ اصل و نسل اور وطن اصلی کے اعتبار سے سندھی رجال سے ہیں - اسی بناء پر آپ کو "السندی" نام و لقب سے یاد کیا جاتا ہے - اور رجال پاک و ہند کے مترجم و مورخ قاضی اطہر مبارکپوری نے آپ کا محدثین سندھ میں تذکرہ لکھا ہے[1]

لیکن آپ کا وطن سکونت و اقامت اصفہان (ایران) ہے - قاضی اطہر لکھتے ہیں "یسکن باصبہان"[2] یعنی اصفہان میں سکونت رکھتے ہیں -

شیوخ و اساتذہ :-

شیخ ہبۃ اللہ نے حدیث کی تحصیل و سماعت شیخ ابی سعید محمد بن علی بن محمد الخشاف ..... النیسابوری (جو شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی کے شاگرد ہیں) اور ان کے خادم م ۴۲۱ھ (جن کا نام مذکور نہیں) اور شیخ ابو المعالی البغدادی سے کی ہے[3]

رواۃ و تلامذہ :-

آپ کے رواۃ و تلامذہ میں امام حافظ ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ اور امام ابو سعید عبدالکریم بن محمد السمعانی المتوفی ۵۶۲ھ کا ذکر ملتا ہے[4] جو اپنے وقت کے ائمہ و حفاظ حدیث تھے -

---

[1] [2] [3] [4] رجال السند والہند ص ۲۶۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کتابی بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء

اَلبابُ السَّادِسُ-

قرنِ ششم کے رجال-

شیخ اسمٰعیل بن علی الثقفی :-

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب شیخ اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن یعقوب الثقفی القاضی ہے[1] - آپ ان عرب فضلاء سے ہیں جن کا خاندان عرب سے سندھ میں آکر اقامت گزین ہوا - پس آپ وطن اصلی کے لحاظ سے ثقفی عرب اور وطن سکنی کے اعتبار سے سندھی شمار کئے جاتے ہیں۔

ورود واقامت سندھ :-

شیخ اسمٰعیل القاضی عرب کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف کے چشم وچراغ تھے - آپ کا جد اعلیٰ حضرت موسیٰ بن یعقوب الثقفی (جن کا قرن اول کے رجال میں بیان ہو چکا ہے، سنہ ۹۳ ہجری (علےٰ صاحبہا الصلواۃ والسّلام) میں حضرت محمدؒ بن قاسم کے ساتھ جہاد سندھ میں شریک ہو کر آئے تھے - فتوحات کے بعد محمد بن قاسم نے آپ کو سندھ کے مشہور قدیمی شہر ارور میں عہدۂ قضا وخطابت اور امور اسلامی کی نظامت پر مقرر فرمایا - اور آپ کو صدر الاسلام، الامام الاجل، بدر الملتہ والدین، سیف السنتہ ونجم الشریعتہ کے القاب وخطاب سے سرفراز وممتاز کیا[2]۔

ارور کا یہ عہدہ ومنصب اور یہ القاب وآداب شیخ موسیٰ بن یعقوب کی نسل وخاندان میں پشت در پشت جاری رہے - چنانچہ قرن ششم میں شیخ اسمٰعیل بن علی صاحب ترجمہ بھی انہی القاب وآداب کے ساتھ مملکت ارور سندھ کے عہدۂ قضا وخطابت پر فائز تھے -

علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی (م ۱۳۴۱ھ) قاضی شیخ موسیٰ بن یعقوب الثقفی کے

ف ۱ - فقہائے ہند ج ۱ ص ۱۲۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء طبع اول -
ف ۲ - نزہتہ الخواطر ج ۱ ص ۱۳۵ (علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۴۷ء -
تحفتہ الکرام (اردو) ج ۲ ص ۲۰۰ (علامہ میر علی شیر قانع ٹھٹوی -) مترجم اختر رضوی مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء -
ف ۳ - رجال السند والہند ص ۸۱ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کیلکری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء -

نوٹ: جن حضرات کے پیشو خود اور تحصیل کا بیان یا تدریس ... دستیاب ہوں ذکر نہیں کیا گیا ہے ان کا ذکر ... جائے

ترجمے میں ان امور کا اس طرح بیان کرتے ہیں، "موسیٰ ابن یعقوب بن محمد
بن شیبان بن عثمان الثقفی الفقیہ ولاہ القضاء والخطابۃ محمد بن القاسم
باروز سنہ ۹۳ھ وتداول اولادہ القضاء الی قرون متطاولۃ وکل واحد
منہم یلقب بالصدر الاسلام الامام الاجل بدر الملۃ والدین سیف
السنۃ ونجم الشریعۃ[۵۱]" ترجمہ:- شیخ موسیٰ بن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان
الثقفی الفقیہ (ماہر فنون شریعت) حضرت محمد بن القاسم نے انہیں ارور میں ۹۳ھ میں
قضاء اور خطابت کے عہدوں پر متعین کیا۔ اور ان کی اولاد عہدۂ قضاء پر طویل
قرون تک فائز رہی۔ اور ان میں سے ہر ایک " صدر الاسلام، الامام الاجل، بدر الملۃ
والدین، سیف السنۃ ونجم الشریعۃ" کے خطاب والقاب سے ملقب ہوتا تھا۔

پھر علامہ موصوف نے آپ کے ترجمے میں لکھا ہے، "الشیخ الفاضل اسمٰعیل بن علی
بن محمد بن موسیٰ بن یعقوب الثقفی السندی الفقیہ الخطیب القاضی بمدینۃ الرور
من بلاد سند ورث القضاء والخطابۃ من آبائہ وکان عالماً ماہراً بالفنون
الادبیۃ والحکمیۃ تلوح علی محیاہ انوار التقدیس ذکرہ علی بن حامد الکوفی
السندی فی تاریخ السند وقال انی لقیتہ بمدینۃ الرور[۵۲] ... الخ"

ترجمہ:- الشیخ الفاضل اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن یعقوب الثقفی السندی الفقیہ
(ماہر فنون شریعت) بلادِ سندھ کے شہر ارور کے خطیب اور قاضی، قضاء اور خطابت
کا اپنے باپ داداؤں سے وارث بنے تھے۔ فنونِ ادب وفلسفہ میں ماہر عالم تھے
برکت وتقدس کے انوار ان کی پیشانی پر چمک رہے تھے۔ شیخ علی بن حامد الکوفی (۶۱۳ھ)
السندی نے تاریخ سندھ (چچ نامہ) میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ میں ان سے
شہر ارور میں ملاقات کی ... الخ

آپ کا یہی ...... ترجمہ وتذکرہ انہی الفاظ میں مولانا میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے
تحفۃ الکرام میں[۵۳]، قاضی اطہر مبارکپوری نے رجال السند والہند میں اور مولانا محمد اسحاق بھٹی نے

---

۵۱ - نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۹۴-۱۹۵ (علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۴۷ء
۵۲ - نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۲۵ - ایضاً ایضاً
۵۳ - تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۱۷۰ (اردو ترجمہ) (مولانا علی شیر قانع ٹھٹھوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء

فقہائے ہند میں لکھا ہے اور فتح نامہ سندھ (ترجمہ چچ نامہ) ص۱۱ اور تشریحات فتح نامہ سندھ (ڈاکٹر نبی بخش) ص۵۵۳ میں مولانا علی بن حامد کوفی (م ۶۱۳ھ) کی آپ سے ملاقات کا بیان موجود ہے۔ جہاں آپ کو علامہ کوفی نے الامام الاجل العالم البارع، کمال الملت والدین، سید الحکام کہا ہے[ع]

ان بیانات کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ بنو ثقیف کا یہ گھرانا پہلی صدی ہجری (۹۳ھ) سے سندھ میں مستقل طور پر متوطن ہو کر چھٹی، ساتویں صدی ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) تک مسلسل اپنے علم و فضل کی بدولت ملکت اور سندھ کی مسند و منبر قضا و خطابت کا مالک رہا۔

اور یہاں اس خاندان کی نسل و اولاد پیدا ہوئی۔ جن میں سے صاحب ترجمہ شیخ اسمٰعیل بن علی القاضی قابل ذکر شخصیت گزرے ہیں۔

الغرض! قاضی اسمٰعیل اور ان کے باپ داداؤں (شیخ علی اور محمد) کی ولادت سکونت و اقامت، تعلیم و تربیت اور علمی فیض افادیت اور عہدہ و حکومت پھر مرقد و مزار یعنی حیات و ممات سب کچھ سندھ ہی میں ہوا۔

اسی بناء پر مترجمین حضرات نے آپ کا رجال و محدثین سندھ میں تذکرہ کرتے ہوئے آپ کو "السندی" نام و لقب سے متصف کیا ہے۔

لیکن افسوس کہ اس امام جلیل کے اساتذہ و تلامذہ، تصنیف و تالیف اور روایت و حدیث کا تراجم و تواریخ میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

وفات

شیخ اسمٰعیل القاضی کی تاریخ و سال وفات کی کسی نے تعیین نہیں کی ہے۔ البتہ مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے اپنی کتاب "فقہائے ہند" میں آپ کو چھٹی صدی کے فضلاء میں شمار کیا ہے[ا]

ا:- فقہائے ہند ج۱ ص۱۱۴ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء طبع اول۔

ع:- فقہائے ہند ج۱ ص۱۱۴ بحوالہ چچ نامہ علامہ علی بن حامد الکوفی م ۶۱۳ھ۔

اَلْبَابُ السَّابِعُ ۔

قرنِ ہفتم کے رجال ؒ ۔

امام مسعود بن شیبہ ؒ

حسب ونسب :- آپ کی کنیت ابن شیبہ اور نام ونسب[1] شیخ مسعود بن شیبہ بن الحسین بن السندی[1] - اور الامام، عماد الدین اور شیخ الاسلام آپ کے القاب ہیں[2]۔

شیخ مسعود قرن ہفتم کے ائمہ حدیث وفقہ اور فضلائے مصنفین سندھ سے ہیں - لیکن افسوس کہ اس امام جلیل کے تفصیلی حالات، مفصل سوانح حیات اور اساتذہ وتلامذہ کا کوئی تذکرہ دستیاب نہ ہو سکا۔

مولانا عبد الرشید نعمانی آپ کی تصنیف "مقدمۃ کتاب التعلیم" کی تعلیق میں آپ کا ترجمہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں، "وقد اجتہدت بان اجد لہ ترجمۃ اکثر من ذالک فلم اعثر علی شیء مما بایدینا - ولیس ذالک بالامر الغریب فان حوادث التتار التی تتابعت فی عہد الامام السندی وما ولیہا من الظلمات اضاعت منا الوقوف علی کثیر من المولفات والآثار النافعۃ وفحول الرجال فحسبنا اللہ ونعم الوکیل[3]۔ ترجمہ :- میں نے بہت کوشش کی کہ ان کا (امام مسعود کا) اس سے زیادہ تفصیلی تذکرہ مل سکے - لیکن سوائے اس کے کہ ہمارے ہاتھ میں ہے مزید کچھ نہ پا سکا - اور یہ کوئی عجیب بات نہیں - کیونکہ تتاریوں کی یورش وحملے اور واقعات جو امام سندھی کے زمانے میں پے درپے واقع ہوئے اور ان کے متصل جو تباہیاں بعد میں وارد ہوتی رہیں ہم سے بیشمار تصنیفات، مفید ذخائر علمی اور اجلہ مشائخ کی معلومات ضائع کر دیئے

---

[1] مقدمہ مقدمۃ کتاب التعلیم ص۶۷ (مولانا محمد عبد الرشید النعمانی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء طبع اول

[2] الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ ج۲ ص۱۶۹ (علامہ شیخ ابو محمد عبد القادر بن ابی الوفا محمد بن محمد ۷۷۵ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ طبع اول - تاج التراجم ص۷۲ (علامہ ابو العدل قاسم بن قطلوبغا الحنفی ۸۷۹ھ) مطبوعہ مطبع العانی بغداد ۱۹۶۲ء

[3] مقدمہ مقدمۃ کتاب التعلیم ص۷۶ -

یعنی امام موصوف کا تفصیلی ترجمہ و تذکرہ موجود و میسر نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ آپ مجہول و غیر متعارف شخص تھے بلکہ جیسا کہ علامہ نعمانی نے لکھا ہے اس کے خارجی عوامل و اسباب تھے۔ جنگوں کے سیلاب و حوادثاتِ زمانے کے طوفانوں نے ہمارے سینکڑوں علمی ذخائر و فنی خزائن کو دریا برد و برباد کر کے ہمیں اپنے ائمہ و مشائخ کے سوانح و حالات اور قابل قدر علمی معلومات و نوادرات سے یکسر محروم و بے خبر کر دیا۔

امامِ مسعود کا مقام:-

شیخ مسعود کا علم و فضل اور فقاہت و ثقاہت میں مقام بہت اونچا ہے۔ مترجمین و مورخین آپ کو "الامام، عماد الدین اور شیخ الاسلام" جیسے اعلیٰ القاب و آداب سے متصف کرتے ہیں۔ مولانا ابو محمد عبد القادر بن ابی الوفا محمد بن محمد (م ۷۷۵ھ) "الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ" میں آپ کا ترجمہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں، "مسعود بن شیبۃ بن الحسین ابن السندی عماد الدین الملقب شیخ الاسلام لہ کتاب التعلیم ولہ طبقات اصحابنا رحمہم اللہ علیہم اجمعین[1]" اسی طرح علامہ ابو العدل قاسم بن قطلوبغا الحنفی (م ۸۷۹ھ) اپنی کتاب "تاج التراجم" میں آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "ومسعود بن شیبۃ بن الحسین السندی عماد الدین شیخ الاسلام لہ کتاب التعلیم و کتاب الاصحاب[2]" یعنی شیخ مسعود بن شیبہ بن الحسین السندی عماد الدین (دین کا ستون) شیخ الاسلام (ان کی تصنیفات میں کتاب التعلیم اور کتاب الاصحاب یا طبقات الاصحاب (علماءِ احناف کا حالات و سوانح حیات کا تذکرہ) ہیں۔

اسی طرح علامہ نور الدین ملا علی القاری (م ۱۰۱۴ھ) اور علامہ ابو الحسنات عبد الحی بن فخر الدین

۱:- الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ ج ۲ ص ۱۶۹ (علامہ شیخ ابو محمد عبد القادر بن ابی الوفا م ۷۷۵ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۳۲ھ طبع اول۔

۲:- تاج التراجم ص ۷۷ (علامہ ابو العدل قاسم بن قطلوبغا الحنفی م ۸۷۹ھ) مطبوعہ مطبع العانی بغداد سنہ ۱۹۶۲ء۔

الحسینی (م ۱۳۴۱ھ) نے "الشیخ الفاضل الکبیر مسعود بن شیبۃ بن الحسین السندی عماد الدین الملقب بشیخ الاسلام[1]" کے الفاظ میں آپ کا تذکرہ لکھا ہے۔

مولانا عبدالرشید النعمانی (جنہوں نے آپ کی کتاب "مقدمۃ کتاب التعلیم" پر تعلیق لکھی ہے)، آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں "الامام مسعود بن شیبۃ السندی معروف فی بیئات العلم بالامامۃ والسعۃ فی العلم والثقۃ فی النقل وعلیہ اعتماد الاصحاب[2]" ترجمہ:- امام مسعود بن شیبۃ السندی علم کے گھرانوں میں وسعتِ علم و امامت (پیشوائی) اور ثقاہتِ روایت کے سے مشہور ہیں اور ان پر علماء کا اعتماد ہے۔

مولانا نعمانی آخر میں آپ کے اوصاف میں یہ کہتے ہیں[3] "ولا اقول فی الامام السندی الا انہ امام فقیہ عالم ادیب مورخ کبیر لہ خبرۃ بالحدیث و معرفۃ بالرجال ولا یخفی جلالتہ علی من طالع کتابہ ھذا" ترجمہ:- میں امام سندھی کے بارے میں محض یہی کچھ کہونگا کہ وہ امام ہیں، فقیہ (ماہر فنونِ شریعت) ہیں، عالم ہیں، ادیب ہیں، بہت بڑے مورخ ہیں علمِ حدیث میں انہیں مہارت تامہ اور فنِ اسماء الرجال میں معرفت کاملہ حاصل ہے۔ اور ان کی جلالت و عظمت اس شخص پر پوشیدہ نہیں رہی جس نے ان کی اس کتاب (مقدمۃ کتاب التعلیم) کا مطالعہ کیا۔

اس کے بعد معاندین و حاسدین کے اعتراضات اور شیخ سندھی پر حملے کا ذکر اور ان کے جوابات و تردید کا بیان لازماً کیا جائے۔

---

[1] :- مقدمہ مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۷۵-۷۶ (مولانا عبدالرشید نعمانی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ سنہ ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۵ء طبع اول

[2] :- مقدمہ ص ۷۵۔ [3] :- مقدمہ مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۸۰۔

امام مسعود کی تصنیفات و علمی خدمات :-

شیخ الاسلام امام ابن شیبہ کی تصنیفات میں سے مندرجہ ذیل کتابیں مشہور ہیں
(۱) مقدمتہ کتاب التعلیم ۔ (۲) کتاب التعلیم ۔ (۳) کتاب الطبقات
ان میں سے "مقدمتہ کتاب التعلیم" طبع ہو چکا ہے اور دستیاب ہے اور باقی دونوں
کتابیں ناپید ہیں ۔ آگے ہم ان کا، تفصیل سے، بیان کریں گے ۔

مقدمتہ کتاب التعلیم :-

یہ بظاہر اگرچہ ایک مختصر مجموعہ ہے لیکن درحقیقت یہ ایک شاہکار تصنیف ہے
اس کا بغور خصوص مشاہدہ و مطالعہ کرنے سے اس کی جامعیت اور اہمیت وافادیت
کا صحیح اندازہ معلوم ہو سکتا ہے ۔ اور پڑھنے والا یہ کہنے پر مجبور ہو گا " یہ تو کوزہ میں
دریا بند ہے "

موضوع :-

یہ کتاب بکلہ امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب اور جارحین
و قادحین کے رد و کد اور اعتراضات کی تردید و جوابات اور آپ کا دوسرے ائمہ سے
تقابل و ترجیح اور مذہب حنفیت کی فضیلت و فوقیت کے بیان و دلائل پر
موقوف و منحصر ہے ۔ اور یہ اس سلسلے میں ہو ایک ننگی تلوار ہے ۔
درحقیقت شیخ الاسلام سندھی کو اس تالیف لطیف پر اس بات نے آمادہ کیا تھا
کہ شیخ جوینی اور امام غزالی نے اپنی اپنی تصنیفات "مغیث الخلق" اور "المنخول" میں
امام اعظم کی شان میں گستاخانہ طعن و طنز کیا تھا تو آپ سے یہ برداشت نہ ہو سکا ۔ اور

ان کے رد و جواب اور توبیخ و عتاب اور امام اعظم کی تصدیق و توثیق اور تعظیم و تکریم میں یہ مقدمہ جلیلہ تالیف کیا۔

امام ابن شیبہ اس کی توضیح میں خود لکھتے ہیں، "واعلم وفقنا اللہ تعالے وایاک لطاعتہ ولولاک وایانا بحفظہ وکلائتہ انا لا نقصد بہذا الکتاب المناظرۃ مع المخالفین فی تفضیل المذاہب ولا المجادلۃ معہم فی الرد علیہم والطال شبہتہم - وانما اردنا ان نذکر نبذۃ من مناقب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالے عنہ ولمعۃ من سیرۃ غیر انا وجدنا للجوینی کتابا سماہ مغیث الخلق ولتلمیذہ الغزالی تالیفا یقال لہ المنخول" اطنب کل منہما فی سب ابی حنیفۃ وثلبہ وھضمہ والرد علیہ والطعن فی ابی حنیفۃ وتقریظ الشافعی و الغلو فی متابعتہ بزخرف من القول ولطیف من الکذب والمحال فلم نجد بدا الذلک من الجواب وعذرا للخروج من الایجاز الی الاطناب من غیر بسط واستیعاب[1]" ترجمہ:- اور جان لے اللہ تعالے ہمیں اور آپ کو اپنی اطاعت کی توفیق عطا کرے! اور آپ کو اور ہمیں اپنی حفاظت و سہارے میں جگہ دے! تاکہ ہم اس کتاب سے اپنے مخالفین سے تفضیل مذاہب پر مناظرہ اور ان کے شبہات کو باطل کرنے اور ان کی تردید میں جھگڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔ ہم نے محض یہ ارادہ کیا تھا کہ امام اعظم ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالے علیہ) کے مناقب و سیرت سے کچھ حصہ بیان کریں۔ لیکن ہم نے شیخ جوینی کی ایک کتاب دیکھی جس کا نام اس نے "مغیث الخلق" رکھا ہے اور اس کے شاگرد غزالی (امام ابو حامد احمد بن محمد بن محمد م ۵۰۵ھ) کی ایک تالیف جسے "المنخول" کہا جاتا ہے۔ دونوں نے امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالے علیہ) کے سب و شتم، بڑھانے گھٹانے، ان پر رد و کد اور طعن و تشنیع اور اور امام شافعی (رحمۃ اللہ تعالے علیہ) کے وصف و تعریف اور ان کی اتباع میں شدت و مبالغہ کرنے میں بناوٹی سجاوٹی بات اور عجیب و محال جھوٹ سے

[1] مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۳۰۲ (امام مسعود بن شیبہ بن الحسین صاحب ترجمہ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۵ء، طبع اول۔

بہت طویل بیانی کی ہے ۔ تو ہم نے اس کا جواب دینے اور اختصار سے (بغیر لمبی تشریح اور پوری تفصیل کے) طوالت کلام پر جانے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں پایا۔

چنانچہ آپ نے اپنی تصنیف "کتاب التعلیم" کی ابتداء میں تحمید و تمہید کے بعد یہ مقدمہ لکھا۔ کتاب کے صفحۂ اول کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین ولا عدوان الا علی الظّٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین ، و

لعبد حمد اللہ علی ثنائہ والصلوٰۃ علی محمد واولیائہ انی اذکر فی ھذا المختصر اصول الدین وفروع الشریعۃ التی کانت علیھا الامم الخالیۃ وعملت بھا الاسلاف الماضیۃ ، (وان الوقائع کما فی الحوادث خالی الشواذ مجتنب العوصاء) یجب علی موحد اعتقادھا والعمل بھا والیسع لمسلم جھلھا والاغفال عنھا۔ وقد سمیتہ کتاب التعلیم "لانی رتبت فیہ العبادات ترتیبا لم یسبقنی احد الیہ من القدماء وجمعت فیہ من الآداب مالم یجمعھا فقیہ واردفتھا بالادعیۃ المأثورۃ المشھورۃ واوردت فیہ التسبیح والتھلیل من الکتب المنثورۃ مالو نظر فیہ الناظر وتاملہ وتحفظ ما استودع وتحصلہ استغنی بہ عن غیرہ من الکتب وعد فیھا من علیۃ الفقھاء من العجم والعرب وقد اقتصرت علی قول ابی حنیفۃ الا فی مواضع لیسھل علی الطالب حفظہ وللراغب العمل بہ واسئل اللہ تعالیٰ ان یعم بہ النفع ویشیعہ ویجعلہ نوراً فی العٰلمین ویذیعہ "وعلیہ التوکل فیما استعین بہ" ؎۱

آگے آپ مقدمہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں ، "وقبل الخوض فی المسائل لابد من ذکر فضائل الامام ابی حنیفۃ" وبیان مناقبہ وانہ امام الائمۃ واعلم علماء ھٰذہ الامۃ ومذھبہ خیر المذاھب الاربعۃ مع اختصاصہ

؎۱ :۔ مقدمۂ کتاب التعلیم ص۱ (امام مسعود بن شیبہ بن الحسین عماد الدین شیخ الاسلام صاحب ترجمہ)۔ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۔ ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء طبع

بمفاخر اسلافہ الجبابرۃ ملوک الممالک والفرادۃ بمآثر اجداد الاکاسرۃ فی المشارق والمغارب"[1] ترجمہ:- اور مسائل میں مشغول ہونے سے پیشتر امام ابوحنیفہؒ کے فضائل و مناقب کا بیان کرنا بے حد ضروری ہے اور وہ بتحقیق اماموں کے امام (پیشوا) اور اس امت کے علماء کے عالم ترین شخص ہیں۔ اور ان کا مذہب چاروں مذاہب کا افضل ترین مذہب ہے۔ اس امر کے ساتھ ساتھ کہ وہ مخصوص ہیں اس فخر میں کہ ان کے اسلاف (آباء و اجداد) ممالک کے جابر بادشاہ تھے اور وہ اپنے سلاطین اجداد کی جائداد میں منفرد ہیں۔

یعنی علم و فضل اور فنی استعداد و مہارت کے علاوہ امام اعظم اصل و نسل اور نسلی خصوصیات و امتیازات کے لحاظ سے بھی برتر ہیں۔

چنانچہ امام ابن شیبہ آگے اسی بات کی توضیح کی خاطر امام اعظم کا نسب نامہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، "من فضائلہ: ان لہ الوۃ لا توجد لغیرہ من فقہاء الامصار التی تدور الفتوی علی اقاویلهم والعمل بمذاهبهم مالک والثوری والشافعیؒ لان اباحنیفۃ هو النعمان بن ثابت بن قیس بن المرزبان بن زوطی بن ماہ بن یزدجرد بن شهریار بن ازدشیر بن بابکان جد ملوک العجم بن بابک بن ساسان بن بهمن بن اسفندیار بن گشتاسف بن بخت نصر وهو اسیف بن فیوج بن خمیس بن کناسۃ بن کیقباد بن زاب بن بوزکان بن منوچہر بن ایرج بن نمرود بن کنعان بن جم بن بوبجهان بن ارفخشد بن سام بن نوح صلی اللہ تعالی علی نبینا وعلیہ وسلم"[2]

شیخ سندھی آگے امام اعظم کی حسب و نسب کو ملوک فارس سے ثابت کرنے اور معاندین و حاسدین کی اس افترا "کہ امام اعظم کی نسل میں غلامیت واقع ہوئی تھی" کی تردید میں امام اعظم کے فرزند شیخ اسمعیل بن حماد بن امام ابی حنیفہ کا قول مع اسناد متصلہ پیش کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں، "فان قیل قد روی غیر واحد ان اباحنیفۃ کان مولی لبنی تیم اللہ بن ثعلبۃ قیل لہ هذا افتراء من اهل الالحاد واختلاق من اصحاب الحشو، فانہ روی باسناد متصل من طرق عدیدۃ عن محمد بن

[1] مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۲ (امام مسعود بن شیبہ صاحب ترجمہ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ [illegible] طبع اول
[2] مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۳ - ایضاً ایضاً

سماعۃ وبشر بن الولید ویحیٰ بن ادم وابی سلیمان
الجوزجانی واسمٰعیل بن صبیح قالوا جمیعاً سمعنا اسمٰعیل
بن حماد بن ابی حنیفۃ القاضی یقول انا اسمٰعیل بن
حماد بن ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت بن نعمان بن المرزبان
ومنھم من ذکر علی ما ذکرناہ من ابناء فارس ومنھم من قال من ابناء
ملوک فارس الاحرار واللہ ما وقع علینا رق قط" [۱]

ترجمہ:- پس اگر کہا جائے کہ بہ تحقیق بہتوں نے روایت کی کہ کہ امام ابوحنیفہ رح
تیم اللہ بن ثعلبہ کے موالی (آزاد کردہ غلام) تھے تو کہا جائیگا کہ یہ ملحد لوگوں کا بہتان
اور افواہ بازوں کی ایک من گھڑت افواہ ہے۔ کیونکہ متصل سند کے ساتھ بے شمار
طریقوں سے روایت کی گئی ہے شیخ محمد بن سماعۃ، بشر بن الولید، یحیٰ بن آدم، ابی سلیمان
الجوزجانی اور اسمٰعیل بن صبیح سے۔ سب نے کہا کہ ہم نے قاضی اسمٰعیل بن حماد بن ابی حنیفہ
سے سنا کروہ کہہ رہے تھے کہ میں اسمٰعیل بن حماد بن ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت
بن نعمان بن المرزبان ہوں۔ (اور ان راویوں میں سے بعض نے تو وہی بیان
کیا جس کا ہم نے ذکر کیا ابناء فارس سے۔ اور ان میں سے بعض نے تو کہا کہ ملوک فارس کی اولاد
احرار (خاندان آزاد، جو غلام نہ ہو) سے۔ (اور شیخ اسمٰعیل القاضی بن حماد نے مزید کہا) خدا کی
قسم ہم پر ہرگز غلامی نہیں پڑی۔

امام شیبہ آگے اس بات کی تائید میں کہ امام اعظم شریف النسب تھے۔ ان کے نسب میں غلامی ہرگز
واقع نہ ہوئی تھی، مختلف طریقوں سے روایات پیش کرتے ہیں [۲]
اسی طرح علامہ نعمانی نے بھی تعلیق میں اس کی تصدیق و تائید میں بیشمار اقوال بیان
کئے ہیں۔ [۳]

[۱]:- مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۶-۹ (امام مسعود بن شیبہ صاحب ترجمہ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ [illegible] طبع اول
[۲]:- مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۹ (امام مسعود رح)
[۳]:- حاشیہ مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۶-۹ (مولانا محمد عبدالرشید نعمانی)۔

شیخ ابن شیبہ آگے امام اعظمؒ کے فضائل میں ان کی تابعیت کا بیان مع دلائل وثبوت پیش کرتے ہیں ۔ لکھتے ہیں ، "ومن مناقبہ رضی اللہ تعالی عنہ انہ اسبقھم الی الاسلام واقربھم الی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانہ ولد سنۃ ثمانین من الھجرۃ وادرک جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنھم وروی عنھم الحدیث وسمع منھم الفقہ ۔ منھم انس بن مالکؓ وعبد اللہ بن الحارث بن جزء الزبیدیؓ وعبد اللہ بن انیسؓ وسھل بن سعد الساعدیؓ وواثلۃ بن الاسقعؓ وعبد اللہ بن ابی اوفی الانصاری وجابر بن عبد اللہ الانصاری وعائشۃ بنت عجرد رضی اللہ تعالی عنھم" [1]

ترجمہ :- اور ان کے (امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے) مناقب سے یہ ہے کہ وہ دوسرے اماموں سے اسلام کی طرف سابق ترین اور ان سے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نزدیک ترین شخص ہیں کیونکہ وہ سنہ اسی ہجری میں پیدا ہوئے ۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالے عنھم کی ایک جماعت کو پایا اور ان سے حدیثیں روایت کیں اور مسائل دین کی ان سے سماعت کی ۔ ان میں سے حضرت انس بن مالک ، حضرت عبد اللہ الحارث بن جزء الزبیدی ، عبد اللہ بن انیس ، سہل بن سعد الساعدی ، حضرت واثلہ بن الاسقع حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی الانصاری ، حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری اور حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالے عنھم

علامہ نعمانی صاحب تعلیق شیخ ابن شیبہ کے اس بیان کی تصدیق وتائید میں بیسیوں روایاتِ صحیحہ واقوال مستندہ ذکر کرتے ہیں ۔ اور وہ احادیث مع اسناد نقل کرتے ہیں جنہیں امام اعظم نے ان صحابہ کرام (رض) سے سماعت وروایت کی ہیں ۔

---

[1] :- مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۱۷ ۔ ۲۲ (علامہ امام مسعود بن شیبہ بن الحسین السندی مع ترجمہ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۵ء طبع اول ۔

کتابُ التعلیم :-

کتاب التعلیم، اصولِ دین و فروعِ شرع متین میں اعلیٰ ترتیب و عمدہ تنظیم کا ایک بے نظیر و بے مثال مجموعہ ہے۔ امام سندھی نے ساتھ ساتھ اس میں احادیث و آثار سے ثابت شدہ دعوات اور تسبیحات و تہلیلات بھی جمع کی ہیں۔

یہ کتاب فقہ حنفیہ میں جس طرح امام موصوف نے خود لکھا ہے، مسائل و احکامِ اسلام کی ایک نادر و نایاب تصنیف ہے۔ آپ تمہید کتاب میں اس کے موضوعات و مقاصد بیان کرتے ہوئے اس کے وصف میں لکھتے ہیں، "وقد سمیتہ کتاب التعلیم لانی رتبت فیہ العبادات ترتیبا لم یسبقنی احد الیہ من القدماء وجمعت فیہ من الآداب مالم یجمعھا فقیہ وار دفتھا بالادعیۃ الماثورۃ المشھورۃ واوردت فیہ التسبیح والتھلیل من الکتب المنشورۃ مالونظر فیہ الناظر وتاملہ وتحفظ ما استودع وتحصلہ استغنی بہ عن غیرہ من الکتب وعد فیھا من علیۃ الفقہاء من العجم والعرب"۔[1]

ترجمہ:- اور بتحقیق میں نے اس کا نام کتاب التعلیم رکھا۔ کیونکہ میں نے اس میں عبادات کی ایسی ترتیب رکھی جس کی قدماء مصنفین میں سے کسی ایک نے مجھ سے پہلے نہیں کی اور اس میں میں نے ایسے احکام و مسائلِ مسنونہ جمع کئے ہیں جنہیں کسی اور فقیہ نے جمع نہیں کئے تھے۔ اور آخر میں مشہور ادعیہ ماثورہ ان کے ساتھ شامل کر دیئے اور متداولہ کتب سے اس میں تسبیحات و تہلیلات بھی لا ڈالیں۔ کہ اگر دیکھنے والا اس میں دیکھے۔ اور اسے غور و خوض سے مطالعہ کرے اور جو کچھ سیکھا اور حاصل کیا اسے یاد رکھے تو وہ اس کی بدولت دوسری کتب سے مستغنی ہو جائیگا۔ اور ان مسائل و احکام میں (ان کے علوم میں) عجم و عرب کے چوٹی کے فقہاء میں شمار ہو جائیگا

---

[1] مقدمہ کتاب التعلیم ص ۱ (امام مسعود بن شیبہ صاحب ترجمہ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۵ء طبع ۱

لیکن افسوس کہ یہ خزینۂ جواہرات و دفینۂ نوادرات واقعات و حوادثاتِ زمانہ سے پارہ پارہ و معدوم ہو گیا ہے۔ البتہ اس کے حصہ اول (اصول الدین) کا ایک جزء کاپی کی مقدار میں شیخ ابوبکر بن اسحاق بن خالد المللطی الحنفی کے خانقاہ شیخونیہ میں موجود ہے۔ اور باقی کتاب ضائع و نایاب ہو گئی ہے۔

شیخ موصوف اس کا مقدمہ یعنی "مقدمۃ کتاب التعلیم" نقل کرتے وقت لکھتے ہیں، "انی لم اجد وقت کتابتی ھذہٖ الا ھذا القسم، والقسم الثانی فی اصول الدین وھی مقدار کراسۃ وذکر فی اٰخرھا" ویتلوہ القسمُ الثانیُ الذی ھو فروع الشریعۃ"، ولم یکن فی المجلدۃ فترکت کتابۃ اصول الدین لعدم القسم الثانی الذی ھو فروع الشریعۃ"،[۱]

ترجمہ:- میں نے اس کے لکھتے وقت (یعنی مقدمۃ کتاب التعلیم کے) سوائے اس کے اور کچھ نہ پایا۔ اور دوسرا حصہ اصول دین میں (جسے مصنف نے القسم الاول کہا ہے۔ اور یہاں شیخ ابوبکر صرف "مقدمہ" کی نسبت سے اسے القسم الثانی کہہ رہے ہیں۔ ویسے یہ قسم اول ہے) اور یہ ایک کاپی کی مقدار میں ہے۔ اور اس کے آخر میں کہا ہے (مصنف ابن شیبہ نے) "ویتلوہ .... وھو فروع الشریعۃ" اور اس کے متصل آ رہا ہے دوسرا حصہ اور وہ "فروع الشریعۃ" ہے۔

(شیخ ابوبکر کہتے ہیں) اور اس جلد میں یہ حصہ موجود نہیں تھا۔ تو میں نے (پہلے حصہ) "اصول الدین" کا لکھنا بھی قسم ثانی (جو کہ "فروع الشریعۃ" ہے) کے نہ ہونے کے باعث، چھوڑ دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام مسعود کی یہ شاہکار تصنیف "کتاب التعلیم" ضائع و نادستیاب ہونے کی وجہ سے کتابت و طباعت سے بالکل رہ گئی۔ اور محض اس کا مقدمہ کتابت و اشاعت میں لایا گیا ہے۔ جس کا تفصیلی بیان اس کے باب میں پیش کیا جائیگا۔

---

[۱]:- تعلیق مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۳۵۶-۵۸ (مولانا محمد عبدالرشید نعمانی)۔ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء طبع اول۔

مرویات :-

اِمام ابن شیبہ فضلائے محدثین و فقہائے رواۃ امت سے ہیں - آپ کی تصانیف اَحادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آراستہ و پیراستہ ہیں ۔

آپ نے اپنی کتاب "مُقدمَۃ کِتابُ التعلیم" میں بیشمار حدیثیں روایت کی ہیں ۔ مثلاً :- امام اعظم (جو اس مختصر کا موضوع ہیں) کے فضائل و مناقب اور فضیلت و برتری کے ثبوت میں بھی احادیث پیش کی ہیں - چنانچہ مندرجہ ذیل حدیث اس باب سے لی گئی ہے ۔

لکھتے ہیں ، "ومن مناقبہ[1] قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ، لو کان العلم معلقا بالثریا لسبقہ - وفی روایۃ - لادرکہ فتیان فارس - ویروی بنو فارس"

یہ حدیث صحیح ہے اور کئی طرق سے ثابت ہے - علامہ نعمانی نے کتاب ہذا کی تعلیق میں اس حدیث کی پوری شرح و بسط سے تحقیق کی ہے - اور مختلف طرق سے اس کی صحت و روایت ثابت کی ہے - آپ سب سے پہلے اس پر امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی الحافظ المتوفی ۴۳۰ھ کی تحقیق و تبصرہ بیان کرتے ہوئے اس کی اصلیت و صحت اور ثبوت کے لئے ان کا یہ قول پیش کرتے ہیں "والحدیث صحیح متفق علیہ"[2]

اِس طرح علامہ موصوف نے اس حدیث کے طرق و روایت کے بارے میں دوسرے ثقات محدثین و نقاد مصنفین کی تحقیقات تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اس کی توثیق و تصدیق کے لئے کئی ثبوت فراہم کئے ہیں -

II :- مدبوغہ کھال کی طہارت کے بارے میں (یعنی جو ذبیحہ کی ہو یا غیر ذبیحہ کی یا جانور حرام) حنفی مذہب کے موقف کی حمایت و حجت پر مندرجہ ذیل حدیث روایت کرتے ہیں ، :-

"قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ، ایما اِھاب دبغ فقد طھر"[3] اور اس کی تصدیق و توثیق

ـــــــــــــــــــ

[1] :- مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۹۰ (علامہ امام مسعود بن شیبہ صاحب ترجمہ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ -

[2] :- حاشیہ مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۹۲ (مولانا محمد عبد الرشید نعمانی) بحوالہ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی - سنہ ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء طبع اول -

[3] :- مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۲۶۷ (امام مسعود صاحب ترجمہ) -

میں لکھتے ہیں، "حدیث صحیح متفق علیہ" [1]

آگے آپ نے اس حدیث کی تائید اور مسلک حنفی کی صحت و ثبوت پر چند ایک مثالی، تقریری اور فعلی احادیث و روایات بھی پیش کی ہیں۔ [2]

اور تعلیق میں علامہ نعمانی نے بھی متعدد کتب سنن و صحاح اور ائمۂ مذاہب سے اس کی تخریج و روایت کی ہے [3]۔ مثلاً:- سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابن حبان، شیخ البزار اور امام اسحٰق وغیرہم۔

مقدمۃ کتاب التعلیم کی تصحیح و تعلیق اور طباعت:-

علامہ کوثری کے بیان کے مطابق (جیسا کہ علامہ نعمانی نے لکھا ہے) کتاب ہذا کا ایک نسخہ مکتبہ الجزائر مغرب میں، ایک نسخہ مکتبہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں، ایک نسخہ مکتبہ لالِلی آستانہ میں اور ایک نسخہ مصر میں مکتبہ استاذ احمد خیری روضہ خیریا میں ہے۔ لیکن مولانا النعمانی صاحبِ تعلیق فرماتے ہیں کہ ہمیں اس کے صرف دو نسخے دستیاب ہو گئے [4]۔

(۱) کتبخانہ "المجلس العلمی" کراچی سے جسے مولانا محمد یوسف بنوری نے سنہ ۱۳۶۰ھ میں شیخ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ کے نسخے سے نقل کی تھی۔ جس کی، برلن لائبریری سے مولانا موصوف کے کسی دوست نے فوٹو اسٹیٹ کاپیاں ہوا کر بھیجی تھیں [5]۔

(۲) دوسرا نسخہ دائرہ معارفِ نعمانیہ حیدر آباد دکن سے لایا گیا تھا۔ جسے مولانا ابو الوفاء افغانی نے ۱۲۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۷۰ھ میں نقل کر لیا تھا۔ یہ نسخہ بھی علامہ کوثری موصوف کا تھا جسے مکتبۂ سلطان سلیم خان سے (جو آستانہ میں تھا) لیا گیا تھا۔ [6]

علامہ نعمانی نے اِن دونوں نسخوں کے تقابل و تصحیح سے مولانا عبد القیوم البہاری اور

---

[1]:- مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۲۶۶ (امام مسعود بن شیبہؒ صاحب ترجمہ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ سنہ ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۹ء طبع

[2]:- مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۲۶۷-۲۶۸۔

[3]:- حاشیۃ مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۲۶۷-۲۶۸۔ (مولانا محمد عبد الرشید نعمانی)

[4]:- مقدمۃ مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۸ (مولانا محمد عبد الرشید [5]، [6]:- مقدمہ مقدمۃ کتاب التعلیم ص

مولانا محمد احمد نیو ٹاؤن کراچی کی مدد و رفاقت میں یہ نسخہ تیار کر لیا۔ اور
اس پر آپ نے ایک نہایت مہتم بالشان اور مفصل و مشرح تحقیقی تعلیق
بھی لکھی۔ جس کا نام "التعلیق القویم علی مقدمۃ کتاب التعلیم" رکھا۔

مولانا نعمانی نے یہ نسخہ مع تعلیق مورخہ ۲۹۔ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ
میں بروز اتوار لکھ کر مکمل کیا۔ آپ کی آخری تحریر یہ ہے الحمد للہ، وقع
الفراغ من تعلیق ھذا الکتاب یوم الاحد تاسع عشری ربیع الاول سنۃ
احدی وثمانین بعد الالف وثلاثمائۃ وسمیتہ "بالتعلیق القویم
علی مقدمۃ کتاب التعلیم" وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ
وصحبہ اجمعین۔ وانا الفقیر الیہ تعالیٰ۔

محمد عبد الرشید النعمانی مذھبا والراجپوت صلبیۃ والجیوری
مولدا ومنشأ والسندی نزیلا عفر اللہ لہ ولوالدیہ ولقرابتہ
ولمشائخہ ولجمیع المسلمین

آمین! ۱۲ھ

کتاب الطبقات :-

یہ کتاب مختلف ناموں سے مذکور ہے ۔ شیخ عبد القادر القرشی نے اپنی کتاب "الجواہر المضیۃ" میں امام مسعودؒ کا ترجمہ لکھتے ہوئے اسے "طبقات اصحابنا" کے نام سے یاد کیا ہے[1] اور امام مسعود نے خود اپنی کتاب "مقدمۃ کتاب التعلیم" میں چار مقامات میں اس کا ذکر کیا ہے ۔ اس کے ص ۶ ، ص ۲۱۲ اور ص ۲۵۱ میں اسے "کتاب الطبقات" لکھا ہے ۔ لیکن اس کا اصل نام "طبقات الفقہاء" ہے ۔ چنانچہ فاضل مصنف "مقدمۃ کتاب التعلیم" کے چوتھے مقام (ص ۱۶۴) میں امام اعظمؒ کے مناظرات کے باب میں لکھتے ہیں "وما جرٰی لہ من المناظرات مع من ذکرناہ و من لم نذکرہ فی ھذا الکتاب ذکرناہ فی کتابنا الموسوم "بطبقات الفقہاء"" ترجمہ :- اور جو ان کے (امام اعظم کے) واقع ہوئے ہیں خواہ ان لوگوں سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے یا ان سے جن کا ہم نے اس کتاب (مقدمۃ کتاب التعلیم) میں بیان نہیں کیا ہے ۔ انہیں ہم نے اپنی کتاب میں جس کا نام "طبقات الفقہاء" ہے ذکر کیا ہے ۔

یہ کتاب ، جیسا کہ ان حوالہ جات اور اس کے نام کے وضع قطع سے معلوم ہوتا ہے امام اعظمؒ کے حالات و سوانح حیات اور آپؒ کے متبعین فقہا و فضلاء اور ائمہ احناف کے بیان میں مصنف کی ایک شاہکار تصنیف ہے ۔

لیکن افسوس کہ اس کا بھی سراغ نہیں مل سکا ۔

وفات :-

امام ابن شیبہ کی تاریخ وفات کا کتب تراجم میں کوئی ذکر نہیں ۔ البتہ علامہ نعمانی نے آپ کے تذکرے میں قرن کا تعین کیا ہے ۔ لکھتے ہیں : "وکان الامام مسعود من اعیان اھل القرن السابع"[2]

---

[1] :- الجواہر المضیۃ ج ۲ ص ۱۶۹ (علامہ ابو محمد عبد القادر بن ابی الوفاء محمد بن محمد م ۷۷۵ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ طبع اول ۔

[2] :- مقدمہ مقدمۃ کتاب التعلیم ص ۲۶ (مولانا محمد عبد الرشید نعمانی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۵ء

الباب الثامن۔

قرن ہشتم کے رجال ؒ۔

شیخ ظہیر الدین البھکری۔

حسب ونسب:۔ آپ کا نام شیخ ظہیر بن البھکری ہے۔ لیکن شجرہ نسب کسی تذکرے میں مذکور نہیں۔ آپ علاقہ بھکر سندھ کے فضلائے اصولیین وفقہائے محققینِ قرن ہشتم سے تھے۔

شیخ ظہیر الدین کی تحصیل علوم وسماعت اور اساتذۂ وشیوخِ حدیث کے بارے میں اربابِ تراجم خاموش ہیں۔ لیکن سب آپ کے علمی فضل وکمال، تحقیق وتدقیق اور تدریس وتحدیث کی مدح سرائی کرتے ہیں۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "مولانا ظہیر الدین بھکری سندھی کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے ان مشاہیر افاضل میں ہوتا ہے کہ جن کے علم وفن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اور جن کی علمی تحقیق وکاوش پر کامل اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ نحو ولغت، فقہ اور اصول میں ان کے عہد میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ اور کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان علوم میں ان سے زیادہ معلومات کا حامل ہو"۔[1]

مولانا سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی نے نزہۃ الخواطر میں اور مولانا رحمٰن علی نے تذکرہ علمائے ہند میں اسی طرح آپ کے علم وفضل کی توصیف وتعریف کی ہے۔[2][3]

ف۱:۔ فقہائے ہند ج۱ ص۲۳۵ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۲ء طبع اول

ف۲:۔ نزہۃ الخواطر ج۲ ص۶۶ (علامہ سید عبدالحی الحسنی م۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء

ف۳:۔ تذکرہ علمائے ہند ص۱۰۶۸ (مولانا رحمٰن علی م۱۳۲۵ھ) مطبوعہ نول کشور (ہند) سنہ ۱۹۱۴ء۔

تدریس و تحدیث اور آخذین و تلامذہ

شیخ ظہیر الدین نے حلقۂ درس قائم کر کے تدریس و تحدیث کے ذریعے علومِ اسلامی کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ اور بیشمار طلبا و علماء نے آپ سے علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل کی۔ آپ کے تلامذہ میں شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی قابلِ فخر شخصیت گذرے ہیں۔[١]

مولانا محمد اسحٰق بھٹی لکھتے ہیں: "ان سے طالبانِ علم کی بہت بڑی تعداد نے استفادہ کیا۔ جن میں شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی ایسے یگانۂ روزگار فاضل خصوصیت سے لائقِ تذکرہ ہیں۔"[٢]

وفات

شیخ بھکری کی تاریخ وفات کتب تراجم میں مذکور نہیں۔ البتہ مترجمین آپ کو قرنِ ہشتم کے فضلاء و محدثین میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ سلطان علاء الدین خلجی کے عہدِ حکومت کے علماء سے ہیں۔[٣] اور سلطان علاء الدین کا زمانہ حکومت ٦٩٥ھ سے تا ٧١١ھ ہجری (علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہے۔[٣]

~~اس لئے آپ کو مترجمین حضرات قرنِ ہشتم کے رجال میں شمار کرتے ہیں۔~~

١ھ۔ تذکرہ علمائے ہند ص١٠٦ (مولانا رحمٰن علی) مطبوعہ نول کشور (ہند) ١٩١٤ء۔
نزہۃ الخواطر ج٢ ص٦٦ (مولانا سید عبدالحیٔ بن فخر الدین الحسنی ١٣٤١ھ م) مطبوعہ دائرۂ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ١٣٥٠ھ / ١٩٣١ء

٢ھ۔ } فقہائے ہند ج١ ص٢٣٥، ٢٣٦ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلام لاہور ١٩٧٤ء طبع اول
٣ھ۔ }

٣ھ۔ فقہائے ہند ج١ (مقدمہ) ص٣٧ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی)۔

شیخ برہان الدین بھکری

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب شیخ برہان الدین الحنفی البھکری ،..... السندی ہے[۱] - آپ قرن ہشتم کے علمائے کبار وفضلائے دیار سندھ میں شمار ہوتے ہیں - اور سندھ کے مشہور مرکز علم وفن اور قدیمی شہر بھکر سے تعلق رکھتے ہیں -

شیخ برہان الدین حنفی المسلک اور اپنے وقت کے بہت بڑے علامہ تھے آپ سارے علوم عربیہ کے ماہر تھے بالخصوص علوم اصول (اصول حدیث، تفسیر اور فقہ) اور فنون شریعت میں یگانۂ زمانہ مانے جاتے تھے - [۲]

تدریس وتحدیث -

شیخ بھکری کی، سندھ میں، تدریسی خدمات کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا - البتہ آپ کے ترجمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہاں سے ہجرت کرکے دہلی چلے گئے تھے - اور وہاں سکونت پذیر ہوکر درس وافادہ کا سلسلہ جاری کیا تھا - اور ساری زندگی وہاں تدریس وتحدیث میں مشغول ومصروف رہے - بے شمار لوگوں نے آپ سے اخذِ علوم کیا -

افسوس اس فاضل علم وفن علامۂ وطن کے سوانح حیات، تحصیل علوم وفہرستِ شیوخ اور تفصیلی حالات کا، کتبِ تراجم میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا - آپ کا جو ترجمہ مولانا عبدالحی الحسنی نے نزہتہ الخواطر میں لکھا ہے اسے ہم حرف بحرف پیش خدمت کریں گے -

---

۱ - نزہتہ الخواطر ج۲ ص۱۷ (مولانا عبدالحی بن فخرالدین الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارفِ عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۵۰ھ

۲ - فقہائے ہند ج۱ ص۱۹۰ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ۱- ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۳ء طبع اول

تذکرہ علمائے ہند ص۲۶۲ (مولانا رحمٰن علی م ۱۳۲۵ھ) مطبوعہ نول کشور سنہ ۱۹۱۴ء طبع سوم ۲ -

مولانا موصوف لکھتے ہیں[1]: "الشیخ الفاضل العلامۃ برھان الدین الحنفی البھکری السندی احد العلماء البارعین فی الفقہ والاصول والعربیۃ۔ کان یدرس ویفید فی عھد السلطان علاء الدین محمد شاہ الخلجی بدار الملک دھلی ۔ ذکرہ البرنی فی تاریخہ۔"

ترجمہ:- استاذ، فاضل، علامہ برہان الدین حنفی، بھکری سندھی، علوم فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے ماہرین علماء میں سے تھے۔ سلطان علاء الدین محمد شاہ خلجی (۷۱۱ھ) کے زمانے میں دار السلطنت دہلی میں درس وافادہ کا کام جاری کئے ہوئے تھے انہیں علامہ برنی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے حسب ذیل الفاظ میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"شیخ برہان الدین بھکری سندھی حنفی المسلک تھے۔ فقہ واصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دار المملکت دہلی میں مسند تدریس پر فائز تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے اخذ علم کیا"[2]

اس بات سے، کہ آپ دار الحکومت ومرکز مملکت میں مسند درس وتدریس کے مالک تھے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف علاقہ سندھ بلکہ پورے برصغیر پاک وہند کے مشائخ کبار میں شمار ہوتے تھے۔ اور آپ کی تدریس وتحدیث کا ثمرہ وافادہ پورے ملک میں پھیل رہا تھا۔

وفات۔

شیخ بھکری کی کوئی متعین تاریخ وفات کتب تراجم میں مذکور نہیں۔ لیکن اس بات سے کہ مترجمین حضرات "مثلاً مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا محمد اسحاق بھٹی، انہیں قرن ہشتم کے رجال میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وہ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت (۶۹۵ھ تا ۷۱۱ھ) میں درس وتدریس کا کام کر رہے تھے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ موصوف ۷۱۱ھ تک زندہ تھے۔ اور ان کی وفات مذکورہ سال (۷۱۱ھ) کے بعد واقع ہوئی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب!

[1]:- نزہۃ الخواطر ج۲ ص۱۷ (مولانا سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن سنہ ۱۹۵۰ء

[2]:- فقہائے ہند ج۱ ص۱۹۰ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء طبع اول۔

شیخ صدر الدین البھکری۔

حسب ونسب:۔ آپ کا نام گرامی شیخ صدر الدین الفقیہ الامام الحنفی البھکری ہے۔ آپ قرن ہشتم کے فضلائے سندھ وائمہ احناف میں شمار ہوتے ہیں
شیخ بھکری کا شجرہ وسلسلۂ نسب کسی تذکرے میں موجود نہیں۔ اور نہ کسی مترجم نے آپ کے تفصیلی حالات وسوانح حیات کا کوئی ذکر کیا ہے
آپ کے ترجمے کا اصل ماخذ علامہ ابن بطوطہ کا سفر نامہ ہے۔ جس میں فاضل سیاح نے اپنے دورۂ سندھ کے واقعات میں بھکر کے حالات کے تحت شیخ موصوف کی محض ملاقات کا بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "ولقیت بھذا المدینۃ الفقیہ الامام صدر الدین الحنفی" [۵۱]

ترجمہ:۔ میں نے اس شہر میں فقیہ (ماہر فنون شرعیت) امام (مجتہد وپیشوائے مذہب) شیخ صدر الدین الحنفی سے ملاقات کی۔

البتہ ان القاب کے پیش نظر کہ علامہ ابن بطوطہ نے شیخ بھکری کو ان سے متصف کیا ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ علوم اسلامی، تفسیر وحدیث اور فقہ واصولیات وغیرہ مروجہ ومتداولہ علوم وفنون میں مجتہد اور یگانۂ زمانہ علامہ تھے
کیونکہ:۔ الفقیہ، اس عالم کو کہتے ہیں جو علوم اسلامی کا فاضل اور احکام شرعی کے اصولی وفروعی مسائل کا ماہر ہو۔

اور الامام، اس علامہ کو کہا جاتا ہے جو اپنے مذہب میں اجتہاد کے درجے پر فائز ہو اور قرآن وحدیث سے اپنے مذہب کے اصول وقوانین کے مطابق مسائل دین واحکام شرع متین کی تخریج کرسکتا ہو۔

---

[۵۱] رحلۃ ابن بطوطہ ج۲ ص۲۴ (علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ ابن بطوطہ) مطبوعہ مکتبۃ التجاریۃ مصر ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۸ء

[۵۲] فقہائے سندھ ص۲۳۱ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء طبع اول۔

یعنی علامہ شیخ صدر الدین بھکری مذہب حنفیہ کے ایک فقیہ فاضل و مجتہد کامل تھے۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "علم فقہ میں درجۂ امامت پر فائز تھے۔"[۱]

لیکن افسوس کہ اس شیخ کبیر کے متعلق مزید کچھ مواد دستیاب نہ ہو سکا تاہم اتنا تو کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے حلقۂ علم و چشمۂ فیض سے علاقہ کے بہت سے شائقین و تشنگانِ دین سیراب و فیضیاب ہوئے ہونگے۔ اور آپ جیسے علامۂ زمان و مجتہدِ دوراں کی بساطِ علم و فن سے لوگ یکسر محروم نہیں رہے ہونگے

وفات :-

شیخ صدر الدین بھکری نے سنہ ۷۳۴ ہجری (علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بمقام بھکر وفات پائی[۲] رحمہ اللہ تعالیٰ۔

[۱، ۲] — فقہائے ہند جلد اول ص ۲۸۴ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۸۲ء طبع اول

الباب التاسع۔

قرآن فہم کے رجال؟۔

شیخ محمد حسین ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب شیخ محمد حسین بن احمد بن محمد الحسینی ٹھٹھوی، سندھی ہے۔

شیخ محمد حسین سندھ کے مشہور مرکز علم وفن اور مردم خیز شہر ٹھٹھہ کے علمائے صالحین وفقہائے محدثین قرن نہم میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ سندھ میں بعہد میر فتح خان بن سکندر خان سندھی، سنہ (۸۳۱ھ) ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں پیدا ہوئے۔ [1]

تحصیلِ علوم اور درس وافادہ۔

آپ نے علوم ظاہری وباطنی (علوم حدیث وتفسیر اور فنون شریعت وطریقت) کی تحصیل وتکمیل اپنے شہر ووطن کے مشاہیر علماء ومشائخ صوفیاء سے کی۔ اور سندھ میں اعلیٰ نام ومقام پیدا کیا۔

تحصیل وفراغت کے بعد اپنے ہی علاقے میں تدریس وتحدیث کا سلسلہ جاری کر کے خلق خدا کو مستفید ومستفیض کرتے رہے۔ اور بے شمار علماء وفضلا پیدا کئے۔ [2]

---

[1] نزہۃ الخواطر ج۳ ص ۱۳۵-۱۳۶ (مولانا عبدالحی بن فخر الدین لکھنوی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء

[2] فقہائے ہند ج۲ ص۲۳۸ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۵ء۔ طبع اول

شیخ محمد حسین کے تفصیلی حالات و سوانح حیات اور اساتذہ و تلامذہ کی فہرست و تفصیلات دستیاب نہ ہو سکیں۔ البتہ مولانا محمد حسین الصفائی نے آپ کے حالات پر ایک کتاب "تذکرۃ المراد" لکھی ہے[٥١]۔ لیکن وہ بھی ناپید و معدوم ہو گئی ہے۔

مشائخ سندھ و ہند کے مشہور مورخ و مترجم علامہ عبدالحی بن فخر الدین الحسنی نے اپنی کتاب "نزہۃ الخواطر" میں آپ کا تذکرہ لکھا ہے لیکن مجمل و ناکافی ہے۔ ہم اسے یہاں حرف بہ حرف درج کریں گے۔ لکھتے ہیں، "الشیخ الصالح الفقیہ محمد حسین بن احمد بن محمد الحسینی التتوی السندی احد المشائخ المعروفین بالفضل والصلاح ولد فی سنۃ احدی وثلاثین وثمانمائۃ فی ایام فتح خان بن الاسکندر السندی واخذ العلم والمعرفۃ عن اھلھا وجلس علی مسند الارشاد انتفع بہ خلق کثیر من الناس وصنف فی اخبارہ محمد حسین الصفائی کتابہ "تذکرۃ المراد"۔ وکانت وفاتہ فی سنۃ ثلاث وتسعین وثمانمائۃ ولہ اثنان وستون سنۃ"[٥٢]

ترجمہ:- شیخ صالح، فقیہ (ماہر علوم و فنون شریعت)، محمد حسین بن احمد بن محمد الحسینی، ٹھٹھوی، سندھی مشہور صاحب فضل و صلاح مشائخ میں سے تھے۔ سنہ آٹھ سو اکتیس ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بزمانہ میر فتح خان بن اسکندر خان سندھی پیدا ہوئے۔ اور علم شریعت و علم معرفت... مشائخ و علمائے ماہرین سے اخذ کیا۔ اور مسند تدریس و ہدایت پر فائز ہوئے

٥١۔ { نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۳۶ (علامہ عبدالحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء
فقہائے ہند ج ۲ ص ۲۳۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۵ء طبع ۱۔

٥٢:- نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۳۵-۱۳۶ -

لوگوں سے خلق کثیر نے ان سے استفادہ کیا۔

مولانا محمدؒ حسین الصّفائی نے اپنی کتاب "تذکرۃ المراد" ان کے حالات میں لکھی ہے۔ ان کی وفات سنہ آٹھ سو ترانوے (۸۹۳ھ) میں واقع ہوئی۔ اور وہ باسٹھ (۶۲) سال کے تھے۔

اسی طرح مولانا محمدؒ اسحاق بھٹی نے بھی انہی الفاظ میں آپ کا ترجمہ لکھا ہے[1]

وفات۔

وادیِ سندھ کے یہ جلیل القدر علامۂ دین و فاضلِ شرع متین فہامہ ۸۹۳ہجری (علےٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام) میں وفات پاگئے۔ جب کہ آپ کی عمر باسٹھ سال تھی۔[2]

---

[1]:۔ فقہائے ہند ج ۲ ص ۲۳۸ (مولانا محمدؒ اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۵ء طبع اول

[2]:۔ ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔
نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۳۵-۱۳۶ (علامہ عبدالحی لکھنوی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ ۱۳۷۱ھ م ۱۹۵۱ء۔

اَلبَابُ العَاشِرُ۔

قرنِ دہم کے رجال ہیں۔

شیخ یوسف الپاتری ؒ

حسب و نسب :- آپ کا نام و نسب شیخ یوسف بن شیخ رکن الدین بن شیخ معروف بن شیخ شہاب الدین الپاتری السندی ہے - آپ قرن دہم کے مشائخ و مشاہیر سندھ سے ہیں - آپ کا اصل وطن و شہر قصبہ پاتر، یا پاٹ سندھ تھا - لیکن اپنے اہل و عیال اور فرزندان سعید شیخ طیب، شیخ قاسم رئیس المحدثین اور شیخ طاہر کو ساتھ لے کر سندھ سے گجرات وغیرہ کی طرف چلے گئے

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے آپ کے فرزند شیخ طاہر کے ترجمے میں یہ تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "صغر سنی ہی میں (یعنی شیخ طاہر کو) اپنے والد شیخ یوسف — اور بڑے بھائیوں — طیب اور قاسم — کے ہمراہ سفر کا اتفاق ہوا ..... الخ" [1]
آپ کی ہجرت و مستقل طور پر ترکِ وطن کے کوئی اہم اسباب ظاہر میں نمایاں نہ تھے بلکہ گھر میں خوش حالی، حالات سازگار اور ملک میں امن و امان کا دور دورہ تھا -
لیکن بعد کے حالات و واقعات، ہمایوں مغل ۹۶۲ھ کی یورشِ سندھ بالخصوص پاٹ کی تباہی کو مدِ نظر رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان بزرگوں کا ارتحال و ترک وطن کشفِ باطنی و روحانی پیش بینی سے تھا کوئی بے معنی واقعہ نہیں تھا - مولانا محمد مطیع اللہ راشدی نے آپ کے فرزند شیخ طاہر المحدث کے تذکرے کے تحت اس خاندان کے ترک وطن و ہجرت کے سلسلے میں اسی معجزہ نما توجیہ کا ذکر کیا ہے [2] مولانا فرحی نے اپنی کتاب کشف الحقائق میں یہی تذکرہ کیا ہے [3]

---

[1] :- فقہائے ہند جلد ۴ حصہ ۲ ص ۱۹۸ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء (ترجمہ شیخ طاہر المحدث بن شیخ یوسف الپاتری -)

[2] :- برہان پور کے سندھی اولیاء ص ۳ ترجمہ شیخ طاہر (مولانا سید محمد مطیع اللہ راشدی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۷ء

[3] :- برہان پور کے سندھی اولیاء ص ۳ بحوالہ کشف الحقائق قلمی ص ۳ (علامہ اسمٰعیل فرحی)

شیخ یوسف کی تحصیل علوم واساتذہ اور تفصیلی حالات وسوانح حیات کے بارے میں کچھ بھی مواد نہیں مل سکا۔ افسوس کہ اس شیخ کبیر کا کوئی تفصیلی ترجمہ و تذکرہ کتب تراجم میں مذکور نہیں۔ حالانکہ آپ خود اور آپ کے سلف صالحین اپنے اپنے وقت کے بڑے بڑے محدث ومفسر اور مشائخ عظام و اولیائے کرام رہے ہیں۔

مولانا سید محمد مطیع اللہ راشدی آپ کے پوتے، شیخ عیسےٰ جند اللہ بن شیخ قاسم رئیس المحدثین کے ترجمے میں لکھتے ہیں، " آپ کے آباد و اجداد کا وطن قصبہ پاتری ملک سندھ ہے۔ یہ قصبہ خود انہیں کے بزرگوں نے آباد کیا تھا۔ نہ صرف یہ بزرگ اپنے وطن میں معزز و باوقار تھے بلکہ اس عہد کے متبحر عالم، محدث ومفسر ہونے کے اعتبار سے قبول عام کا امتیاز رکھتے تھے"[1]

اسی طرح مولانا محمد اسحاق بھٹی نے بھی پیر جند اللہ موصوف کے تذکرے میں لکھا ہے "شیخ عیسیٰ کے آباؤ اجداد اصلاً علاقہ سندھ کے قصبۂ پاتری کے رہنے والے تھے۔ یہ قصبہ خود انہی کے بزرگوں نے آباد کیا تھا۔ اس خاندان کے بزرگ اپنے علاقے میں عزت وتکریم کے حامل تھے اور ان کا شمار اس عہد کے متبحر علمائے دین، یگانہ روزگار مفسرین، نامور محدثین اور مشہور اولیائے کرام میں ہوتا تھا"[2]

پھر آپ کی اولاد و احفاد میں کئی پشتوں تک وہ نامور مشائخ تفسیر وحدیث اور مشاہیر تصنیف و تالیف پیدا ہوئے جو برصغیر پاک وہند میں، علوم حدیث و قرآن اور فنون شریعت کی، تدریس وتحدیث اور تصنیف و تالیف سے قابل تعریف طور پر، خدمت اور نشر و اشاعت کرتے رہے۔

مثلاً، آپ کے تینوں فرزندان جلیل، شیخ طیبؒ المحدث م ۹۵۰ھ، محدث اعظم شیخ قاسم رئیس المحدثینؒ ۹۸۰ھ اور شیخ المشائخ محدث کبیر ومفسر شہیر شیخ طاہرؒ م ۱۰۰۴ھ۔ جنہوں نے علوم حدیث وغیرہ کی ابتدائی تعلیم آپ سے حاصل کی تھی

[1]:- برہان پور کے سندھی اولیاء ص ۱۳ (مولانا سید محمد مطیع اللہ راشدی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۷ء

[2]:- فقہائے ہند ج ۳ حصہ ۲ ص ۲۸۱ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول

آگے شیخ قاسم (رئیس المحدثین) کے فرزندان سعید[۵۱]، استاذ العلماء مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ جند اللہ ۱۰۳۱ھ، شیخ عثمان اور شیخ سلیمان سیفی۔ پھر شیخ عیسیٰ کی اولاد میں[۵۲] شیخ بابا فتح محمد، شیخ بابا عبد الستار، شیخ طٰہٰ اور شیخ ہاشم۔ پھر شیخ بابا فتح محمد کی اولاد میں سے شیخ شہاب الدین (صاحب رسالہ تحفۃ الاوراد)[۵۳] پھر ان کی اولاد واحفاد۔

الغرض، ان حقائق کے پیش نظر یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ یوسف پاتری علومِ حدیث وقرآن کی نشر واشاعت کا بہت بڑا ذریعہ اور اس آب حیات کا مرکزی ... چشمہ تھے۔ اور خود بھی علم وفضل کے میدان میں اعلیٰ شخصیت وحیثیت کے مالک تھے۔

وفات۔

شیخ یوسف کی تاریخ وفات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ البتہ قرائن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ قرن دہم کے ربع اول میں زندہ تھے۔ کیونکہ جب آپ سندھ سے ہجرت کر کے جنوبی ہند چلے گئے تھے تو آپ کا چھوٹا لڑکا شیخ طاہر، جو قرن دہم کے دوسرے دہے میں پیدا ہوا تھا[۵۴]، سفر میں شامل تھا لیکن[۵۵] سن بلوغ کو پہنچا نہیں تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا یہ سفر دسویں صدی کے ربع اول میں واقع ہوا تھا لیکن آپ کا، اس ہجرت کے بعد کا، کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

شاید ترک وطن وارتحال کے بعد آپ نے جلد ہی اس دنیا سے رحلت کی ہوگی۔

وَاللہُ اَعلَم بالصواب۔

۵۱:- نزہۃ الخواطر ج۵ ص۲۴۵ (مولانا شیخ عبد الحی لکھنوی) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء

۵۲:- برہانپور کے سندھی اولیاء ص۸۳ (مولانا سید محمد مطیع اللہ راشدی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۹۵۷ء

۵۳:- ضمیمہ برہانپور کے سندھی اولیاء ص۲۱۴ - ایضاً ایضاً ایضاً

۵۴، ۵۵:- فقہائے ہند ج۳ حصہ اول ص۱۹۸ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۷ء، طبع اول۔ (ترجمہ شیخ طاہر المحدث بن شیخ یوسف مع ترجمہ)

شیخ بلال المخدوم تلہٹی رحمۃ اللہ علیہ

حسب ونسب :- آپ کا نام نامی شیخ بلال المخدوم بن مخدوم حسن بن مخدوم ادریس سمو ہے، جو جام نظام الدین کے سگے بھائی تھے [۵۱]

آپ دراصل ٹھٹھہ کے شاہی خاندان (سمہ) کے چشم وچراغ تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم بن ادہم کی طرح آپ نے بھی تخت ظاہری پر تخت باطنی (فقیری) کو ترجیح دے کر محلاتِ شاہی اور شان وشوکت کو خیرباد کہا اور باغبان (علاقہ سیوھن شریف) میں آکر سکونت اختیار کی [۵۲]

مولانا دین محمد وفائی لکھتے ہیں [۵۳] کہ میر معصومی نے "تلہٹی" لکھا ہے اور حدیقۃ الاولیاء کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تلہٹی اور باغبان دونوں ایک ہی مقام کے نام ہیں۔

مخدوم بلال کا علمی وعملی مقام اور تدریس وتحدیث۔

شیخ بلال المخدوم سندھ کے مایۂ ناز محدث، ممتاز مفسر اور استاذ الاساتذہ تھے۔ آپ نے باغبان (تلہٹہ) میں تادم زیست تدریس وتحدیث اور اشاعتِ تفسیر وحدیث کا سلسلہ ومشغلہ جاری رکھا۔

علامہ عبدالحی الحسنی آپ کے فضل وکمال اور علمی مشاغل کا ان الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں، "الشیخ العالم الکبیر المحدث بلال تلہٹی رحمۃ اللہ علیہ احد العلماء...

---

۵۱ - تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۶۳ (مولانا دین محمد وفائی ۱۹۴۹ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۷۴ء

۵۲ - بحوالہ تحریر ودستخط (بیاض) قاضی مشتاق منقولی

۵۳ - تاریخ معصومی ج ۳ ص ۱۹۸ (مولانا میر محمد معصوم بھکری) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی ۱۹۳۸ء

المبرزین فی الحدیث والتفسیر لم یزل یشتغل بالدرس والافادة وکان غایة فی الزهد والورع والاستقامة علی الشریعة المطهرة والاعمال بالکتب والسنة۔[۱]

ترجمہ:- استاذ، عالم کبیر، اور محدث بلال ٹھٹی حدیث وتفسیر کے مشاہیر علماء سے ایک ہیں۔ ہمیشہ درس وافادہ میں مشغول ومصروف رہے۔ انتہائی درجے کے زاہد، متقی، شریعت مطہرہ کے پابند اور کتاب وسنت پر عامل تھے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی نے بھی انہی الفاظ میں آپ کا ترجمہ لکھا ہے۔[۲]
مولانا میر محمد معصوم بھکری لکھتے ہیں، "در علم تفسیر وحدیث مہارت تام داشتہ"[۳]
یعنی علم تفسیر وحدیث میں کامل مہارت رکھتے تھے۔
مولانا مخدوم امیر احمد العباسی اپنے مقالہ "سرزمین سندھ میں علم حدیث" میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں، "تفسیر اور حدیث میں ماہر تھے، زہد وتقویٰ میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، لوگوں کو پند ونصیحت کرنا آپ کا وظیفہ تھا"[۴]

آخذین وتلامذہ:-

آپ کے حلقۂ درس وچشمہ فیض سے صدہا شائقین علم وتشنگان وحی سیراب وفیض یاب ہوتے رہے۔ جن میں سے شیخ مخدوم رکن الدین مٹھو، مخدوم ساہڑ، علامہ قاضی دتہ سیوستانی اور علامہ سید حیدر سنائی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔[۵]

۱:- نزہۃ الخواطر ج۴ ص۵۶ (علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء۔
۲:- فقہائے ہند ج۳ ص۱۳۹ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔
۳:- تاریخ معصومی ج۳ ص۱۹۸ (مولانا میر محمد معصوم بھکری) مطبوعہ مطبع قیمیہ بمبئی ۱۹۳۸ء
۴:- سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا مخدوم امیر احمد مرحوم العباسی ۱۴۰۳ھ) الرحیم اگست ۱۹۶۳ء، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ
۵:- تذکرہ مشاہیر سندھ ص۲۴۳ (مولانا دین محمد وفائی ۱۹۵۹ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۶۲ء

کشف وکرامات :-

حضرت مخدوم بلال جب تارک الدنیا ہو کر طالب المولیٰ بنے تھے تو مولٰے پاک نے آپ کو ملک باطنی کی شاہی و فرمانروائی عطا کی تھی۔

مولانا دین محمد وفائی حدیقۃ الاولیاء کے حوالے سے[1] بیان کرتے ہیں کہ شیخ ہدایت اللہ سندھی نے برہانپور میں سید محمد غوثی سے[4] یہ واقعہ بیان کیا تھا کہ ایک دفعہ رات کو شیخ مخدوم بلالؒ اپنے خلوت خانے میں ذکر و عبادت میں مشغول تھے کہ آپ کو کچھ پیاس محسوس ہوئی۔ اور باہر تشریف لے گئے۔ تو وہاں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو جو کچھ لینا تھا لیا اور جو کچھ ملنا تھا ملا۔

مولانا علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں[2] اور مولانا دین محمد وفائی نے تذکرہ مشاہیر سندھ[3] میں آپ کے عملیات و اوراد سے متعلق آپ کی ایک ~~اعلیٰ درجے کی~~ کرامت کا بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ مخدوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ معمول تھا کہ رات کو پانی کے ایک بڑے ٹب میں بیٹھ کر اپنا ورد و وظیفہ پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ وجد میں آتے تو پانی بھی جوش مارنے لگ جاتا۔ اور بھنور کی طرح نہایت تیزی سے چکر کھاتا رہتا۔ یہاں تک کہ آپ صبح کو ورد پورا کرکے باہر آتے تب بھی پانی ساکت نہ ہوتا حتےٰ کہ مرید آپ کے حکم سے وہ پانی نہایت احتیاط و احترام کے ساتھ دریا میں لے جا کر ڈالتے۔

مترجمین حضرات آپ کی ایک اور مشہور کرامت بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ حضرت پیر مروندی قلندر لعل شہباز (رحمۃ اللہ علیہ) کے اشارے پر ان کی زیارت کے لئے سیہون شریف تشریف لے گئے راستے میں دریا سے گذرنے کے لئے کشتی پر بیٹھ گئے۔ اتفاقاً کشتی کا ملاح ایک بدمزاج و بدکلام آدمی تھا۔ لوگوں سے بدتمیزی سے پیش آتا اور مخش و بیہودہ الفاظ استعمال کرتا۔ تو مخدوم صاحبؒ نے اپنی

ا؎:- تذکرہ مشاہیر سندھ ص۶۳ (مولانا دین محمد وفائی ۱۹۴۴ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۶۲ء
بحوالہ حدیقۃ الاولیاء - و اذکار ابرار ص۳۲۵ (اردو ترجمہ)

۲؎:- تحفۃ الکرام ص۱۴۴ (مولانا علی شیر قانع ٹھٹوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء۔

۳؎:- تذکرہ مشاہیر سندھ ص۶۳-۶۴۔

۴؎:- اذکار ابرار ص۳۲۵ (مولانا سید محمد غوثی) (اردو ترجمہ) مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۶ھ۔

کلاہ مبارک ایک مُرید کو دے کر فرمایا کہ ملاح کے سر پر رکھ دیں ۔ کلاہ کا رکھنا ہی تھا کہ وہ گالی بکنے والا مَلاح ایک فاضل مُلّا بن کر تفسیر وحدیث بیان کرنے لگا۔ اور پورے سفر میں بڑی فصاحت وبلاغت کے ساتھ وعظ ونصیحت سناتا رہا۔ کشتی کے سارے مسافر حیران ہوگئے۔ جب سفر پورا ہوا تو خادم نے اس کے سر سے ٹوپی اٹھالی تو وہ پھر وہی مَلّاح بن کر بکنے لگا۔[۵۱]

علاوہ ازیں آپ کے اور بھی کشف وکرامات مذکور ومشہور ہیں۔ مولانا عبدالحیؒ نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں، "وَیُذکَرُ لَہٗ کشوف وکرامات"[۵۲] یعنی، آپ کے بہت کشف وکرامات مذکور ہیں۔ مولانا محمد اسحاق لکھتے ہیں[۵۳] "اس ضمن میں ان سے بہت سے کشوف وکرامات کا ذکر بھی کیا جاتا ہے"[۵۴]

شہادت :۔

مخدوم بلالؒ علم وفضل اور ولایت وکرامت کے ساتھ ساتھ بڑے محب وطن مجاہد بھی تھے۔ آپ نے شاہ بیگ ارغون (م ۹۳۰ھ) کے حملہ سندھ میں تحفظ وطن کی خاطر جان کی بازی لگا کر "حُبُّ الوطنِ مِنَ الاِیمانِ" کے مصداق پر پورا پورا عمل کر کے دکھایا۔

واقعہ حسب ذیل ہے :۔

میرزا شاہ بیگ ارغون حاکم قندھار نے جب افغانستان میں مغل حکمران بابر (م ۹۳۷ھ) سے شکست کھائی تو اس نے سندھ کی طرف رخ کیا تاکہ اس پر قبضہ کر کے اپنی حکومت یہاں قائم کرلے۔ چنانچہ اس نے سندھ پر حملہ کر کے دار الحکومت ٹھٹھہ کو تاخت وتاراج کیا۔ حاکم سندھ جام فیروز نے خونریز لڑائی کے بعد شکست مان کر آدھا ملک شاہ بیگ کے حوالے کر کے اسے مصالحت پر راضی کرلیا اور آدھا ملک اپنی تحویل میں رکھا۔[۵۵] لیکن اس سے ابھی

۵۱:۔ { تاریخ معصومی فارسی ج ۳ ص ۱۹۸ - ۱۹۹ (مولانا سید میر محمد معصوم بن سید صفائی الترمذی البھکری م ۱۰۱۴ھ) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی ۱۹۳۸ء
سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) مطبوعہ الرحیم ص ۲۵ اگست ۱۹۶۳ء شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ }

۵۲:۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۵۶ (علامہ سید عبدالحی الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء۔

۵۳:۔ فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۳۹ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔

۵۴:۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج ۲ ص ۳۹۱ ۔ مطبوعہ دانشگاہ پنجاب لاہور۔ ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء ۔ طبع اول

سماؤں نے نہیں مانا۔ اور ادھر تلہٹی وغیرہ باقی سندھ کے لوگوں نے، جن میں سہتہ اور سوڈا قبائل بالخصوص قابل ذکر ہیں، ایک بھاری لشکر تلہٹی میں جمع کیا اور سب نے میر محمود خان ولد میر یار محمد خان کی سربراہی میں اپنے علاقہ کے تحفظ و دفاع کی خاطر شاہ بیگ ارغون سے لڑنے کا عہد و پیمان کیا۔[۱]

ان میں حضرت مخدوم بلال رح اپنے متعلقین و مریدوں کے ساتھ اس جہادِ ملک و وطن میں پیش پیش تھے۔ کیونکہ وہ بڑے محب وطن مجاہد تھے۔[عہ]

پھر شاہ بیگ نے پورے سندھ پر قبضہ کرنے کی خاطر سنہ ۹۲۸ھ میں دوبارہ حملہ کیا۔ چونکہ آدھا سندھ تو پہلے سے اس کے تصرف میں تھا۔ اس لئے اب وہ تلہٹی کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ اور سندھ کے مشہور عالمِ دین قاضی قاضن کو تلہٹی میر محمود کے پاس بھیجا کہ اسے پند و نصیحت کرکے اطاعت و متابعت پر آمادہ کر دے۔ لیکن وہ غیرت وطن کے باعث شاہ بیگ کے خلاف اس قدر غم و غصہ میں تھے کہ انہوں نے قاضی قاضن سے ملاقات تک بھی پسند نہ کی۔ اور قاضی صاحب جیسے گئے تھے ویسے واپس ہوئے۔[۲]

پھر تیسرے دن تلہٹی کا ایک شخص شاہ بیگ کے پاس آیا اور تلہٹی افواج کے حالات و کوائف بیان کیے اور کہا کہ یہ لوگ شیخ مخدوم بلال کی وجہ سے آمادہ جنگ ہیں۔ وہی ان کو آپ کے خلاف مقابلے کے لئے اکسا رہے ہیں۔[۳] ورنہ میر محمود خان، میر متن خان، جام سارنگ خان اور دوسرے عمائدین آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لیتے۔ لیکن مخدوم بلال انہیں روک کر جنگ کے لئے جوش دلا رہے ہیں۔ اس لئے شاہ بیگ کے دل میں حضرت مخدوم کی جانب سے ایک گہری کدورت اور دشمنی بیٹھ گئی اور فتح سندھ کے بعد اس نے مخدوم کو باغبان میں شہید کر دیا۔ آپ کی تاریخ شہادت یکم محرم سنہ ۹۲۹ ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہے۔ اور مزار قصبہ باغبان میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔[۵]

[۱] سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم ص ۲۵-۲۶ اگست ۱۹۶۳ء شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ

[عہ] تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۹۳/۶۵ (مولانا دین محمد وفائی سنہ ۱۹۳۹ء) مطبوعہ

[۲] —

[۳] [۴]:۔ سرزمین سندھ میں علم حدیث الرحیم ص ۲۶، تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۶۵۔

[۵]:۔ سرزمین سندھ میں علم حدیث (الرحیم ص ۲۶)۔

[عہ]:۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج ۲ ص ۳۹۱ مطبوعہ دانش گاہ پنجاب لاہور سنہ ۱۳۸۶ھ / سنہ ۱۹۶۶ء طبع اول

مخدوم بلال کا علم طریقت و معرفت میں سلسلہ مشائخ -

مخدوم بلالؒ نے بیعت و خلافت کی اجازت شیخ دوست علی شیبانی سے حاصل کی انہوں نے شیخ سید علی شمس الدین ہمدانی سے، انہوں نے شیخ شمس الدین مزدقانی سے انہوں نے شیخ ابوالمکارم علاءالدین سمنائی سے، انہوں نے شیخ نورالدین عبدالرحمٰن اسفرائینی ۶۹۵ھ سے، انہوں نے شیخ جمال الدین احمد مزرقانی م ۶۶۹ھ سے، انہوں نے شیخ مجدوالدین بغدادی م ۶۱۰ھ سے اور انہوں نے شیخ نجم الدین احمد بن عمر خوارزمی سے جو تتاریوں کی جنگ میں مورخہ ۱۰ - جمادی الاول ۶۱۶ھ میں شہید ہو گئے تھے اور آگے یہ سلسلۂ نسب حضرت شیخ جنید بغدادی (رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ و علیہم اجمعین) تک جا ملتا ہے۔[1]

۱:- تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۴۳ (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۴۹ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۷۴ء

بحوالہ بیاض مولانا مشتاق متعلوی

شیخ عبدالعزیز الکاہانی رح

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب شیخ عبدالعزیز بن محمد بن عبدالعزیز الابہری الکاہانی السندی ہے اور لقب عماد الدین ہے[51]۔ آپ قرن دہم کے ان فضلائے محدثین سے ہیں جو بیرون ملک سے سندھ تشریف لائے تھے۔

اصل وطن اور ورودِ سندھ۔

شیخ عبدالعزیز کا اصل وطن ہرات (ایران) تھا۔ دسویں صدی کے ربع اول میں شاہ اسمٰعیل صفوی نے جب خروج کیا تو آپ فتنۂ صفویہ اور بحران ایران کے باعث ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔ اور ۹۲۸ھ میں اپنے دونوں فرزند مولانا اثیر الدین اور مولانا یار محمد[ع] کو ساتھ لے کر جام فیروز خان کے عہد حکومت میں سندھ تشریف لائے۔ اور بمقام کاہان جو مضافات سیوستان میں ایک مشہور قصبہ ہے، سکونت پذیر ہو گئے[52]۔

فیروز نوانی[ع]

شیخ عبدالعزیز اصل وطن کے اعتبار سے الابہری، الہروی اور وطن سکونت واقامت کے لحاظ سے الکاہانی السندی کہلاتے ہیں۔

تدریس وتحدیث :-

شیخ عبدالعزیز الکاہانی اپنے وطن میں علوم حدیث وفنون شریعت کی تحصیل وتکمیل کر کے بڑے فضل وکمال اور جاہ وجلال کے مالک بن گئے تھے۔ پھر عرصۂ دراز تک وہاں مدرسہ شاہ رخ مرزا، مدرسہ سلطانیہ اور ہرات کی مشہور خانقاہ اخلاصیہ میں تدریس وتحدیث کا سلسلہ ومشغلہ جاری کر کے صدہا شائقین علم وطالبان دین کو

---

51 نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۹۳ (مولانا سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۶ھ

52 فقہائے ہند ج۳ ص۲۲۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔

ع :- مآثر رحیمی میں آپ کا نام مولانا محمد لکھا ہے۔ (مآثر رحیمی ج۲ ص۲۷۵) اور دوسرے تذکروں میں مولانا یار محمد مرقوم ہے۔

مستفیض و مستفید کرتے رہے۔

ہجرت کے بعد جب آپ سندھ میں مقیم ہو گئے تو یہاں بھی حلقۂ درس و تدریس جاری کیا۔ لے آپ کے علم و فضل کی شہرت سن کر سندھ کے اطراف و اکناف سے طلباء و علماء نے رجوع کیا۔ اور خلق کثیر و جم غفیر نے آپ سے علوم حدیث و فنونِ شریعت کی تحصیل و تکمیل کی۔ لے

تصنیف و تالیف :-

شیخ عماد الدین الکاہانی نے تدریس و تحدیث کے ساتھ ساتھ اس فن شریف کی تصنیف و تالیف سے بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آپ نے حدیث کی مشہور درسی کتاب مشکاۃ المصابیح (شیخ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب) کی عمدہ شرح لکھی جس کا نام منہاج المشکاۃ ہے۔ لیکن نامکمل رہ گئی تھی۔

مولانا عبدالباقی نہاوندی جام فیروز خان حاکم سندھ کے حالات کے تحت شیخ کاہانی کی ہجرتِ سندھ اور تدریسی و تصنیفی خدمات و کوائف کا ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں، "دراں وقت مخدوم عبدالعزیز ابہری محدث و مولانا اثیر الدین و مولانا محمد پسران او کہ ہر یکے عالمے متبحر بودند بکاہان رفتہ۔ چند سنین بہ نشر و افادہ علوم پرداختند و آمدن ایشاں از ہرات بسند، بسبب خروج شاہ اسمٰعیل بود در ایران بتاریخ شہور ثمان و عشرین و تسع مائۃ۔ و شرح مشکاۃ نوشتند اما بہ اتمام نرسیدہ ۲ے"۔ ترجمہ :- اسی وقت (یعنی جام فیروز خان کے زمانے میں) مخدوم عبدالعزیز ابہری محدث اور ان کے فرزند مولانا اثیر الدین اور مولانا محمد جو کہ متبحر عالم تھے، کاہان تشریف لے گئے۔ اور کئی سال علوم و فنون کی نشر و افادے میں مشغول و مصروف رہے۔ اور ان کی، ہرات سے سندھ میں تشریف آوری شاہ اسمٰعیل صفوی کے خروج کی وجہ سے ہوئی تھی، جو سنہ ۹۲۸ھ میں ایران میں واقع ہوا تھا اور انہوں نے (مخدوم عبدالعزیز نے) مشکاۃ شریف کی شرح لکھی۔ لیکن مکمل نہ ہوئی۔

لے :- فقہائے ہند ج۳ ص۲۲۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔

۲ے :- مآثر رحیمی ج۲ ص۲۷۵ (مولانا عبدالباقی نہاوندی) مطبوعہ۔

سید مولانا عبدالحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ نے آپ کی تدریس و تحدیث اور تصنیف و تالیف کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "درس مدۃ مدیدۃ فی مدرسۃ شاہ رخ مرزا و فی المدرسۃ السلطانیۃ و فی الخانقاہ الاخلاصیۃ ببلدۃ ھراۃ، وصنف شرحاً علی مشکاۃ المصابیح للامیر نظام الدین علی شیر"[۱]

ترجمہ:- (شیخ عبدالعزیز) ایک لمبے عرصے تک شاہ رخ مرزا کے مدرسے میں اور مدرسہ سلطانیہ اور خانقاہ اخلاصیہ میں شہر ہراۃ میں درس دیتے رہے اور امیر نظام الدین علی شیر کے لئے مشکاۃ المصابیح کی شرح تصنیف کی۔

آگے مولانا لکھنوی آپ کی سندھ میں علمی کارکردگی سے متعلق لکھتے ہیں، "فتکاثر علیہ الطلبۃ و اخذ عنہ جمع کثیر من العلماء ولہ تعلیقات شتی علی الکتب الدرسیۃ" ترجمہ:- پس ان پر بیشمار طلباء جمع ہوئے اور ان سے علماء کی بڑی جماعت نے علم اخذ کیا۔ اور ان کے، کتب درسیہ پر، متفرق (یعنی بیشمار) تعلیقات ہیں[۲]

علاوہ ازیں دوسرے مترجمین و مورخین مثلاً مولانا میر محمد معصوم نے تاریخ معصومی میں[۳] مولانا شیر علی قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام میں[۴] اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون[۵] میں آپ کی تدریسی و تصنیفی خدمات کو سراہا ہے۔

علامہ ابھری کاہانی کا علمی مقام۔

شیخ عبدالعزیز ابہری اپنے زمانے کے شیخ، فقیہ، محدث اور علامہ روزگار تھے۔ اصحاب تراجم و تذکرہ آپ کو الشیخ، المحدث، عماد الدین جیسے اعلے آداب و القاب سے یاد کرتے ہیں۔ مولانا عبدالحی الحسنی آپ کا ترجمہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں

ف ۱ ف ۲:- نزہتہ الخواطر ج ۴ ص ۱۹۳-۱۹۴ (مولانا سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن

ف ۳:- تاریخ معصومی ص ۱۰۶ (مولانا میر محمد معصوم بھکری م ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء۔

ف ۴:- تحفۃ الکرام ص ۴۴۳ (مولانا شیر علی قانع ٹھٹھوی) مطبوعہ ایضاً ایضاً

ف ۵:- کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۰۰ (علامہ حاجی خلیفہ

الشیخ العالم المحدث عبد العزیز الابھری الشیخ عماد الدین الکاھانی السندی کان من العلماء المبرزین فی الحدیث والفقہ[1] یعنی:- شیخ، عالم، محدث، ...... حدیث وفقہ میں مشہور علماء سے تھے
مولانا محمد اسحاق بھٹی آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں، "مولانا عبدالعزیز ابہری کاہانی جو شیخ عماد الدین کاہانی سندھی کے لقب سے ملقب تھے اپنے دور کے محدث وفقیہ تھے - اور ان کا شمار حدیث وفقہ کے اکابر علماء میں ہوتا تھا"[2]
آخر میں لکھتے ہیں، "بہر حال مولانا عبدالعزیز ابہری دسویں صدی ہجری کے دیار ہند کے ایک عالم وفقیہ اور محدث بزرگ تھے - انہوں نے تدریس اور تصنیف دونوں طریقوں سے اہل علم کو مستفید فرمایا"[3]

وفات :-

شیخ عبدالعزیز کی تاریخ وفات کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا - مولانا عبدالحی الحسینی لکھتے ہیں:
"ولم اقف علی سنۃ وفاتہ"[4] یعنی میں ان کے سال وفات سے واقف نہ ہو سکا -
البتہ حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں آپ کا سال وفات ۸۹۵ھ بتایا ہے[5] جو کہ غلط ہے - اور اس کا غلط ہونا اس بات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آپ میر معصوم کی روایت کے مطابق ۹۱۸ھ میں اور مولانا نہاوندی کے مطابق ۹۲۸ھ میں سندھ تشریف لائے تھے - اس لئے کسی صورت میں ۸۹۵ھ کو آپ کا سال وفات قرار نہیں دیا جا سکتا -
بہر صورت باقی مترجمین آپ کو قرن دہم کے فضلاء میں شمار کرتے ہیں جو کہ واقعات کے مطابق صحیح ہے -

---

1:- نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۹۳ (مولانا سید عبدالحی الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۶ھ
2، 3:- فقہائے ہند ج۳ ص۲۲۳، ص۲۲۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلام لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول -
4:- نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۹۳ (مولانا عبدالحی الحسنی)
5:- کشف الظنون ج۲ ص۱۷۰ (علامہ حاجی خلیفہ)

شیخ اثیر الدین الکاہانی رحؒ

حسب ونسب:۔ آپ کا نام ونسب شیخ اثیر الدّین بن شیخ عبد العزیز بن محمدؒ بن عبد العزیز الابہری الکاہانی السندی ہے[1]۔ آپ قرن دہم کے ان فضلاء محدثین سے ہیں جو ہجرت کر کے سندھ تشریف لائے تھے۔

ترکِ وطن وسکونتِ سندھ:۔

شیخ اثیر الدّین کا اصل وطن ہرات (ایران) تھا۔ جہاں سے صفوی یورش کے باعث ہجرت کر کے اپنے والد شیخ عبد العزیز کے ہمراہ ۹۲۸ھ میں سندھ آگئے اور موضع کاہان میں سکونت پذیر ہو گئے ہیں[2]

تحصیل علوم اور تدریس وتحدیث:۔

شیخ اثیر الدین نے تمام متداولہ علوم وفنون اور مروجہ کتب حدیث اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ اور تحصیل وفراغت کے بعد خود تدریس وتحدیث کا سلسلہ ومشغلہ شروع کیا۔ اور تادم زیست کاہان (سندھ) میں درس وافادہ میں مشغول ومصروف رہے۔ اور صدہا علماء وفضلا پیدا کئے۔

مولانا عبد الحی لکھتے ہیں، "وکان من اہل التفنن فی العلوم کثیر الدرس والافادۃ اخذ الحدیث من والدہ وعنہ کثیر من العلماء فی بلاد السند"[3]

1۔ تحفۃ الکرام ص۲۲۳ (میر علی شیر قانع ٹھٹوی) (سندھی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء۔

2۔ مآثر رحیمی ج۲ ص۲۷۵ (مولانا عبد الباقی نہاوندی) مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ ۱۹۲۵ء

فقہائے ہند ج۳ ص۱۱۱ (مولانا محمد اسحاق بھٹی۔) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول

3۔ نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۰ (علامہ سید عبد الحی بن فخر الدین م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن

ترجمہ :- (شیخ اثیرالدین صاحب ترجمہ) علوم میں ماہرین فن رجال سے تھے - آپ کا درس وافادہ بہت زیادہ تھا - حدیث کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی - اور آپ سے بلاد سندھ میں بہت سے علماء نے حدیث اخذ کی -

مولانا محمد اسحٰق بھٹی آپ کے ترجمے کے تحت لکھتے ہیں، "تمام علوم میں ماہر کامل تھے مروجہ کتب حدیث اپنے والد محترم سے پڑھیں - ہر وقت درس وافادہ میں مصروف رہتے بلاد سندھ کے بیشمار طلباء نے ان سے اخذ علم کیا۔" [1]

الغرض ! آپ استاذ ابن الاستاذ اور محدث ابن المحدث تھے - اپنے والد ماجد کی معیت میں اور ان کے بعد علاقۂ سندھ میں علوم حدیث وفنون شریعت کی کماحقہ نشر واشاعت کرتے رہے -

علامہ عبدالباقی نہاوندی نے آپ کے ترجمے میں [2] اور مولانا علی شیر قانع نے آپ کے والد کے ترجمے کے ضمن میں [3] آپ کے علم وفضل اور درس وافادہ کی بے حد تعریف و توصیف کی ہے -

شیخ اثیرالدین جہاں فضلائے محدثین وفقہائے محققین میں شمار ہوتے ہیں، وہاں مترجمین حضرات آپ کو عبادِ صالحین وزہادِ متقین میں بھی شمار کرتے ہیں - آپ اپنے علم وفضل کے ساتھ ساتھ زہد وتقویٰ اور تعبّد وصلاح میں بھی مشہور و معروف تھے -

وفات

شیخ اثیرالدین کی تاریخ وفات کتب تراجم میں مذکور نہیں - البتہ آپ کی تاریخ ہجرت (سنہ ۹۲۸ھ) کے پیش نظر آپ کے قرن کی تعیین کی جا سکتی ہے - اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ دسویں صدی ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے محدثین سے ہیں -

---

[1] :- فقہائے ہند جـ ۳ صـ ۱۱۱ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۶ء طبع اول -

[2] :- مآثر رحیمی جـ ۳ صـ ۲۷۵ (مولانا عبدالباقی نہاوندی) مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ سنہ ۱۹۲۵ء

[3] :- تحفۃ الکرام صـ ۴۴۲ (مولانا علی شیر قانع ٹھٹوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی سنہ ۱۹۵۹ء -

شیخ مٹھو ٹھٹھوی ؒ

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب شیخ رکن الدین ٹھٹھوی ہے۔ مٹھو یا متو آپ کا عرف اور الحنفی لقب ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) تک جا ملتا ہے[1] یعنی آپ قریشی النسل عرب ہیں۔ اور آپ کا قبیلہ بنو تمیم کہلاتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ قریش کے قبیلہ بنو تمیم کے چشم وچراغ تھے۔

لیکن آپ کے کسی مترجم نے اس بات کی تحقیقات و وضاحت نہیں کی کہ آپکے سلف صالحین میں سے کون ؟ کیسے اور کب عرب سے سندھ تشریف لائے تھے ؟

غالباً آپ کا کوئی جد امجد فتح سندھ کے بعد اس علاقے میں ان لوگوں کے ساتھ آکر آباد ہوا تھا جنہیں حضرت محمد بن قاسم ؒ نے یہاں بسائے تھے۔

مورخین حضرات لکھتے ہیں کہ جب محمد بن قاسم نے دیبل کو فتح کیا تو یہاں چار ہزار عرب گھرانے آباد کئے اور ایک عظیم الشان مسجد بنوائی۔[2]

اور اتنی کثیر آبادی یقیناً عرب کے متعدد قبائل پر مشتمل ہوئی ہوگی مثلاً - نزاری بنو قحطان بنو عدنان، بنو تمیم، بنو اسد وغیرہ۔

دیبل کے علاوہ عرب کے بہت سے قبیلے سندھ کے مختلف شہروں اور قصبوں میں بھی آکر مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے تھے علامہ سید سلیمان ندوی اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ عربوں نے سندھ کا علاقہ فتح کرنے کے بعد وہاں اپنی نو آبادیاں قائم کیں، قریش، کلب، تمیم، اسد، اور یمن وحجاز کے بہت سے قبائل یہاں کے مختلف شہروں میں آباد

اس کا م

---

[1] تاریخ معصومی ج ۳ ص ۲۴۰ (مولانا میر محمد معصوم البھکری م ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی (ہند) ۱۹۳۸ء۔ سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم، اگست ۱۹۶۳ء، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد

[2] فتوح البلدان ص ۴۲۴، ۴۲۵ (علامہ ابو العباس احمد بن یحیٰ م ۲۷۹ھ)
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۱۲۹ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۷ء

ہو گئے۔

قاضی اطہر مبارکپوری نے بھی اپنی کتاب رجال السند والہند میں سندھ کے مکین تمیمیوں کے بارے میں ایک بیان دیا ہے۔ آپ شیخ احمد بن محمد بن صالح[ع۵] التمیمی کے ترجمے کے ذیل میں لکھتے ہیں[ح۱]، "التمیمی :- فالی بنی تمیم سکنوا فی السند وانتشر امرھم ووقع التصحیف فی تمیم فقیل فی لغت السند تھیم کما قیل لبنی مغیرہ .... موریہ .... واول من جاء من بنی تمیم فی مکران والسند مجاعۃ بن مسعر التمیمی ولاہ الحجاج بن یوسف الثقفی مکران وثغر السند فغزی وفتح طوائف من قندابیل ومات لعد سنۃ بمکران" آگے لکھتے ہیں، "ووجّہ یزید بن عبد الملک الی بنی مہلب الی السند ھلال بن احوز التمیمی فقتلھم"۔ ترجمہ :- التمیمی :- پس بنو تمیم کی طرف منسوب ہے۔ (یہ لوگ) سندھ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اور خوب ترقی کر کے پھیل گئے۔ اور "تمیم" کے لفظ میں ہیر پھیر واقع ہو گئی۔ پس سندھ کی بولی میں "تھیم" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ .... "بنی مغیرہ" کو "موریہ" کہا جاتا ہے۔

اور بنو تمیم کا پہلا شخص جو مکران اور سندھ آیا تھا وہ مجاعہ بن مسعر تھا۔ اسے (عراق و حجاز کے گورنر) حجاج بن یوسف ثقفی نے مکران اور سرحدِ سندھ پر والی مقرر کیا تھا تو اس نے جہاد کیا اور قندابیل (گنداوہ) کے گرد و نواح کے بہت سے علاقے فتح کیئے۔ اور ایک سال کے بعد مکران میں فوت ہوا۔

اور یزید بن عبد الملک (اموی) نے بنو مہلب کے تعاقب میں سندھ کی طرف ہلال بن احوز تمیمی کو بھیجا۔ پس اس نے انہیں قتل کیا۔

قاضی صاحب آخر میں لکھتے ہیں، "فالتمیمیون فی السند من اسرۃ ھؤلاء العمال والامراء"[ح۲] یعنی :- پس تمیمی لوگ، سندھ میں، ان گورنروں اور حکام کی اولاد ہیں۔

ح۱، ح۲ :- رجال السند والہند ص ۹۲-۹۳ (قاضی اطہر مبارکپوری) مطبوعہ کشمیلری بازار بمبئی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔

ع۵ :- آپ قرن چہارم کے محدثین سے ہیں۔ اس باب میں آپ کا ترجمہ لکھا گیا ہے۔

بہر صورت ان بیانات کی رو سے سندھ میں قبیلہ بنو تمیم کی آبادگاری مسلم و صحیح ہے۔ اور شیخ مٹھو، مطابق روایت میر معصوم بھکری جو فرماتے ہیں "و از اولاد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ست"، قریشی، تیمی اور صدیقی کہلانے کے حقدار ہونگے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

تحصیل علوم و اساتذہ

شیخ مٹھو نے علوم حدیث و فنون شریعت کی تحصیل و تکمیل استاذ العلماء مشہور مفسر و محدث سندھ اور فقیہ وقت شیخ بلال تلہٹی سے کی[1]۔ اور خود بھی اپنی محنت و مشقت اور خداداد صلاحیتوں کی بدولت فقیہ اور محدث سندھ کے القاب سے مشہور ہو گئے۔

یہاں ایک فصل شیخ [illegible] کے علمی فضل و کمال [illegible] بارے میں با[illegible] یا ہئے

تصنیف و تالیف

شیخ مٹھو ایک بڑے محقق عالم اور فاضل مصنف تھے۔ آپ کی تصنیفات میں شرح اربعین، شرح خلاصہ کیدانی مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے رسالے بھی آپ نے تصنیف کئے ہیں۔ لیکن ان کے نام اور موضوع معلوم نہ ہو سکے[2]۔

مترجمین آپ کے فضل و کمال اور تصنیفی مشاغل کی بے حد توصیف کرتے ہیں۔ مولانا رحمٰن علی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "نامش رکن الدین ست از خلفائے مخدوم بلال ساکن تلہٹی ممالک سند۔ ہموارہ ہمت بلند بر ادائے وظائف طاعات و عبادات می گماشت و در علم حدیث غایت مہارت داشت، شرح اربعین و شرح کیدانی و رسائل دیگر از مصنفات او مشہور اند..."[3] الخ ترجمہ:- ان کا نام رکن الدین تھا

[1] تاریخ معصومی جلد ۳ صفحہ ۲۴۰ (مولانا سید میر محمد معصوم البھکری م ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی (ہند) سنہ ۱۹۳۸ء۔
نزہتہ الخواطر جلد ۴ صفحہ ۱۱۶ (علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء

[2] تحفۃ الکرام
فقہائے ہند جلد ۳ صفحہ ۱۸۰ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۶ء طبع اول۔

[3] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۲۲۲ (مولانا رحمٰن علی) مطبوعہ نول کشور (ہند) سنہ ۱۹۱۴ء

مخدوم بلالؒ ساکن تلہٹی (علاقہ سندھ) کے خلیفوں سے ہیں۔ عبادات وبندگی کے فرائض کی سرانجام دہی میں ہمیشہ بہت بڑی ہمت دکھاتے۔ اور علم حدیث میں انتہائی درجہ کی مہارت رکھتے۔ ان کی تصنیفات میں سے شرح اربعین، شرح کیدانی اور دوسرے رسالے مشہور ہیں۔

اسی طرح رجال ومحدثینِ سندھ کے مشہور مترجم ومورخ مولانا میر محمد معصوم البھکری اپنی کتاب تاریخ معصومی میں آپ کے علم وفضل اور تصنیف وتالیف کی بڑی تعریف فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں،" در علم تفسیر وحدیث وفقہ وسائر علوم کمال مہارت داشتہ وتحقیق وتدقیق مسائل بروجہ اتم واکمل فرمودہ ودروقت قرأت حدیث تخشع وتذلل می فرمود۔ از نتائج طبع شریفش شرح اربعین وشرح کیدانی وبعض رسائل مشہور است[1] ترجمہ:۔ (شیخ مٹھو) علم تفسیر، حدیث فقہ اور سارے علوم میں اعلیٰ مہارت رکھتے تھے۔ مسائل کی پوری طرح اور نہایت کامل طریقے سے تحقیق اور چھان بین کرتے تھے۔ اور حدیث کی پڑھائی کے وقت نہایت عجز و انکساری کرتے تھے۔ آپ کے طبع شریف کے نتائج (پیدا کردہ یعنی تصنیفات) میں سے شرح اربعین، شرح کیدانی اور بعض رسالے مشہور ہیں۔

علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین (م ۱۳۴۱ھ) آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں[2]"الشیخ الفاضل رکن الدین الحنفی التتوی السندی المشہور بمتو کان من العلماء المبرزین فی الفقہ والحدیث اخذ عن الشیخ بلال المحدث التلہتی وله مصنفات منها شرح الاربعین ومنها شرح علی خلاصۃ الکیدانی ورسائل اخری لم اقف علی اسمائہا۔" ترجمہ:۔ شیخ فاضل رکن الدین الحنفی السندی جو کہ مٹھو (کے عرف) سے مشہور ہیں، فقہ اور حدیث کے مشاہیر علماء میں

---

[1]:۔ تاریخ معصومی ج ۳ ص ۲۴۰ (مولانا سید میر محمد معصوم البھکری م ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی ۱۹۳۸ء

[2]:۔ نزھۃ الخواطر بہجۃ المسامع والنواظر ج ۴ ص ۱۱۶ (علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء۔

علوم وفنون کی تحصیل شیخ بلال محدث تلہٹی سے کی۔ اور ان کی تصنیفات ہیں۔ جن سے شرح اربعین، شرح خلاصہ کیدانی اور دوسرے رسالے ہیں۔ جن کے ناموں پر میں واقف نہ ہو سکا۔

اسی طرح مولانا امیر احمد مخدوم العباسی نے اپنے مقالہ "سرزمین سندھ میں علم حدیث"[1] میں اور مولانا محمد اسحاق بھٹی نے فقہائے ہند[2] میں آپ کے علم وفضل اور فضائل وخصائل اور تصنیفات وتالیفات کی مدح سرائی کی ہے۔

لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ "اربعین" جس کی آپ نے شرح لکھی ہے کس کی تالیف ہے، غالباً، یہ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی کی ہوگی۔

اور خلاصہ کیدانی عربی نثر میں فقہ حنفیہ کی ایک مشہور مختصر کتاب ہے جسے علامہ لطف اللہ النسفی نے، جو "فاضل کیدانی" کے لقب سے مشہور ہیں، تصنیف کی ہے۔

مگر ~~افسوس~~ کہ آپ کی ان تصانیف کا کچھ بھی سراغ نہ مل سکا۔ کسی مترجم نے ان کا کوئی تفصیلی تذکرہ نہیں لکھا ہے۔

کوشش کی شاید الابین کوئی تالیف جھنڈ ... میں دستیاب

وفات

شیخ رکن الدین متھو ۹۲۹ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مقبرہ کوہ مکلی کی..... قبرستان میں ہے[3]۔

---

[1] :- سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا مخدوم امیر احمد العباسی) "الرحیم" ص ۲۷ اگست ۱۹۶۳ء مطبوعہ۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ ۱۹۶۳ء۔

[2] :- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۸۰ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء، طبع اول۔

[3] :- تاریخ معصومی ص ۲۴۰ (مولانا سید میر معصوم البھکری م ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ مطبع قیمیہ بمبئی (ہند) ۱۹۳۸ء۔
تحفۃ الکرام ص ۲۱۸ (مولانا علی شیر قانع التھتوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۹ء۔
فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۸۰، سرزمین سندھ میں علم حدیث" ص ۲۷ "الرحیم"
تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲۲ (مولانا رحمٰن علی م ۱۳۲۵ھ) مطبوعہ نول کشور (ہند) ۱۹۱۴ء۔

شیخ میران بن یعقوب ٹھٹوی۔

حسب ونسب:۔ آپ کا نام ونسب شیخ میران بن یعقوب ٹھٹوی ہے۔

آپ قرن دہم کے مشاہیر سندھ میں شمار ہوتے ہیں۔
شیخ میران کی تحصیل علوم، فہرست شیوخ اور سوانح حیات کی تفصیل کسی ترجمے میں مذکور نہیں۔ لیکن آپ کی پیدائش وپرورش اور تعلیم وتربیت ٹھٹھہ میں ہوئی تھی۔ اور ٹھٹھہ اس زمانے میں علوم اسلامی، تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں چار سو بڑے بڑے دینی مدارس وادارے جاری تھے۔[1] اور یہ شہر محدثین ومفسرین اور فقہاء وغیرہ اہل فنون کا گھر شمار کیا جاتا تھا۔
شیخ فرید بکھری اپنی کتاب ذخیرۃ الخوانین میں ٹھٹھہ کے علماء وفضلاء اور علوم وفنون کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں، "ٹھٹھہ کو عراق ثانی سمجھنا چاہیے"[2]
لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ شیخ میران نے اس زمانے میں ٹھٹھہ کے بڑے بڑے فضلاء ومشائخ سے علوم حدیث وفنون شریعت کی تحصیل وتکمیل کی ہوگی۔ اگرچہ ان کے نام مذکور نہیں۔

تدریس وتحدیث اور تلامذہ:۔

شیخ میران نے اپنی ساری زندگی درس وتدریس اور اشاعت تفسیر وحدیث میں کھپائی تھی۔ صدہا طلباء وعلماء نے آپ سے علوم حدیث وفنون مروجہ کی تحصیل کی۔
آپ کے تلامذہ ورواۃ میں شیخ طاہر بن یوسف المحدث، میرزا شاہ حسین بیگ[3،4] اور آپ کا فرزند شیخ جعفر قابل ذکر ہیں۔

۱:۔ تاریخ سندھ ج۲ حصہ ۶ ص ۹۷۷ (مولانا غلام رسول مہر) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۸ء۔
۲:۔ تاریخ سندھ ج۲ ح۶ ص ۹۷۶، ۷۷ بحوالہ ذخیرۃ الخوانین۔ (شیخ فرید بھکری)
۳، ۴:۔ تاریخ معصومی ج۲ ص ۲۴۹ (مولانا سید میر معصوم بکری م ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ مطبع قیمیہ بمبئی ۱۹۳۸ء۔

علامہ سید عبدالحی الحسنی آپ کے علمی درجہ اور درس وافادہ کے بارے میں لکھتے ہیں، "الشیخ الفاضل میران بن یعقوب التتوی السندی احد کبار العلماء درس وافاد مدۃ عمرہ واخذ عنہ میرزا شاہ حسین صاحب السند وخلق کثیر من العلماء"[1]

ترجمہ:- استاذ فاضل میران بن یعقوب ٹھٹھوی سندھی کبار علماء سے ہیں اپنی پوری عمر میں درس وافادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان سے حاکم سندھ مرزا شاہ حسین اور علماء کی بہت بڑی جماعت نے اخذ علوم کیا۔

مولانا حسنی موصوف آپ کے فرزند شیخ جعفر کے ترجمے میں لکھتے ہیں[2] "وکان والدہ ممن قرأ علیہ الشیخ طاہر بن یوسف السندی البرہانپوری"

ترجمہ:- ان کے (شیخ جعفر کے) والد ان شخصیتوں سے ہیں جن سے شیخ طاہر بن یوسف (المحدث) سندھی، برہانپوری نے علم وفن پڑھا۔

اسی طرح مولانا محمد اسحٰق بھٹی بھی آپ کے اخلاق حمیدہ، علم وفضل اور درس افادہ کی بہت تعریف وتوصیف کرتے ہیں[3]۔ علاوہ ازیں مولانا بھٹی صاحب نے آپکے فرزند شیخ جعفر بن میران کے ترجمے میں بھی آپ کی تدریس وتحدیث اور آخذین و تلامذہ کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں[4] "ان کے والد شیخ میران بوبکانی کا سلسلہ درس جاری تھا جس میں بےشمار علماء وطلباء نے استفادہ کیا۔ مستفیدین کی جماعت میں شیخ طاہر بن یوسف سندھی، برہان پوری بھی شامل ہیں" آگے لکھتے ہیں، "شیخ جعفر نے اپنے باپ (شیخ میران) سے تحصیل کی"[5]

اگرچہ کتب تراجم میں آپ کی تصنیف وتالیف اور روایت کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا لیکن تاہم یہ مسلم ہے کہ آپ نے علوم حدیث وفنون شریعت کی تدریس وتحدیث کے ذریعے کما حقہٗ خدمت واشاعت کی ہے۔ اور شیخ المشائخ اور استاذ الاساتذہ شمار ہونگے۔

[1] نزہۃ الخواطر بہجۃ المسامع والنواظر ج۴ ص۳۷۰ (مولانا عبدالحی الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

[2] نزہۃ الخواطر ج۴ ص۷۶ -

[3] فقہائے ہند ج۳ ص۳۲۶/۳۲۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۶ء - طبع اول

[4] [5] فقہائے ہند ج۳ ص۱۴۳ -

وفات :-

شیخ میراں ٹھٹھوی نے ۹۴۹ھ ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بمقام ٹھٹھ وفات پائی۔ اور مقبرۂ کوہ مکلی میں مدفون ہوئے۔[1]
اربابِ قلم نے آپ کی تاریخ وفات "علامہ وارثُ الانبیآء" سے نکالی ہے۔
مولانا عبدالحی الحسینی لکھتے ہیں، "مات سنۃ تسع واربعین وتسعمائۃ فارخ بعضھم "علامہ وارث الانبیاء" وقبرہٗ علی جبل مکلی[2]" ترجمہ :-.....
(شیخ میراں) نو سو انچاس ۹۴۹ھ میں فوت ہوئے تو بعض لوگوں نے آپ کی تاریخ وفات "علامہ وارث الانبیاء" بتائی۔ اور آپ کی قبر کوہ مکلی پر ہے۔

1۔ تاریخ معصومی جلد ۲ ص ۲۲۸ (مولانا سید میر معصوم الترمذی البوکری) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی (ہند) ۱۹۳۸ء۔
تحفۃ الکرام جلد ۲ ص ۲۶۰ (مولانا علی شیر قانع ٹھٹھوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء۔
2۔ فقہائے ہند جلد ۳ ص ۳۷۶ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء طبع اول۔
تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۶ (مولانا رحمٰن علی) مطبوعہ نول کشور (ہند) ۱۹۱۴ء۔
سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم اگست ۱۹۶۳ء مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ ۱۹۶۳ء

شیخ یونس الشمرقندی رحمۃ اللہ علیہ

حسب و نسب:- آپ نسب کے لحاظ سے سید[51]، ہاشمی ہیں اور نام آپ کا شیخ یونس بن ابی یونس، سمرقندی، الحنفی السندی ہے[52]۔

شیخ یونسؒ اصل وطن کے اعتبار سے سمرقندی اور اقامت و سکونت کے لحاظ سے سندھی شمار ہوتے ہیں۔ لیکن آپ کے سوانح حیات کے تفصیلی حالات اور تحصیل علوم و اساتذہ کا کتب تراجم میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ بہرصورت، آپ قرن دہم کے ان مشائخ کبار میں شمار ہوتے ہیں جو اپنے وطن سے ہجرت کر کے سندھ تشریف لائے۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے یہاں کے ہو کر رہ گئے۔

ہجرت و سکونت سندھ۔

شیخ یونسؒ حاکم سندھ مرزا شاہ حسین ارغون (م ۹۶۲ھ) کے عہد حکومت (۹۳۰ھ تا ۹۶۲ھ) میں اپنے وطن و شہر "ماوراء النہر" سے ہجرت کر کے سندھ تشریف لائے۔ اور یہاں موضع بھکر میں مستقل سکونت اختیار کی[53]۔ لیکن آپ کے ترک وطن و آمد سندھ کی کوئی متعین تاریخ مذکور نہیں۔

---

[51]- فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۹۲ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۶ء، طبع اول۔

[52]- نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۹۸ (علامہ سید عبدالحی بن فخرالدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ سنہ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء، مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء۔
فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۹۳ ۔

[53]- فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۹۵۔

تدریس وتحدیث اور تلامذہ -

شیخ یونس نے سندھ میں اقامت پذیری کے ساتھ ہی درس وتدریس کا ادارہ قائم کر کے علوم وفنون کی خدمت واشاعت شروع کی - صدہا علماء وفضلاء پیدا کئے۔ اور تادم زیست عوام وخواص اور خلق خدا کو مستفید ومستفیض کرتے رہے -

آپ کے رواۃ وتلامذہ میں قاضی شیخ عبد الغنی، شیخ سید ابراہیم البھکری، شیخ نظام الدین بن کبیر، شیخ طیب ٹھٹوی سندھی، شیخ قاضی اسحاق الاسیری اور والئ سندھ مرزا شاہ حسین بن شاہ بیگ ارغون قابل ذکر ہیں[51] -

علامہ شیخ عبد الحی الحسنی لکھتے ہیں، "الشیخ الفاضل یونس بن ابی یونس الحنفی السندی[52] احد الاساتذۃ المشہورین اخذ عنہ القاضی عبد الغنی والسید ابراہیم البھکری والشیخ نظام الدین بن کبیر والشیخ طیب السندی والقاضی اسحاق الاسیری وخلق اخرون" ترجمہ:- شیخ فاضل یونس بن ابی یونس حنفی سندھی مشاہیر اساتذہ میں سے ہیں - ان سے قاضی عبد الغنی، سید ابراہیم بھکری، شیخ نظام الدین بن کبیر، شیخ طیب سندھی، قاضی اسحاق اسیری اور دوسرے لوگوں نے (علم) اخذ کیا -

شیخ یونس کی کسی تصنیف وتالیف کا مترجمین نے کوئی ذکر نہیں کیا ہے -

---

۵۱:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۹۲ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول -

۵۲:- نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۹۱ (علامہ سید عبد الحی بن فخر الدین) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء بحوالہ گلزار ابرار (مولانا محمد بن الحسن) -

شیخ یونسؒ کا علمی فضل و کمال۔

شیخ یونس علمی فضل و کمال میں اپنے وقت کے عدیم المثال رجال سے تھے۔ علم و فضل میں آپ کا مقام بہت اونچا تھا علوم اسلامیہ و فنون حکمیہ میں اکابرین دہر و افاضلین عصر میں شمار ہوتے تھے۔

سندھ میں آپ نے اپنے اعلےٰ علمی فضائل و خصائل اور علو ذات و صفات کی بدولت بہت اونچی قدر و منزلت حاصل کی۔ اور بھکر کی مسند مشیخت و ولایت پر فائز رہے۔ اور یہ سلسلہ آپ کے اعزاز کی خاطر آپ کی نسل کے اہل علم و فضل حضرات میں قائم و دائم رہا۔

علامہ عبدالحئیؒ آپ کو "الشیخ الفاضل" اور "احد الاساتذۃ المشہورین"[1] سے متصف کرتے ہیں۔

مولانا محمدؒ اسحاق بھٹی آپ کی فضیلت و رفعت شان کے بیان میں لکھتے ہیں، "علامہ یونس بن ابو یونس سمرقندی، ثم سندھی، علوم حکمیہ کے کبار اور ماہر علماء میں سے تھے"۔ آگے لکھتے ہیں، "ارض سندھ میں علمی اعتبار سے ان کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور درجۂ مشیخت پر فائز تھے۔ ان کی علمی رفعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ والی سندھ مرزا شاہ حسین نے ان کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اور جرجانی کی شرح المواقف، اور بعض دیگر کتابیں باقاعدہ سبقاً سبقاً پڑھیں۔ بھکر کے صحیح النسب سید تھے اور بھکر کی مسند مشیخت و ولایت ہمیشہ اس عالم دین کے خاندان کے ذی علم حضرات کی طرف منتقل ہوتی رہی"۔[2]

وفات:۔

شیخ سید یونسؒ نے ۹۵۱ھ ہجری (علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں وفات پائی۔[3]

---

[1] :- نزہۃ الخواطر ج۴ ص۳۹۸ (علامہ سید عبدالحئی بن فخر الدین) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء۔

[2] فقہائے ہند ج۳ ص۳۹۶ (مولانا محمدؒ اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء۔ طبع اول۔

[3] بحوالہ مآثر رحیمی ج۲ ص۲۲۰، ۲۲۱ — تاریخ معصومی ص۲۸۱۔

شیخ جعفر بن میران البوبکانی رحمۃ اللہ علیہ

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب مخدوم جعفر بن مخدوم عبدالکریم (میران) بن یعقوب البوبکانی ہے - آپ سندھ کے مشہور شہر لوبک یا بوبکان ضلع دادو علاقہ سیوستان میں سکونت پذیر تھے - آپ کے پردادے کا نام نورالدین ہے۔
مخدوم جعفر قرن دہم کے ان مشاہیر رجال سے ہیں جن پر وادی سندھ فخر کر سکتی ہے - آپ جامع منقولات وماہر معقولات اور ایک فقید المثال مصنف ومؤلف تھے -

شیوخ واساتذہ

شیخ جعفر کی پیدائش ایک علمی گھرانے میں ہوئی - اور ایک علمی ماحول ودرسگاہ کے سایہ میں آپ نے تربیت وپرورش پائی - آپ کے والد ماجد (مخدوم میران) کا ادارہ تدریس وتحدیث جاری تھا کہ آپ پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے کے قابل ہو گئے - اور سارے علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل اپنے والد سے کی ہے اور آسمانِ سندھ کا ایک درخشاں سیارہ بن کر وادی سندھ کا نام دنیا میں اجالا کیا -

آخذین وتلامذہ :-

آپ کے تلامذہ میں میرزا شاہ حسن بیگ ارغون (م ۹۶۳ھ) اور میرزا علی جبل بکلی ۱۳ھ مشہور ہیں - لیکن حقیقت میں آپ کے علوم کے ایسے بحر بے کنار اور فنون کے خزائن بے شمار سے یقیناً بے شمار عوام وخواص اور علماء وفضلاء مستفید ومستفیض ہوئے ہوں گے -

---

۱ھ نزہۃ الخواطر ج۴ ص ۶۹ (علامہ سید عبدالحی بن فخرالدین م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۵ء
فقہائے سندھ ج۳ ص ۱۳۳ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول -
۲ھ اذکار ابرار ص ۳۰۷ (اردو ترجمہ گلزار ابرار) (مولانا محمد غوثی شطاری - ترجمہ فضل احمد جیوری) مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۶ھ
۳ھ مقدمۃ المثانۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص ۹-۱۰ (مولانا غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء - طبع اول -
۱- سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم اگست ۱۹۶۳ء ص ۲۹ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ
تحفۃ الکرام ص ۴۵۵ (میر علی شیر قانع ٹھٹھوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء
فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص ۱۸۳ (قاضی عبدالنبی کوکب) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۶۵ء - طبع اول -
۴ھ فہرست مخطوطات ص ۱۸۵ -

تصنیف و تالیف :-

شیخ جعفر ایک اعلیٰ رتبہ و معیار کے مصنف و محقق تھے - آپ کا نظیر و مثال، متاخرین تو درکنار متقدمین مصنفین میں بھی بہت کم ملیگی -
آپ کی تصنیفات تو بہت ہیں لیکن مشہور و معروف کتابیں مندرجہ ذیل ہیں
~~جن کی~~ ، مولانا غلام مصطفےٰ صاحب قاسمی مہتمم اعلیٰ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ نے بڑی کوشش و کاوش سے تفتیش و تحقیق کر کے مقدمۃ المتانہ فی مرمتہ الخزانہ میں ان کا تفصیل سے بیان کیا ہے - ~~یہاں ہم آپ کی تحریر سے اقتباس کر کے انہیں بیان کرینگے~~ جو حسب ذیل ہیں -

(۱) الصادق المنصف :-

اس کتاب کا پورا نام یہ ہے، " الصادق المنصف الملحق بالدلائل التی ھی بالتقدیم احری و احق ؏ " اس کی ابتدائی عبارت یہ ہے "سُبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا ولا دین لنا الا ما ارسلت الینا -" ؎۱

فاضل مصنف نے بدعات کے خلاف ایک عظیم (قلمی) جہاد شروع کر رکھا ہے - اور دین اسلام کو ہر غل و غش اور ملوثات سے پاک و صاف رکھنے کی خاطر بڑی جدوجہد کر کے یہ مجموعہ تیار کیا ہے - اور مقدمہ کتاب میں اپنی اس جدوجہد اور شغل و عمل کی خاطر احادیث رسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ والہ وسلم) سے استدلال کرتے ہیں - جن میں سے پہلی حدیث یہ ہے - لکھتے ہیں، " اخرج البخاری و مسلم عن المغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم لایزال ناس من امتی ظاھرین علی الحق حتی یاتیھم امر اللہ وھم ظاھرون " ؎۲

؎۱ :- مقدمۃ المتانہ فی مرمتہ الخزانہ ص۱۴ (مولانا غلام مصطفےٰ صاحب قاسمی) مہتمم اعلیٰ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد (سندھ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ طبع اول ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء -

؎۲ :- مقدمۃ المتانہ فی مرمتہ الخزانہ ص۱۴

؏ :- فقہائے ہند جلد۳ ص۱۲۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء - طبع اول -
مقدمۃ المتانۃ ص۱۴ -

مخدوم صاحب آگے اس حدیث کی تقویت و حجیت کے ثبوت میں فرماتے ہیں، "و لہا شواهد کثیرۃ فی الصحیحین وغیرهما من المشکواۃ"[1] ترجمہ:- اور اس کے لئے صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) اور ان کے علاوہ مشکواۃ شریف کے ماخذوں میں بہت سے شواہد ہیں۔

آپ حدیث مذکورہ میں معہود جماعت سے محدثین و علماء حدیث مراد لیتے ہیں۔ اور اس پر حافظ ابن مہدی (عبد الرحمٰن ابن مہدی) کا قول بطور حجت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں[2] "قال ابن المهدی هم اصحٰب الحدیث" ابن المہدی کہتے ہیں کہ وہ لوگ (جو حق پر ڈٹے رہینگے) اصحاب حدیث ہیں۔

پھر کتاب کی تمہید میں اس کا غرض و غایت بیان کرتے ہوئے اپنی تصنیف کی وجہ تالیف میں بھی حدیث پیش کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں، "لما اخرج ابن عساکر عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ظهرت البدع ولعن اٰخر هذہ الامۃ اولها فمن کان عندہ علم فلینشرہ فان کاتم العلم یومئذٍ ککاتم ما اُنزل علی محمدٍ"[3]

آگے آپ نے وہ وجوہات بیان کی ہیں جو آپ کے مشاہدے میں آئی ہیں۔ علاوہ ازیں کتاب کا تسمیہ اور مجمل ترتیب و کوائف کا بھی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

وقد شاهدنا فی اکثر البلاد ما اخبر عنہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان یقع علیہ الالحاد و رئینا عیانا لا یعد ولا یحصی من انواع البدع والالحاد وسمیتہ "الصادق المنصف المسمیٰ بالدلائل التی هی بالتقدیم احری واحق" ورتبتہ علی فصول مشتملۃ من النقول والاصول علی ما تقرر عند علماء العدول والصوفیۃ الفحول وقد سلکت فیہ مسلک الاعتدال حیث ما التزمت فیہ رد ما یقبل التاویل ولا قبول ما لا یجوز لہ التاویل"[4]

---

[1] :- مقدمۃ المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص ۱۲ (مولانا ابو سعید غلام مصطفےٰ قاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء۔

[2]، [3]، [4]:- مقدمۃ المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص ۱۲۔

ترجمہ :- بہ تحقیق ہم نے اکثر شہروں میں وہ چیزیں دیکھیں جن کی حضور پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خبر ملی تھی قبل اس کے کہ ان پر الحادو واقع ہو - اور ہم نے ظاہر ظہور بدعت والے دینی کی اتنی قسمیں دیکھیں جو حساب و شمار میں نہیں آتیں -

اور میں نے اس (کتاب) کا نام رکھا "الصادق المنصف المحق بالدلائل التی ھی بالتقدیم احری واحق" اور میں نے اسے کچھ فصلوں پر مرتب کیا جو ایسے نقلی اور اصولی دلائل پر مشتمل ہیں جو علمائے راسخین اور صوفیائے مجاہدین کے نزدیک ثابت و مسلم ہیں - اور میں نے اس میں درمیانہ روی اختیار کی - جب کہ میں نے ایسی روایت جو قابل تاویل ہو رد کرنا اور جس کی تاویل ناجائز ہو اسے قبول کرنے کا التزام نہیں کیا -

(۲) حاصل النہج ۱

یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی ہے - جو اقسام علوم وفنون کی تشریح وبیان میں ایک جامع اور نایاب ونادر تصنیف ہے - اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ اس کے مضامین وعنوانات کے ملاحظہ ومطالعہ سے خود معلوم ہوتا ہے - فاضل مصنف نے اسے چار بڑی بڑی فصلوں پر مرتب کیا ہے - پھر انہیں مختلف مضامین کے مطابق چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم کرکے متعلقہ مسائل کی تفصیل سے بحث وتشریح کی ہے -

تفصیل عنوانات حسب ذیل ہے :-

I فصل اوّل در بیان فضل علم ونیت وتحصیل آں

II فصل دوم در بیان علم فقہ وشرع -

ا :- مقدمۃ المتانتہ فی رحمۃ الخزانتہ ص ۲۵ (مولانا غلام مصطفےٰ صاحب قاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ - ۱۳۹۱ھ ۱۹۷۳ء - طبع اول -

ع :- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۹۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء - طبع اول -

ب :- فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص ۱۸۹ (قاضی عبدالنبی کوکب ایم -اے) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۵ء طبع اول

III فصلِ سوم در تقسیمِ علم۔

IV فصلِ چہارم در بیانِ علومِ محمودہ و مذمومہ۔

آپ نے تیسری فصل میں علم کی تقسیم مندرجہ ذیل عنوانات پر کی ہے :۔

(۱) **نوعِ اوّل** علوم شرعی :۔ اس میں آپ نے مندرجۂ ذیل علوم کو مندرج فرمایا ہے

۱ علم کلام در آں از عقائد اہل اسلام بحث کردہ شود ۔

۲ علم فقہ ۳ علم اصول فقہ ۴ علم فرائض ۵ علم تصوف ۶ علم قرآن ۷ علم تجوید ۸ علم تفسیر ۹ علم حدیث ۱۰ علم متن حدیث ۱۱ علم اصول حدیث ۱۲ علم جرح و تعدیل ۱۳ علم وفیات و تواریخ رجال حدیث ۱۴ علم ضبط اسماء و انساب و القاب و کنیاتِ رجال ۱۵ علم تنقید متون و اسانیدِ حدیث ۔

(۲) **نوعِ ثانی** علوم ادبی :۔ اس میں مندرجہ ذیل علوم شامل ہیں ۔

چنانچہ آپ خود اس کی تشریح و تقسیم اس طرح کرتے ہیں ۔ نوع ثانی علوم ادبی ست ۔ کہ بداں معرفت و طریق نوشتن و گفتن الفاظ عربی حاصل شود ۔ آں دوازدہ علم ست ۔

ترجمہ :۔ دوسری قسم علوم ادبی کی ہے ۔ جو ان کے ذریعے عربی الفاظ کے بولنے اور لکھنے کا طریقہ اور پہچان حاصل ہوتی ہے ۔ اور وہ بارہ علوم ہیں :۔

۱ علم لغت ۔ ۲ علم صرف ۔ ۳ علم اشتقاق ۔ ۴ علم نحو ۔ ۵ علم معانی ۔ ۶ علم بیان ۔ ۷ علم بدیع ۔ ۸ علم عروض ۔ ۹ علمِ قافیہ ۱۰ علم قرض الشعر ۔ ۱۱ علم انشاء الشعر ۔ ۱۲ علم محاضر ۔ [۱]

---

[۱] :۔ مقدمۃ المثانۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص ۲۵ تا ۳۱ (مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی مہتمم اعلیٰ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۔ سنہ ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء ۔ طبع اول ۔

(۳) حَلّ العُقُود ۱۳؎

اِس کتاب کا پورا نام "حَلُّ العُقُودِ فی طلاقِ السُّنُود" ہے؎۱۴۔ زبان عربی ہے۔ لیکن مسائل بیان کرتے وقت سندھی الفاظ و اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں۔ اِس کتاب میں اہل سندھ کے طلاق دینے کے طریقے اور ان سے متعلق فقہی احکام بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب، اگرچہ مولانا محمد اسحاق بھٹی نے لکھا ہے کہ بعض قدیم کتب خانوں میں موجود ہے؎۱۴، لیکن ناپید ہو چکی ہے۔ مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی "المتانتہ فی مرمتہ الخزانتہ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں؎۱۵: "لم اظفر علی کتابہ ھذا"

یعنی، میں آپ کی یہ کتاب نہ پا سکا۔
البتہ مولانا قاسمی صاحب نے علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (م ۱۱۷۴ھ) کا ایک بیان نقل کیا ہے جس میں مخدوم ٹھٹھوی نے مسئلہ طلاق کے ایک فتوی میں اس کتاب سے اِستدلال کیا ہے۔ جو حسب ذیل ہے:۔

حَیث قالَ بعدَ بحثٍ طویلٍ لفظ "چِڈِي" تین بار کہا۔ ایک طلاق ہوگا یا تین؟
اس اِستفتا کے جواب میں مولانا ٹھٹھوی لکھتے ہیں: "قلت لا، لما ذکرہ ....
العَلّامۃ جَعفرُ البوبکانی نفعنا اللہ تعالیٰ ببرکاتہٖ فی حلّ العقود ونصہٗ ھٰذا ....
اِن قالَ لِموطوئتہٖ "چِڈِی" "چِڈِی" "چِڈِی" ثلاث مرات وارادَ
بالتکریرِ التاسیسَ لا التاکید لایقع الا الواحدۃ۔ انتہی؎۱۳"

ترجمہ:۔ میں کہتا ہوں کہ نہیں، یعنی تین طلاقیں واقع نہیں ہونگی۔ اس لئے کہ علامہ جعفر البوبکانی اللہ تعالےٰ ان کی برکات سے ہمیں مستفید کرے، "حل العقود" میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کی اس طرح تصریح کی ہے۔ کہ اگر (کسی نے) اپنی موطوئہ (بیوی جس سے اس نے ہم بستری کی ہو) سے "چِڈِی" "چِڈِی" "چِڈِی" (یعنی میں نے تجھے چھوڑ دی) تین بار کہا۔ اور تکرار الفاظ سے ایک کی تاکید کا ارادہ نہیں کیا بلکہ ہر ایک لفظ کو نئی نیت و ارادے سے استعمال کیا۔ تو ایک ہی طلاق واقع ہو جائیگی۔

۱۳؎ ۱۵؎ مقدمۃ المتانتہ فی مرمتہ الخزانتہ ص ۴۳-۴۴ ۔ (مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ۔ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۲ء، طبع اول۔

۱۴؎ فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۲۹ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء، طبع اول۔ لیکن آپ نے اسے دو کتاب تصور کر کے ایک جگہ ص ۳ پر "حل العقود فی طلاق السنود" کے نام سے اور آگے ص ۸ پر صرف "حل العقود" کے نام سے یاد کیا ہے۔ حکر صاحب تعلیق مولف مقدمہ، مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی نے محض ایک نام اور ایک ترجمے سے اس کا ذکر کیا ہے۔ شاید یہی چھاپے کی سبقت قلم ہو گیا ہے۔

(۴) نہج التعلیم عہ

اِس کتاب کا پتہ نہ چل سکا - مولانا غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی مخدوم کی کتاب "المتانہ فی مرمتہ الخزانہ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں[۱] "لم اجد ھذا الکتاب فی المکاتب العلمیۃ ببلادنا" یعنی - میں نے اس کتاب کو اپنے علاقہ (سندھ) کے علمی کتب خانوں میں نہیں پایا -

(۵) عجالۃ الطالبین عہ

یہ کتاب عربی زبان میں ایک نہایت عمدہ اور مفید تصنیف ہے - مخدوم موصوف نے اسے فقہی کتب کے اصول پر مبوّب کیا ہے - اس کی چھ کتابیں اور (۶۷) ابواب ہیں - پہلا حصہ عہ کتاب الایمان (۲) کتاب العلم (۳) کتاب الصلواۃ - (۴) کتاب الصوم (۵) کتاب الحج (۶) اور چھٹا حصہ کتاب القرآن ہے[۲] عہ

کتاب کی ابتدا تحمید سے کی ہے جو حسب ذیل ہے :-

الحمد للہ الذی خص ھذہ الامۃ بالاسناد والنواع التقریب والتعریف ووعد حفظ کتابہ من التبدیل والتحریف[۳] ... الخ

فاضل مصنف نے اس کتاب میں مندرجہ مسائل کے بیان کے دوران اُن سے متعلق مرویہ اُن احادیث سے بحث کی ہے جو (۱) موضوع اور بے بنیاد ہیں - انہیں آپ نے پوری تحقیق و تدقیق سے کام لے کر موضوع وغیر ثابت قرار دیا ہے (۲) دوم وہ احادیث جو فی الحقیقت ثابت ہیں لیکن کسی نقاد نے انہیں موضوع اور بے بنیاد قرار دیا ہے - تو آپ نے ایسی احادیث پر گہری تفتیش و تحقیق کی ہے - اور ان کے صحیح طرق و اسناد کی تخریج کر کے ان کی صحت و ثبوت کا فیصلہ دیا ہے

عہ (۱) کتاب ... الایمان ...

عہ فقہی ... کتب کے ... میں ایک باب ... "زکواۃ" ... بھی ہونا ... لیکن اس ... میں اس ... (زکواۃ) ... کا ذکر ... ہے ... بحث نہیں کیا

عہ فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص ۱۸۱ (قاضی عبدالنبی کوکب) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۴ء - طبع اول -

[۱] - مقدمۃ المتانۃ فی مرمتۃ الخزانۃ ص ۳۴ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء طبع اول
مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی مہتمم شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد

[۲] ، [۳]

عہ ، عہ :- فقہائے ہند حصہ دوم ص ۱۸۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء طبع اول - فہرست ص ۱۸۱ - سرزمین سندھ میں علم حدیث (مخدوم امیر احمد عباسی ۱۹۶۳ء) الرحیم - مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ ۱۹۶۳ء

اور جن احادیث کو (علماءِ اصول و محدثین نے) ضعیف قرار دیا ہے یا ان کی صحت میں انہوں نے اختلاف کیا ہے تو انہیں آپ یہاں ذکر ہی نہیں کرتے۔

مخدوم صاحب کتاب ہٰذا کی تمہید میں اس سلسلے میں خود لکھتے ہیں:...

"فیقول العبد الملھم جعفر بن عبد الکریم الشھیر بمیران بن یعقوب البوبکانی عاملھم اللہ تعالیٰ بلطفہ الرحمانی اَنَّ بعض نقاد الحدیث... میزوا الضعیف عن غیرہ وبینوا ما جزم بوضعہ وما لا اصل لہ وما اختلف فی روایتہ وعدمھا کالشیخ زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی فی کتابہ المغنی فی تخریج الاحیاء... الخ۔" ترجمہ:- پس بندہ ملہم (جسے غیبی اشارہ و ہدایت مل جائے) جعفر بن عبد الکریم (جو کہ میران بن یعقوب سے مشہور ہیں) البوبکانی اللہ انہیں اپنے لطف رحمانی میں لے لے! کہتا ہے کہ بعض نقادِ حدیث نے ضعیف حدیث کو غیر ضعیف سے علیحدہ کیا ہے اور واضح کیا ہے اس حدیث کو جس کا موضوع ہونا یقینی ہو چکا ہے۔ اور اسے جس کا کوئی اصل و ثبوت نہیں۔ اور ایسی حدیث کو جس کی روایت و عدم روایت میں اختلاف کیا گیا ہے۔ مثلاً شیخ زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی اپنی کتاب "المغنی" کے اندر "الاحیاء" کی تخریج میں.........الخ

آگے آپ چند ایک اور زعمائے محدثین کا بھی بیان کرتے ہیں جنہوں نے اس سلسلے میں قلم اٹھایا ہے۔ مثلاً علامہ شمس الدین سخاویؒ الحافظ اور امام جلال الدین سیوطیؒ وغیرہم۔ اور آخر میں کہتے ہیں، "فاردت ان افرز منھا اکثر الموضوعات وما لا اصل لہ فی الواردات ولا اذکر مما ضعفوہ او اختلفوا فی صحتہ الا اری الاخبار بہ وبما زدت مما فاتھا من الواجبات۔ واما کتابی ھذا فانما ھو عجالۃ الطالبین فی انتقاد الحاذقین۔ ومما بعثنی علیہ تقاصر ھمم ذوی الالباب والاجتھاد لتواتر فتن الزمان فی جمیع البلاد واللہ مسئول ان یمن...."

ل:- مقدمۃ الناشر فی مرمتہ الخزانۃ ص ۳۶ (مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی مہتمم شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء طبع اول۔

باصلاحها علی العباد ویوفقهم لما ینفعهم یوم التناد "۔ [1]

ترجمہ:- تو میں نے ارادہ کیا کہ میں اکثر موضوع احادیث کو ظاہر کروں اور انہیں بھی جن کا وارد شدہ احادیث و کتب میں کوئی ثبوت نہیں - اور ایسی کوئی حدیث ذکر نہ کروں جسے (محدثین نے) ضعیف قرار دی ہو یا اس کی صحت میں اختلاف کیا ہو۔ مگر... اس صورت کہ میں اس سے خبر دینے کے لئے یا کسی واجب کے اضافہ کرنے میں جو فوت ہو چکا ہو اس کا لانا ضروری سمجھوں۔

لیکن میری یہ کتاب ! یہ تو "حاذق علماء کی پیروی میں طالبین کی تیز قدمی ہے" اور جس چیز نے مجھے اس کی تالیف پر آمادہ کیا وہ ، علماء صاحب رائے وصاحب اجتہاد کی ، تمام علاقوں میں فقہائے زمانہ کے مسلسل واقعات کے باعث ، کم ہمتی تھی - اور اللہ تعالٰے سے سوال ہے کہ اسے اپنی مہربانی سے بندوں کے لئے مفید بنائے اور انہیں ایسے عمل کی..... توفیق عطا کرے جو قیامت کے دن انہیں نفع پہنچائے !

یہاں ہم آپ کی اس کتاب سے ماخوذ ایک دو ایسی حدیثیں نقل کرتے ہیں جن کے متعلق آپ نے اپنی تحقیقات کر کے صحیح فیصلہ صادر کیا ہے - مثلاً:-

آپ حدیث "الیقین الایمان کلہ" کو صحیح ثابت کرتے ہیں جسے شیخ صغانی نے موضوع کہا ہے - اور "من عرف نفسہ عرف ربہ و من عرف ربہ کل لسانہ" جسے علمائے حدیث نے موضوع کہا ہے آپ بھی تحقیق و تدقیق کر کے اسے موضوع اور غیر ثابت قرار دیتے ہیں - پوری عبارت کتاب حسب ذیل ہے -

فی الخلاصۃ - ان الصغانی قال "الیقین الایمان کلہ" "موضوع" ، اھ ، قلت لکن اخرجہ البخاری ؒ فی الادب والبیھقی ؒ فی شعب الایمان

[1] :- مقدمۃ المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص ۳۸ (مولانا غلام مصطفٰے قاسمی) اہتمام شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء طبع اول -

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث "الصبر نصف الایمان، الیقین الایمان کلہ"۔[۱]

فی الذیل: "من عرف نفسہ عرف ربہ ومن عرف ربہ کل لسانہ" قال النووی لیس بثابت "من عرف نفسہ عرف ربہ" قال ابن تیمیہ موضوع وھو کما قال۔ وفی المقاصد لا یعرف مرفوعاً وانما یحکی من قول یحیی بن معاذ وکذا قال النووی لیس بثابت۔[۲]

ترجمہ:- (۱) (علامہ محمد بن طاہر بن علی کی کتاب) الخلاصہ میں مذکور ہے کہ شیخ ... الصغانی کہتے ہیں کہ (حدیث) "الیقین الایمان کلہ" موضوع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری ۲۵۶ھ نے کتاب الادب میں اور امام بیہقی (ابوبکر احمد بن حسین البیہقی ۴۵۸ھ) نے کتاب شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اس کی تخریج یعنی روایت کی ہے۔ حدیث:- الصبر نصف الایمان، الیقین الایمان کلہ" یعنی صبر آدھا ایمان ہے۔ یقین پورا ایمان ہے۔

(۲) (امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی ۹۱۱ھ) کی کتاب "الذیل" میں مروی ہے، "من عرف نفسہ عرف ربہ ومن عرف ربہ کل لسانہ" یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ اور جس نے اپنے رب کو پہچانا اس کی زبان بند ہو گئی۔

امام ابو زکریا یحیی بن شرف نووی ۶۷۶ھ کہتے ہیں کہ ثابت نہیں "من عرف نفسہ..." امام ابن تیمیہ ۷۲۸ھ کہتے ہیں، کہ یہ موضوع ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ اور (امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی ۹۰۲ھ کی کتاب) المقاصد الحسنہ

---

[۱] و [۲]۔ مقدمة المغالطة فی فرحة الخزانة ص ۳۸ (مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ طبع اول سنہ ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء۔

میں (کہا ہے) "لا یعرف مرفوعاً" یعنی اسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں جانا جاتا (مطلب یہ ہے کہ یہ آپ ؐ کی حدیث نہیں) اور یہ محض شیخ یحیٰ بن معاذ کا قول نقل کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح امام نووی نے کہا کہ یہ ثابت نہیں۔

(۶) فتح الدارین :-

علامہ غلام مصطفےٰ قاسمی اس کے ترجمے میں فرماتے ہیں، "ھی رسالۃ فی الفارسیۃ ذکر فیھا الاحادیث واقوال المشائخ ما ینفع فی دفع الفقر کما کتب فی خطبتھا"[۱] ترجمہ :- یہ فارسی میں ایک رسالہ ہے۔ اس میں وہ احادیث اور اقوال مشائخ ذکر کیئے ہیں جو افلاس و تنگدستی کے دفع کرنے میں نفع رساں ہیں۔ جیسا کہ (مصنف نے) اس کے خطبے میں لکھا ہے۔

خطبۂ کتاب :-

حمد حکیمی را کہ ہر چیزے را باندازہ حکمت گردانیدہ است والصلواۃ والسلام بر رسول او کہ علاج ہمہ کس را بر سداد لیاقت گفتہ است۔ و بر آل و اصحاب و تابعان او کہ اتباع ہمہ ایشان در دین بودہ است[۲]

مخدوم صاحبؒ، حمد و صلواۃ کے بعد لکھتے ہیں، "بخاطر فاتر این فقیر رسید کہ از آنچہ درباب مزید توفیق و دفع فقر از حضرت رسالت ؐ و مشائخ اسلام وارد شدہ است بعضے را ذکر کنم مقرون بہ چند حدیثی کہ مناسب احوال اہل زمان ہست"[۳] ترجمہ :- اس فقیر کے ناقص خیال میں آیا کہ مزید توفیق اور دفع افلاس کے سلسلے میں جو کچھ حضور پاک صلے اللہ علیہ والہ وسلم اور مشائخ اسلام سے وارد ہوا ہے کچھ بیان کروں بہ شمولیت چند ایسی احادیث کے جو اہل زمان کے حالات کے موافق ہوں۔

---

[۱] مقدمۃ المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص ۲۰۔۲۱ (مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی مدظلہ)۔

[۲] مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ۔ ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء طبع اول۔

[۳] فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص ۱۸۹ (قاضی عبدالنبی کوکب) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۵ء طبع اول۔

(۷) المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ :-

یہ کتاب مخدوم صاحب کی ایک شاہکار تصنیف ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت اس کے ملاحظہ و مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے۔

فاضل مصنف نے قاضی جگن گجراتی (م ۹۲۰ھ) کی کتاب "خزانۃ الروایات" کو سامنے رکھ کر اس کی ترمیم و تنسیخ اور اصلاح و تصحیح میں یہ کتاب لکھی ہے [1]
"خزانۃ الروایات" مسائل و اندراجات کے اعتبار سے ایک محیط و بسیط کتاب ہے۔ لیکن صحت روایات کے اعتبار سے ایک ناقابل اعتبار و غیر معتبر دفتر ہے۔ قاضی موصوف نے اس کی تالیف میں روایات و احکام کی صحت و سقم کا کوئی خیال .... نہیں کیا ہے۔ اور کتاب میں خشک و تر اساطیر اور مشکوک و موضوع احادیث کو جمع کر کے اسے خزانۃ الروایات کی بجائے "خزانۃ الشبہات" بنا دیا۔
اس لئے یہ کتاب علمائے محققین و فضلائے محدثین کا ہدف اعتراضات بن گئی۔ اور انہوں نے اس پر کافی جرح و قدح کر کے اسے غیر معتبر و ناقابل اعتماد قرار دیا۔
مولانا محمد اسحٰق بھٹی اس کے متعلق لکھتے ہیں، "یہ کتاب فروع حنفیہ کو محیط ہے۔ لیکن محققین کے نزدیک یہ کتاب غیر مستند، غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہے۔ اور رطب و یابس کا پلندہ ہے" [2]
مولانا عبدالحی فرنگی محل لکھنوی لکھتے ہیں [3]، "انہ من الکتب الغیر المعتبرۃ لانہ مملو من الرطب و الیابس مع ما فیہ من الاحادیث المخترعۃ والاخبار المختلفۃ" ترجمہ :- یہ (خزانۃ الروایات) کتب غیر معتبرہ میں سے ہے۔ کیونکہ یہ

---

[1] مقدمۃ المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص ۴۴ (مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد طبع اول سنہ ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۳ء
فقہائے ہند ج ۳ ص ___ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء طبع اول -

[2] :- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۴۴ -

[3] :- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۴۶ - بحوالہ النافع الکبیر ص ۱۳ (مولانا عبدالحی فرنگی محل لکھنوی)

[4] :- فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ج ۱ ص ۱۸۵ شمارہ ۷ (قاضی عبدالنبی) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سنہ ۱۹۷۵ طبع اول -

خشک وتر (مواد) سے بھری ہوئی ہے۔ ساتھ ساتھ اس میں احادیثِ موضوعہ اور روایاتِ مختلفہ بھی جمع ہیں۔

علامہ جعفر بوبکانی صاحب ترجمہ نے اس سے غیر معتبر مسائل واحکام اور موضوع احادیث وروایات کو خارج کر کے ان کے بدلے مفتیٰ بہ احکام اور صحیح احادیث و قوی روایات کا اضافہ کیا۔ اور اس کا نام "المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ" رکھا۔ جو فقہ حنفیہ میں ایک معتمد علیہ اور قابل سند کتاب بن گئی۔

مخدوم صاحب موصوف اسی طرح اپنی تصنیف کی وجہ تالیف اور طریقہ کار و حالات کا ذکر تمہیدِ کتاب میں بیان کرتے ہیں۔ جیسے ہم یہاں نیچے انہی کے الفاظ میں نقل کرینگے۔

آغازِ کتاب (المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

رَبِّ یَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ۔ ۞ وَبِہٖ نَسْتَعِیْنُ۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْسَنَ تَقْوِیْمَ الْاِنْسَانِ وَعَلَّمَہُ الْبَیَانَ وَخَصَّ الْعُلَمَاءَ بِالتِّبْیَانِ وَرَفَعَ نُقَّادَھُمْ دَرَجَاتٍ فِیْ اَعْلَی الْجِنَانِ وَاَدَامَ خَذْلَ مَنْ خَالَفَھُمْ مِنَ الْعُدْوَانِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ الْاَطْیَبَانِ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ اَفْضَلِ الْخَلْقِ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَحِزْبِہِ الَّذِیْنَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ" [1]۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد اپنی تصنیف کا تذکرہ وتمہید اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اَمَّا بَعْدُ فَیَقُوْلُ الْعَبْدُ الْجَانِیْ جَعْفَرُ بْنُ عَبْدِ الْکَرِیْمِ الشَّھِیْرُ بِمِیْرَانَ بْنِ یَعْقُوْبَ الْبُوْبَکَانِیْ عَامَلَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِلُطْفِہِ الرَّحْمَانِیْ اِنِّیْ قَدْ حَذَوْتُ فِیْ کِتَابِیْ ھٰذَا حَذْوَ کِتَابِ خِزَانَۃِ الرِّوَایَاتِ فِیْ تَبْوِیْبِ مَا فِیْہِ مِنَ الْمَرْوِیَّاتِ تَارِکًا مَا ھُوَ مِنْ عَدِیْمَاتِ

[1] :- مقدمہ المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص۱۰ (مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء طبع اول۔

الاصول ولبعض ما يشبه التكرار والاشتهار او التطويل او زيغه او ضعفه العلماء الفحول وقد اذكر في الباب عوض المتروكات ما هو اقوى امنه وقد ازيد واختصر مرارا ايجازا او خوفا من ملالة المريد وسميته "المتانة في مرمة الخزانة"[۱]

ترجمہ:- اما بعد (یعنی حمد و صلوٰۃ کے بعد) کہتا ہے بندہ گنہ گار جعفر بن عبدالکریم جو میران بن یعقوب البوبکانی (کے نام و نسب) سے مشہور ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنے لطف رحمانی میں لے لے ! کہ میں اپنی اس .... کتاب میں، تبویبِ مرویات کے سلسلے میں.... قدم بہ قدم کتاب خزانۃ الروایات کے مطابق چلا - ایسی روایات کو چھوڑ کر جن کا کوئی اصل و ثبوت نہ ہو - اور کچھ ایسے اقوال کو بھی جن میں تکرار یا اشتہار یا طوالت کا شبہ ہو - یا اسے علماء راسخین نے باطل یا ضعیف قرار دیا ہو - اور ترک کردہ روایات و اقوال کے بدلے اس باب (متعلقہ مسئلہ) میں اُن سے قوی تر روایات ذکر کرونگا - اور گاہے گاہے اضافہ بھی کرونگا - اور اکثر و بیشتر تخفیف کی خاطر یا ارادتمند (طالب علم) کے ملول ہونے کے خوف سے اختصار کرونگا - اور میں نے اس (کتاب) کا نام "المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ" رکھا -

تحقیق و طباعت

اس کتاب پر مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی نے تحقیق و تدقیق کرکے ایک مفصل اور جامع المطالب مقدمہ لکھا ہے۔ یہ کتاب ہمراہ مقدمہ ہذا، سندھی ادبی بورڈ کراچی نے ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۲ء میں پہلی بار طبع کرکے شائع کی ہے[۲]

جب مولانا قاسمی نے اس پر تحقیق و تعلیق کا کام شروع کیا - تو انہیں اس کے چار نسخے ملے (۱) سید حسام الدین راشدی کے کتب خانے سے ایک نسخہ ملا

---

[۱]:- مقدمۃ المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص ۱۵ (مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ طبع اول ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۲ء -

[۲]:- مقدمۃ المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص ۱۵ (مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی)
فقہائے ہند جلد ۳ ص ۱۴۸ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول -

اس کا خط عمدہ اور واضح ہے، حاشیہ چوڑا، اور تاریخ قدیمی کتابت ۲۸ - ذوالحجہ ۱۱۳۲ھ ہے۔ اور اس کے آخر واختتام میں مندرجہ ذیل عبارت وتحریر موجود ہے۔

"فی القنیۃ ولا یکرہ قیام الجالس فی المسجد لمن دخل علیہ تعظیما لہ" [۵۱]

ترجمہ:- قنیہ میں مذکور ہے کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے شخص کا داخل ہونے والے کی تعظیم میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔

اور آخر میں کاتب لکھتے ہیں، "فرغت من نقل ھذا الکتاب وقت العصر یوم الخمیس من شہر ذی الحجۃ تاریخ ۲۸ - سنۃ ۱۱۳۲ھ" [۵۲]

(۲) دوسرا نسخہ مدرسہ ٹھیر ڑھی سے دستیاب ہوا۔ جس کے حاشیہ پر مخدوم مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی مخدوم مولانا عبدالواحد سیوستانی اور مخدوم مولانا محمد عثمان المحدث وغیرہم کے فتوی تحریر ہیں۔ اس کی تاریخ کتابت ۱- ربیع الثانی ۱۲۲۲ھ ہے۔

(۳) تیسرا نسخہ سید محب اللہ شاہ پیر جھنڈے کے کتب خانے سے موصول ہوا۔

(۴) اور چوتھا نسخہ یونیورسٹی سندھ جام شورو سے ملا۔ جو اصل نسخے سے برابر تھا۔ [۵۳]

مولانا قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے تحقیق وتعلیق کے دوران ان چاروں نسخوں سے استفادہ کیا۔ اور کتاب ہذا تصحیح وتحقیق کے ساتھ نقل کی ہے۔ [۵۴]

اس کتاب میں جابجا متعلقہ مسائل میں احادیث رسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) سے استدلال کیا گیا ہے۔ مثلاً:- "کتاب العلم" میں علماء کی شان میں لکھتے ہیں، "اخرج ابن ماجۃ عن عثمان رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال یشفع یوم القیمۃ ثلاثۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء، انتہی" [۵۵]

آپ حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ [۵۶] "فاعظم بمرتبۃ ھی واسطۃ بین النبوۃ والشھادۃ، بشھادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم" یعنی، یہ کس قدر بڑا

۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴:- مقدمۃ المنافۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص۴۴ (مولانا غلام مصطفی قاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ سنہ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء

مقدمۃ المنافۃ ص۴۴

۵۵:- المنافۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص۲ (علامہ مخدوم جعفر بن مخدوم میراں) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ۔ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء

۵۶:- المنافۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص۲ -

رتبہ ہے کہ یہ، لشہادتِ حضور پاک صلے اللہ علیہ والہ وسلم، (دو بڑے درجوں) نبوت اور شہادت کے درمیان ایک واسطہ ہے۔

علاوہ ازیں اور حدیثیں بھی اس باب میں روایت کی ہیں۔

کتابُ الوضوء، میں لکھتے ہیں، "أخرج احمد فی مسندہٖ ومسلم فی صحیحہٖ عن عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حدیثاً من توضأ فأحسن الوضوء خرجت خطایاہ حتیٰ تخرج من تحتِ أظفارہٖ "۱ے

مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب نے شیخ جعفر کی جن تصنیفات کا ذکر مقدمہ المتانۃ فی مرمتہ الخزانہ" میں کیا ہے ان کے علاوہ آپ کی اور بھی مندرجہ ذیل تصنیفات ہیں، جو پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔

(۸) قرۃ العین فی حکم الحلف بالمرنہ والبرنہ۔ (۱)

یہ، چھ اوراق پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے جس میں اس مسئلہ پر گفتگو کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے "مرنے، پرنے" سے علیحدگی کا اعلان کرکے حلف اٹھائے تو ایا، اس سے مکمل مقاطعہ مراد ہوتا ہے یا محض شادی غمی (مرنے اور پرنے) میں علیحدگی مقصود ہوتی ہے۔

فاضل مولف نے مسئلہ مطلوبہ کا مدار نیت پر رکھتے ہوئے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس رسالہ کا ذکر علامہ محمد ہاشم ٹھٹھوی نے اپنی بیاض میں کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مخدوم حامد الحمی نے اس کا رد لکھا تھا۔ ۲ے

۱ے: المتانۃ فی مرمتہ الخزانۃ ص ۸۶ (علامہ مخدوم جعفر بن مخدوم میران بن یعقوب البوبکانی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ سنہ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۳ء طبع اول۔

۲ے: فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ ۱۸۲ ج۱ ص ۵۶ (مرتبہ عبدالنبی کوکب ایم۔ اے) مطبوعہ:- پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۵ء۔ طبع اول۔

(۹) تمیمۃ الواقع (۲)

یہ بھی ایک فقہی مختصر سا رسالہ ہے جو (۳۰) اوراق پر مشتمل ہے۔ اس سے یہ تحقیق مقصود ہے کہ سندھیوں کے مروجہ لفظ "طلاقن" سے کتنی طلاقیں مراد لی جاتی ہیں۔

مولف نے اس میں عرف واصطلاح اور عقل و نقل سے استدلال کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا ہے کہ لفظ "طلاقن" سے تین طلاقیں مراد لی جائیں گی۔

رسالے کا آغاز حسب ذیل تحمید سے ہوتا ہے۔

الحمد للہ الذی حدّد الاشیاء وعدّدھا تعدیدا وابرم الامور ابراما حمیدا۔ [1]

(۱۰) الحجۃ القویۃ (۳)

یہ مصنف کا ایک شاہکار فقہی رسالہ ہے۔ جو (۴۷) اوراق پر مشتمل ہے۔ سندھیوں میں قدیم زمانے سے حلف بالطلاق کا رواج تھا جس کے لئے ان کے عرف میں "مون طلاقن اتی سنوہ" جیسے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔ جن پر سندھ کے علمائے سلف انعقاد حلف کا فتویٰ دیتے تھے۔ لیکن اس زمانے کے بعض مدعیان علم و فقہ مثلاً قاضی قاسمانی نے علمائے سلف و فقہائے وقت کے طریقہ و فتویٰ کے برخلاف اس کے ماننے سے انکار کیا۔ اور اپنے موقف پر ایک رسالہ بنام "الرسالۃ الحلفیۃ" تالیف کیا۔ تو مخدوم جعفرؒ نے اس کے رد میں یہ زیر نظر رسالہ لکھا۔ اس کا پورا نام ہے "الحجۃ القویۃ فی جواب الرسالۃ الحلفیۃ" جسے ایک مقدمہ اکیس (۲۱) فصلوں اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا گیا ہے۔ زبان عربی ہے۔ اور فصلوں کو مذاکرات کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ہر مذاکرے میں قاضی قاسمانی کی ایک دلیل

اس عبا... میں قرا... کرنی چاہ...

---

[1]: فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری جلد ۱ صفحہ ۱۹۲ شمارہ ۵۸ (قاضی عبدالنبی کوکب ایم-اے) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ ۱۹۲۵ء طبع اول۔

بیان کرکے ادلہ عقل ونقل سے اس کا تجزیہ ورد کیا ہے۔
رسالے کا آغاز، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم... لک الحمد یا منان علیٰ ما الهمتنا السداد والصواب" ہے۔
فاضل مولف نے رسالے کے خاتمے میں، اپنے اور دیگر کئی صلحائے وقت کے ان خوابوں کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے اس رسالے کی حقیقت وحجیت اور ان کے موقف کی حقانیت وحمایت میں دیکھے تھے[۵۱]۔
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ جعفر ~~علم وفضل میں بے مثال اور~~ علمی فضل وکمال کے ساتھ ساتھ باطنی وروحانی دولت سے بھی مالا مال تھے۔

(۱۱) البیانُ المبرمُ۔ (۴)

یہ رسالہ (۲۶) اوراق پر مشتمل ہے۔ اس مختصر رسالہ میں انہوں نے طلاق کے سلسلے میں سندھیوں کے عرف واصطلاح میں رائج الفاظ "توں چھڈی انھیں اوونءِ توکھی چھڈی" کی تشریح اور ان کے حکم شرعی کا بیان کیا ہے۔
قاضی عبدالنبی کوکب اس رسالے کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ المتانتہ کے مقدمہ نگار نے اس کا نام "حل العقود" بتایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نے مسئلہ طلاق بالفاظ "چھڈی" میں اس رسالے کا حوالہ دیتے ہوئے اسے "حل العقود" کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس پر قاضی موصوف آگے لکھتے ہیں، "ممکن ہے اس رسالے کا دوسرا نام "حل العقود" بھی ہو۔ مگر خود مولف نے دیباچے میں اسے "البیان المبرم" کے نام سے موسوم کیا ہے"[۵۲]۔
~~لیکن~~ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی رسالہ ہیں۔ جب کہ مولف نے البیان المبرم کے دیباچے میں خود اس کا یہی ایک نام بتایا ہے۔ اور ~~کہیں~~ "البیان المبرم" کو "حل العقود" کے نام سے نہیں پکارا۔ اور مخدوم محمد ہاشم نے جس رسالہ سے حوالہ لیا ہے

۵۱:۔ فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ص ۱۹۶ شمارہ ۵۵ (قاضی عبدالنبی کوکب ایم۔اے) مطبوعہ یونیورسٹی آف پنجاب لاہور ۱۹۷۵ء۔ طبع اول۔
۵۲:۔ فہرست مخطوطات ص ۲۰۲، ص ۲۰۳۔ ج ۱

[Margin notes: بہ سامہ؛ بجاں تک... و تنسیخ... چاہیئے]

اسے، محض ایک نام "حل العقود" سے یاد کیا ہے۔
اس سے صاف طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ "البیان المبرم" اور "حل العقود" ایک تصنیف کے نام نہیں بلکہ دو الگ الگ رسالے ہیں۔ اگرچہ دونوں بعض جزئی مسائل میں مشترک ہیں۔

مولف نے رسالہ ہذا کی ابتدا حسب ذیل تحمید سے کی ہے:-

"الحمد للّٰہ الذی ابان طرق الاهتداء والاصابۃ الیٰ قربہٖ واسبابہٖ"

آپ نے اسے چار فصلوں اور نتیجہ پر تقسیم کیا ہے۔ ہر فصل کو "مدرج" اور نتیجہ کو "ثمرہ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔[1]

(۱۲) استفتاء فی تعلیق الطلاق۔ (۵)

یہ رسالہ بھی موضوع طلاق پر لکھا گیا ہے۔ جو (۳۰/۳۱) اوراق پر مشتمل ہے۔ حقیقت میں یہ، مولف کی متعدد تحریرات کا مجموعہ ہے جو حواشی یا تتمہ کتب کے طور پر لکھی گئی تھیں۔ اور اس مجموعہ کے نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طلاق کو معلق کرنے کے سلسلے میں ہے۔[2]

(۱۳) التحقیق فی توقیت المرأۃ فی التطلیق۔ (۶)

یہ (۱۱) اوراق پر ایک مختصر اور نادر و نایاب رسالہ ہے۔ اس میں طلاق معلق کی بعض مروّجہ صورتوں کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ فاضل مولف نے موضوع کی توضیح و تشریح کے لئے تین اصول قائم کئے ہیں۔ جن پر مضمونِ زیرِ بحث کا ... مدار ہے۔ رسالہ کا آغاز حسب ذیل تحمید سے کیا گیا ہے:-[3]

"الحمد للّٰہ علیٰ ما یطلع شموس التحقیق والعرفان من سرائر الصادقین"

ف ۱:- فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص ۲۰۲، ۲۰۳ شمارہ ۱۶۷ (قاضی عبدالنبی کوکب ایم-اے) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور - ۱۹۷۵ء - طبع اول - جلد ۱

ف ۲:- فہرست مخطوطات ص ۲۰۳ شمارہ ۱۶۸ -

ف ۳:- ایضاً - ص ۲۰۶ شمارہ ۶۲۳ -

(۱۴) بیانُ البنیۃ - ا ے (۲)

اس کا پورا نام "بیان البنیۃ فی شرح بنیۃ البیان" ہے۔ جو علم معانی و بیان میں ایک نادر نسخہ ہے۔ شیخ جعفر نے اس فن میں ایک مختصر رسالہ بنام "بنیۃ البیان" تالیف کیا تھا پھر خود اس کی شرح لکھی اور اس کا نام بیان البنیۃ فی شرح بنیۃ البیان رکھا - آغاز، "الحمد للہ الذی اعطی المعانی والبیان" ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ بانکی پور لائبریری میں موجود ہے۔

ان کے علاوہ، مولانا عبدالنبی نے آپ کی تین اور تالیفوں کا ذکر کیا ہے[۳] جن کا انہوں نے کوئی ترجمہ بیان نہیں کیا ہے۔ یہ کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) البصارۃ فی العمل بالبشارۃ"

(۲) کشف الحق

(۳) منہج العمال (منتخب کنز العمال)

ان دونوں کتابوں کے متعلق مولانا عبدالنبی لکھتے ہیں، "ان ہر دو تالیفات کے بارے میں مزید معلومات دستیاب نہیں"

لیکن مؤخر الذکر کے عنوان سے ظاہر ہے کہ یہ علم حدیث میں ہے۔ کیونکہ "کنز العمال" حضرت شیخ علی المتقی ۹۷۵ھ کی مشہور تالیف ہے جو حدیث کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ جسے انہوں نے امام جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ کی "حدیث" کی مشہور کتاب "جمع الجوامع" کو مبوب و مرتب کر کے تیار کیا تھا۔

پس شیخ جعفر نے مذکورہ کنز العمال سے احادیث منتخب کر کے یہ مجموعہ "منہج العمال" تیار کیا ہوگا۔ اس طرح سے یہ کتاب حدیث میں ایک عمدہ تالیف ہوگی۔

ا ے:۔ فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ج۱ ص ۱۹۱ (مرتبہ قاضی عبدالنبی کوکب ایم۔اے)۔ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۵ء - طبع اول۔

۲ ے:۔ فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ج۱ ص ۱۹۰ -

۳ ے:۔ فقہائے ہند ج۳ ص ۳۰۲ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول

مخدوم جعفر کا علمی مقام :-

مخدوم جعفر قرن دہم کے فاضل عصر و کامل دہر، جامع علوم و ماہر فنون شخص تھے۔ فضلائے متقدمین و علمائے متاخرین میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

مولانا غلام مصطفےٰ صاحب قاسمی آپ کا ان الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں، "العلامۃ قدوۃ اعلام بلاد السند"[1] یعنی علامہ، بلاد سندھ کے مشاہیر علما کا پیشوا۔

مخدوم جعفر سارے علوم متداولہ و فنون رائجہ میں یکساں طور پر ماہر و فاضل تھے آپ کی علمی اہلیت و قابلیت کا صحیح اندازہ آپ کی تصنیفات کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ بالخصوص آپ کی کتاب "خلاصۃ نہج التعلیم" (جو اقسام علوم و فنون کی تشریح و توضیح میں ایک قابل دید تصنیف ہے) آپ کے پوشیدہ علمی و فنی فضل و کمال کی پوری پوری غمازی کرتی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ علوم اسلامی، تفسیر، حدیث، فقہ اور اصولیات، تصوف، علوم قواعد عربیہ، صرف، نحو، علم الاشتقاق، علم الادب، علم انشاء، علوم عروض، معانی، بدیع، بیان، علوم حکمی، علم ریاضی، نجوم، جفر، رمل، نیرنجی و طلسمات، علم کلام، علم سیاسیات وغیرہ اور ان کے تفصیلی اقسام و جزئیات اور ان کی تشریح میں اعلےٰ مہارت کے مالک ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان تمام علوم و فنون کے سارے اقسام و اجزاء کے بارے میں اپنی مذکورہ کتاب میں تفصیلی شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے بھی اس طرف قدرے اشارہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "جہاں یہ علوم شرعیہ میں معلومات تامہ رکھتے تھے، وہاں حکمت و فلسفہ، ادب و انشاء، منطق و

[1] :- تائیٹل مقدمۃ المعالنۃ فی مرمۃ الخزانۃ صسرورق (مولانا غلام مصطفےٰ صاحب القاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء، طبع اول۔

نجوم وجفر میں بھی ماہر تھے"۔ ۱ے

لیکن عمر کے آخری ایام میں ان علوم وفنون سے کنارہ کش ہو کر یہہ تن حدیث وتصوف میں مشتغل ہو گئے ۔ ۲ے

یہاں ہم آپ کی اعلےٰ علمی قابلیت وفنی مہارت کے ایک دو حیرت انگیز واقعات (بطور نمونہ) بیان کرینگے ۔

تصوف کے مدارج :-

مخدوم جعفر تصوف کے اعلےٰ مدارج پر فائز تھے ۔ آپ کو سالک کے مقامات اور کشف وکرامات کے کوائف وحالات سے بخوبی آگاہی تھی ۔

مترجمین لکھتے ہیں کہ مخدوم نوح "جو آپ کے ہم عصر خدارسیدہ ولی اللہ تھے" ایک دِن آپ سے کہنے لگے کہ میں اپنی ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہوں تو آپ نے کہا کہ ان ظاہری آنکھوں سے نہیں بلکہ آپ نے اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا اور اس مسئلہ کی وضاحت کی خاطر مخدوم جعفر نے فرمایا کہ جب آپ پر یہ حال طاری ہو تو آپ کسی خادم سے کہدیں کہ آپ کی آنکھیں بند کردے ۔ پھر اگر آنکھیں بند ہونے کے بعد بھی مشاہدہ جاری ہو تو پھر جان لیں کہ یہ دیدار باطنی آنکھوں سے ہو رہی ہے ۔ اور اگر آنکھیں بند کرنے کے ساتھ مشاہدہ بھی بند ہوا تو پھر یہ ظاہری آنکھوں کا عمل سمجھیں ۔

مخدوم نوح نے اس تجویز پر عمل کر کے دیکھا کہ واقعی آنکھیں بند ہونے کے بعد بھی مشاہدہ ودیدار باقی ہے ۔ تو بہت خوش ہو کر فرمایا ، اگر نہ ہوتا جعفر تو نوح ہوجاتا کافر ۔ ۳ے

۱ے فقہائے ہند ص۱۲۴ ج۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور [illegible] طبع اول ۔
۲ے نزہۃ الخواطر ج۴ ص۹۹ (مولانا سید عبد الحی بن فخر الدین الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن [illegible]
۳ے اذکار ابرار ص۳۴۵ ۔ اردو ترجمہ گلزار ابرار (مولانا محمد غوثی شطاری) ترجمہ فضل احمد جیوری ۔ مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۶ھ ۔
مقدمۃ التکملۃ فی مرمتہ الخزانۃ [illegible] (مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء
[illegible] (مولانا [illegible] مخدوم البانی) ص۲۹ [illegible] مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ ۱۹۶۳ء ۔

فن نجوم کا حیرت انگیز واقعہ :-

مولانا غلام مصطفےٰ صاحب قاسمی "المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ" کے مقدمہ میں[1]
لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ بادشاہ نے مجلس میں شیخ جعفر سے پوچھا کہ چاند کب ہوگا؟
تو انہوں نے ایک رات متعین کی۔ لیکن دوسرے منجمین نے دوسری رات بتائی۔
مخدوم جعفر نے بعد میں جب نجوم کے قاعدہ و عمل سے دریافت کی تو معلوم ہوا کہ چاند
اس رات کو نہیں بلکہ منجمین کے قول کے مطابق دوسری رات کو ہونے والا ہے۔
پس آپ نے سوچا کہ اس صورت میں بادشاہ اور لوگوں کی نظروں میں میری
خفت ہوگی۔ اس لئے آپ نے ایک مصنوعی چاند بنا کر فضا میں چھوڑ دیا۔ لوگوں نے
جب دیکھا تو سمجھا کہ یہ اصلی چاند ہے اور مخدوم جعفر کی بات صحیح نکلی۔
دوسری رات اصلی چاند نکلا۔ اور آپ کا مصنوعی چاند بھی کھڑا تھا۔ تو دو چاند
دیکھ کر لوگ حیران ہوگئے۔ تب آپ نے ساری حقیقت بتا دی۔ یہ سن کر، بادشاہ
منجمین اور سارے لوگ آپ کے حیرت انگیز کمالات پر عش عش کرنے لگے۔ اور
سب نے مان لیا کہ مخدوم جعفر واقعی استادِ فن و مخزنِ فن ہیں۔

فن نیرنجی و طلسمات کی ایک
قابل شنید داستان :-

مولانا ابوسعید القاسمی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ جہان آباد کے سفر پر تشریف لے گئے۔
اور دورانِ سفر کچھ دنوں کے لئے لاہور میں قیام کیا۔ اتفاقاً آپ کے پیسے خرچ ہوگئے
اور آپ کو رقم کی ضرورت پڑی۔ تو آپ نے اپنے فنون و کمالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
فن طلسمات و نیرنجی کے قواعد و اصول سے ایک طلسماتی باغ بنایا۔ اور ایک سیٹھ کو
دکھا کر اس سے اس کا رہن کرالیا اور جہان آباد چلے گئے۔ جب اپنی مہم سفر پوری کی اور

له :- مقدمہ المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ صفحہ ۱ (مولانا غلام مصطفےٰ صاحب قاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ

واپس وطن پہنچ گئے تو مذکور سیٹھ کی رقم پہنچا کر باغ کو غائب کر دیا۔[۱]
اس بات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنے علمی و فنی کمالات کے ساتھ دیانت و تقویٰ کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ اور اپنے فن و ہنر کو غدر و خیانت کی خباثت سے ملوث کرنا ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔

وفات۔

مخدوم جعفر دسویں صدی ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی نے المتانتہ فی مرمتہ الخزانہ کے مقدمے میں اس کی تصریح کی ہے[۲]۔ لیکن ان کی کوئی متعینہ تاریخ وفات کسی تذکرے میں مذکور نہیں البتہ اس بات سے کہ وہ اپنی کتاب "حاصل النہج" کی تصنیف سے ۹۷۶ھ میں فارغ ہوئے تھے یہ واضح ہوتا ہے کہ مخدوم موصوف ۹۷۶ھ تک زندہ تھے[۳]۔
مترجمین کے حوالے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہاشمی النسل ہیں۔ مولانا عبدالنبی کوکب لکھتے ہیں کہ پیر حسام الدین راشدی نے مقدمہ مظہر شاہجہانی میں ایک نامعلوم شخص کی تحریر کے حوالہ سے مخدوم جعفر کا مکمل نسب نامہ درج کیا ہے جو حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بن ہاشم تک پہنچتا ہے[۴]۔ واللہ اعلم بالصواب

[۱] :۔ مقدمتہ المتانتہ فی مرمتہ الخزانتہ (مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ طبع اول ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۲ء
[۲] :۔ مقدمتہ المتانتہ سرورق (ٹائیٹل پیج)۔
[۳] :۔ فہرست مخطوطات یونیورسٹی پنجاب لائبریری ج ۱ ص ۱۸۵ (مولانا عبدالنبی کوکب ایم۔اے) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ طبع ۱ ۱۹۷۵ء۔
[۴] :۔ فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ج ۱ ص ۱۸۵۔ بحوالہ مقدمہ مظہر شاہجہانی (پیر حسام الدین راشدی)

شیخ قاضی قاضن البھکری

حسب ونسب:- آپ کا نام ونسب شیخ قاضی قاضن بن قاضی ابوسعید بن قاضی زین الدین بن قاضی قاضن البھکری السندی[1] ہے۔ آپ کے سلف صالحین علاقہ سیوستان کے باشندے تھے۔ ان میں سے آپ کے پڑدادا قاضی ابوالخیر جو صاحب حال رجال سے تھے سیوستان سے منتقل ہو کر ٹھٹھہ آئے۔ پھر ٹھٹھہ سے یہ خاندان بھکر میں آکر سکونت پذیر ہو گیا۔ کیونکہ قاضی قاضن بھکر میں پیدا ہوئے تھے۔ مولانا عبدالحی الحسینی لکھتے ہیں، "ولد ونشا بمدینۃ بھکر[2]" یعنی (قاضی قاضن کی) پیدائش ونشوونما شہر بھکر میں ہوئی۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی بھی لکھتے ہیں، "شہر بھکر میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی[3]"

میر محمد معصوم البھکری کا بیان بھی اس پر صراحتاً دلالت کرتا ہے۔ لکھتے ہیں، "اجداد ایشان دربلدہ تتھہ وسیوستان سکونت داشتہ اند وجد بعید ایشان قاضی ابوالخیر کہ صاحب حالت وفضیلت بودہ رحل اقامت در بھکر انداختند[4]" ترجمہ:- ان کے دادے ٹھٹھہ اور سیوستان کے علاقے میں رہائش رکھتے تھے۔ اور ان کے جد بعید یعنی پڑدادا قاضی ابوالخیر جو صاحب حال وصاحب فضیلت تھے بھکر میں آکر اقامت پذیر ہو گئے۔

قاضی قاضن جس گھرانے میں پیدا ہوئے وہ کئی پشتوں سے صاحب علم وفضل اور صاحب حال وفضیلت مشائخ کا گھرانا تھا۔ جن کے ظاہری وباطنی فیوض وبرکات سے آپ بھی صاحب فضل وکمال مشائخ کے مقام کو پہنچ گئے۔

---

[1] تاریخ معصومی (مولانا سید میر محمد معصوم البھکری ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی ۱۹۳۸ء۔
تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۳۸۶ (مولانا رحمان علی) مترجم مولانا محمد ایوب قادری) مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء
تحفۃ الکرام (اردو ترجمہ) ص ۴۳۳ (مولانا علی شیر قانع ٹھٹوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء۔

[2] :- نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۶۵ (مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء

[3] :- فقہائے ہند ج ۳ ص (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول

[4] :- تاریخ معصومی

تحصیل علوم اور فضل و کمال۔

قاضی قاضن نے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ اور ساتھ ساتھ فن قرأت و تجوید میں بھی اعلیٰ مہارت حاصل کی۔ اس کے بعد بہت سے علوم و فنون کی تحصیل میں مشغول و مصروف ہو گئے۔ اور دیار سندھ کے فضلاء و مشائخ کبار سے، تفسیر و حدیث اور فقہ و تصوف، ادب و انشاء عربی وغیرہ علوم متداولہ و فنون مروجہ میں اعلیٰ مہارت و کمال حاصل کیا۔ یہاں تک کہ اپنے وقت کے مشائخ تفسیر و حدیث اور مشاہیر فقہ و تصوف میں شمار ہونے لگے۔

قاضی قاضن فطرۃً سیر و سیاحت کے بہت شوقین تھے۔ وطن میں تحصیل علوم و فراغت کے بعد سفر و سیاحتِ حجاز پر چلے گئے۔ اور حج و زیارتِ بیت اللہ شریف سے مشرف ہو کر عرب کے مختلف علاقوں کا دورہ شروع کیا۔ اور ساتھ ساتھ وہاں کے مشائخ و ائمہ حدیث سے علوم و فنون کی مزید تحصیل و تکمیل کرتے رہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی اس سلسلے میں لکھتے ہیں، "الشیخ العالم الفقیہ القاضی قاضن بن ابی سعید بن زین الدین البھکری السندی احد الفقہاء المبرزین فی العلم ولد و نشاء بمدینۃ بھکر و حفظ القرآن و تعلم القرأۃ والتجوید ثم اشتغل بالعلم و برز فی الفقہ والحدیث والتفسیر والتصوف والعربیۃ والانشاء و کان میالا الی الاسفار، ارتحل الی الحرمین الشریفین فحج و زار و ساح البلاد و ادرک المشائخ و تلقی العلوم عنھم"[1]

ترجمہ:- شیخ، عالم فقیہ (ماہر علوم و فنون شریعت) قاضی قاضن بن ابی سعید بن زین الدین بھکری سندھی، علم میں مشاہیر فقہاء میں سے ہیں۔ بھکر شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ قرآن مجید حفظ کیا اور قراۃ و تجوید پڑھی۔ پھر علم کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ اور علوم فقہ و حدیث اور تفسیر و تصوف اور فنون عربیہ و انشاء میں اعلیٰ مہارت و شہرت حاصل کی۔

اور طبعاً سیر و سفر کے شوقین تھے۔ حرمین شریفین چلے گئے۔ اور حج و زیارت کی

[1]:- نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۶۵ - ۲۶۶ (علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن۔ ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء۔

اور مختلف علاقوں کی سیر و سیاحت کی۔ اور وہاں کے مشائخ و علماء سے ملے اور ان سے علوم اخذ کیا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی آپ کی، وطن اور بیرون وطن میں تحصیل علوم و سفر کے بارے میں لکھتے ہیں، "پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور قرأت و تجوید سیکھی۔ پھر حصول علم میں مشغول ہوگئے۔ اور تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، علوم عربیہ اور انشاء وغیرہ میں مہارت پیدا کی۔ یہاں تک کہ ان کا شمار اپنے دور کے جلیل القدر علماء، عظیم المرتبت فقہاء اور مشہور شیوخ میں ہونے لگا۔

قاضی قاضن سفر و سیاحت کے بہت شائق تھے۔ حرمین شریفین گئے اور حج و زیارت کا شرف حاصل کیا۔ وہاں سے مختلف بلاد و امصار کی راہ لی۔ اور متعدد مشائخ و علماء سے ملاقات کی، ان کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اور علم و ادراک کی نعمت حاصل کی۔[1]

مولانا میر معصوم بھکری مختصر الفاظ میں آپ کی تحصیل و مہارت کا بیان کرتے ہیں۔۔۔ لکھتے ہیں، "در علم تفسیر و حدیث دخل وافر داشت۔ از چند جا علم تحصیل نموده بود۔ در جزئیاتِ فرائض بسیار دخل داشت"[2] ترجمہ:۔ علم تفسیر و حدیث میں بے حد مہارت رکھتے تھے۔ کئی مقامات (مختلف بلاد و امصار) سے تحصیل علم کی تھی۔ علم میراث کے جزئی مسائل میں بہت ماہر تھے۔

مولانا بھکری آگے لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم حفظ تھا۔ سیر و سفر بہت کیا۔ اور زیارت حرمین شریفین سے فائز ہوئے[3]

مولانا امیر احمد مخدوم العباسی، "آپ کی علمی مہارت اور فضل و کمال کے بارے میں لکھتے ہیں "قرآن مجید انہیں پورا حفظ تھا۔ اور اس کے ساتھ قرأت اور تجوید بھی بہت خوب جانتے تھے علم حدیث، تفسیر، اصول و فقہ، تصوف اور علوم الٰہیہ میں کمال دسترس رکھتے تھے۔۔۔ انشا میں بھی اپنے عہد میں یگانہ تھے۔ حرمین شریفین کی زیارتوں سے بھی مشرف تھے"[4]

مولانا رحمٰن علی آپ کے علمی رتبہ و منزلت کے متعلق لکھتے ہیں، "قاضی قاضن بھکری

---

[1]۔ فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۱۰ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۲ء طبع ا

[2] [3] }۔ تاریخ معصومی ص (مولانا سید میر محمد معصوم البھکری) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی (سندھ) ۱۹۳۸ء ۔

[4]۔ سر زمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم ص ۲۸ اگست ۱۹۶۳ء، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ

اصل ... فارسی کا ... دیا جائے

ابن قاضی شاہ ابوسعید بن قاضی زین الدین بھکری، اپنے زمانہ کے علماء میں مختلف فضائل کے اعتبار سے ممتاز تھے ۔قرآن مجید حفظ کیا ۔علم قرأت بہت اچھی طرح سیکھا تھا ۔ فقہ، تفسیر، حدیث، تصوف اور عربی ادب میں بہت مہارت رکھتے تھے ۔راہ سلوک میں بہت ریاضتیں کی تھیں ۔ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ۔سیر و سفر بہت کیا[1]۔
قاضی قاضن علم تصوف کی محض ظاہری تعلیم پر مکتفی نہ ہوئے بلکہ عمل و ریاضت اور زہد و تقویٰ کے ذریعے اس کے باطنی مدارج پر بھی فائز رہے ۔ اور صاحب حال و فضیلت اور صاحب کشف و کرامت شخصیت بنے ۔
مولانا امیر احمد مخدوم العباسی لکھتے ہیں "قاضی صاحب زہد و تقویٰ سے آراستہ اور صاحب کشف بزرگ تھے ۔ انہیں بہتیرے بزرگوں کی صحبت حاصل تھی"[2]
مولانا رحمٰن علی لکھتے ہیں کہ راہِ سلوک میں بہت ریاضتیں کی تھیں[3]
لیکن آپ کے شیوخ و اساتذہ کی فہرست و تفصیل کا مترجمین حضرات نے کوئی ذکر نہیں کیا ہے ۔

مراجعتِ سندھ و عہدۂ قضاء ۔

قاضی قاضن عرب ممالک کی سیر و سیاحت اور تحصیل و تکمیل علوم کے بعد واپس سندھ تشریف لائے ۔ تو حاکم سندھ مرزا شاہ حسین بن شاہ بیگ ارغون (۹۶۲ھ) نے آپ کو آپ کی علمی مہارت اور فضل و کمال کے پیشِ نظر سندھ کے اسی قدیمی مرکزی شہر بھکر کا قاضی مقرر کیا، جو آپ کا وطن ولادت اور اقامت بھی تھا ۔ آپ نے یہ عہدہ نہایت عمدہ طریقہ سے چلایا ۔مقدمات کی سماعت و فیصلے میں انتہائی احتیاط و دیانت سے کام لیتے تھے[4]

---

[1] :- تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۳۸۸ (مولانا رحمٰن علی) مترجم مولانا محمد ایوب قادری ۔ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی سنہ ۱۹۶۱ء طبع اول ۔
[2] :- سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم ص ۲۸ اگست سنہ ۱۹۶۳ء مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ
[3] :- تذکرہ علمائے ہند ص ۳۸۸ ۔
[4] :- نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۶۵-۲۶۶ (علامہ سید عبدالحی الحسنی) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء ۔
فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۱۰ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۶ء طبع اول ۔

ٹھٹھہ ۹۲۶ھ کے انقلاب میں قاضی صاحب کا کردار۔

قاضی قاضن کو ان کے ذاتی علم و فضل اور خاندانی فضیلت و مشیخت کی بدولت عوام و خواص کے علاوہ حکام و امراء سندھ کے نزدیک بھی بہت بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔[1] اور آپ اپنی عظمت و لیاقت کے باعث ملک و قوم کے لئے مصائب و نوائب میں کافی ہمدرد و کارآمد شخصیت ثابت ہوتے تھے۔

ٹھٹھہ کے (۹۲۶ھ) کے انقلاب و بحران کے دوران لوگوں کو تباہی سے بچانے میں آپ نے قابل یاد کردار ادا کیا۔ جب شاہی بیگ ارغون (م ۹۳۰ھ) نے حاکم سندھ جام فیروز خان کے خلاف جنگ کرتے ہوئے ۱۱۔ محرم الحرام ۹۲۶ھ میں ٹھٹھہ پر حملہ کیا اور فتح یابی کے بعد ارغونی فوج ۲۰۔ محرم تک شہر کی گلی کوچوں میں قتل و غارت کرتی رہی۔ بے شمار معزز شہری زندان میں ڈالے گئے۔ یہاں تک کہ قاضی موصوف کے بچے بھی گرفتار ہو چکے تھے۔[2]

قاضی صاحب کو علاقہ کی اس حالت زار پر بے حد صدمہ ہوا۔ اور کمر ہمت باندھ کر میرزا شاہی بیگ کو ٹھٹھہ کی تباہی و بربادی کا، ایک خط میں پورا پورا نقشہ کھینچ کر پیش کیا۔ جس سے وہ بے حد متاثر ہوئے اور فوراً امن و امان کا حکم جاری کر کے کشت و خون اور ظلم و ستم بالکل بند کر دیا۔ اور قاضی صاحب کے اعزاز میں انہیں اپنے تیر کش سے ایک تیر دے کر سپاہی ساتھ کئے کہ جس آدمی کو یہ چاہیں وہ ان کے حوالے کیا جائے۔[3]

قاضی صاحب کی، شاہی بیگ کے دربار میں، اس قدر عزت و مرتبت قائم ہو گئی کہ وہ ان کے خاص معتمد علیہ عمائدین سلطنت میں شمار ہونے لگے۔ چنانچہ مرزا شاہی بیگ نے آپ ہی کو بحیثیت سفیر و مصلح میر محمود خان بن میر دریا خان کے پاس تلہٹی (باغبان) بھیجا۔ تاکہ وہ انہیں وعظ و نصیحت کر کے مخالفت و مقابلہ سے روک کر مصالحت و اطاعت پر آمادہ کرلے۔

لیکن وہ لوگ مرزا شاہی بیگ کے خلاف اس قدر برہم تھے کہ قاضی صاحب سے ملاقات تک بھی پسند نہ کی۔[4]

---

[1] [2] [3] [4] فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۱۰ تا ۱۱ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔

عقیدۂ مہدویت۔

قاضی قاضن عہدۂ قضا کے دوران ایک ایسی تحریک سے متاثر ہوگئے جو آپ کی علما و فضلا، اور امراء میں خفت و تنزل کا باعث بنی۔ اور آپ علمائے وطن و فضلائے زمن کا ہدف بن گئے

سنہ ۹۰۵ھ میں ہندوستان کے مشہور مدعی مہدویت شیخ سید محمد بن یوسف جونپوری المتوفی سنہ ۹۱۰ھ گجرات سے اپنے عقیدہ کی تبلیغ و دعوت کے سلسلے میں سندھ کے دارالحکومت ٹھٹھ میں آئے تھے۔ تو سندھ کے بیشمار لوگ ان کی تبلیغ و تقریر سے متاثر ہو کر ان کے مسلک میں شامل ہو گئے[۱]

حاکم سندھ نے مذہبی و سیاسی خطرات کے پیش نظر انہیں سندھ سے نکال دیا[ع۵] لیکن چونکہ کافی سندھی ان کے عقیدتمند و پیرو کار بن چکے تھے اس لئے ان کی تحریک بدستور جاری رہی۔ یہاں تک کہ قاضی موصوف بھی اس میں منسلک ہو گئے[۲]

علمائے سندھ نے آپ کے خلاف آواز اٹھائی اور آپ کو تنقید اور طعن و طنز کا ہدف بنایا۔ قاضی صاحب کی مقبولیت اور قدر و منزلت اہل علم و عوام کے علاوہ شاہی دربار میں بھی جاتی رہی۔ آخر الامر مرزا شاہ حسین نے اسی بات پر آپ کو مسند قضا سے سبکدوش کر دیا[۳]

لیکن ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ قاضی صاحب بڑھاپے کی وجہ سے خود ہی مستعفی ہو گئے تھے[۴]۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں عوامل صحیح ہوں۔ کہ ادھر مرزا شاہ حسین نے آپ کی معزولی کے احکامات جاری کئے۔ اور ادھر قاضی صاحب نے حالات کی ناسازگاری کو ~~دیکھ کر~~ اپنی کبر سنی کا عذر کر کے خود بھی اس عہدے سے علیحدگی اختیار کی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

~~افسوس ہے~~ لیکن اس محدث کبیر و ماہر فقہ و تفسیر علامہ کی نہ کسی تصنیف و تالیف کا ذکر ملتا ہے اور نہ مترجمین نے ان کے درس و افادہ اور رواۃ و تلامذہ کے بارے میں کوئی تذکرہ کیا ہے۔

وفات۔

قاضی قاضن نے سنہ ۹۵۸ ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں وفات پائی[۵]

۱، ع۵ — تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۴۲۸ (مولانا محمد ایوب قادری) مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی سنہ ۱۹۶۱ء طبع اول۔ فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۵۱ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۶ء طبع اول۔

۲، ۳، ۴ — فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۱۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۶۶ (علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء۔

۵ — فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۱۱، نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۶۶، تاریخ معصومی ص ... (مولانا محمد معصوم) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی سنہ ۱۹۳۸ء، تذکرہ علمائے ہند اردو ص ۳۸۸، تحفۃ الکرام (اردو) ج ۳ ص ۳۳۳ (علامہ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی سنہ ۱۹۵۹ء۔

شیخ قاضی دتہ سیوستانی رح

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب قاضی دتہ بن شیخ شرف الدین (مخدوم راہو) الحنفی السیوستانی السندی ہے - آپ سندھ کے مردم خیز علاقہ سیوستان کی پیداوار اور قرن دہم کے نامور مشائخ علوم وفنون میں شمار ہوتے ہیں -

تحصیل علوم واساتذہ -

قاضی دتہ نے فقہ اور علوم عقلیہ[عہ] اپنے والد ماجد شیخ مخدوم شرف الدین راہو ، مخدوم محمود مخر بوتہ اور شیخ عبد العزیز الہروی الکاہانی سے پڑھے - اور علوم تفسیر وحدیث شیخ زمان حضرت مخدوم بلال باغبانی تلہٹی رح سے حاصل کیئے - جن کے فیض ولایت کی برکت سے آپ ثانی جار اللہ زمخشری اور یگانہ زمانہ بن گئے -

علاوہ ازیں اپنے وقت کے دوسرے مشائخ کبار اور مفسرین ومحدثین دیار سندھ کی خدمت میں وابستہ رہ کر مسلسل استفادہ کرتے رہے - یہاں تک کہ سندھ وہند کے چوٹی کے فضلاء میں شمار ہونے لگے ۔[ے۲]

علامہ سید عبد الحی لکھنوی آپ کے اخذ علوم وشیوخ کے بارے میں لکھتے ہیں :

قرأ العلم علی والدہ وعلی الشیخ محمود والشیخ عبد العزیز الھروی واخذ الحدیث والتفسیر عن الشیخ بلال التلھتی وصحب کبار المشائخ واخذ منھم حتی برع فی العلم والمعرفۃ ومھر فی التفسیر والحدیث الجفر الجامع وفی فنون اخری ۱[ے۳] " ترجمہ :- (قاضی دتہ نے علم ، اپنے والد (شیخ شرف الدین) ، شیخ محمود اور شیخ عبد العزیز ہروی سے

[حاشیہ:] ان اسا... تعویذ... کی ... عہ مخدوم محمود مخر... شیخ عبد... الہروی الک... اور اپنے و... مخدوم ش... الدین را... سے پڑ...

ے۱ نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۰۶ (مولانا سید عبد الحی بن فخر الدین) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء
ے۲ فقہائے ہند ج۳ ص۱۲۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول -
تحفۃ الکرام (اردو) ص۳۳۴ (مولانا علی شیر قانع) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء
تاریخ معصومی ج۳ ص۲۷۵ (مولانا میر سید محمد معصوم الترمذی البھکری ۱۰۱۴ھ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء -
ے۳ :- نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۱۰ -

پڑھا۔ (علوم) حدیث و تفسیر کی شیخ بلال تلہٹی سے، تحصیل کی۔
اور بڑے بڑے مشائخ کی صحبت و ملازمت اختیار کی۔ اور ان سے علم اخذ کیا۔ حتیٰ کہ علم و معرفت میں اعلےٰ درجہ حاصل کیا۔ اور تفسیر و حدیث، تکمل علوم جفر اور دوسرے فنون میں اعلےٰ مہارت کے مالک بنے۔
اسی طرح دوسرے مترجمین مثلاً مولانا علی شیر قانع [۱]، مولانا میر محمد معصوم بکھری [۲] اور مولانا محمد اسحاق بھٹی [۳] نے آپ کے علمی شوق و شغف اور تحصیل و مہارت کا بیان ایسے الفاظ میں کیا ہے۔

تدریس و تحدیث اور تلامذہ۔

قاضی دتہ نے دارالقضاء و افتاء کے بے شمار مشاغل و مصروفیات کے باوجود بھی علوم و فنون کے درس و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ آپ سے خلقِ کثیر نے علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل کی۔
آپ کے تلامذہ و رواۃ میں حاکم سندھ میرزا شاہ حسین بن مرزا شاہ بیگ (۹۶۲ھ) اور شیخ مولانا سید میر محمد معصوم بن سید میر صفائی (۱۰۱۹ھ) قابل ذکر ہیں [۴]

قاضی دتہ کا علمی فضل و کمال۔

قاضی دتہ علمی فضل و کمال میں عدیم المثال شخصیت تھے۔ سارے علوم و فنون میں آپ کا ہم سر و ہم پلہ کوئی نہ تھا۔ قدرت نے اعلےٰ درجے کا فہم و ادراک اور حیرت انگیز حافظہ عطا فرمایا تھا۔ علوم و فنون کی اکثر کتابیں زبانی یاد تھیں۔ اٹھارہ تفاسیر معانی و مفہوم اور حقائق و دقائق کے ساتھ ازبر تھیں۔
آپ کی اس معجزانہ مہارت اور وفورِ علم کے باعث مرزا شاہ حسین آپ کو "جاراللہ زمخشری" کہا کرتے تھے۔ اور شیخ عثمان المحدث، آپ کو "الاستاذ" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔
مولانا امیر احمد مخدوم العباسی لکھتے ہیں، "اٹھارہ تفسیریں یاد تھیں۔ جن میں سے بعض انہوں نے درس میں پڑھی تھیں۔ اور بعض کا خود مطالعہ کیا تھا۔" [۵]
مولانا علی شیر قانع اس سلسلے میں لکھتے ہیں (ترجمہ اردو تحفۃ الکرام) "اعلےٰ حافظہ کے مالک تھے۔ اکثر کتب متن و عن زبانی پڑھ سکتے تھے۔ قرآن مجید کی اٹھارہ تفاسیر

۱:- تحفۃ الکرام (اردو ترجمہ) صفحہ ۲۴۳ (مولانا علی شیر قانع ٹھٹھوی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء۔
۲:- تاریخ معصومی (اردو) صفحہ ۲۷۵ (مولانا سید میر محمد معصوم الترمذی البکری) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء۔
۳:- فقہائے ہند جلد ۳ صفحہ ۱۰۱ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔
۴:- تحفۃ الکرام صفحہ ۲۴۳، تاریخ معصومی صفحہ ۲۷۵، فقہائے ہند جلد ۳ صفحہ ۱۰۱، سرزمین سندھ میں علم حدیث صفحہ ۲۷ (مولانا مخدوم امیر احمد عباسی) الرحیم، اگست ۱۹۶۳ء، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ۔
۵:- سرزمین سندھ میں علم حدیث صفحہ ۲۷۔ (مولانا امیر احمد عباسی) الرحیم (۱۳۸۳ھ)

از بر تھیں"۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں،" مسائل و معانی پر دقیق نظر رکھتے تھے
بڑے باصلاحیت بزرگ تھے۔ حافظہ اس درجہ تیز تھا کہ علوم و فنون کی اکثر کتابیں
زبانی یاد تھیں۔ قرآن مجید کی اٹھارہ تفسیروں کا مطالعہ اور ان کے معانی و
دقائق پر عبور حاصل کیا ہے"[1]

علاوہ ازیں، آپ علوم نجوم و جفر وغیرہ اور زبانِ ترکی کے بھی ماہر تھے۔ اور ترکی
میں لکھ پڑھ کر سکتے تھے۔

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علومِ باطنی کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے
آپ کو آپ کے والد کی طرح کشف و کرامات کی فضیلت و فضائل سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔
مولانا سید میر محمد معصوم الترمذی البھکری اس سلسلے میں لکھتے ہیں"۔(شیخ قاضی دتہ)
علم جفر و نجوم کے ماہر تھے۔ ترکی خط پڑھ سکتے تھے۔ صاحب کشف تھے۔ آپ کے والد نیز
صاحب کرامات تھے۔
مرزا شاہ حسین علم کے لحاظ سے انہیں اپنے وقت کے امام جار اللہ زمخشری کہا
کرتے تھے۔ اور بڑی عزت کیا کرتے تھے"[2]

لیکن ~~افسوس~~ کہ اس جلیل القدر فقیہ وقت، امام تفسیر و حدیث اور فاضل علوم و فنون
علامہ کا کوئی تصنیفی کارنامہ ~~مذکور نہیں~~ ۔ دستیاب نہ ہو سکا۔

وفات:۔

شیخ قاضی دتہ نے ۹۷۰ھ ہجری[3] (علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بمقام باغبان
وفات پائی۔ آپ کا مقبرہ قریہ باغبان میں ہے[4]

---

[1]:۔ فقہائے ہند ج۳ ص۱۰۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سن ۱۹۷۶ء طبع اول۔
[2]:۔ تاریخ معصومی (اردو) ص۲۲۵ (مولانا میر محمد معصوم البھکری ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی سن ۱۹۵۹ء۔
[3]:۔ حدیقۃ الاولیاء، ص۸۳ (مفتی غلام سرور لاہوری) مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۶ء۔
[4]:۔ حدیقۃ الاولیاء ص۸۳، تحفۃ الکرام ص۳۲۵، سرزمین سندھ میں علم حدیث ص۲۷، نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۱
[5]:۔ تحفۃ الکرام (اردو) ص۳۲۴۔

شیخ مصلح الدین لاری رح۔

حسب و نسب:۔ شیخ موصوف محض اپنے نام و مسکن "مصلح الدین لاری" سے متعارف ہیں۔ کتب تراجم میں آپ کا کوئی شجرۂ نسب مذکور نہیں۔ آپ قرن دہم کے ممتاز فقہائے محدثین و فضلائے مصنفین سے تھے۔

شیخ مصلح الدین علوم معارف اسلامیہ (تفسیر، حدیث اور فقہ) و فنون حکمیہ معقولات و منقولات میں اپنی نظیر آپ تھے۔ علم و فضل کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل کامل کے زیور سے بھی آراستہ و پیراستہ کیا تھا۔ آپ عظیم فہم و فراست کے مالک تھے دینی و دنیوی مہمات و معاملات میں آپ کی فراست و مہارت مسلم تھی[1]

شیخ لاری کی تحصیل علوم و فنون اور شیوخ و اساتذہ کے متعلق کوئی تذکرہ دستیاب نہ ہو سکا۔ کسی مترجم نے اس امر کے بارے میں کوئی قلم نہیں اٹھایا ہے لیکن تاہم سب ان کے علمی فضل و کمال کی مدح سرائی کرتے ہیں۔

درس و افادہ اور رواۃ و تلامذہ۔

شیخ مصلح الدین ۹۶۰ھ تک سندھ میں رہ کر تدریس و تحدیث کے ذریعے علوم قرآن و حدیث اور فنون شریعت کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔ اور بیشمار علماء و فضلاء اور خلق خدا کو چشمۂ علم محمدی (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے سیراب و فیضیاب کیا[3]

میرزا شاہ حسین ارغون (م ۹۶۲ھ) حاکم سندھ نے (جو فضلائے وقت میں شمار ہوتے تھے) آپ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کرکے علم و فیض حاصل کیا[4]

مولانا سید عبدالحی (م ۱۳۴۱ھ) آپ کے علم و فضل اور درس و افادہ کے بیان میں لکھتے ہیں

[1] تاریخ معصومی ص ۲۸۱-۲۸۰ (مولانا میر محمد معصوم البھکری م ۱۰۱۹ھ) (اردو ترجمہ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء
سرزمین سندھ میں علم حدیث (مولانا امیر احمد مخدوم العباسی) الرحیم جولائی ۱۹۶۳ء مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ ۱۹۶۳ء

[2] فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۲۰ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء طبع اول

[4] تاریخ معصومی ص ۲۸۰-۸۱، مآثر رحیمی ج ۲ ص ۳۲۰ (مولانا عبدالباقی نہاوندی) مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ ۱۹۲۶ء

[3] تاریخ معصومی ص ۲۸۰، مآثر رحیمی ج ۲ ص ۳۲۰، فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۲۰ - نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۵۴ -

"الشیخ الفاضل العلامۃ مصلح الدین الحنفی اللاری کان اوحد اقرانہ فی العلوم العربیۃ والمعارف الحکمیۃ درس وافاد مدۃ طویلۃ اخذ عنہ شاہ حسین سلطان السند وطائفۃ من اھل العلم"[1] ترجمہ:- شیخ فاضل علامہ مصلح الدین الحنفی لاری، علوم عربیۃ و معارف حکمیۃ (یعنی جمیع علوم وفنون منقولات و معقولات) میں اپنے ہم عصروں میں یگانۂ زمانہ تھے۔ ایک لمبی مدت تک درس وافادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

میرزا شاہ حسین حاکم سندھ اور علماء کی ایک جماعت نے ان سے اخذ علوم کیا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے آپ کے علمی مقام و خدمت و اشاعتِ علوم کے بارے میں لکھا ہے "فاضل عصر اور علامۂ دوراں تھے۔ علوم عربیۃ و معارف حکمیۃ میں اپنے تمام اقران و معاصرین میں منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ طویل مدت تک درس وافادہ میں مصروف رہے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا جن میں والیٔ سندھ مرزا شاہ حسین بھی شامل تھا۔ بے شمار علماء و طلباء نے ان سے اخذِ علم کیا"[2]

اسی طرح علامہ عبدالباقی نہاوندی نے آپ کے ترجمے میں لکھا ہے[3] "مولانا مصلح الدین لاری علوم عربیہ را خوب می دانست، بافادۂ درس مرزا شاہ حسین مشغول بودہ، و در نہصد و شصت (۹۶۰) بمکہ رفت، شرح شمائلِ نبوی، حاشیہ تفسیر بیضاوی و شرح منطق و دیگر رسائل مشہور دارد"

ترجمہ:- مولانا مصلح الدین لاری علوم عربیہ کو نہایت اچھی طرح جانتے تھے۔ میرزا شاہ حسین کے درس وافادے میں مشغول تھے۔ سنہ ۹۶۰ھ میں مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ شرح شمائل نبوی، حاشیہ تفسیر بیضاوی، شرح منطق اور دوسرے مشہور رسالے ان کی تصنیفات ہیں۔

مولانا میر محمد معصوم نے بھی آپ کے فضل و کمال اور علمی خدمات کی بے حد مدح سرائی کی ہے[4]

---

[1]:- نزہۃ الخواطر ج۴ ص ۳۵۴ تا ۳۵۵ (مولانا سید عبدالحی الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء

[2]:- فقہائے ہند ج۳ ص ۳۷۰ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول

[3]:- مآثر رحیمی ج۲ ص ۳۲۰ (مولانا عبدالباقی نہاوندی) مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ ۱۹۲۵ء۔

[4]:- تاریخ معصومی ص ۲۸۰ تا ۲۸۱ (مولانا میر محمد معصوم بھکری م ۱۰۱۹ھ) اردو ترجمہ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء

تصنیف وتالیف

تدریس وتحدیث کے ساتھ ساتھ شیخ لاری نے تصنیف وتالیف میں بھی قابل قدر کارنامے انجام دیئے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں مندرجۂ ذیل کتابیں مشہور ہیں[1]

(۱) شرح شمائل نبوی (صلے اللہ علیہ والہ وسلم)

(۲) حاشیہ تفسیر بیضاوی۔

(۳) شرح المنطق۔

(۴) الرسالۃ فی بحث تمام المشترک۔

(۵) الرسالۃ فی بحث القدرۃ والارادۃ۔

(۶) الرسالۃ فی بحث الحرکۃ۔

(۷) شرح تہذیب المنطق۔

(۸) شرح ہدایۃ الحکمۃ۔

"شمائل نبوی" سے مراد امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م ۲۷۹ھ) کی مشہور تصنیف "شمائل الترمذی" ہے۔ جس کی آپ نے ایک بسیط ومفصل شرح لکھی ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں، "ولہ شرح بسیط علے شمائل الترمذی وتعلیقات علی تفسیر البیضاوی وشرح المنطق بالفارسی"[2]

آپ کی ان تصانیف کا کوئی تفصیلی ترجمہ اور حالات وکوائف دستیاب نہ ہو سکے۔ اور نہ ان کتابوں کا کوئی سراغ مل سکا۔ اس کی غالباً وجہ یہ ہوگی کہ جب آپ ۹٦٠ھ میں سندھ سے ہمیشہ کے لیے ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور تادم زیست وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ اس لیئے آپ کے ذخائر وخزائن علمی بھی آپ کے ساتھ منتقل ہو چکے ہونگے۔ جن میں سے یہاں کچھ باقی نہ رہا۔

[1]: فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۷۰ - ۳۷۱ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء

[2]: نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۵۵ (مولانا سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء

ہجرت و سکونت مکۃ المکرمہ -

شیخ لاری ایک طویل مدت تک سندھ میں قابل قدر علمی خدمات انجام دینے کے بعد ۹۶۰ھ میں اپنی باقی عمر مقام اقدس و جوار بیت اللہ شریف میں گذارنے کی خاطر سندھ سے ہجرت کرکے مکہ معظمہ چلے گئے - اور وہاں مستقل سکونت اختیار کرکے باقی زندگی یعنی انیس برس (۹۶۰ھ سے ۹۷۹ھ تک) سایۂ بیت اللہ شریف میں گذاری - اور اپنے ملک واپس نہ آئے -

مولانا عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں، "وھو سافر الی مکۃ المبارکۃ لسنۃ ستین وتسع مائۃ فلم یرجع عنھا"[1] یعنی انہوں نے ۹۶۰ھ میں مکہ مکرمہ کا سفر کیا۔ پھر وہاں سے واپس نہیں لوٹے -

وفات -

شیخ مصلح الدین اپنے دارالہجرت و مقدس مقام 'مکہ معظمہ' میں انیس سال گذارنے کے بعد ۹۷۹ھ ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں دار فانی سے دار جاودانی میں انتقال کر گئے[2]

آپ کی مکی زندگی کے بارے میں مترجمین حضرات خاموش ہیں، لیکن، آپ کے علمی فضل و کمال کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے - کہ یہ فاضل محدث، مفسر اور جامع معقولات و منقولات ایسے علمی مراکز میں اتنا لمبا عرصہ ہرگز ہرگز خاموش نہیں بیٹھا ہوگا - بلکہ وہاں بھی آپ کی تحصیل علوم و استفادہ اور درس و افادہ جاری رہا ہوگا - واللہ اعلم بالصواب

[1] :- نزہۃ الخواطر ج۴ ص۳۵۵ (مولانا عبدالحی بن فخر الدین م۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء

[2] :- فقہائے ہند ج۳ ص۳۷۱ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول -

شیخ قاسم بن شیخ یوسفؒ (رئیس المحدثین)

حسب ونسب [۱]:- آپ کا نام ونسب شیخ قاسم بن شیخ یوسف بن رکن الدین بن معروف بن شہاب الدین، الشہابی المعروفی، الپاتائی السندی ہے۔ اور "رئیس المحدثین" [۲] آپ کا خطاب ولقب ہے۔ آپ قرن دہم کے فضلائے محدثین واولیائے کاملین سے ہیں۔ شیخ قاسمؒ سندھ کے مشہور قصبہ "پاٹ" میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کو پاٹائی کہتے ہیں۔ ~~اور سندھ میں تربیت وتعلیم پائی۔~~

تحصیل علوم واساتذہ۔

آپ کی چونکہ پیدائش ونشو ونما ایک علمی گھرانے میں ہوئی تھی، اس لئے ہوش سنبھالتے ہی آپ تحصیل علم وفن میں مشغول ہوگئے۔ اور سرعت سے علوم وفنون کے اعلیٰ مدارج طے کرتے ہوئے "رئیس المحدثین" کے لقب وخطاب سے سرفراز ہوگئے۔ آپ نے علوم ظاہری کی تحصیل وتکمیل اپنے والد ماجد اور شیخ شہاب الدین اور اپنے بھائی شیخ طاہر المحدث [۴] اور علوم باطنی کا اکتساب حضرت شیخ زکریا (خلیفہ شیخ بہاء الدین) سے کیا۔ [۳]

تدریس وتحدیث۔

شیخ قاسمؒ تحصیل وفراغت کے بعد خود تدریس وتحدیث اور اشاعت علوم میں مشغول ہوگئے۔ بے شمار علماء وفضلاء نے آپ سے علوم حدیث وفنون شریعت کی تحصیل کی۔ آپ کے تلامذہ ورواۃ میں آپ کے فرزند شیخ عیسیٰ جند اللہ المحدث قابل ذکر ہیں۔ [۵]

شیخ قاسمؒ زمرۂ مصنفین میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ لیکن آپ کی تصانیف کا کوئی سراغ

---

[۱]:- نزہتہ الخواطر ج ۴ ص ۲۶۲ (مولانا سید عبدالحی الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء۔

[۲]، [۳]:- تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۹۲ (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۵۰ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ۔

[۴]:- نزہتہ الخواطر ج ۴ ص ۲۶۲، تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۹۲

[۵]:- برہان پور کے سندھی اولیاء ص ۲ (مولانا مطیع اللہ راشدی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی۔ ۱۹۵۶ء۔ (ترجمہ شیخ طاہر پاٹائی)

نہ مل سکا۔ علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین ۱۳۴۱ھ نے آپ کے درس و افادہ اور تصنیف و تالیف کے بارے میں لکھا ہے[۱]۔ "وکان یدرس ویفید۔ اخذ عنہ ولدہ عیسیٰ بن القاسم (عیسیٰ جند اللہ المحدّث) وخلق آخرون۔ ولہ مصنفات لم اقف علی اسمائھا" ترجمہ:- (شیخ قاسم) درس دیتے اور فائدہ پہنچاتے تھے۔ ان سے ان کے فرزند شیخ عیسےٰ بن القاسم جند اللہ المحدث اور بہت سے دوسرے لوگوں نے اخذِ علوم کیا۔۔۔ اور ان کے تصنیفات بھی ہیں۔ لیکن میں ان کے ناموں سے واقف نہ ہو سکا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے بھی اس سلسلے میں یہی تذکرہ لکھا ہے[۲]۔

شیخ قاسم کا علمی مقام

شیخ قاسم اپنے قرن و زمانے میں یگانہ روزگار تھے۔ مولانا دین محمد وفائی لکھتے ہیں "میاں جمال محمد گجراتی جو مفسر و صوفی ۽ مفسر محدث ھو۔ تنھن جو چوڻ آھي تہ شیخ قاسم علم ۾ یکتاءِ زمانہ آھي[۳]"۔ یعنی میاں جمال محمد گجراتی جو ایک بڑے صوفی اور مفسر و محدث تھے، کا کہنا ہے کہ شیخ قاسم علم میں یکتا زمانہ ہیں۔

علامہ سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں[۴] "احدُ العلماءِ المبرزین فی الفقہِ والحدیث" (شیخ قاسم) فقہ اور حدیث میں مشہور علماء میں سے ایک تھے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے آپ کے علم و فضل کے بارے میں لکھا ہے، "حدیث اور فقہ کے ماہر علماء میں سے تھے"[۵]

ف۱:- نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۶۳ (مولانا سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی م۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء۔
ف۲:- فقہائے ہند ج۳ ص۳۰۹ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول
ف۳:- تذکرہ مشاہیر سندھ ص۹۳ (مولانا دین محمد وفائی م۱۹۴۹ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۔
ف۴:- نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۶۳۔
ف۵:- فقہائے ہند ج۳ ص۳۰۹۔

خطاب "رئیسُ المحدثین"

مولانا دین محمد وفائی ۱۹۴۹ء تذکرہ مشاہیر سندھ میں شیخ قاسمؒ کے مشہور لقب وخطاب "رئیسُ المحدثین" کے متعلق لکھتے ہیں، "کتاب دُرر الدارین ۾ چاڻايل آهي تہ شيخ قاسم کي حضرت رسول الله صلي الله عليه وآلہ وسلم وٽان خواب ۾ "رئيس المحدثين" جو لقب عطا ٿيل هيو[1]" ترجمہ:- کتاب دُرر الدارین میں بتایا گیا ہے کہ شیخ قاسمؒ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے خواب میں "رئیسُ المحدثین" کا لقب عطا ہو گیا تھا۔

یہ شیخ قاسمؒ کی کتنی بڑی خوش قسمتی ہے کہ انہیں سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیدارِ پرانوار نصیب ہوگئی۔ اور ساتھ ساتھ آپؐ کی زبانِ ترجمان القرآن سے ایسا عظیم الشان خطاب ولقب عطا ہو گیا۔

یہ نہ صرف آپ کی، بلکہ پورے سندھ کی سرفرازی وسربلندی کا باعث بنا ہوتی ہے۔ سارے علاقہ کو اس اعلیٰ اعزاز پر فخر کرنا چاہئے۔

وفات۔

شیخ رئیس المحدثین مورخہ سنہ ۹۵۰ھ میں اپنے بھائی شیخ طاہر المحدث کے ساتھ ایلچپور گئے تھے اور وہاں مورخہ سنہ ۹۸۰ھ میں وفات پائی[2]۔ آپ نے یہ تیس برس کا سارا عرصہ اپنے بھائی محترم کے ساتھ سفروں میں گذارا جس میں انہوں نے آپ کو علوم الحدیث میں اعلیٰ تعلیم وتربیت دے کر حدیث کے مشائخ کبار کا میر کاروان بنا دیا[3]۔

آپ کے خلف صالحین میں تین فرزند تھے[4] (۱) شیخ عیسیٰ جند اللہ المحدث (۲) شیخ عماد الدین (۳) اور شیخ سلیمان

ف ۱:- تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۹۴ (مولانا دین محمد وفائی ۱۹۴۹ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۷۴ء بحوالہ دُرر الدارین۔

ف ۲:- نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۶۲ (علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء۔
فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۰۹ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول

ف ۳:- نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۹۵۔

ف ۴:- { برہانپور کے سندھی اولیاء ص ۳ (ترجمہ شیخ طاہر المحدث) مولانا سید طیع اللہ راشدی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۷ء۔
{ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۹۵۔

شیخ قاضی عبد اللہ الدربیلوی

حسب و نسب:۔ آپ کا نام و نسب شیخ قاضی عبد اللہ بن قاضی ابراہیم عمری الدربیلوی السندی ہے۔ آپ کی پیدائش و نشو و نما سندھ کے قصبہ "دربیلہ" میں ہوئی[51] جس کی طرف کئی ایک فقہا و علمائے محدثین منسوب ہیں۔ مثلاً شیخ قاضی ابراہیم عمری، شیخ رحمۃ اللہ السندی، شیخ حمید بن قاضی عبد اللہ، مولانا سعد اللہ الدربیلوی اور ان کے فرزند شیخ عبد اللہ المتقی وغیرہم۔

قاضی عبد اللہ قرن دہم کے نامور وطن مشائخ و مشاہیرِ سندھ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ اصل و نسل اور وطنِ ولادت کے اعتبار سے الدربیلوی، السندی اور وطنِ ہجرت و اقامت اور مرقد و مزار کے اعتبار سے المدنی کہلاتے ہیں۔ ~~اس کا آگے تفصیل سے~~ بیان کیا جائیگا۔

تحصیل علوم و اساتذہ

قاضی عبد اللہ نے علوم حدیث و فنون شریعت کی تحصیل و تکمیل اپنے وطن کے علمائے محدثین و مشائخ وقت سے کی تھی۔ جن میں سے شیخ عبد العزیز الہروی الابہری الکاہی شارح مشکاۃ شریف مشہور و معروف ہستی گزرے ہیں۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں، "قاضی عبد اللہ بن ابراہیم عمری سندھی، دیارِ سندھ کے ایک شہر دربیلہ میں پیدا ہوئے۔ اور شارح مشکواۃ شریف شیخ عبد العزیز ابہری سے اخذ علم کیا۔"[52]

مولانا سید میر محمد معصوم البھکری لکھتے ہیں، "قاضی عبد اللہ بن قاضی ابراہیم نے مخدوم عبد العزیز ہروی ابہری سے علم حاصل کیا۔"[53]

---

[51] [52] ۔ فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۲۸-۲۹ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء

[53] ۔ تاریخ معصومی ص ۲۰۲-۲۰۳ (مولانا میر محمد معصوم بن سید الصفائی الترمذی البھکری) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء

تدریس وتحدیث اور تلامذہ -

قاضی عبداللہ نے تحصیلِ علوم و فراغت کے بعد اپنے شہر و وطن دربیلہ سندھ میں تدریس و تحدیث کا ایک ادارہ قائم کیا - جو سندھ کے ارغون انقلاب ۹۲۶ھ تک جاری رہا - اور صدہا طلباء و علماء نے آپ سے علوم حدیث و فنون شریعت وغیرہ کی تحصیل و تکمیل کی - آپ کے تلامذہ و رواۃ میں مترجمین حضرات نے مندرجۂ ذیل مشائخ کے نام گنے ہیں، شیخ صالح، شیخ رحمتؒ اللہ اور شیخ حمیدؒ - یہ دونوں فضلاء، آپ کے فرزند ارجمند ہیں -

مولانا محمدؒ اسحاق بھٹی لکھتے ہیں، "ابتداء میں اپنے اصل وطن دربیلہ میں رہتے تھے اور وہاں ان کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا - لیکن جب شاہی بیگ نے سندھ فتح کیا تو باغبان اور راوت چلے گئے تھے"۔[1]

مولانا موصوف آگے آپ کے تلامذہ کا بیان کرتے ہیں، "قاضی عبدؒ اللہ کے تین خلیفے اور شاگرد تھے - اور وہ تھے، شیخ صالح، شیخ رحمتؒ اللہ اور شیخ حمیدؒ - شیخ رحمتؒ اللہ اور شیخ حمیدؒ قاضی ممدوحؒ کے فرزند تھے"۔[2]

قاضی صاحب کے یہ فرزند ارجمند سندھ میں علم و فضل کے چاند و ستارے بن کے ابھرے جنہوں نے وادی سندھ سے وادی بطحا تک علومِ حدیث و قرآن اور فنون شریعت کا نور پھیلایا - ان کا تفصیلی بیان ان کے اپنے اپنے عنوان میں کیا جائیگا -

۱ھ، ۲ھ } - فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۲۹ (مولانا محمدؒ اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع ۱

ترکِ وطن اور اقامتِ مدینہ منورہ۔

مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ اس سلسلے میں لکھتے ہیں، "ابتداء میں اپنے اصل وطن دربیلہ میں رہتے تھے اور وہاں ان کے درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن جب شاہی بیگ نے سندھ فتح کیا تو باغبان اور راوت چلے گئے تھے۔ پھر کچھ عرصہ بعد ۹۳۲ھ میں سندھ سے عازم گجرات ہوئے، وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہیں وفات پائی" ۔[۱]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ جذبہ حب الوطنی اور قومی حمیت وعصبیت سے سرشار تھے اس بناء پر آپ اپنے ملک وقوم پر بیرونی حملہ وتسلط کو نہایت ناپسند فرماتے تھے۔

جب مرزا شاہ بیگ ارغون نے پہلی بار سندھ پر (۹۲۶ھ میں) حملہ کر کے ٹھٹھہ تک قبضہ کیا تو آپ نے اس کے مقبوضہ علاقہ میں رہنا گوارا نہ کیا اور باغبان تلھٹی تشریف لے گئے جو اس وقت تک اس کی یورش سے بچے ~~ہوئے تھے~~ ۔ اور وہاں کے باشندے اس بیرونی جارحیت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

لیکن جب ارغون حکومت نے دوبارہ (۹۲۹ھ) میں حملہ کر کے پورے سندھ پر قبضہ کیا۔ تو آپ سندھ سے ہجرت کرنے کی فکر میں لگے۔ آخر کار ۹۳۲ھ میں وطن عزیز کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر مع اہل وعیال گجرات تشریف لے گئے[۲] اور ۹۴۷ھ تک وہاں سکونت پذیر رہے۔ اس اثناء میں شیخ عبداللہ المتقی بھی ہجرت کر کے گجرات پہنچے۔ جہاں دونوں مشائخ کی ۹۴۷ھ میں آپس میں ملاقات ہوئی۔

مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ نے یہ تذکرہ شیخ عبداللہ المتقی کے ترجمے میں بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "(شیخ عبداللہ المتقی) سندھ سے گجرات چلے گئے تھے۔ گجرات میں سندھ کے ایک اور عالم وفقیہ قاضی عبداللہ بن ابراہیم سندھی مقیم تھے۔ ۹۴۷ھ میں ان سے ملاقی ہوئے" ۔[۳]

ص۱:۔ فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۲۹ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع

ص۲:۔ فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۲۹ ۔ تاریخ معصومی ص ۲۰۲، ۲۰۳ (مولانا سید میر محمد معصوم الترمذی م ۱۰۱۹ھ)

ص۳:۔ فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۶ ۔

سفرِ مدینہ طیبہ کا غیبی انتظام۔

قاضی عبداللہ اور ان کے فرزند جلیل شیخ رحمت اللہ بہت بڑے متقی اور متوکل علے اللہ رجال سے تھے۔ کسی کے سامنے اپنی ضرورت و حاجت کو پیش کرنا نہایت ... ناپسند و ناجائز سمجھتے تھے۔ اور ادھر سے انہیں حرمین شریفین کے سفر و زیارت کا شوق و شغف بھی دامن گیر تھا۔

تو اللہ تعالے نے ان کی اعلے عزیمت و تقویٰ اور اشتیاق و حبّ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھ کر ان کے زادِ راہ اور کرایہ وغیرہ کا ایک غیبی انتظام فرمادیا اور وہ اس طرح ہوا کہ قاضی عبداللہ کی، گجرات میں، اقامت کے دوران شیخ علی المتقی بن حسام الدین البرہانپوری مصنف کنز العمال (م ۹۷۵ھ) بھی وہاں قیام پذیر تھے۔ جو اپنی اعلے عزیمت و تقویٰ اور علمی فضیلت و عظمت کی بدولت صاحب جاہ و جلال اور مرجع خاص و عام تھے۔

والیِ گجرات، بہادر شاہ کو ان کی قدم بوسی و شرف ملاقات حاصل کرنے کا بے حد شوق و اشتیاق تھا۔ لیکن شیخ موصوف اپنی مجلس میں ان کی آمد کو ناپسند فرماتے تھے۔ آخر کار بادشاہ نے ایک دن قاضی عبداللہ سے اپنی تمنا ظاہر کر کے عرض کیا کہ اسے دربارِ شیخ میں حاضر ہونے کی اجازت دلوائی جائے۔

الغرض قاضی موصوف نے شیخ کی خدمت میں سفارش کر کے اس شرط پر بادشاہ کی باریابی کی اجازت حاصل کر لی کہ شیخ حسبِ ضرورت بادشاہ کو جس طرح چاہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں [1]

بادشاہ اجازت ملنے پر نہایت ادب و احترام کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوا۔ اور

---

[1] فقہائے ہند ج ۳ صفحہ ۲۳۰-۲۳۱ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء، طبع ا

کچھ دیر تک شرف مجلس سے مستفیض ہوکر واپس چلا گیا۔ اور وہاں سے ایک لاکھ تنکہ سکۂ رائج الوقت شیخ کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ نے وہ ساری رقم قاضی عبداللہ کو دیدی۔[1]

اس طرح سے ان کے سفر حرمین شریفین کا معجزانہ بندوبست ہوگیا۔ اور وہ نہایت سہولت و آسودگی کے ساتھ وہاں جا پہنچے۔ فریضہ حج کی ادائگی کے بعد مدینہ منورہ میں جاکر مستقل سکونت اختیار کی۔ اور بقایا زندگی جوارِ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں بسر کی۔[2]

وفات۔

قاضی عبداللہؒ مدینہ منورہ میں متوطن ہونے کے بعد اصل وطن واپس نہ لوٹے۔ یہاں تک کہ اسی ارض مقدس میں ہی وفات پائی۔ ان کی تاریخ وفات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ چونکہ قاضی صاحب موصوف ۹۴۷ھ میں گجرات میں قیام پذیر تھے[3]۔ اس کے بعد حرمین شریفین چلے گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دسویں صدی کے نصف آخر میں وفات پاچکے ہونگے۔

اس شیخ کبیر و عالم شہیر کی کوئی تصنیف و تالیف مذکور نہیں۔

---

[1]:- فقہائے ہند ج۳ ص۲۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔

[2]:- فقہائے ہند ج۳ ص۲۲۹ - تاریخ معصومی ص۲۰۳ (مولانا میر محمد معصوم البھکری الترمذی م ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ

[3]:- فقہائے ہند ج۳ ص۲۳۔

شیخ عبدالرحمٰن ٹھٹھوی۔

حسب ونسب:- آپ کا نام شیخ عبدالرحمٰن ٹھٹھوی ہے[1]۔ آپ کا کوئی شجرۂ نسب مذکور نہیں۔ سارے مترجمین نے آپ کو محض اسی نام ومسکن سے یاد کرتے ہیں[2]۔ شیخ عبدالرحمٰن قرنِ دہم کے مشائخ کبار سے تھے۔ لیکن آپ کے سوانح حیات اور تعلیمی کوائف وحالات کی کوئی تفصیل دستیاب نہ ہوسکی۔ اور نہ آپ کے شیوخ واساتذہ کی فہرست معلوم ہوسکی۔

علم وفضل اور درس وافادہ۔

شیخ عبدالرحمٰن اپنے قرن میں یگانہ زمانہ شمار ہوتے تھے۔ سارے علوم متداولہ اور فنون مروجہ میں اپنی نظیر آپ تھے۔ بالخصوص تفسیر، حدیث اور فقہ میں آپ کا مقام بہت اونچا تھا[3]۔

شیخ عبدالرحمٰن، والیانِ سندھ میرزا عیسیٰ ترخان اور ان کے لڑکے میرزا باقی خان کے عہد حکومت میں شیخ وقت اور استاذ العلماء مانے جاتے تھے۔ آپ نے سندھ میں علومِ حدیث وتفسیر اور فنون شریعت وغیرہ علوم کی تدریس کا سلسلہ جاری کرکے صدہا علماء وفضلاء پیدا کئے۔ اور عوام وخواص کو علمِ محمدی کے چشمۂ فیض سے سیراب وفیضیاب کیا[3]۔

مولانا عبدالحی الحسنی آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "الشیخ الفاضل الکبیر عبدالرحمٰن التتوی السندی احد کبار العلماء لم یکن فی زمانہ اعلم منہ

---

[1] مآثر رحیمی حصہ ۲ صفحہ ۳۲ (مولانا عبدالباقی نہاوندی) مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ ۱۹۲۵ء۔
[2] تاریخ معصومی صفحہ ۲۹۵ (مولانا سید میر معصوم البھکری) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء۔
[3] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۲۶۹ (مولانا رحمان علی ۱۳۲۵ھ) مطبوعہ نول کشور (ہند) ۱۹۱۴ء۔ طبع دوم۔
فقہائے ہند جلد ۳ صفحہ ۲۱۰ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء۔ طبع اول
[4] نزہۃ الخواطر جلد ۴ صفحہ ۱۶۷ (علامہ عبدالحی بن فخر الدین الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء

فی الفقہ والحدیث والتفسیر اخذ عنہ جمع کثیر من العلماء فی ایام
میرزا عیسیٰ ترخان وولدہ میرزا باقی امیر ناحیۃ السند"[۱]

ترجمہ:- شیخ، فاضل کبیر عبد الرحمٰن ٹھٹھوی، سندھی، کبار علماء سے ایک ہیں
اُن کے زمانے میں، ان سے فقہ، حدیث اور تفسیر میں کوئی بڑا عالم نہیں تھا۔
ان سے، حاکم سندھ میرزا عیسیٰ ترخان اور اس کے لڑکے میرزا باقی کے زمانے میں، علماء
کی ایک بہت بڑی جماعت نے علوم کی تحصیل کی۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی آپ کو 'شیخ وقت' اور 'فاضل کبیر' کے القاب سے یاد کرتے ہوئے
لکھتے ہیں، "تفسیر حدیث و فقہ اور دیگر علوم مشہورہ میں بے نظیر تھے۔ علماء عصر
کی بہت بڑی تعداد نے ان سے استفادہ کیا"[۲]

اسی طرح مولانا سید میر محمد معصوم البھکری ۱۰۱۹ھ نے تاریخ معصومی میں[۳]، مولانا
عبد الباقی نہاوندی نے مآثر رحیمی میں[۴] اور مولانا رحمٰن علی نے تذکرہ علمائے ہند میں[۵] آپ کے
علم و فضل اور درس و افادہ کی تعریف و توصیف کی ہے۔

وفات۔

شیخ عبد الرحمٰن ٹھٹھوی کی تاریخ وفات کا کسی تذکرے میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔
البتہ مترجمین کے بیانات[۶] سے محض اتنا ثبوت ملتا ہے کہ آپ امیر سندھ میرزا عیسیٰ ترخان
اور میرزا باقی خاں ۹۹۳ھ کے ہم عصر تھے۔ یعنی دسویں صدی کے ربع آخر میں وفات پا گئے۔

~~مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے آپ کو قرن دہم کے رجال میں شمار کیا ہے۔~~

اس اعتبار ... نیز قرون ... کبار

۱:- نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۱۰ (مولانا سید عبد الحی بن فخر الدین الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن
۲:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۱۰ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول
۳:- تاریخ معصومی ص ۲۹۸ (مولانا سید میر محمد معصوم بھکری ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۵۹ء
۴:- مآثر رحیمی ج ۲ ص ۳۳۶ (مولانا ملا عبد الباقی نہاوندی) مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ ۱۹۲۵ء
۵:- تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۹ (مولانا رحمٰن علی ۱۳۲۵ھ) مطبوعہ نول کشور ۱۹۱۴ طبع دوم
۶:- نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۷۲، فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۱۰، تاریخ معصومی ص ۲۹۸، مآثر رحیمی ج ۲ ص ۳۳۶، تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۹

شیخ عبداللہ المتقی رحمۃ اللہ علیہ

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب شیخ عبداللہ بن شیخ سعداللہ المتقی الدربیلوی السندی المہاجر المدنی ہے[1] - آپ کے والد ماجد بھی عالم فاضل تھے - شیخ عبداللہ المتقی قرن دہم کے سندھی فضلائے مفسرین ومحدثین اور فقہائے متقین میں شمار ہوتے ہیں - آپ کی پیدائش ونشوونما سندھ کے[2] ایک گاؤں دربیلہ میں ہوئی تھی - جو اس وقت ایک علمی مرکز ومنبع شمار ہوتا تھا - لیکن آپ ان علماء کے زمرے میں گنے جاتے ہیں جو وطن پدری کو خیرباد کہہ کر عرب تشریف لے گئے - اور پھر وہاں کے ہو کر رہ گئے - اس لئے آپ "المہاجر المدنی" کے لقب سے متعارف ومشہور رہیں[3]

ترک وطن

شیخ عبداللہ سندھ سے ۹۴۷ھ میں حرمین شریفین جانے کے ارادے سے گجرات چلے گئے - اور وہاں[4] آپ کی، سندھ کے ایک جید عالم فاضل قاضی عبداللہ سے، ملاقات ہوئی - جو آپ سے پہلے وہاں جا کر مقیم ہو چکے تھے[4]

پھر دونوں فضلاء ہم سفر ہو کر حجاز تشریف لے گئے - اور ایک طویل عرصے تک مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی - اور ۹۷۰ھ میں آپ اور شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ واپس گجرات تشریف لائے - آخر عمر میں ہمیشہ کے لئے مکہ معظمہ میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے -[5]

---

۱ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۰۵ - ۲۰۶ (مولانا سید عبدالحی الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء

۲ فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۴ - ۲۳۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء - طبع اول -

۳ تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۰۱ - ۱۰۲ (مولانا دین محمد وفائی ۱۳۶۹ھ) - مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی -

۴

۵

تحصیلِ علوم و اساتذہ -

شیخ عبداللہ المتقی کی ابتدائی زندگی کے حالات و ابتدائی تعلیم کے کوائف کا کتب تراجم میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا - آپ کا تعارف سنہ ۹۴۷ھ سے شروع ہوتا ہے - جب آپ ترک وطن کرکے حجاز کے سفر پر تشریف لے گئے - اور پہلے کچھ عرصہ کے لئے گجرات میں نزول فرمایا - جہاں آپ کی ملاقات آپ کے ہم شہر و ہم وطن قاضی عبداللہ بن ابراہیم السندی الدربیلوی سے ہوئی - اور دونوں افاضلِ سندھ اکٹھے رہنے لگے[1]

ان دنوں حسنِ اتفاق سے مقتدائے زمان و محدثِ دوران شیخ علی بن حسام الدین المتقی البرہانپوری (۹۷۵ھ) بھی گجرات میں تشریف فرما تھے - اور شیخ عبداللہ المتقی کو اس شیخ وقت[2] کی مجلس میں باریابی نصیب ہوئی اور آپ کچھ عرصہ شیخ موصوف کے علم و فیض سے مستفید و مستفیض ہوتے رہے -

پھر آپ اور قاضی عبداللہ بن ابراہیم السندی ہم سفر ہوکر گجرات سے حرمین شریفین چلے گئے - اور وہاں آپ مشائخ و محدثینِ حجاز سے علوم حدیث کی تحصیل و سماعت[3] کرتے رہے اور چونکہ شیخ علامہ علی المتقی البرہانپوری بھی اسی سال (۹۴۷ھ) میں گجرات سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو شیخ عبداللہ المتقی کو وہاں بھی ان سے شرف استفادہ نصیب ہوا - اور شیخ سندھی نے خاطر خواہ طور پر ان سے حدیث کی تحصیل و تکمیل کی[3] جو شیخ سندھی کے شیوخ میں بجا طور پر قابل فخر شخصیت کے مالک شمار ہوتے ہیں - جن کی مشہور تصنیف "کنز العمال" (جو امام جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی ۹۱۱ھ کی کتاب "جمع الجوامع" کی مترتب جامع ہے) کو ان کے استاذ شیخ ابوالحسن البکری الشافعی نے دیکھ کر فرمایا "لِلسیوطی منۃ علی العٰلمین وللمتقی منۃ علیہ" یعنی امام سیوطی نے "جمع الجوامع" تالیف کرکے ساری دنیا پر احسان کیا - اور شیخ علی المتقی نے اسے احسن طریقے پر ترتیب دے کر جمع کرنے سے خود امام سیوطی پر احسان کیا -

[1] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۰۵، ۲۰۶ (مولانا سید عبدالحی الحسنی لکھنوی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء - فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول - تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۰۱ (مولانا دین محمد وفائی ۱۳۶۹ھ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ - حیدر آباد دسمبر ۱۹۷۴ء

[2] ع: فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۹۴ - ع: فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۰۱ -

[3] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۰۶، فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۵، تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۰۱-۱۰۲، ع: فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۰۲

تدریس و تحدیث اور اشاعت حدیث -

شیخ عبداللہ المتقی ایک طویل مدت (یعنی تقریباً تیس برس) مدینہ منورہ میں گزارنے کے بعد ۹۷۷ھ میں شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی کی معیت میں واپس گجرات تشریف لائے - اور کئی سال تک یہاں مقیم ہو کر درس و افادہ کا سلسلہ جاری کیا - اور صدہا علماء فضلا پیدا کئے -

مولانا سید عبدالحی الحسنی (۱۳۴۱ھ) آپ کی تحصیل حدیث اور تدریس و تحدیث کے بارے میں لکھتے ہیں، "رحل الی الگجرات وصحبہ القاضی عبداللہ بن ابراہیم السندی سنۃ سبع واربعین وتسع مائۃ ثم سافر الی الحرمین الشریفین معہ واخذ بہا عن ائمۃ العصر وعن الشیخ علی بن حسام الدین المتقی البرہانپوری وسکن بالمدینۃ مدۃ طویلۃ ثم رجع الی الھند وصحبہ الشیخ رحمۃ اللہ بن القاضی عبداللہ السندی سنۃ سبع وسبعین وتسع مائۃ واقام بگجرات زماناً وکان یدرس ویفید اخذ عنہ خلق کثیر من العلماء" ۵۱

ترجمہ:- اور سفر کیا (شیخ عبداللہ نے) گجرات کی طرف اور وہاں ان کے ساتھ قاضی عبداللہ بن ابراہیم اکٹھے رہنے لگے سنہ نو سو سینتالیس میں - پھر (قاضی عبداللہ) کے ساتھ حرمین شریفین کی طرف سفر کیا - اور وہاں حدیث کے ائمہ وقت اور شیخ علی بن حسام الدین المتقی البرہانپوری سے حدیث اخذ کی - اور مدینہ منورہ میں ایک بڑی مدت تک سکونت پذیر رہے - پھر ہندوستان واپس تشریف لائے اور ان کے ساتھ شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ ہم سفر ہوئے سنہ نو سو ستتر میں - اور ایک بڑے عرصے تک گجرات میں مقیم رہے - اور درس و افادہ کا کام کرتے رہے - اور ان سے علماء کی ایک بڑی تعداد نے اخذ علوم کیا -

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں، "پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے - اور وہاں کے علماء کرام اور صاحب کنز العمال شیخ علی متقی برہانپوری سے علم حدیث کی تحصیل کی - مدینہ منورہ میں طویل عرصہ تک مقیم رہے" ۵۲

---

۵۱ - نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۰۵ - ۲۰۶ (علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء طبع اول -

۵۲ - فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء - طبع اول -

تحصیل علوم

- یہاں الثقافۃ الاسلامیۃ ... حوالہ جات درج کئے ... رسالہ

آگے لکھتے ہیں، "مدینہ منورہ میں کئی سال کی اقامت کے بعد سنہ ۹۷۰ھ کو شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ سندھی کی معیت میں مراجعت فرمائے ہند ہوئے۔ اور کئی سال گجرات میں مقیم رہے۔ وہاں درس وافادہ میں مشغول ہو گئے۔ اس اثناء میں ان سے خلق کثیر نے استفادہ کیا۔ اور بہت سے علماء ان کے حلقۂ درس سے فارغ ہو کر نکلے"۔ [1]

مولانا رحمٰن علی آپ کی، ملکِ ہند میں مراجعت اور تدریس واشاعت حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں، "او و شیخ رحمت اللہ مدنی سندھی دو عزیز بودند از فقہائے صوفیہ از مدینہ مطہرہ بدیں دیار تشریف آوردہ افادہ علم حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم) نمودند۔۔۔ الخ" [2] ترجمہ:- وہ (شیخ عبداللہ المتقی) اور شیخ رحمت اللہ المدنی السندی دو عزیز تھے فقہائے صوفیہ سے، مدینہ مطہرہ سے اس علاقہ میں تشریف لا کر حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کا درس وافادہ کیا۔

شیخ عبداللہ کا علم و تقویٰ میں مقام۔

شیخ عبداللہ اپنے زمانے میں علم تفسیر وفن حدیث میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ کے ہم عصروں میں آپ سے بڑھ کر محدث کوئی نہ تھا۔ مولانا عبدالحی لکھتے ہیں، "الشیخ العالم المحدث عبد اللہ بن سعد اللہ المتقی السندی المہاجر الی المدینۃ لم یکن فی زمانہ اعلم منہ بالحدیث والتفسیر" [3] ترجمہ:- شیخ، عالم، محدث عبداللہ بن سعد اللہ المتقی، السندی، مہاجر مدینہ (منورہ) ان کے زمانے میں حدیث وتفسیر میں ان سے بڑھ کر عالم کوئی نہیں تھا۔

مولانا سید میر محمد معصوم البھکری لکھتے ہیں، "شیخ عبداللہ بن مولانا سعد سندی دربیلہ۔ در علم تفسیر وحدیث بے نظیر وقت خود بودہ" [4] ترجمہ:- شیخ عبداللہ بن مولانا سعد دربیلہ، تفسیر وحدیث کے علم میں اپنے وقت کے بے مثال (عالم) تھے۔

---

[1] :- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۶ء طبع اول

[2] :- تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۲ (مولانا رحمٰن علی) مطبوعہ نول کشور (ہند) سنہ ۱۹۱۴ء۔

[3] :- نزہتہ الخواطر ج ۴ ص ۲۰۵ (مولانا سید عبدالحی الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء

[4] :- تاریخ معصومی ج ۳ ص ۲۰۲ (مولانا سید میر محمد معصوم الترمذی البھکری م سنہ ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ مطبع قیمیہ بمبئی (ہند) سنہ ۱۹۳۸ء

علامہ عبدالقادر بن عبداللہ عیدروسی الحضرمی آپ کو ماہر و جامع فنون کہتے ہیں اور "علامۂ کبیر اور جید و متبحر امام" کے القاب و آداب سے متصف کرتے ہیں۔[۶]

مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے آپ کے تذکرے میں لکھا ہے، "تفسیر اور حدیث کے جلیل القدر عالم تھے۔ ان کے زمانے میں علم و فضل کے میدان میں کوئی ان کی ٹکر کا نہ تھا"۔[۱]

مولانا دین محمد وفائی لکھتے ہیں، "سمورن علمن ۾ وڏو عالم هو علم تفسير ۽ حديث ۾ پنهنجو مٽ پاڻ هو"[۲] یعنی (شیخ عبداللہ المتقی) سارے علوم میں بڑے عالم تھے۔ علم تفسیر اور حدیث میں لاجواب و بے مثال آپ تھے۔

شیخ عبداللہ المتقی جس طرح علمی فضل و کمال میں بے مثال تھے اسی طرح آپ زہد و تقویٰ میں بھی عدیم المثال تھے۔

ان کے اعلیٰ زہد و تقویٰ کے باعث لوگوں نے انہیں "المتقی" کے لقب سے ملقب کیا تھا۔ اہل علم، شیخ عبداللہ المتقی اور شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی کو جو حجاز و ہند میں ہم سفر و ہم قیام رہتے تھے (ان کی مثالی عفت و تقویٰ، علم و دین کی خدمت و اشاعت میں جانفشانی اور آپس میں رفاقت و قرابت کی بنا پر) "شیخین" کہا کرتے تھے۔[۳]

مولانا رحمٰن علی اس سلسلے میں لکھتے ہیں،[۴] "طلبہ ایں دیار ایشاں را "شیخین" می گفتند خواجہ عبدالشہید عبداللہی می فرمودند کہ ایں شیخین یاد از آں شیخین می دہند کہ ابوبکر صدیق و عمر فاروق باشند رضی اللہ تعالیٰ عنہما" ترجمہ:- اس ملک کے طلباء ان کو (شیخ عبداللہ المتقی اور شیخ رحمۃ اللہ کو) "شیخین" کہتے تھے۔ خواجہ عبدالشہید عبداللہی فرمایا کرتے تھے کہ یہ شیخین یعنی شیخ عبداللہ اور شیخ رحمۃ اللہ ان شیخین کی یاد دلاتے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

شیخ عبداللہ المتقی اپنی اعلیٰ عزیمت و تقویٰ کے باعث شاہی عطیات و امدادی رقومات سے کچھ بھی قبول نہیں کرتے تھے۔[۵]

۱:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول

۲:- تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۰۱ (مولانا دین محمد وفائی ۱۹۴۹ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی

۳:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۲۸ (بیان شیخ رحمت اللہ سندھی) تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۰۱-۱۰۲۔

۴:- تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۲ (مولانا رحمٰن علی) مطبوعہ نول کشور (ہند) سنہ ۱۹۱۴ء

۵:- تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۰۲، اخبار الاخیار ص ۲۶۹ (مولانا عبدالحق محدث دہلوی) مطبوعہ دار الاشاعت کراچی۔ ۱۹۶۳ء

۶:- النور السافر فی اخبار القرن العاشر ص ۳۰۳ (مولانا عبدالقادر بن عبداللہ عیدروسی الحضرمی) مطبوعہ مطبعۃ الفرات بغداد ۱۳۵۳ھ / سنہ ۱۹۳۴ء

تصنیف و تالیف

تدریس و تحدیث کے ساتھ ساتھ آپ نے علوم حدیث و تصوف کی، تصنیف و تالیف سے بھی اچھی خاصی خدمت کی ہے ۔ آپ کی تصانیف میں مندرجۂ ذیل کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے ۔

(۱) شرح مشکاۃ المصابیح [۱]

آپ نے اس شرح میں متعلقہ احادیث کے تحت ہر موقع پر دلائل سے مذہب حنفیت کی حقیّت و ترجیح ثابت کی ہے ۔

(۲) جمع المناسک و نفع الناسک [۲] ۔

یہ تصنیف ، مناسکِ حج پر احادیث و فقہی مسائل کا ایک مجموعہ ہے ۔ اور اسے آپ نے ۹۵۰ھ میں تصنیف کی ۔ جب کہ آپ مدینہ منورہ میں تھے ۔

(۳) حاشیہ بر "عوارف المعارف" [۳] (شیخ شہاب الدین سہروردیؒ) ۔

لیکن شیخ عبد اللہ کی ان تصانیف کا کوئی تفصیلی ترجمہ و تذکرہ دستیاب نہ ہو سکا ۔ اور نہ ان کا کہیں سے سراغ مل سکا ۔

وفات : [۴]

شیخ عبد اللہ المتقی کو آخر عمر میں دوبارہ حرمین شریفین کا شوق و شغف دامن گیر ہوا ۔ اور آپ نے ہمیشہ کے لئے سندھ و ہند کو خیر باد کہا ۔ اور مکۃ المکرمہ میں جا کر مستقل سکونت اختیار کی ۔ اور ~~تھوڑے عرصے کے بعد~~ ۹۸۴ھ ہجری میں وہاں ~~مدینہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)~~ وفات پائی [۵] ۔ اور ہمیشہ کے لئے آپ کو ارضِ مقدس و جوار بیت اللہ کا شرف نصیب ہوا ۔ آپ کی وفات ذوالحجہ کے ماہ میں واقع ہوئی ۔

اس علیٰ ... لکھنا چاہیے

[۱] :- انڈیا آفس لائبریری بہ تصحیح ... (ڈاکٹر محمد اسحاق ...) مطبوعہ ڈھاکہ ... بنگال ... ۔
[۲] } نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۰۶ (مولانا سید عبد الحی بن فخر الدین ...) مطبوعہ ... دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ... ۔
[۳] } النور السافر عن اخبار القرن العاشر ص۳۵۳ (مولانا عبد القادر بن عبد اللہ العیدروسی) مطبوعہ المکتبۃ العربیہ بغداد ، مطبعۃ الفرات بغداد ... ؛ فقہائے ہند ج۳ ص۲۳۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول ۔

[۴] :- النور السافر ص۳۵۳ ، نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۰۶ ، فقہائے ہند ج۳ ص۲۳۵ ۔
[۵] :- مولانا دین محمد وفائی نے تذکرہ مشاہیر سندھ ... میں لکھا ہے کہ شیخ عبد اللہ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ سارے مترجمین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ ان کی وفات مکہ معظمہ میں واقع ہوئی تھی ۔

مخدوم الملک شیخ عبداللہ رح

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب[1] شیخ عبداللہ بن شمس الدین الانصاری السلطان پوری السندی ہے - اور شیخ الاسلام، صدر الاسلام اور مخدوم الملک آپ کے القاب وخطاب ہیں - آپ قرن دہم کے مشائخِ کبار ومشاہیر دیارِ سندھ میں شمار ہوتے ہیں -

شیخ عبداللہ کو "انصاری" اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ قوم وقبیلہ کے لحاظ سے انصاری ہیں - ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۴ھ) لکھتے ہیں "مولانا عبداللہ سلطان پوری از قوم انصار است[2] ترجمہ :- مولانا عبداللہ سلطان پوری "انصار" کی قوم سے ہیں -

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ کا کوئی جد امجد کسی زمانے میں عرب سے سندھ میں آکر سکونت پذیر ہوا - لیکن اس بارے میں، کتب تراجم میں کوئی واضح روایت نہیں مل سکی کہ آپ کے اجداد میں سے کون اور کب یہاں آکر آباد ہوا؟

بہرصورت، سندھ میں آپ کا اصل شہر وعلاقہ ٹھٹھہ تھا، جہاں سے آپ کے باپ دادا منتقل ہو کر مشرقی پنجاب گئے - اور علاقہ جالندھر کے شہر سلطان پور میں سکونت اختیار کی اور شیخ عبداللہ وہاں پیدا ہو گئے -

مولانا بدایونی لکھتے ہیں[3] " آباء واجداد او در سلطان پور آمدہ سکونت اختیار کردہ بودند" یعنی آپ کے باپ دادا نے سلطان پور میں آکر سکونت اختیار کی تھی - لیکن بدایونی نے آپ کے وطن (سندھ) کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے - اسی طرح مولانا رحمٰن علی اور مولانا محمد غوث شطاری نے بھی آپ کے اصل وطن کا تذکرہ نہیں کیا ہے[4]

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۴ صفحہ ۲۰۶ (علامہ عبدالحی بن فخر الدین) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء
فقہائے ہند جلد ۳ صفحہ ۲۳۶ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء

[2] [3] منتخب التواریخ جلد ۳ صفحہ (مولانا عبدالقادر بن ملوک شاہ م ۱۰۰۴ھ) مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۹ء -

[4] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۲۶۳ (اردو ترجمہ) مولانا رحمٰن علی م ۱۳۲۵ھ) مترجم محمد ایوب قادری) مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء -
اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار ص ۲۹۵ (مولانا محمد غوث شطاری م) مترجم فضل احمد جیوری - مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۵ھ -

اور صمصام الدولہ شاہ نواز خان نے مآثر الامراء میں یہ لکھا ہے کہ ان کے بزرگوں نے ملتان سے سلطان پور آکر سکونت اختیار کی۔ ؎۱

اس کی توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ شاید یہ لوگ پہلے ٹھٹھہ سے ملتان گئے اور پھر ملتان سے سلطان پور پہنچے۔ اس بناء پر شاہ نواز خان نے محض ملتان کا ذکر کیا۔

لیکن علامہ عبدالحی لکھنوی الحسنی نے آپ کے اصل وطن وعلاقہ کی واضح الفاظ میں تصریح کی ہے۔ لکھتے ہیں: "الشیخ العالم الکبیر عبد اللہ بن شمس الدین الانصاری السلطانپوری المشهور بمخدوم الملک کان اصله من بلدة تته من بلاد السند انتقل جده منها الی جالندهر وولد عبد اللہ بسلطانپور من بلاد پنجاب ؎۲" ترجمہ: شیخ عالم کبیر عبد اللہ بن شمس الدین انصاری، سلطانپوری جو (خطاب) "مخدوم الملک" سے مشہور ہیں، کا اصل وطن بلاد سندھ کا شہر ٹھٹھہ تھا۔ وہاں سے ان کے دادا جالندھر چلے گئے۔ اور شیخ عبد اللہ سلطان پور میں پیدا ہو گئے۔

اسی طرح مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے بھی یہی تذکرہ کر کے آپ کو محدثین وفقہائے سندھ میں شمار کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "اصلاً علاقہ سندھ کے شہر ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے دادا ٹھٹھہ سے مشرقی پنجاب کے شہر جالندھر چلے گئے تھے۔ شیخ عبد اللہ اسی علاقے کے ایک مقام سلطان پور میں پیدا ہو گئے۔" ؎۳

بہرصورت آپ اصل وطن کے لحاظ سے سندھی، اور وطن ولادت وسکونت کے اعتبار سے سلطانپوری اور قوم وقبیلہ کے لحاظ سے انصاری کہلاتے ہیں۔

؎۱:۔ فقہائے ہند ج۳ ص۲۲۲ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء بحوالہ مآثر الامراء نواب صمصام الدولہ شاہنواز۔

؎۲:۔ نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۰۶ (علامہ عبدالحی بن فخر الدین ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۷ء

؎۳:۔ فقہائے ہند ج۳ ص۲۳۶۔

تحصیلِ علوم و اساتذہ۔

شیخ عبد اللہ بچپن ہی میں تحصیل علم و فن میں لگ گئے۔ اس زمانے میں علامہ شیخ عبد اللہ سرہندی م ۱۰۰۱ھ کی درس گاہ عروج پر تھی۔ اس کی شہرت سن کر آپ سرہند چلے گئے۔ اور علامہ موصوف سے علوم متداولہ و فنون مروجہ کی تحصیل کی۔ پھر دہلی تشریف لے گئے اور وہاں کے محدثِ وقت شیخ ابراہیم بن معین الدین الحسینی ایرجی سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔[1]

درس و افادہ۔

شیخ عبد اللہ علوم حدیث کی تحصیل و تکمیل سے فراغت پانے کے بعد واپس اپنے شہر سلطان پور آ کر تدریس و تحدیث اور تصنیف و تالیف میں مشغول و مصروف ہو گئے۔ اور خلق خدا کو علوم حدیث و قرآن اور موعظت و نصیحت سے مستفید و مستفیض کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے درس و افادہ اور علمی فضل و کمال کی عظمت و شہرت کا چرچا دنیا کے اطراف و اکناف میں پھیل گیا۔ اور علماء و فضلاء، عوام و خواص اور حکام و امراء، غرض، ہر طبقے میں آپ کو بہت بڑی عزت و قبولیت حاصل ہو گئی۔ مولانا عبد الحی لکھنوی الحسنی آپ کی تحصیل علوم اور درس و افادہ کے بارے میں لکھتے ہیں، "واشتغل بالعلم من صباہ وسافر الی سرھند فقرأ الکتب الدرسیۃ علی العلامۃ عبد اللہ السرھندی ثم دخل دھلی واخذ الحدیث عن الشیخ ابراھیم بن المعین الحسینی الایرجی ثم رجع الی بلدتہ واشتغل بالتدریس والتصنیف والتذکیر وحصل لہ القبول العظیم"[2] ترجمہ:- اور (شیخ عبد اللہ) اپنے بچپن میں حصول علم میں مشغول ہوئے۔ اور سرہند جا کر درسی کتابیں علامہ شیخ

۱۔ { نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۰۶ (علامہ عبد الحی الحسنی لکھنوی) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء
فقہائے ہند ج۳ ص۲۳۶ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء }

۲۔ نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۰۶۔

عہ۔ فقہائے ہند ج۳ ص۲۴۱۔ بحوالہ مآثر الامراء ج۳ ص۳۱۶ (نواب صمصام الدولہ شاہنواز خان)

عبداللہ سرہندی سے پڑھیں - بعد ازاں دہلی وارد ہوئے اور شیخ ابراہیم بن المعین حسینی، ایرجی سے حدیث اخذ کی - اس کے بعد واپس اپنے شہر جا کر تدریس و تصنیف اور وعظ و نصیحت میں مشغول ہو گئے - اور انہیں بہت بڑی مقبولیت حاصل ہوئی - مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے بھی آپ کے حصول علوم و تحصیل حدیث اور درس و افادہ کے بارے میں بھی تذکرہ کیا ہے - آخر میں لکھتے ہیں [1] "وسعتِ علم اور عمل و تقویٰ میں خاص شہرت کے حامل تھے - اور اس سلسلے میں ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قبولیت اور عظمت سے نوازا تھا"
آپ کے تلامذہ و رواۃ کا کوئی شمار نہیں - بے حساب لوگوں نے آپ کے حلقہ درس و چشمہ فیض سے استفادہ و استفاضہ کیا - جن میں سے مولانا شیخ اللہ داد سلطان پوری سندیلوی کا ذکر ملتا ہے - جو مشہور صاحب تدریس اور صاحب تصنیف و تالیف علامہ گذرے ہیں - انہوں نے شیخ عبداللہ سلطان پوری ہی سے سارے علوم و فنون (علم حدیث و فن شریعت وغیرہ) کی تحصیل و تکمیل کی تھی - مولانا محمد اسحاق بھٹی شیخ اللہ داد کے ترجمے میں لکھتے ہیں: "اور وہاں کے مشہور عالم دین مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری سے تحصیل علم کی [2]" - اسی طرح مولانا رحمٰن علی نے بھی شیخ اللہ داد کے تذکرہ میں لکھا ہے "موضع نبودہ توابع سندیلہ کے رہنے والے تھے، عبداللہ مخدوم الملک کے شاگرد ہوئے [3]" اسی طرح مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا عبدالقادر بدایونی نے بھی شیخ اللہ داد کی آپ سے تحصیل علوم کا ذکر کیا ہے [4] -
علاوہ ازیں، جب آپ اکبر بادشاہ کے حکم سے ہندوستان چھوڑ کر حجاز تشریف لے گئے تو تقریباً تین سال (۹۸۷ھ سے ۹۹۰ھ تک) حرمین شریفین میں قیام پذیر ہو کر تدریس و تحدیث کا سلسلہ جاری کیا - اور سدہا علماء و فضلاء اور خلق خدا نے آپ سے علوم حدیث وغیرہ کی تحصیل کی - اس طرح ہند و عجم کے علاوہ اہل عرب بھی آپ سے مستفید و مستفیض ہو گئے [5]

---

[1]: - فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۶ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع ۱
[2]: - فقہائے ہند ج ۲ ص ۱۲۴
[3]: - تذکرہ علمائے ہند ص ۱۱۷ (اردو ترجمہ) (مولانا رحمٰن علی م ۱۳۲۵ھ) مترجم محمد ایوب قادری - مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱
[4]: فقہائے ہند ج ۲ حصہ ۱ ص ۱۲۴-۱۲۵ : بحوالہ
۱- { (۱) منتخب التواریخ - ملا عبدالقادر بدایونی م ۱۰۰۴ھ
(۲) نزہۃ الخواطر - مولانا عبدالحی لکھنوی الحسنی م ۱۳۴۱ھ }
[5]: - فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۵ -

تصانیف

مخدوم الملک شیخ عبداللہ ایک جلیل القدر مصنف بھی تھے۔ آپ نے درس و تدریس اور سرکاری عہدہ و فرائض کی مصروفیات کے باوجود بھی بے شمار قابلِ قدر تصانیف چھوڑیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل کتابیں مشہور ہیں۔

(۱) کشف الغمۃ عن بصائر الامۃ

(۲) منہاج الدین۔ (سیرت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم)

(۳) عصمۃ الانبیاء۔

(۴) شرح شمائل النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۵) شرح عقیدہ حافظیہ۔

(۶) رسالہ تفضیل عقل بر علم۔

(۷) حاشیہ شرح ملا جامی۔

آپ کے ان کے علاوہ اور بھی رسالے ہیں۔ لیکن ان کا، کتب تراجم میں نام و تذکرہ ... نہ مل سکا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں[ف۱]: "ان کا تصنیفی ذوق بھی بلند تھا۔ اور وہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے، جن میں، کشف الغمہ، منہاج الدین، عصمۃ الانبیاء، شرح شمائل النبی صلے اللہ علیہ وسلم، شرح عقیدہ حافظیہ اور بہت سے رسائل شامل ہیں"

مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں[ف۲]: "وللشیخ عبد اللہ مُصَنَّفَاتٌ عَدِیْدَۃٌ مِنھا کشف الغمۃ ومنہاج الدین وعصمۃ الانبیاء وشرح العقیدۃ الحافظیۃ ورسالۃ فی تفضیل العقل علی العلم ولہ غیر ذالک من الرسائل" ترجمہ:۔ شیخ عبداللہ کی متعدد تصنیفات ہیں جن میں، کشف الغمہ .... اور رسالہ تفضیل عقل بر علم (بھی شامل ہیں) اور ان کے، ان کے علاوہ، اور رسالے بھی ہیں۔

ف۱:۔ فقہائے ہند جلد ۳ صفحہ ۲۳۸ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء، طبع اول۔

ف۲:۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ صفحہ ۲۰۸ (مولانا عبدالحی الحسنی لکھنوی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف العثمانیہ حیدر آباد دکن۔ ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء

ملا عبدالقادر بدایونی نے ان کی تالیفات میں صرف عصمۃ الانبیاء اور شرح شمائل النبی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں[1]"ازاں جملہ کتاب عصمۃ الانبیاء و شرح شمائل النبی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) مشہور است" یعنی ان کی تصنیفات میں "کتاب عصمۃ الانبیاء اور شرح شمائل النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مشہور ہیں۔ مولانا رحمٰن علی نے بھی ان کتابوں کا تذکرہ کیا ہے[2]۔

مولانا محمد غوث شطاری لکھتے ہیں، "کہ آپ کے قلم کی لکھی ہوئی تالیفات اور تعلیقات تو بہت کچھ ہیں لیکن عصمۃ الانبیاء، منہاج الدین اور رسالہ تفضیل عقل بر علم، جو عقلی اور نقلی دلائل سے استوار کیا گیا ہے۔ یہ تین کتب باتمیز..... ظریفوں کے نزدیک آپ کی جملہ تصنیفات میں زیادہ مقبول ہیں"[3]

اور نواب صمصام الدولہ شاہ نواز نے محض 'منہاج الدین یعنی "سیرت النبی" (صلے اللہ علیہ وسلم) اور حاشیہ شرح جامی کا نام لیا ہے[4]

لیکن ان متفرق بیانات میں کوئی اختلاف و تضاد نہیں بلکہ ہر ایک مترجم نے اپنے اپنے علم و معلومات کے مطابق کسی تصنیف کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اجمالی طور پر سب نے ان کی کثرت تصانیف کا بیان کیا ہے۔

ف ۱:- منتخب التواریخ ج ۳ ص ۷۰ (ملا عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی) مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۹ء

ف ۲:- تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۲۶۵ (مولانا رحمٰن علی ۱۳۲۵ھ) مترجم محمد ایوب قادری) مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۱۹۶۱ء

ف ۳:- اذکار ابرار (اردو ترجمہ گلزار ابرار) ص ۲۹۵ (مولانا محمد غوث شطاری) مترجم فضل احمد جیوری مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۵ھ۔

ف ۴:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۲۷ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء۔ بحوالہ مآثر الامراء

شیخ عبداللہ کا علمی فضل و کمال اور منصبی جاہ و جلال ۔

شیخ عبداللہ اپنے زمانے کے بہت بڑے علامہ تھے ۔ علم و فضل میں آپ کو سارے ہم عصر علماء و فضلاء پر فوقیت حاصل تھی ۔ علوم تفسیر، حدیث، فقہ، فنون اصول، تاریخ، عربی ادب و انشاء الغرض سارے عقلی و نقلی علوم و فنون میں آپ کا فضل و کمال مسلم تھا ۔

ملا عبدالقادر بدایونی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں، "از فحول علمائے زمان و یگانۂ دوران بود خصوصاً در عربیت و اصول فقہ و تاریخ و سائر نقلیات صاحب تصانیف لائقہ رائقہ است" [1] ترجمہ :- (مولانا عبداللہ) کبار علمائے زمان و یگانۂ دوران سے تھے ۔ خصوصاً عربی علوم ادب و انشاء اصول فقہ، تاریخ اور سارے علوم منقولات میں لائق و عمدہ تصانیف کے مالک ہیں ۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی آپ کے علم و فضل کے بارے میں لکھتے ہیں، "وہ علامۂ زمان اور یگانۂ دوران تھے ۔ حدیث، فقہ، اصول اور باقی علوم عربیہ اور تاریخ میں کوئی ان کا ہم سر نہ تھا ۔ تمام مروجہ نقلی اور عقلی علوم میں ماہر کامل تھے ۔" [2] اسی طرح مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی آپ کی علمی مہارت و افضلیت کی تعریف و توصیف کی ہے [3]

شیخ عبداللہ نہ صرف علمی فضل و کمال میں بے مثال تھے ۔ بلکہ انہوں نے تقوی و ریاضت تدریس علوم و ترویج شریعت میں بھی بڑا نام و مقام پیدا کیا تھا ۔

مغل بادشاہ ہمایوں بن بابر ۹۶۳ھ کا پہلا دور حکومت (۹۳۷ھ تا ۹۴۷ھ) تھا جب کہ شیخ عبداللہ کی، سلطان پور میں، درس گاہ انتہائی عروج پر تھی ۔ آپ کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ تذکیر کا سلسلہ و مشغلہ نہایت وسیع پیمانے پر جاری تھا ۔ برصغیر نہ بلکہ دنیا کے دور و دراز ملکوں تک بھی آپ کی شہرت کا آوازہ

---

[1] :- منتخب التواریخ ج ۳ ص ۷۰ (ملا عبدالقادر بدایونی) مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۹ء

[2] :- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۲۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء

[3] :- نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۰۶-۲۰۷ (علامہ عبدالحی بن فخرالدین الحسنی) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء

پھیل گیا تھا۔ مولانا محمدؒ اسحاق بھٹی لکھتے ہیں، "فارغ التحصیل ہونے کے بعد واپس اپنے شہر آگئے۔ اور تدریس و تصنیف اور تذکیر و موعظت میں مشغول ہو گئے۔ وسعت علم اور عمل و تقویٰ میں خاص شہرت کے حامل تھے۔ اور اس سلسلے میں ان کو اللہؒ نے بڑی قبولیت اور عظمت سے نوازا تھا۔" ۵۱

صمصام الدولہ شاہ نواز خان نے اپنی کتاب مآثر الامراء میں آپ کا ایک سخت تنقیدی ترجمہ لکھا ہے۔ لیکن انہیں بھی آپ کے علمی و فضل و کمال کا اعتراف ہے۔ اور آپ کی علمی مہارت اور فضیلت کی تعریف کی ہے۔ جس کا اردو ترجمہ یہ ہے، "ملا عبداللہ نے مولانا عبدالقادر سرہندی سے تحصیل علوم کی اور شرعی علوم میں ماہر کامل ہوئے۔ ان کی فضیلت کی شہرت ساری دنیا میں پھیل گئی۔ "شرح ملا جامی" پر حاشیہ لکھا، اور سیرت النبی صلے اللہ علیہ والہ وسلم میں منہاج الدین تصنیف کی۔ سلاطین وقت ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ہمایوں بادشاہ ان کی طرف بہت ہی عنان توجہ مبذول رکھتا تھا۔" ۵۲

خطاب "شیخ الاسلام"۔

بادشاہ ہمایوں، شیخ عبداللہ کے وفور علم، تدبر و فہم، علمی شہرت و فضیلت اور تدریسی و تصنیفی خدمت سے نہایت متاثر ہوئے۔ انہوں نے آپ کو پورے ہند کا "شیخ الاسلام" مقرر کر دیا۔ آپ کا یہ عہدہ و منصب ۹۴۷ھ تک (ہمایوں کے پہلے دور حکومت میں) جاری رہا۔ ۵۳

۵۱:۔ فقہائے ہند ج۳ ص۲۳۶ (مولانا محمدؒ اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔

۵۲:۔ فقہائے ہند ج۳ ص۲۴۱۔ بحوالہ مآثر الامراء ج۳ ص۳۱۵۔ صمصام الدولہ شاہنواز۔

۵۳:۔ فقہائے ہند ج۳ ص۲۳۶۔
نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۰۶-۲۰۷ (علامہ عبدالحی بن فخر الدین الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف اسلامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء

خطاب "صدر الاسلام"۔

لغزش قسمت سے ہمایوں ۹۴۷ھ ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں شیر شاہ سوری (المتوفی ۹۵۲ھ) سے شکست کھا کر تخت و تاج ہند سے محروم ہو گئے۔ اور زمام سلطنت شیر شاہ کے قبضے میں آگیا۔ تو انہوں نے شیخ عبداللہ کو مغل پروردہ سمجھتے ہوئے بھی، ان کے ذاتی جاہ و جلال اور علمی فضل کے باعث، اپنی مملکت کا "صدر الاسلام" مقرر کیا۔ ۱؎

شیر شاہ کی وفات (۹۵۲ھ) کے بعد ان کا لڑکا سلیم شاہ سوری (المتوفی ۹۶۱ھ) مملکت ہند کا مالک بنا۔ تو اس کے زمانے میں بھی شیخ عبداللہ کا منصب و اعزاز بحال رہا۔ سلیم شاہ، شیخ موصوف کی با اثر شخصیت، ذاتی کمالات اور سلطنت مغلیہ سے ان کا رابطہ و قربت ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں اس خاندان کا ایک رکن کبیر و مرد خطیر قرار دیتے اور کسی قدر ان سے خائف بھی رہتے۔ لیکن اس کے باوجود بھی شیخ موصوف کو، ملکی و مذہبی مفاد و ضرورت اور ان کی شخصی فضیلت و علمی افضلیت کے پیش نظر، ملک ہند کا عنصر اعظم سمجھتے۔ اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کیا کرتے۔ یہاں تک کہ جب شیخ صاحب شاہی دیوان میں تشریف لاتے تو سلیم شاہ انہیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھا کر قیمتی نذور و تحائف پیش کرتے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی صمصام الدولہ شاہنوز کے حوالے سے لکھتے ہیں، "جب شیر شاہ سوری بادشاہ ہوا تو اس نے اس کو صدر الاسلام کا خطاب دیا۔ کہتے ہیں، ایک دن اپنے دور حکومت میں سلیم شاہ سوری نے ملا عبداللہ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا تھا، بابر بادشاہ کے پانچ بیٹے تھے، چار چلے گئے، ایک باقی رہ گیا ہے۔ سرمست خاں نے کہا، ایسے فتنہ پرداز کو زندہ کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ جواب دیا، اس سے بہتر آدمی نہیں ملتا۔ جب ملا قریب آیا تو سلیم شاہ نے اسے تخت پر بٹھایا۔ مروارید کی تسبیح اس کو پیش کی جس کی قیمت بیس ہزار روپے تھی۔" ۲؎

۱؎:۔ فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۴۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔

۲؎:۔ ایضاً ایضاً

خطاب "مخدوم الملک"-

گردشِ زمانہ نے ۹۶۲ھ میں سوری خاندان کا ستارہ ڈبو کر مغل کا ڈوبا ہوا سورج افقِ ہند پر لگا دیا - اور ہمایوں دوبارہ تخت و تاج کا مالک بنا - تو اس نے شیخ عبداللہ کا سابقہ خطاب "شیخ الاسلام" بحال رکھتے ہوئے اپنی مملکت میں ان کا اعزاز قائم رکھا۔[1]

ہمایوں کے بعد (۹۶۳ھ میں) جب اکبر کا دورِ اقتدار آیا تو اس نے مولانا عبداللہ کا منصب و درجہ عہدۂ سابقہ سے بڑھا کر انہیں ایک نئے اور اہم خطاب و لقب "مخدوم الملک" سے سرفراز و ممتاز کیا - اور انہیں پوری سلطنت کا سب سے بڑا رکن متعین کر کے ایک لاکھ کا پرگنہ لکھ دیا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے صمصام الدولہ شاہنواز کا، اس سلسلے میں، بیان نقل کیا ہے لکھتے ہیں، "جب ہمایوں نے ہندوستان پر دوبارہ قبضہ کیا تو اس نے ملا عبداللہ کو "شیخ الاسلام" کا خطاب دیا - ہمایوں کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین اکبر سریرآرائے سلطنت ہند ہوا تو ملا عبداللہ کو مخدوم الملک کا خطاب ملا - بیرام خان نے ایک لاکھ روپے کی آمدنی کا پرگنہ تانک والا اس کو دے کر اس کا مرتبہ تمام امراو اکابر سے بڑھا دیا اور اس کو سلطنتِ ہند کا بڑا رکن بنا دیا"۔[2]

علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں کہ "ولما رجع همايون شاه من ايران وجلس على سرير الملك مرة ثانية لقبه بشيخ الاسلام ولقبه اكبرشاه بمخدوم الملك وجعل وظيفته مائة الف دام"

ترجمہ:- جب ہمایوں شاہ ایران سے واپس لوٹے اور دوسری بار تخت سلطنت پر بیٹھے تو انہیں شیخ الاسلام لقب دیا - اور اکبر بادشاہ نے انہیں مخدوم الملک کا لقب عطا کیا - اور ان کا وظیفہ (تنخواہ) ایک لاکھ مقرر کر دیا۔

---

۱ :- }
۲ :- } فقہائے ہند ج۳ ص۲۴۴ (مولانا محمد اسحاق) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء

۳ :- نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۰۷ (علامہ عبدالحی لکھنوی الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء۔

مخدوم الملکؒ کا انجام و شہادت -

اکبر جب تک اسلام کا پیرو کار تھا تو علمائے دین کا بے حد قدر دان اور ان کی پند و نصائح کا مطیع و تابع فرمان تھا - بالخصوص صدر الصدور شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک شیخ عبداللہ (صاحب ترجمہ) کے احکام و فرامین کی بے حد اطاعت و پیروی کرتا تھا - شیخ عبداللہ کو "مخدوم الملک" کا خطاب اسی نے، ان کا درجہ بڑھا کر عطا کر دیا تھا[1] - اور ایک لاکھ دام وظیفہ مقرر کیا - اور پورے بیس اکیس سال تک شیخ صاحب کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتا رہا -

لیکن جب[2] دربار میں ملا مبارک اور اس کے بیٹوں (ابوالفضل اور فیضی) کا عمل دخل شروع ہوا - اور اکبر کا رخ اسلام سے پھر گیا - تو علمائے اسلام کے اکرام و احترام کا آفتاب بھی غروب ہونے لگا -

اکبر کو اپنی بے دینی کے دوران حبس قدر، دو شخصیتوں "مخدوم الملک شیخ عبداللہ اور صدر الصدور شیخ عبدالنبی" سے خوف و خطرہ رہتا اور کسی عالم سے نہیں تھا - کیونکہ یہ دونوں مشائخ تحفظ دین اور تنفیذ و ترویج شرع متین میں شدید اور بے حد حریص تھے - وہ امور دین کے معاملات میں کسی شاہ و گدا یا عالم و جاہل کو معاف نہیں کرتے تھے - اور بلا امتیاز حکومت و اقتدار اور نسل و نسب ہر شخص کو احکام شرع کی خلاف ورزی میں فوراً ٹوک دیتے[3] -

صدر الصدور نے خود اکبر بادشاہ کو اس کے جشن سال گرہ کے دن اس کے خلاف شرع لباس پر نہایت سختی سے ٹوکا تھا[4] -

---

ف۱ :- فقہائے ہند ج۳ ص۲۳۴ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء - طبع اول -

ف۲ :- فقہائے ہند ج۳ ص۲۳۷ -

ف۳ :- ایضاً - ص۲۳۸ - ف۴ :- مقدمہ فقہائے ہند ج۴ حصہ۱ ص۱۷ - بحوالہ :- ذخیرۃ الخوانین - (مولانا شیخ فرید بھکری) -

مخدوم الملک شیخ عبداللہ کے بارے میں، مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں،
"اہل بدعت اور اہل ہوا کے شدید مخالفت تھے۔ اور ان سے متعلق برملا اظہار عداوت کرتے تھے۔ دین کی ترویج اور شریعت کی تنفیذ میں ہر آن کوشاں رہتے اور اس سلسلے میں کسی سے کوئی رعایت نہ برتتے۔" [1]

آپ کی، امور دین میں، شدت کو دیکھ کر بعض مترجمین نے آپ کو متعصب شمار کیا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں، "در ترویج شریعت غرا ہمیشہ سعی بلیغ می نمود۔ و سنی متعصب بود۔ خیلے از ملاحدہ و روافض بسعی او بجائے کہ جہات ایشان آمادہ ساختہ بودند رفتند۔ و از نہایت غلو دفتر ثالث روضۃ الاحباب را می گفت کہ از امیر جمال الدین محدث نیست" [2] ترجمہ:- شریعت غرا کی ترویج میں ہمیشہ بڑی کوشش کرتے تھے۔ اور ایک متعصب سنی تھے۔ بہت سے ملحدین اور شیعے ان کی کوششوں سے ان علاقوں میں چلے گئے جو ان کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ اور انتہائی غلو کے باعث روضۃ الاحباب کے تیسرے دفتر کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ امیر جمال الدین محدث کی تصنیف نہیں ہے چنانچہ اس کتاب کے سلسلے میں آپ کی، ملا عبدالقادر بدایونی سے، کافی بحث و تکرار بھی رہی۔ اور اس کے قابل اعتراض مقامات پر آپ نے حاشیے بھی لکھ دیئے تھے [3]

اسی طرح مولانا رحمٰن علی نے بھی لکھا ہے کہ آپ تنفیذ شریعت و احکام اسلام کی اشاعت میں بے حد کوشش کرتے تھے۔ اور مذہب اہل سنت میں نہایت سخت گیر تھے۔ [4]

اس لئے اکبر نے، اپنے الحاد و غلط ارادوں کی تکمیل کے معاملے میں ان کی مخالفت و سخت گیری سے بچنے کی خاطر انہیں (مخدوم الملک اور صدر الصدور کو) پہلے ۹۸۷ھ [5] میں ہجرت حرمین پر مجبور کیا۔ چنانچہ یہ دونوں مشائخ حجاز تشریف لے گئے اور ۹۹۰/۹۹۱ھ تک حرمین شریفین میں رہے۔

۱:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول

۲:- منتخب التواریخ ج ۳ ص ۷۱ (ملا عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی) مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۹ء۔

۳:- منتخب التواریخ ج ۳ ص ۷۱، فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۹۔

۴:- تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۵ (مولانا رحمٰن علی م ۱۳۲۷ھ) اردو ترجمہ (مترجم ابوالبرکات قادری) مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱

۵:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۴۳۔

مخدوم الملک چونکہ ایک عظیم شخصیت اور صاحب فہم و فراست علامہ تھے۔ آپ کے علم و فضل اور دانش و عقل کی تعریف و توصیف اطراف و اکناف عالم میں پھیل چکی تھی۔ اس لئے جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو مفتی مکہ شیخ شہاب الدین علامہ احمد بن الحجر المکی اور اکابر علماء و مشائخ مکہ آپ کے استقبال کے لئے آئے اور آپ کی تشریف آوری پر بے حد مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اسے اہل حجاز کے لئے باعث سعادت قرار دیا۔ اور آپ کی انتہائی تعظیم و تکریم کی۔ یہاں تک کہ بیت اللہ شریف کا دروازہ بھی آپ کی خاطر کھولا جب کہ حج کا موسم بھی نہ تھا۔[1]

مخدوم الملک کافی عرصہ (۹۸۷ھ سے ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ تک) مکۃ المکرمہ میں رہ کر وہاں کے علماء و طلباء اور عوام و خواص کو تدریس و تحدیث سے مستفید و مستفیض کرتے رہے۔[2] یہاں اکبر کے بھائی میرزا محمد حکیم نے اکبر کے خلاف بغاوت شروع کی۔ اور مخدوم الملک کو جب اس شورش کی خبر پہنچی تو انہوں نے یہ سمجھا کہ ہندوستان میں ضرور کوئی انقلاب آیا ہوگا۔ اس لئے وہ ہندوستان واپس آئے۔ لیکن یہاں کوئی کامیاب انقلاب رونما نہیں ہو چکا تھا۔ لھذا وہ گجرات (احمد آباد) میں مقیم ہو کر اکبر کی مخالفت میں سرگرم عمل رہے۔[3] کیونکہ اب اکبر کا الحاد نبوت و الوہیت تک پہنچ چکا تھا۔ اور مخدوم الملک کے لئے، یہ ایک انتہائی ناقابل برداشت امر تھا۔ جب اکبر کو یہ معلوم ہوا[4] تو اس نے انہیں اپنے راستے سے ہٹانے کی خاطر کھانے میں زہر دلا کر مروا ڈالا۔ ان کی شہادت ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں واقع ہوئی۔ اور ان کی لاش کو لوگوں نے خفیہ طور پر جالندھر میں لا کر دفن کر دیا۔ لیکن صمصام الدولہ اور مولانا محمد اسحاق بھٹی نے ایک یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ مخدوم الملک بادشاہ کے خوف سے خود مرا[5]۔ لیکن یہ خلافِ قیاس اور خلافِ واقعات و حالات ہے

---

[1]:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء، طبع اول۔
[2]:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۷۔
[3]:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۵۔
[4]:- ایضاً ایضاً
[5]:- ایضاً ایضاً و ص ۲۳۴

اکبر کا خلل

کیونکہ اگر مخدوم الملک اس طرح کے بزدل ہوتے تو سرے سے اکبر کی مخالفت ہی نہ کرتے بلکہ دوسرے مدح خوان حواریوں کے ساتھ ہم نوا ہو کر بادشاہ کا مزید قرب واعتماد حاصل کر لیتے۔ اور مزید انعام واکرام کے حقدار اور اعلےٰ منصب ومقام کے مالک بنتے۔ لیکن انہوں نے دین کی حمایت وتحفظ کی خاطر اکبر بادشاہ کی ناراضی مول لیتے ہوئے اپنے عہدہ، وطن اور مال املاک وغیرہ سب کچھ کی قربانی دیدی۔ یہاں تک کہ جان دینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اسی بناء پر علامہ عبدالحی الحسنی نے زہر والی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے محض اسی کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں، "توفی بارض گجرات مسموماً سموہ بامر اکبر شاہ کما صرح بہ الخوافی فی مآثر الامراء وکان ذالک سنۃ تسعین او احدی وتسعین وتسعمائۃ" [1]

ترجمہ:۔ (مخدوم الملک) گجرات میں زہر کھلائے ہوئے حال میں وفات پاگئے انہیں (لوگوں نے) اکبر بادشاہ کے حکم سے زہر کھلایا تھا۔ اور یہ (حادثہ)..... سنہ نو سو نوے یا اکیانوے میں واقع ہوا تھا۔

چونکہ اکبر کی، مخدوم الملک سے، شدید مخالفت وعداوت تھی اس لئے اس نے مخدوم الملک کی وفات کے بعد ان کے مال وملکیت کی تلاشی وضبطی کا حکم دیدیا۔ وہ بہت بڑے سرمایہ دار تھے۔ ان کے گھر سے تین کروڑ روپے نقد اور بہت کچھ خزینہ ودفینہ اور سونے کی اینٹیں وغیرہ برآمد ہوا۔ [2]

---

[1]:۔ نزہتہ الخواطر ج۴ ص۲۰۸ (علامہ عبدالحی بن فخرالدین) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۵ء

[2]:۔ فقہائے ہند ج۳ ص۲۴۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء بحوالہ مآثر الامراء ج۳ ص۲۵۷۔ نواب صمصام الدولہ شاہنواز خان۔

مخدوم الملک کے خلاف الزامات اور ان کی تحقیق۔

بعض مترجمین مثلاً۔ ملا عبد القادر بدایونی اور صمصام الدولہ وغیرہ نے مخدوم الملک عبد اللہ سلطان پوری پر بہت حملہ کیا ہے۔ وہ انہیں متعصب، ظالم، حاسد، کینہ پرور اور علماء کا دشمن وغیرہ وغیرہ ذمائم اخلاق سے متصف کرتے ہیں[1]۔ انہوں نے شیخ موصوف پر متعدد الزامات عائد کرتے ہوئے انہیں طعن و تشنیع کا ہدف ٹھہرایا ہے۔ مثلاً:-

لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے تعصب و عناد سے بادشاہ ہند سلیم شاہ سوری کو شیخ علائی کے خلاف ابھار ابھار کر اسے قتل کرنے کا جواز حاصل کیا تھا۔ اور اسے بے دردی سے قتل کر کے اپنی بے رحمی و سنگدلی کا مظاہرہ کیا[2]۔

اسی طرح سے انہوں نے بادشاہِ موصوف کو شیخ عبد اللہ نیازی کے خلاف بار بار اکسا کر اسے ان کے ہاتھوں شدید سزا دلوائی ہے[3]۔

ملا عبد القادر لکھتے ہیں کہ ملا سلطان پوری نے شیخ داؤد جہنی وال کو بھی بے حد پریشان کیا تھا۔ انہوں نے سلیم شاہ کو شیخ کے خلاف یہ شکایت پیش کی کہ ان کے مرید ذکر کرتے وقت اپنے پیر کے نام (یا داؤدُ! یا داؤدُ!) کا ورد کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ موصوف کو بے جا زحمت دے کر لاہور سے دار الخلافہ گوالیار طلب کیا گیا جب کہ ان پر کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا[4]۔

دوسرے یہ کہ انہوں نے یہ فتویٰ دیا تھا (ملا عبد اللہ سلطان پوری نے) کہ اس دور میں حج کی فرضیت ساقط ہو چکی ہے[5]۔

---

[1] فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۴۲ تا ۲۴۸ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۶ء طبع اول۔
[2] منتخب التواریخ ص ۱۰۸ تا ۱۰۹ (ملا عبد القادر بدایونی) مطبوعہ نول کشور لکھنو۔ سنہ ۱۲۸۳ھ۔
[3] مآثر الامراء ج ۳ ص ۲۵۳ تا ۲۵۷ (نواب صمصام الدولہ شاہنواز خان) مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ ۱۸۹۱ء۔

[4]:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۴۹ تا ۲۵۰ - بحوالہ منتخب التواریخ - ملا عبد القادر -

[5]:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۴۶ - بحوالہ منتخب التواریخ -

مزید براں یہ کہ بادشاہ اکبر کی، اسلام سے برگشتگی اور علمائے دین سے بدظنی
اور ان کے تنزل کا سبب مخدوم الملک اور صدر الصدور شیخ عبدالنبی تھے [51]
علاوہ ازیں مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی بڑے زور و شور سے یہ الزام
لوٹتی انہی دونوں مشائخ پر عائد کرتے ہوئے انہیں علمائے سوء قرار دیا ہے
اور اس سلسلے میں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح کی عبارت، "ہر
فتورے کہ دریں زمان در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ از شوی علمائے سوء
است کہ فی الحقیقت شرار مردم ولصوص دین اند" کو ان پر چسپاں کرنے کی کوشش
کی ہے۔ [52]

لیکن حقیقت میں ان سارے اعتراضات کی کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ
زیادہ گوئی اور بے جا الزام تراشیاں ہیں۔

مثلاً، شیخ علائی اور شیخ عبداللہ نیازی کے قتل و سزا کے بارے میں اصل
معاملہ کا صحیح مدار اس بات پر ہے کہ چونکہ شیخ عبداللہ سلطان پوری مملکتِ
ہند کے، حکومت کی جانب سے "شیخ الاسلام و صدر الاسلام" تھے اور ان پر تحفظِ
دین و اشاعتِ اسلام کے فرائض و ذمہ داریاں عائد تھیں۔ اور اس زمانے میں شیخ
علائی اور شیخ عبداللہ نیازی فرقہ مہدویت کے سربراہ و مشائخ تھے۔ اور سید محمد
جون پوری (م ۹۱۰ھ) کو مہدی آخر الزمان مانتے تھے [53]۔ اور یہ عقیدہ، عقائد اسلام کے
صریحاً خلاف اور ان احادیث کی، ایک قسم کی، تکذیب و تحریف ہے، جو مہدی آخر
الزمان کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے ان احادیث کو جمع کرکے ایک کتاب تالیف کی
اور اس کا نام "عرف الوردی فی اخبار المہدی" [54] رکھا۔ جس سے اصلی مہدی آخر الزمان
کی صحیح شناخت اور مصنوعی مہدیوں کی تکذیب و تردید ہو جاتی ہے۔ اس طرح آپ نے

51:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۵۳، ص ۲۷۸ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء، طبع اول۔
52:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۵۳، ص ۲۷۸۔ 53:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۴۲۔
54:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۰۳۔

اس سلسلے میں ایک اور کتاب "عقد الدرر فی اخبار المہدی المنتظر" تالیف کی۔[1]

پھر شیخ علی المتقی (م ۹۷۵ھ) نے جون پوری کے معتقدین کو اس باطل عقیدہ سے روکنے اور انہیں راہ حق دکھانے کی خاطر امام سیوطیؒ کی کتاب "عرف الوردی" کو باقاعدہ ابواب و تراجم میں ترتیب دے کر امام موصوف کی "جمع الجوامع" اور "عقد الدرر فی اخبار المہدی المنتظر" سے بھی بہت سی احادیث اس میں شامل کیں۔ اور اس کا نام "تلخیص البیان فی علامات مہدی آخر الزمان" رکھا۔ جو ایک مقدمہ اور تیرہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اور ابواب ہیں مندرجہ ذیل عنوانات سے متعلق احادیث ترتیب دی دی گئی ہیں۔

(۱) کرامات مہدیؑ۔ (۲) آپؑ کا سلسلہ نسب۔ (۳) حلیہ (۴) ظہور مہدیؑ سے قبل کے حالات (۵) علامات مہدیؑ (۶) بیعت کا طریقہ۔ (۷) معاونین مہدیؑ۔ (۸) فتوحات مہدیؑ۔ (۹) حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے حضرت مہدی (علیہ السلام) کی ملاقات۔ (۱۰) آپؑ کے قیام کی مدت (۱۱) مدعیان (۱۲) مدعیان مہدویت کا ذکر۔ اور (۱۳) مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے علماء کا فتویٰ، یعنی ان مشائخ کا یہ فتویٰ ہے کہ شیخ جون پوری کا دعوی مہدویت باطل ہے۔ وہ ہرگز مہدی موعود نہیں ہو سکتا۔ اور فاضل مولف شیخ علی المتقی نے کتاب کے مقدمہ میں واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ سید محمد جون پوری مہدی نہ تھے۔[2]

چونکہ سید محمد جون پوری ایک اعلیٰ درجہ کے ذہین و فطین علامہ اور فاضل و فصیح البیان مقرر تھے اور ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھے[3]۔ اس لئے بعض سادہ لوح علماء و امراء اور عامی لوگ اس کے دام عقیدت میں پھنس کر اس کے مرید ہو گئے۔ اور بعض علما نے اس کے عقیدے کی مخالفت تو کی لیکن اس کے زہد و تقویٰ اور اپنے حسن ظن کی وجہ سے اس کے خلاف شدید لب و لہجہ

---

[1] :- فقہائے ہند ج۳ ص۳۰۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ طبع اول ۱۹۷۶ء۔

[2] :- فقہائے ہند ج۳ ص۳۰۳-۳۰۴۔

[3] :- فقہائے ہند ج۳ ص۳۲۹ (بیان سید محمد جون پوری)۔

استعمال نہیں کیا۔ بعض نے تو واضح الفاظ میں کہا کہ وہ مبتدع ہیں۔ اور ایک جدید مذہب رائج کرنا چاہتے ہیں۔ بعض نے انہیں صاحب کشف وکرامت ولی اللہ سمجھا۔ بعض نے عابد وزاہد عارف باللہ کہا۔ اور بعض نے صادق ونیک اور سچی نیت والا شخص قرار دیا۔ لیکن یہ سب اس بات پر تو متفق الرائے ہیں کہ وہ دعوائے مہدویت میں غلطی پر ہیں۔ [51]

جون پوری کے مخالفین میں بڑے بڑے مشائخ ومحدثین، جیسے شیخ علی المتقی (م ۹۷۵ھ) شیخ احمد بن الحجر المکی (م ۹۷۳ھ)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) اور شیخ اسد المکی وغیرہ مذکور ہیں۔ [52]

حضرت شاہ ولی اللہ [53] اور شاہ عبدالعزیز [54] انہیں عالم حق اور واصل باللہ مانتے ہوئے بھی کہتے ہیں کہ اس دعوئی میں ان سے لغزش ہوئی تھی۔ [53]

البتہ مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے، "میرا خیال یہ ہے کہ سید محمد جون پوری اپنے دعوی میں سچے تھے کہ وہ مہدی ہیں۔ اور ملک کی جو حالت اس وقت ہو رہی تھی، وہ یقیناً ایک مہدی کے ظہور کی مقتضی ومنتظر تھی" لیکن مولانا آزاد بھی انہیں مہدی آخرالزمان نہیں مانتے۔ وہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں، "البتہ غلطی یہ ہوئی کہ لفظ "مہدی" کو انہوں نے "مہدی آخرالزمان" سمجھا"۔ [54]

حقیقت میں یہی غلطی اس ماجرے کی بنیاد ہے۔ اور مخدوم الملک بھی اسی وجہ سے مہدویوں کے خلاف سخت اقدام کئے۔ کیونکہ وہ خود اور ان کے مرید ومتعلقین انہیں "مہدی آخرالزمان" قرار دیتے تھے۔ اور پورے قصد وعزم کے ساتھ بڑے جوش وخروش سے یہ تحریک چلا رہے تھے۔

چنانچہ مہدویوں نے انہیں اس کا صحیح مصداق ٹھہرانے کی خاطر ان کے والدین کے اصلی نام "سید خان اور بی بی آغا ملک" کو تبدیل کرکے "عبداللہ اور آمنہ" رکھا۔ کیونکہ مہدی آخرالزمان کے والدین کا نام "عبداللہ اور آمنہ" ہے۔ (مولانا محمد اسحاق نے "سید خان" کی جگہ ان کے والد کا نام "یوسف" لکھا ہے) [56]

اسی طرح سے شیخ جون پوری، جب حرم پاک پہنچے تو انہیں یہ روایت یاد آئی کہ لوگ مہدی موعود کی رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان بیعت کریں گے، تو وہ بھی، اپنے آپ کو اس کا مصداق ثابت کرنے کی خاطر وہاں جاکر اپنی بیعت کے لئے پکار اٹھے "مَنْ اتبعني فهو مؤمن" [57] جس نے

51:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۵۲ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء، طبع اول۔
52:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۵۵ — 53:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۵۶ — 54:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۵۳۔
55:- تذکرہ علمائے ہند ص ۴۴۲ (اردو ترجمہ) (مولانا رحمٰن علی) مترجم محمد ایوب قادری) مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء طبع اول
56:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۴۸۔
57:- تذکرہ علمائے ہند ص ۴۲۶ (اردو ترجمہ)

میرا اتباع کیا پس وہ مومن ہے (یعنی جس نے اتباع نہیں کیا وہ مومن نہیں) ان کے اعلان پر صرف دو شخصوں "میاں نظام اور قاضی علاء الدین" نے ان کی بیعت کی[51] جو پہلے سے ان کے مرید تھے۔

شیخ محمد جون پوری نے متعدد بار پورے جوش و خروش کے ساتھ مہدویت کا دعویٰ کیا۔ آخری بار ۹۰۵ھ میں بدلی کے مقام پر اس کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ جو کوئی میری مہدویت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ اور کہا کہ مجھے براہِ راست اللہ تعالےٰ سے احکام موصول ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے علم اولین و آخرین، قرآن کے معانی کا بیان اور ایمان کے خزانوں کی کنجی تم کو دی ہے۔ تیرا قبول کرنے والا میرا، اور تیرا منکر کافر ہے۔[52]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے متبعین (جو تقریباً آٹھ سو تھے) کے علاوہ سارے مسلمانوں کو کافر ٹھہراتے تھے۔ اس لئے علماء و مشائخ وقت نے ان کے غلط عقیدے کی سخت مخالفت و تردید کی۔ اور کئی مقامات میں ان سے مقابلہ و مناظرہ کرتے ہوئے ان کے اخراج کے فتوے صادر کئے۔ چنانچہ مختلف علاقوں[53] مثلاً گجرات (احمد آباد) بدلی اور سندھ وغیرہ کے حکمرانوں نے علماء کے کہنے پر انہیں اپنے اپنے علاقوں سے خارج کر دیا۔ حاکمِ سندھ نے تو انہیں متبعین و مصاحبین سمیت قتل کرنے کا حکم جاری کیا تھا۔ لیکن چند امراء اور درباریوں نے کوشش و سفارش کر کے بڑی مشکل سے انہیں قتل سے بچا لیا۔[54] آخر الامر وہ برصغیر سے مایوس ہو کر اپنے مرید و حواریوں کے ساتھ افغانستان چلے گئے لیکن وہاں بھی علمائے اسلام نے نہایت شد و مد سے ان کی مخالفت کی۔ آخر کار انہیں شہر فراہ میں آگے جانے سے روک دیا گیا۔ یہاں تک کہ نو ماہ کے بعد وہاں ۹۱۰ھ[55] میں وفات پائی۔ ان کے بعض مرید انہیں پیغمبر بلکہ سب پیغمبروں کا افضل ترین مانتے ہیں۔[56]

ان کے ایک مرید الٰہ داد بن جنید نے ان کا جو مرثیہ کہا ہے اس کا ایک شعر حسب ذیل ہے[57]

؎ فضلش کہ بر جمیع پیمبر شد از خدا ۔ باد ابروز حشر شفاعت گر از خدا ۔ (نعوذ باللہ، نقل کفر کفر نباشد)

۵۱:- تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص۴۴۶ (مولانا محمد ایوب قادری) مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی طبع اول ۱۹۶۱ء

۵۲، ۵۳:- تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص۴۴۷۔

۵۴، ۵۵، ۵۶:- تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص۴۴۸۔

چونکہ شیخ عبداللہ نیازی اور شیخ علائی اسی فرقہ (مہدویت) کے سربراہ و مبلغین تھے - اور ۱۲ عبداللہ سلطان پوری کا بحیثیت شیخ الاسلام و صدر الاسلام، یہ فرض تھا کہ ایسے گروہ اور افراد کا روک تھام کرلیں - اس لیے جو سزا انہوں نے شیخ علائی اور شیخ عبداللہ نیازی کو دی وہ صحیح اور نہایت ضروری تھی - اور اسے سلطان پوری کا ضد و حسد یا ظلم و ستم تصور کرنا سراسر ظلم و ناانصافی ہوگی - البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ تحفظ دین و اجراء شرع متین میں بہت سخت اور سخت گیر تھے - اور ایسی سختی اس دور میں جب کہ اسلام کو ہر طرف سے خطرات درپیش تھے، بہت ضروری اور لازمی تھی - مولانا محمدؒ اکرام لکھتے ہیں، "واقعہ یہ ہے کہ مہدویت کی مقبولیت، شیعیت کی اشاعت، شطاری اور دوسرے آزاد صوفیانہ طریقوں کی ترویج سے ملک میں جو روحانی انتشار رونما تھا اس کے سدباب میں مخدوم الملک کی محتسبانہ کوششیں، شیخ مبارک کی علمیت و آزاد خیالی، اور شیخ علائی کی نیک نفسی اور خلوص سے زیادہ مفید تھیں" [۱]

شیخ سلطان پوری سے اکبر کی ناراضگی و تعصب اور غرض گو علماء کے ان پر الزامات و عیب گیری، محض ان کی دینی پاسبانی، شعائر اسلام کی کڑی نگرانی اور اسلام دشمن عناصر و مجرموں پر گرفت و عقوبت، کے باعث تھی، ورنہ ان کا اور کوئی قابل مواخذہ جرم و قصور ثابت نہیں - مولانا محمدؒ اکرام لکھتے ہیں، "لیکن اکبر کی علماء سے اختلاف کی وجہ فقط ان کی کوتاہیاں اور قابل اعتراض باتیں نہ تھیں - بلکہ ان کی خوبیاں اور ترویج شرع کی کوششیں بھی وجہ مخاصمت ہوگئیں" [۲]

مولانا اکرام صاحب آگے لکھتے ہیں، "مخدوم الملک میں شخصی کمزوریاں زیادہ تھیں، لیکن ان کی جس چیز کی شکایت کی جاتی ہے - یعنی شدت احتساب - وہ بھی شرعی نقطہ نظر سے خوبی ہے، برائی نہیں" [۳]

۱: - فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۵۵ (مولانا محمدؒ اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع ۱ بحوالہ رود کوثر - مولانا محمد اکرام -

۲ ، ۳ } ۱- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۵۴، ص ۲۵۵ بحوالہ رود کوثر مولانا محمد اکرام -

اسی طرح شیخ داؤد جہنی کا معاملہ بھی کسی ذاتی تعصب وحسد یا مشائخ سے عداوت وعناد کی وجہ سے نہیں بنایا گیا تھا - بلکہ شرعی تقاضا کے تحت یہ تحقیقات کی گئی تھی - چنانچہ جب شیخ موصوف نے خود آکر بات کی وضاحت کی کہ میرے مرید وظیفہ کرتے وقت "یا داؤد" ! یا وَدُوْدُ" کہا کرتے ہیں - شاید سماع میں کچھ مغالطہ واقع ہوا ہے - تو مخدوم الملک نے حقیقت حال سے واقف ہو کر شیخ کی بے حد تعظیم و تکریم کی - اور بادشاہ سلیم شاہ سے خود ان کی تعریف و توصیف میں کہا - "ازیں روئے دروغ نیاید" یعنی اس چہرے سے جھوٹ نہیں آتا - اور شیخ کو نہایت اکرام واحترام کے ساتھ رخصت کیا گیا - [1]

الغرض ملا عبداللہ سلطان پوری کے اقدام ہمہ تن شرع محمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ واجراء کے رستے پر اٹھتے ہوئے نظر آرہے ہیں - اور انہیں اسلام دشمن عناصر کی شناخت و پیش بینی میں خاص ملکہ حاصل تھا - اور وہ ان کے کردار پر سخت چوکس رہتے تھے - جب انہوں نے ابو الفضل کو دیکھا تھا تو کہا تھا کہ اس شخص سے دین میں کیا کیا فتنے واقع ہونگے ! ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں " در اوائل عہد کہ شیخ ابو الفضل را مے دید بتلامذہ خویش مے گفت کہ چہ خلل کہ در دین ازیں نخیزد - [2] یعنی وہ (ملا عبداللہ سلطان پوری) اوائل وقت سے جب شیخ ابو الفضل کو دیکھتے تھے تو اپنے طلباء سے کہا کرتے تھے کہ کس قدر خلل دین میں اس سے اٹھیگا ! چنانچہ واقعی ابو الفضل اور اس کے خاندان کے ہاتھوں ہندوستان میں اسلام کی بنیادیں ہل گئیں - جس کا بیان اکبر کے حالات کے تحت وضاحت سے پیش کیا جائیگا

مولانا محمد اکرام لکھتے ہیں، " انہوں نے (بقول بدایونی) شیخ ابو الفضل کی نسبت جو یہ کہا تھا کہ پتا نہیں، اس شخص سے دین میں کیا کیا فتنے برپا ہوں گے ! اسے بھی واقعات نے درست ثابت کیا - اور شیخ مبارک کی راسخ الاعتقادی کی نسبت

---

[1] :- فقہائے ہند ج ۳ صفحہ ۲۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء

[2] :- منتخب التواریخ ج ۳ ص ۷۲ (ملا عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی م ۱۰۰۴ھ) مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۹ء - فقہائے ہند ج ۳ صفحہ ۲۴ -

انہیں جو شبہے تھے وہ بھی بے جا نہ تھے۔ شیعوں کے متعلق ان کا جو نقطۂ نظر تھا، وہی حضرت مجدد الف ثانی کا تھا"۔[1]

لیکن چونکہ مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی صدر الصدور اس دور کے مشاہیر علماء و مشائخ کبار اور اعلےٰ اقتدار کے مالک تھے اس لئے بہت سے دست برس علماء ذاتی حسد و عناد یا اپنے مقاصد و اغراض کی وجہ سے ان سے شاکی و ناراض رہتے تھے۔ مثلاً ملا عبد القادر بدایونی۔ ملا مبارک ناگوری اور ابو الفضل وغیرہ اس بناء پر ملا عبد القادر نے عہد اکبری کی مذہبی تباہ کاریوں کی تمام تر ذمہ داریاں انہی بزرگوں پر عائد کی ہیں۔ پھر جن مورخین نے منتخب التواریخ کو سامنے رکھ کر کچھ لکھا ہے انہوں نے بھی وہی کچھ لکھا ہے جو اس میں ملا ہے۔[2]

مولانا ابو الکلام آزاد نے بدایونی کے بیانات سے متاثر ہو کر انہی مشائخ کو نشانہ ملامت ٹھہرایا ہے۔ اور ان کو، امام ربانی مجدد الف ثانی کے قول "ہر فتورے کہ دریں زمان در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ از شومئ علمائے سوء ہست کہ فی الحقیقت شرار مردم و لصوص دین اند"، کا مصداق قرار دے کر انہیں علمائے سوء میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ امام ربانی نے خود انہیں ہرگز علمائے سوء سے نامزد نہیں کیا ہے۔ اور نہ ان کے بیان میں ان کی طرف کوئی اشارہ ملتا ہے۔

مولانا محمد اکرام نے تفصیل سے ابو الکلام کے بیانات تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے "اور ان دو بزرگوں کو اس بیان کا مصداق قرار دیا ہے۔ (یعنی امام ربانی کے بیان کا) اور اب یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ "علمائے سوء" سے مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی مراد ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس کی وضاحت نہیں کی۔ لیکن

---

[1] فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۵۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء
[2] بحوالہ رود کوثر ص ۹۸ (مولانا محمد اکرام) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۵ء۔

اِس معاملے میں مولانا محمد ناظم ندوی کی رائے ہمیں زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ جنہوں نے "تعلیمات مجددیہ" کے پیش لفظ میں "علمائے سوء" سے مبارک ناگوری کے دونوں ذہین و طباع بیٹے ابوالفضل اور فیضی اور تاج الدین دہلوی "مراد لیئے ہیں شاید ان کے علاوہ قاضی خان بدخشی کی طرف بھی اشارہ ہو جنہوں نے بادشاہ کے لیئے سجدۂ تحیت جائز قرار دیا۔" [1]

مولانا موصوف آگے لکھتے ہیں، "بدایونی کے علاوہ عہد مغلیہ میں علماء کے جتنے تذکرے لکھے گئے اور جن کا ماخذ منتخب التواریخ نہیں ان میں بالعموم شیخ عبد النبی اور مخدوم الملک کی تعریف کی گئی ہے۔" [2]

مولانا موصوف (محمد اکرام) ایک اور مقام میں لکھتے ہیں، "دوسرے معاصرانہ تذکروں میں بھی (مثلاً مرأۃ العالم میں سوائے ان کے جنہوں نے طبقات شاہجہانی کی طرح بدایونی پر انحصار کیا ہے)، شیخ عبد النبی بلکہ مخدوم الملک کا ذکر بھی تعریف کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور بالخصوص حضرت مجددؒ کے شاگرد اور سوانح نگار خواجہ بدر الدین سرہندی کی شیخ عبد النبی کی تعریف کے بعد یہ قیاس کہ حضرت مجددؒ نے انہیں "علمائے سوء" میں شمار کیا ہوگا، صحیح نہیں معلوم ہوتا۔" [3]

ان بیانات سے صاف طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ امام ربانی مجددؒ الف ثانی کی مذکورہ عبارت کا رخ مخدوم الملک اور صدر الصدور کی جانب نہیں، بلکہ اس سے وہ علماء مراد ہیں کہ جنہوں نے براہ راست مذہب اسلام کے خلاف انقلاب پیدا کیا۔ اور اکبر کو اسلام اور علماء اسلام سے برگشتہ کر کے مذہب کی جڑیں نکال پھینکیں۔ مثلاً ابوالفضل اور اس کا خاندان۔ قاضی بدخشی اور تاج الدین وغیرہ۔ جن کے اس سلسلے میں آثار و اطوار اس امر کے بین ثبوت ہیں۔ اور ہم اس معاملے کا اکبر کے باب میں قدرے وضاحت سے بیان کرینگے۔

ح ۱، ح ۲} ۱۔ فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۵۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول بحوالہ رود کوثر ص ۹۶-۹۸ (مولانا محمد اکرام) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۵ء

ح ۳:۔ فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۵۴ ۔بحوالہ رود کوثر۔

سقوطِ فرضیتِ حج :- یہ ایک شرعی مسئلہ ہے۔ اس میں کسی کو اپنی رائے سے فتویٰ دینے یا شرعی فتویٰ پر اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

فرضیتِ حج، چند شرائط یعنی عقل، بلوغ، صحت، مالی استطاعت اور امنِ راہ سے مشروط ہے۔ ان میں سے کسی بھی ایک شرط کے مفقود ہونے کی صورت میں، بہ اتفاقِ علماء، حج فرض نہیں ہوتا ہے۔ اور مخدوم الملک نے اس سلسلے میں اپنی رائے سے کوئی نیا مسئلہ اختراع نہیں کیا تھا۔ بلکہ شرعی اصول کے تحت کتبِ فقہ سے تخریجِ روایات کرکے یہ فتویٰ جاری کیا تھا۔ مولانا محمد غوثؒ نے ان کے علمی فضل و کمال کی توصیف کرتے ہوئے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں: "زیادہ تر تعجب کی یہ بات ہے کہ حج کی فرضیت ساقط ہونے کے بارہ میں انہی معمولی کتبِ فقہ میں سے آپ نے روایتیں سو سے زیادہ ہی زیادہ نکالی تھیں اکثر روایتوں کی بناء راستہ کے غیر مامون ہونے پر رکھی تھی۔"[1]

اس مسئلہ کا اصل ماخذ وہ آیت ہے، جو فرضیتِ حج کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس میں ربّ العزت نے اس کی فرضیت کو امن و استطاعتِ راہ پر موقوف کیا ہے۔ ارشاد ہے، وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ۚ[2] اللہ کے لئے لوگوں پر حجِ بیت فرض ہے۔ جسے وہاں تک کے راستے کی گنجائش ہو۔

چونکہ اس زمانے میں راستے نہایت خطرناک تھے۔ اور عرصہ دراز سے حجاز کا سفر لٹیروں کے ہاتھوں ناقابلِ گذر ہو چکا تھا۔ مولانا محمد اسحاق نے شیر شاہ سوری کے ترجمے میں لکھا ہے[3] کہ اس کے زمانے میں حرمین شریفین کا سفر انتہائی دشوار گذار اور خطرناک تھا۔ ڈاکوؤں نے راستے بند کئے ہوئے تھے۔ حجاج کے قافلے خطرات میں گھرے رہتے تھے۔ شیر شاہ حجاج کے راستوں کو محفوظ و مامون کرنے کی خاطر شاہ روم سے گفتگو کرکے ایک معقول انتظام بنانے کا خواہش مند تھا۔ اس نے یہ تجویز سوچی تھی کہ سارے مسلمان بادشاہ تعاون کرکے ایک شاہ راہِ امن بنالیں۔ وہ اس سلسلے میں محدثِ وقت علامہ سید رفیع الدین کو اپنا سفیر و نمائندہ بناکر حرمین شریفین

ف1 :- اذکارِ ابرار ترجمہ گلزارِ ابرار ص۱۹۵ (مولانا محمد غوث شطاری ہے) مترجم فضل احمد، مطبوعہ اسلامک بک فاونڈیشن لاہور ۱۳۹۵ھ

ف2 :- سورۃ آل عمران پارہ لَن تَنَالُوا۔ رکوع ۱۰ آیت ۹۷ (القرآن الحکیم)

ف3 :- فقہائے ہند ج۳ ص۴۰ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔

بھیجنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن وہ اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔

شیر شاہ کے بعد یہ بدامنی بدستور جاری رہی۔ اور اس کا کوئی سد باب نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ اکبر کے زمانے میں بھی راستے اسی طرح غیر محفوظ اور خطرناک تھے۔ جیسا کہ مخدوم الملک نے خود اپنے بیان میں اس کی وضاحت کی ہے۔ [1]

اور اس بات سے کہ بادشاہ ہند جس اہم شخصیت سے ناراض ہوتا، اسے سزا کے طور پر زبردستی حجاز بھجوا دیتا، بھی یہ شہادت ملتی ہے کہ حرمین شریفین کا راستہ واقعی پُر خطر اور باعث ہلاکت تھا۔ مولانا محمدؒ اسحاق، اکبر بادشاہ کا، مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی کو حجاز بھیجنے کے بیان میں لکھتے ہیں، "اور اس دور میں حکمران لوگ بطور سزا کے بھی اپنے مخالفین کو حرمین شریفین بھیجتے تھے۔" [2]

اس بنا پر، مخدوم الملک نے سقوط فرضیت حج کا فتویٰ دیا ہوگا۔ اور یہ فتویٰ اصول شرع کے عین مطابق ہے۔ لٰہذا اس پر اعتراض کرنا قطعاً درست نہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مخالفین و حاسدین نے ایسی باتیں محض انہیں بدنام کرنے کے لئے مشہور کی ہیں۔ ورنہ ان پر کوئی معقول اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہی معیوب و معتوب شخص جب حجاز پہنچ جاتے ہیں تو وہاں کے علما، و مشائخ کبار بالخصوص محدث کبیر شیخ شہاب الدین احمد بن الحجر المکی الحافظ بذات خود ان کے استقبال کے لئے نکلتے ہیں۔ اور ان کی، عرب میں تشریف آوری کو نہ صرف عوام بلکہ علماء عرب کے لئے بھی باعث برکت و سعادت قرار دیتے ہیں۔ اور ان کی رجعتِ ہند تک (یعنی ۹۸۷ھ سے تا ۹۹۰ھ/۹۹۱ھ تین چار سال) علماء و طلباء حرمین شریفین ان کی تدریس و تحدیث سے علمی فیض حاصل کرتے رہے [3]۔ اور اتنے عرصے میں وہاں ان سے کوئی قابل اعتراض فعل صادر نہیں ہوا بلکہ بڑے اعزاز و احترام سے رہے

---

[1] :- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۲۶ (مولانا محمدؒ اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء، طبع اول۔

[2] :- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۷۵ - ترجمہ شیخ عبد النبی صدر الصدور

[3] :- نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۰۷ (علامہ عبد الحی لکھنوی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء
- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۳۷۔
اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار ص ۴۹۵ (مولانا محمد غوث شطاری م ...) مترجم مولانا فضل احمد۔ مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۵ھ۔

۱ اکبر کی اسلام دشمنی اور اختراعِ دینِ الٰہی کے اسباب

یہاں اس امر کی وضاحت نہایت ضروری ہے کہ اکبر کی، دینِ اسلام سے روگردانی و خروج اور اختراعِ دینِ الٰہی کے اصلی اسباب و عوامل کیا تھے؛ کیا؛ مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی صدر الصدور اس کے باعث تھے؛ اور کیا، اس وقت کے "علمائے سوء" سے، جن کی طرف شیخ سرہندیؒ[1] نے اشارہ کیا ہے یہی مشائخ مراد ہیں؛

اس پر ہم ایک مختصر سا جائزہ پیش کرینگے جس سے اس امر کے اصلی اسباب و عوامل بے نقاب ہو کر سامنے آجائیں گے۔ اور یہ، واضح طور پر ثابت ہو جائیگا کہ اکبر کی اسلام دشمنی کے نہ باعث یہ مشائخ تھے، نہ انہیں علمائے سوء میں شمار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی شیخ سرہندی نے اپنے بیان میں انہیں علمائے سوء[2] کہا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مشائخ دین و مذہب کے بڑے محافظ و پاسبان تھے۔ اور جب تک نظامِ سلطنت و امورِ دین میں ان کا اثر و تسلط رہا تھا مبتدعین و مخالفینِ دین کو ٹکنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ مخدوم الملک کے بارے میں مولانا عبد القادر بدالونی لکھتے ہیں[3]، "در ترویج شریعت غرا ہمیشہ سعی بلیغ می نمود۔ و سنی متعصب بود۔ خیلی از ملاحدہ و روافض بسعی او بجائے کہ جہت الیشان آمادہ ساختہ بودند رفتند"۔ ترجمہ:- شریعت غرا کے جاری کرنے میں ہمیشہ انتہائی کوشش کرتے تھے اور ایک متعصب سنی تھے۔ بہت سے بے دین اور شیعہ لوگ ان کی جد و جہد کے باعث ان علاقوں میں چلے گئے جو ان کے لئے تیار کئے گئے تھے۔

[1]:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۵۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء بحوالہ تذکرہ "مولانا ابو الکلام آزاد"
[2]:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۵۳ - بحوالہ پیش لفظ تعلیمات مجددیہ - علامہ محمد ناظم ندوی -
[3]:- منتخب التواریخ ج ۳ ص ۷ (ملا عبد القادر بن ملوک شاہ بدایونی ۱۰۰۴ھ) مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۹ء -

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں، "اہل بدعت و اہل ہوا کے شدید مخالف تھے۔ اور ان سے متعلق برملا اظہار عداوت کرتے تھے۔ دین کی ترویج اور شریعت کی تنفیذ میں ہر آن کوشاں رہتے اور اس سلسلے میں کسی سے کوئی رعایت نہ برتتے۔"[۵۱]

اسی طرح دوسرے مترجمین مثلاً، مولانا رحمٰن علی[۵۲] اور مولانا محمد اکرام[۵۳] وغیرہ نے ان کی اس سلسلے میں بے حد تعریف کی ہے۔

اسی طرح شیخ عبدالنبی صدر الصدور بھی احکام اسلام کی ترویج و اشاعت میں نہایت سختی سے کاربند رہتے تھے۔ یہاں تک اکبر بادشاہ کو بھی ہر وقت مذہب سے وابستگی اور اطاعت شریعت کی ہدایت کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے اکبر ایک اعلیٰ دین دار و نماز گذار بن گیا تھا۔

یہ دونوں بزرگ امور دین کے معاملات میں شدت احتساب و سخت گیری کے لحاظ سے بہت مشہور تھے۔ یہاں تک کہ بعض مترجمین[۵۴] نے اسے ان کے تعصب و عداوت سے تعبیر کی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ ترویج و اشاعت اسلام اور تحفظِ دین و شریعت محمدی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) علمائے اسلام کی ڈیوٹی ہے۔ بالخصوص ایسی ذمہ دار شخصیتوں (جیسے مخدوم الملک، شیخ الاسلام اور صدر الصدور وغیرہ) پر تو فرض ہے۔ بحکم حدیث رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) "کلکم راعٍ وکلکم مسئولٌ عن رعیتہ" یعنی تم سب نگہبان و حاکم ہو اور تم سب اپنے ماتحتوں کے بارے میں پوچھے جاؤ گے۔ لھذا ان کی یہ شدت احتساب اور ملاحدہ و معاندین اسلام کا روک تھام اور مرتکب محارمات سے بازپرس و مواخذہ عداوت و تعصب نہیں، بلکہ بہت ضروری اور قابل ستائش اقدام ہے۔ جیسا کہ مولانا محمد اکرام نے اس کی توصیف کی ہے[۵۳]

یہی وجہ ہے کہ ان کے زمانہ اقتدار میں اکبر بادشاہ کی زندگی ایک خالص[۵۶] مذہبی اور اسلامی زندگی بن گئی تھی۔ وہ اپنی تاج پوشی (۹۶۳ھ) سے ۹۸۵ھ تک تقریباً ۲۲ سال کے عرصے میں یکا مسلمان نظر آتا ہے۔ اسے علوم اسلامی سے بے حد شوق و شغف اور دلچسپی رہتی تھی

۵۱:- فقہائے ہند ج۳ ص۲۳۸ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء، طبع اول۔
۵۲:- تذکرہ علمائے ہند ص۲۶۵ (اردو ترجمہ) - مولانا رحمٰن علی ۱۳۲۵ھ مترجم محمد ایوب قادری - مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء طبع
۵۳، ۵۴، ۵۶:- فقہائے ہند ج۳ ص۲۵۳-۲۵۵ - بحوالہ رود کوثر ص۹۷-۹۸ (مولانا محمد اکرام)۔
۵۵:- مقدمہ فقہائے ہند ج۲ حصہ۱ ص۱۶ - ۵۵ مثلاً ملا عبدالقادر بدایونی، صمصام الدولہ اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ (فقہائے ہند ج۳ ص۲۳۸، ص۲۴۳، ص۲۴۶ اور ص۲۵۰ بحوالہ منتخب التواریخ، مآثر الامراء اور تذکرہ ابوالکلام آزاد)
۵۶:- مقدمہ فقہائے ہند ج۲ حصہ۱ ص۱۳ تا ص۱۹

یہاں تک کہ اکثر و بیشتر استماع حدیث کی خاطر خود شیخ عبدالنبیؒ کے مکان پر جایا کرتا تھا۔ اور اپنے لڑکے شہزادہ سلیم کو باقاعدگی سے شیخ سے تحصیل علوم دین کے لئے مقرر کیا تھا۔ جس نے شیخ موصوف سے "اربعین ملا جامیؒ" کا درس لیا۔[1]

علماء و فقہاء کی بے حد عزت و احترام کرتا تھا۔ دربار شاہی میں ہر وقت ملکی اور غیر ملکی علماء، وفضلاء، اور شعراء و حکماء کی مجلس و محفل گرم رہتی تھی۔ اور اکبر خود ان کے دینی و علمی تذکرہ و گفتگو میں شامل ہو کر محظوظ ہوتا۔

وہ علماء و مشائخ کی، خاطر خواہ امداد و تعاون کرتا، اشاعت علوم و فنون کی خاطر ان میں کتابیں تقسیم کرتا۔[2]

اسے تصوف و مشائخ طریقت سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ بالخصوص شیخ سلیم چشتی اور خواجہ معین الدین اجمیری کا بے حد معتقد تھا۔ عبادت و ذکر الٰہی سے اسے انتہائی ذوق و شوق رہتا تھا۔ اپنے لئے ایک عبادت خانہ تعمیر کیا تھا۔ اور کبھی کبھار شوقِ تنہائی میں ایک قدیم حجرے میں، جو آبادی سے دور تھا، جاکر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتا۔[3]

مخدوم الملک اور صدر الصدور کے زمانے میں امور شرع و احکام اسلام کے اجراء کا یہ عالم تھا کہ عوام و خواص تو درکنار اکبر خود بھی حکم شرع کے سامنے ایک عام فرد کی طرح منقاد و مطیع ہو کر فرمان بجالاتا ہوا نظر آتا ہے۔ مولانا فرید بھکری نے اپنی کتاب ذخیرۃ الخوانین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ اکبر اپنے جشن سالگرہ کی تقریب میں زعفرانی لباس پہن کر نکلا۔ تو شیخ عبدالنبی نے بھرے دربار میں عصا اٹھا کر اس غیظ و غضب سے اکبر کو ٹوکا کہ لاٹھی کا سرا اسے جا کر لگا۔ مگر وہ حاکم شرع کے سامنے نہایت ادب کے ساتھ خاموش رہا۔ صرف

---

[1]:- مقدمہ فقہائے ہند ج۲ حصہ ۱ ص ۱۶-۱۷ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء
[2]:- مقدمہ فقہائے ہند ج۲ حصہ ۱ ص ۱۵، ص ۱۹ -
[3]:- ایضاً ص ۱۳-۱۴ -

گھر میں اپنی والدہ ماجدہ سے شیخ کی اس سخت گیری اور خشونت آمیز سلوک کی شکایت کی جس پر اس خیر اندیش و نیک محضر مائی نے (جو حضرت زندہ فیل احمد جام کی اولاد سے تھی) اسے تسلی دے کر کہا کہ شیخ کا مقصد محض اجرائے احکام اسلام تھا۔ اور یہ آپ کے لئے باعثِ اجر و باعث نیک نامی ہے۔[52]

شیخ فرید مزید کہتے ہیں کہ اکبر بادشاہ اس زمانے میں (یعنی ۹۸۵ھ سے قبل کے زمانے میں) اجرائے احکام شرع میں بے حد دلچسپی لیتا تھا۔ ہمیشہ لباسِ مسنونہ پہنتا تھا اور عبادت میں یہاں تک اسے شوق و شغف تھا کہ گاہے گاہے خود اذان دیتا اور جماعت کی نماز پڑھاتا۔ اور اپنے ہاتھ سے مسجد میں جھاڑو بھی لگاتا۔[52]

۹۸۵ھ/۹۸۶ھ میں اکبر کی زندگی کا ایک تباہی انگیز دور شروع ہوتا ہے[53] جس نے برصغیر ہند کے علمائے دین اور مذہب اسلام پر ایک طوفانی سیلاب بہا کیا۔ جس کے اسباب و عوامل کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ اور ان سب کی اصل بنیاد ملا مبارک ناگوری اور اس کے بیٹے ابوالفضل اور فیضی تھے جنہوں نے اکبر کو، اپنے مقصد برآری کی خاطر، ان مشائخ (مخدوم الملک اور عبدالنبی صدر الصدور) سے بدظن کرا کے اسے آزاد مزاجی و بدمذہبی کی طرف مائل کر دیا۔ پھر اندرونی اور بیرونی عوامل نے اپنا پورا پورا عمل کرنا شروع کیا۔ جہانگیر خود اس گمراہی و تباہی کا سبب ابوالفضل ہی کو قرار دیتا تھا۔[54]

اکبر بادشاہ، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، علماء اور علمی و مذہبی مجالس و مباحثوں میں بڑی دلچسپی لیتا تھا۔ اس کے اس شوق و ذوق کے باعث دربار شاہی میں ہر وقت، مسلمان، ہندو، عیسائی، مجوس اور

---

۵۲ ا:۔ مقدمہ فقہائے ہند ج۳ حصہ ا ص۱۰۴، ۱۸ (مولانا محمد اسحاق) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ ۱۹۷۶ء۔ بحوالہ ذخیرۃ الخوانین ج۱ ص۶۹۔ شیخ فرید بھکری۔

۵۳:۔ فقہائے ہند ج۳ حصہ ا ص۱۹ (مقدمہ) ۵۴:۔ مقدمہ فقہائے ہند ج۳ حصہ ۳ ص۲۶۔ بحوالہ ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ص۲۳۔ (مولانا سید صباح الدین عبدالرحمن)۔

شیعہ وغیرہ مختلف مذاہب و مسالک کے مبلغین و سربراہانِ دین اپنے اپنے مذہب و مشرب کی حقّیت و حجّیت کی توضیح و تشریح میں نہایت آزاد مزاجی سے مصروف بحث رہتے تھے - اور اکبر خود بھی پورے غور و خوض سے ان کے علمی و مذہبی بحث و مباحث اور براہین و دلائل کے استماع میں مشغول رہتا[1] -

اکبر، چونکہ، خود اتنا پڑھا لکھا نہ تھا کہ ذاتی طور پر کسی مسئلے کی تحقیق کر سکتا[2] اسے اپنے مذہب و مسلک سے پوری واقفیت بھی نہ تھی - مزید براں یہ کہ وہ راسخ العقیدہ و پختہ مزاج بھی نہ تھا - اس کے باوجود بھی علمی و مذہبی مباحثوں میں بڑی دلچسپی لیتا - اس لئے مختلف گروں اور فرقوں کی رنگا رنگی باتیں سن سن کر وہ ذہنی انتشار کا شکار ہوگیا - وہ جس مسلک و جس فرقے کا موقف و دلائل سن لیتا فوراً متاثر ہو کر اسی کا قائل ہوجاتا - یہاں تک کہ اس نے اپنے آبا و اجداد اور سلف صالحین کی مذہبی راہ و طریقت اور دین و آئین کے خلاف قدم اٹھانے کا عزم کر کے نئی راہیں ڈھونڈھنے لگا[3]

اکبر کی یہ آزاد مزاجی، خام فکری اور سہل انگاری کو دیکھ کر اسلام دشمن طبقو نے اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیا - پرکھوتم اور دیوی وغیرہ برہمنوں نے ہندو مذہب کے عقائد و اسرار اور رموزِ بت پرستی، آفتاب پرستی اور ستاروں کی تعظیم و تکریم اور دیوتاؤں کی عظمت و تعظیم کے اسرار اور عقیدۂ تناسخ کے رموز وغیرہ وغیرہ اس طرح سے اس کے ذہن نشین کرائے کہ وہ یکلخت اس مذہب کی طرف مائل ہو کر عقیدۂ تناسخ کو تسلیم کیا - اور ہندوانہ رسم و رواج جاری کیے[4] -

---

ف۱:- مقدمہ فقہائے ہند ج۲ حصہ ۱ ص ۲۰، ۲۱، ۲۵ (مولانا محمد اسحاق) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴
ف۲:- ایضاً - ایضاً ص ۲۵ -
ف۳:- ایضاً ایضاً ص ۱۹ -
ف۴:- ایضاً ایضاً ص ۱۹

مثلاً[1] ذبیحۂ گاؤ کی ممانعت، جھروکہ درشن، ڈاڑھی منڈوانا، بھدرا کروانا قشقہ لگانا اور ہندو رانیوں کے ساتھ مل کر ان کے مذہبی رسموں میں حصہ لینا۔ الغرض، ہندو مت کی اچھی خاصی حمایت و حوصلہ افزائی کی گئی۔ اور سرکاری طور پر اس کی مذہبی اور فنی کتابوں اور ویدوں کے ترجمے لکھے گئے[2]

ادھر سے عیسائی پادری بھی دربار میں پہنچ کر اپنے مذہبی افکار و تصورات کی ترجمانی میں لگ گئے۔ اور عقیدۂ تثلیث اور انجیل کی تشریح و تاویل سمجھا سمجھا کر اکبر کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ چنانچہ اس نے شہزادہ مراد کو پادریوں سے انجیل پڑھنے اور ابوالفضل کو اس کا ترجمہ لکھنے پر حکم دیدیا۔ ہندوؤں کی طرح عیسائیوں کی بھی حد سے بڑھ کر حوصلہ افزائی کی گئی۔ یہاں تک کہ ہندو اور عیسائی پنڈت و پادریوں نے اسلام، شارع اسلام اور شعائر اسلام کے خلاف دل کھول کر گستاخی اور زباں درازی شروع کی[3]

بیربر، جو درباری مصاحبین میں بہت اونچی حیثیت و عزت کا مالک اور ایک نہایت چالاک و خطرناک ہندو تھا، اکبر سے سورج کے اسرار و اوصاف اور عظمت و اثرات کی توضیح و تشریح بیان کر کے یہ ذہن نشین کرا دیا کہ یہ مربی بادشاہاں ہے، اکبر اس عقیدے سے بھی متاثر ہو کر آفتاب پرستی کا قائل ہو گیا[4]

اس طرح آتش پرستوں کا ایک گروہ نوساری (گجرات) سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے مذہب و عقیدے کی سرپرستی شروع کی۔ اور براہین و دلائل پیش کر کے اکبر کو آتش پرستی کا قائل کر دیا۔ چنانچہ اس نے یہ حکم جاری کیا کہ محل شاہی میں دن رات آگ جلتی رہے۔ آتش کدہ کا سارا انتظام ابوالفضل کے سپرد کر دیا گیا۔ یعنی وہ دربار شاہی کا موبد اعلیٰ مقرر ہوا[5]

اکبر کے یہ عقائد و معاملات صرف خیالی تصورات و زبانی احکامات تک محدود نہ رہے بلکہ حقیقتاً و عملاً بھی ان کا اجرا کیا گیا۔ اکبر نے اپنے چھبیسویں سالگرہ کے نوروز کے موقع پر

۱: اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۹ ص ۵۶ (ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ اینڈ کمپنی) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور طبع ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء
۲: مقدمہ فقہائے ہند ج ۳ حصہ ۱ ص ۳۵-۳۶ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء، طبع اول۔
۳: مقدمہ فقہائے ہند ج ۳ حصہ ۱ ص ۳۱۔
۴، ۵: ایضاً۔ ایضاً

بھرے دربار میں لوگوں کے سامنے سورج اور آگ کو سجدہ کیا، قشقہ لگایا اور اسلام کی، برسرِعام مخالفت کرتے ہوئے اسے خلافِ عقل وفہم قرار دیا۔[1]

اہل رفض بھی اس سلسلے میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔ ان کے سربراہ ملا محمد یزدی نے دربار میں اپنے عقیدہ و مسلک کی تبلیغ و اشاعت شروع کی۔ اور براہین وحجت پیش کر کے اکبر کو رفض تک پہنچا دیا۔[2]

یہ لوگ، خلفائے ثلاثہ، صحابہ کرام، تابعین اور سلف صالحین کی، کھلم کھلا تکفیر وتحقیر کرتے تھے۔ ملا یزدی نے بادشاہ کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ افضل المذاہب شیعہ مذہب ہے۔ بادشاہ ان باتوں سے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اس نے اس مذہب کو بھی شرف قبولیت بخشا۔[3]

لیکن یہ سب کچھ درکنار، اکبر کی بے دینی و گمراہی، اسلام دشمنی اور ایجاد "دینِ الٰہی" کے باعث وعوامل خود اسلام کے لبادہ پوش کفر انگیز ننگِ دین و وطن ملا و مشائخ ہی تھے۔ مثلاً:۔ شیخ تاج الدین بن شیخ زکریا جودھنی دہلوی، جسے بدمذہب صوفی لوگ "تاجُ العارفین" کہتے تھے۔ یہ شخص احکام اسلام و شرعی پابندیوں کا مخالف اور گمراہ طریقے سے وحدۃ الوجود کا قائل تھا۔ اس نے خلوت وجلوت میں اکبر کے سامنے عقائدِ اسلام، مثلاً۔ جنت، دوزخ، فرشتے، شیطان وغیرہ کی اپنی خیالی وبناوٹی تاویلیں کر کے اسے اسلام کے صحیح مسلک سے ہٹا کر اپنے اباطیل خیالات اور وحدۃ الوجود کا حامی وقائل کر دیا۔[4]

پھر اسے مزید گمراہ کرنے کے لئے "انسانِ کامل" کی اس طرح تشریح وتاویل کی کہ اس سے "خلیفۂ وقت" مراد لیا، اور "خلیفۂ وقت" اکبر بادشاہ کو ہی ٹھہرایا۔[5] مزید براں، اسے اور بھی بڑھا چڑھا کر "عین واجب" یعنی (نعوذ باللہ) درجۂ ذات خداوندی تک پہنچا دیا۔ اور اسے "قبلۂ حاجات" "کعبۂ مرادات" القاب سے متصف کر کے

ﮯ١ ۔ مقدمہ فقہائے ہند جلد ۴ حصہ ۱ صفحہ ۲۱-۲۲ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء

ﮯ٢، ﮯ٣، ﮯ٤، ﮯ٥ } ایضاً۔ مقدمہ فقہائے ہند جلد ۴ حصہ ۱ صفحہ ۲۰

اس کے حضور میں سجدہ دینا ضروری قرار دیا۔ جسے اپنی اصطلاح میں "زمیں بوس" نام رکھا۔ اور اس سلسلے میں شیخ تاج الدین کے ساتھ ساتھ شیخ نظام الدین بدخشی ۹۹۳ھ کا نام بھی سرفہرست ہے۔ جس نے فتح پور میں سب سے اول اکبر کے سامنے سجدہ دینے کی رسم ڈالی[۵۱]۔ اس نے اپنی عیاری، چاپلوسی اور قوت بیان کے زور سے اکبر کو مرتبۂ الوہیت تک پہنچانے میں پورا مواد فراہم کیا[۵۲]۔ (نعوذ باللہ!)

بدقسمتی سے اس زمانے میں اکبر کے دربار میں قریبی مصاحبین و معتمد مشیر بھی کچھ ایسے علماء سوء تھے جو خود دشمنِ دین اور دہریہ مزاج تھے۔ اور فی الحقیقت وہی اس تباہ کاری کے سراسر ذمہ دار بلکہ محرک تھے۔

مثلاً:- ملا مبارک ناگوری ۱۰۰۱ھ اور اس کے دونوں بیٹے ابوالفضل ۱۰۱۱ھ اور فیضی ۱۰۰۴ھ[۵۳] جو دربارِ شاہی کے مصاحبین و مقربین کے مقتدا و پیشوا شمار ہوتے تھے۔

ملا مبارک ایک نہایت ذہین و فطین اور ماہرِ علوم و فنون شخص تھا۔ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں متعبد، متشرع، متقی، عالم باعمل اور مبلغ دین تھا۔ لیکن آخری ادوار میں، اس کی زندگی یکسر بدل گئی[۵۴]۔

ایرانی علماء کی صحبت و اثر سے اس میں شیعہ مذہب کے رجحان و آثار پیدا ہو گئے۔ آگے چل کر حکماء و فلاسفہ کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا جس کے نتیجہ میں الحاد و دہریت اختیار کی۔ بلکہ ملحدین و بے دینوں کا مجتہد و پیشوا بن گیا۔ اور اکبر کا، مختلف مذاہب سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہونے میں اسی مبارک اور اس کے بیٹوں کے الحاد و بے دینی نے بہت بڑا کردار ادا کیا[۵۵]۔

انہوں نے برسرِ اقتدار علماء و مشائخ سے اپنی ذاتی عداوت و کدورت کے باعث انہیں عزت و اقتدار سے گرانے کے لئے بھرپور کوشش کی۔ اکبر چونکہ پہلے سے ان خارجی اثرات کی وجہ سے مذہب و علمائے مذہب سے بدظن ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے

۵۱، ۵۲:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۸۴ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء

۵۳:- منتخب اللباب ج ۱ ص ۲۲۲ (اردو ترجمہ) (خافی خان نظام الملک) مترجم محمود احمد فاروقی - مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۳ء

۵۴:- فقہائے ہند ج ۳ حصہ ۲ ص ۳۰۹ -

۵۵:- ایضاً — ایضاً، منتخب اللباب ج ۱ ص ۲۲۲ -

نہایت آسانی سے، اکبر کو بھڑکا کر علمائے ربانی کا جانی دشمن بنا دیا۔ ملا مبارک نے اکبر کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ بادشاہ سلامت خود مجتہد دوراں و خلیفۃ الزماں ہے۔ اسے قضاۃ و علما اور مخادیم و صدور کی کوئی ضرورت نہیں وہ تمام اختلافی مسائل میں اپنی صوابدید کے مطابق خود اجتہاد کر سکتا ہے کیونکہ علمائے دین کا طریقہ و رویہ صحیح نہیں ہے کسی مسئلہ میں ان سے رائے لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ [51]

آخر الامر اس ناپاک تجویز کو موثر کرنے اور علماء کے اقتدار و اثر کو ختم کرنے کی خاطر ملا مبارک نے ایک محضر تیار کیا، کہ بادشاہ وقت، خلیفۃ الزمان اور امام وقت کی حیثیت سے از روئے قرآن و حدیث واجب الاطاعت ہے اس کا درجہ سارے مجتہدوں سے ... بالاتر ہے۔ وہ اختلافی مسائل میں اپنے اجتہاد سے، جو مناسب سمجھے، حکم جاری کرنے کا مجاز و حقدار ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر علماء کو جمع کر کے یہ محضران سے طوعاً و کرہاً دستخط کرایا گیا۔ [52]

ابو الفضل نے اکبر کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی کہ سچائی و خوبی کسی مخصوص مذہب کا اجارہ نہیں بلکہ ہر مذہب میں خوبیاں موجود ہیں۔ اس معاملے میں اسلام کو دوسرے مذاہب پر کوئی برتری و بہتری حاصل نہیں [53] (نعوذ باللہ)۔

اس سے بڑھ کر اس نے یہ جھک بھی مارا (نعوذ باللہ نقل کفر، کفر نباشد) کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں بلکہ کلام رسول اللہ ہے [54] (صلے اللہ علیہ والہ وسلم) اس طرح ان کفر شعار مصاحبین و حاشیہ نشین علمائے سوء وغیرہ نے اکبر کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے الحاد کا راستہ ہموار کرنے کی خاطر یہ حجت قائم کی کہ چونکہ بعثت نبوی (صلے اللہ علیہ والہ وسلم) کو ایک ہزار سال کا عرصہ پورا ... ہو چکا ہے۔ اور اسلامی شریعت کی مدت مکمل ہو گئی ہے۔ لھذا اب ایک نئے دین و آئین اور نئے شارع کی ضرورت ہے۔ اور اس منصب (نبوت) کے لئے اکبر بادشاہ مناسب ہے [55] چنانچہ اسے امامت و نبوت کے مقام پہنچا کر خلیفۃ اللہ

---

[51] [52]: فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۷، ج ۳ حصہ ۲ ص ۳۱۰ تا ۳۱۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔

[53]: اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج ۹ ص ۵۶۷ (ڈاکٹر عبد اللہ شاہ اینڈ کمپنی) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء طبع اول

[54]: فقہائے ہند (مقدمہ) ج ۳ حصہ ۲ ص ۲۶

[55]: اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج ۹ ص ۵۶۷۔

لقب دیا گیا۔ اور اس نے ملا مبارک اور اس کے بیٹوں (ابو الفضل اور فیضی) کی مدد اور رہنمائی سے اپنے نام کا ایک خاص کلمہ "لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" ایجاد کر لیا۔ اور اسلام کے بالمقابل، ایک نئے شارع کی حیثیت سے اپنا ایک نیا دین "دین الٰہی اکبر شاہی" کے نام سے جاری کر کے اسلام کے سارے احکام و ارکان، مثلاً، صوم و صلواۃ، آذان و جماعت اور حج وغیرہ موقوف و منسوخ کر دیئے۔ اور عقائد اسلام مثلاً وحی، ملائکہ، حیات بعد الموت، یوم آخرت وغیرہ یہاں تک کہ نبوت و رسالت اور قرآن مجید کا بھی انکار کر دیا۔ اور یہ دعویٰ کیا کہ قرآن مجید کلام الٰہی نہیں۔ بلکہ کلام رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہے اور مخلوق ہے۔ اور موت کے بعد بقائے ارواح اور عذاب و ثواب کا سارا حساب و کتاب محض تناسخ کے سلسلے میں ہو گا۔[1]

الغرض! اسلام کی، ہر طرح سے، عداوت و مخالفت اور غیر اسلامی مذاہب کی ہر قسم کی سہولتیں مہیا کی گئیں۔ اور ان کے عقائد و رسوم کی خوب ترویج و اشاعت بھی کی گئی۔[2]

شراب، خنزیر، جوا اور سود وغیرہ حلال اور ذبیحہ گاو ناجائز بلکہ واجب القتل جرم قرار دیا گیا۔ یعنی ہر ناجائز و حرام کو جائز و حلال اور ہر جائز و حلال کو ناجائز و حرام ٹھہرایا۔[3]

عبادات الٰہی و شعائر اسلام کی کھلم کھلا مخالفت اور قصداً بے حرمتی شروع کی گئی۔ ہندوؤں کو عام اجازت تھی کہ وہ رمضان المکرم میں بر سر بازار کھائیں پیئیں۔ لیکن جب ہندو برت رکھیں تو مسلمان اس کے احترام میں علانیہ کھانے پینے سے بند رہیں۔[4]

ے۱ مقدمہ فقہائے ہند جلد ۲ حصہ ۱ ص ۲۲-۲۳ (مولانا محمد اسحاق) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء،
ے۲، ے۳ اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور جلد ۹ ص ۵۶۶ - ص ۵۷۸ (مولانا سید عبد اللہ اینڈ کمپنی) مطبوعہ یونیورسٹی آف پنجاب لاہور ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء

ے۴:- اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور جلد ۹ ص ۵۶۵۔

مزید براں ہندوؤں کو یہ کھلی چھٹی تھی کہ وہ مساجد کو شہید کر کے ان کی جگہ مندر بنواتے۔ کئی مقامات پر انہوں نے اس جسارت و گستاخی کا عملی مظاہرہ بھی کر کے دکھایا ۵۱

اکبر کے ان کردار و اطوار اور افکار و آثار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو نبی بلکہ خدا کا درجہ ۵۲ دے رکھا تھا (نعوذ باللہ) کیونکہ اس نے،

(۱) اسلام کے مقابلے میں اپنا نیا دین جاری کر دیا۔

(۲) اپنے نام کا مخصوص کلمہ بنا لیا۔

(۳) اسلام کے سارے احکام و ارکان کو منسوخ کر کے اس دین پاک کی مخالفت و عداوت شروع کی۔

(۴) لوگوں کو اسلام چھوڑنے اور اپنے دین میں داخل ہونے کے لئے پوری کوشش شروع کی۔ چنانچہ میر قطب الدین محمد خان، شہباز خان کنبوہ وغیرہ امراء کو ترغیب و ترہیب کے پیغامات بھیجے۔

(۵) جو لوگ اس کے دین میں داخل ہونا چاہتے، انہیں مندرجہ ذیل امور پر باقاعدہ بیعت و معاہدہ کرنا پڑتا تھا۔ ۵۳

(ا) اکبر کے نام کا مخصوص کلمہ پڑھنا۔ یعنی کلمہ طیبہ کی جگہ اسی کو اپنانا۔

(ب) اسلام کو مجازی و تقلیدی دین کہہ کر اس سے علیحدگی کا اقرار کرنا۔

(ج) اخلاص چہارگانہ (ترک مال، ترک جان، ترک ناموس اور ترک دین) کا اقرار کرنا۔

بیعت و معاہدہ کے بعد انہیں بادشاہ کی طرف سے زنار (ہندوانہ شعار) یا انگوٹھی ملتی جس پر "اللہ اکبر" کندہ ہوتا تھا۔ اور بطور شجرہ انہیں اکبر کی تصویر عطا ہوتی تھی۔ جسے وہ مرصع غلاف میں رکھ کر بصد اعزاز و نیاز اپنے دستار میں لگا دیتے۔

۵۱:- اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج ۹ ص ۵۶۵ (ڈاکٹر سید عبداللہ اینڈ کمپنی) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

۵۲:- فقہائے ہند (مقدمہ) ج ۴ حصہ اول ص ۲۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء

۵۳:- اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج ۹ ص ۵۶۶۔

پھر یہ لوگ (اکبر کے مریدو متبعین) جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو اسلامی مسنونہ سلام کے بدلے، "اللہ اکبر" اور "جل جلالہٗ" کہہ کر سلام کرتے اور یہ صاف ظاہر ہے کہ اکبر کے مریدو متبعین کا، ان کلمات سے، کوئی صوفیانہ ورد و وظیفہ مراد نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کا مقصد محض اکبر بادشاہ کے نام کی یاد و تعظیم اور اس کی خوش آمد مقصود ہوتی تھی۔

ان منکرات کو دیکھ کر پختہ ایمان و راسخ عقیدہ والے مسلمان، امراء اور علمائے ربانی اس سے بیزار ہو گئے۔ کہ وہ اپنے آپ کو نبی یا خدا قرار دیتا ہے[۵۲]۔ ملا محمد یزدی جو پہلے اس کا حامی تھا اب اس پر کفر کا فتوی دے کر اس کے خلاف خروج و بغاوت کو جائز قرار دیا۔ میر محمد معصوم کابلی، محمد معصوم فرنخودی، امیر معز الملک وغیرہم اکثر نواب و امیروں نے بادشاہ کی مخالفت و بغاوت کا اعلان کیا۔ اور کئی مقامات پر سخت لڑائیاں بھی لڑیں[۵۳]۔

اسی طرح قطب الدین اور میر شہباز خان کنبوہ نے اعلیٰ جرأت کا مظاہرہ کر کے بادشاہ کے حکم کو نہایت سختی سے رد کیا۔ حکیم الملک نے ابو الفضل کو[۵۴] جو اکبر کے الحاد و بے دینی کا مجتہد و پیشوا تھا، نہایت سخت الفاظ میں ڈانٹ و ڈپٹ کیا۔ وہ اسے فضلہ کے نام سے پکارتا تھا[۵۴]۔

ملک کے اکثر قضاۃ و ائمۂ مساجد اور علماء و مشائخ مثلاً قاضی یعقوب قاضی بنگال، شیخ عبد النبی صدر الصدور، قاضی صدر الدین جالندھری لاہوری اور مخدوم الملک شیخ عبد اللہ سلطان پوری (صاحب ترجمہ) وغیرہم نے اکبر کے ان ملحدانہ اقدام کی سخت مخالفت کی۔ لیکن اکبر نے بجائے ہدایت پانے کے، الٹا ان کے خلاف شدید رد عمل کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اکثر علماء و امراء کو قتل یا ملک بدر کیا۔ بعض کو معزول کیا، بعض کو دور دراز علاقوں میں بطور سزا بھیجا۔ اور بعض کے وظائف بند کر دیئے۔ شیخ عبد النبی کو قید میں سخت اذیتیں دے دے کر مروا ڈالا[۵۵]۔ اور مخدوم الملک کو زہر دلایا[۵۶]۔

---

۵۱ ۵۲: اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج ۹ ص ۵۶۲ (ڈاکٹر سید عبد اللہ اینڈ کمپنی) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء۔
۵۲: ایضاً
۵۳ ۵۴ ۵۵: مقدمہ فقہائے ہند ج ۲ حصہ اص ۲۳-۲۴ (مولانا محمد اسحاق) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء۔
۵۶: فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۴۴۔

شیخ طیّب بن ابی الطّیب ٹھٹوی

حسب ونسب:- آپ کا نام ونسب شیخ طیب بن ابی الطیب ٹھٹوی، سندھی ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اصل نام معلوم نہ ہو سکا۔ کتب تراجم میں، انہیں محض ان کی کنیت (ابوالطیّب) ہی سے یاد کیا گیا ہے۔

شیخ طیّب سندھ کے مشہور علمی مرکزی شہر ٹھٹھہ کے قرن دہم کے مشائخ محدثین ومشاہیر مصنفین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی پیدائش ونشو ونما سندھ میں ہوئی تھی۔ مترجمین لکھتے ہیں کہ شیخ طیب، شیخ ہارون کی نسل سے ہیں۔ لیکن کسی نے اس نسب نامے کی توضیح وتشریح نہیں کی ہے اور نہ ہی شیخ ہارون (موصوف) کا کوئی تفصیلی ترجمہ بیان کیا ہے۔

مولانا عبدالحی الحسنی نے شیخ طیب کا جو نسب نامہ ذکر کیا ہے وہ صرف اس قدر ہے، "الشیخ العالم المحدّث طیّب بن ابی الطّیب التتّوی السّندیؒ احد فحول العلماء کان من نسل الشیخ ھارون"[1]

ترجمہ:- شیخ، عالم، محدث، طیب بن ابی الطیبّ ٹھٹھوی، سندھی، اجلّہ علماء سے ہیں، شیخ ھارون کی نسل سے تھے۔

مولانا محمدؒ اسحاق بھٹیؒ نے بھی یہی کچھ لکھا ہے[2]۔ البتہ مولانا محمدؒ غوثیؒ نے قدرے اضافہ کیا ہے۔ لیکن وہ بھی مجمل اور ناکافی ہے۔ وہ لکھتے ہیں، "مخدوم ہارون ایک بزرگ تھے۔ سندھ کی تمام زمین ان کے وجود سے روشن تھی۔ اور ٹھٹھہ کی تمام اطراف ان کی باعلم اولاد اور شاگردوں سے منور ہیں کہتے ہیں شیخ طیب انہیں مخدوم کے فرزندوں میں سے ہیں"[3]۔

---

[1]:- نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۶۵ (مولانا عبدالحی الحسنی لکھنوی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۵ء

[2]:- فقہائے ہند ج۳ ص۲۰۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء۔ طبع اول۔

[3]:- اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار ص۳۷۷ (مولانا محمد غوثی شطاری) مترجم مولانا فضل احمد جیوری۔ مطبوعہ:- لاہور، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور (اشاعت جدید) ۱۳۹۵ھ۔

تحصیل علوم و اساتذہ -

شیخ طیب نے پہلے اپنے والدِ ماجد سے علوم و فنونِ مروجہ کی تعلیم حاصل کی - لیکن، انہیں، بحکم "رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا" اپنے علمی فضل و کمال کو بڑھانے کے لئے مزید اعلےٰ تعلیم کا شوق و شغف دامن گیر رہا - اور وہ اس مقصد کی خاطر محدث و فقیہِ وقت شیخ یونس سمرقندی نزیل سندھ (م ۹۵۱ھ) کی خدمت میں پہنچے - اور ایک طویل مدت تک ان کے پاس رہ کر اعلےٰ علوم کی تحصیل و تکمیل کی -

مولانا محمد مطیع اللہ راشدی لکھتے ہیں[1] "شیخ طیب اپنے نامور عالم و فاضل والد کی خدمت میں اعلےٰ علوم سے فارغ التحصیل ہونے کے باوجود حضرت ملا یونس مفتی سندھی کی شاگردی سے بھی شرف یاب تھے" علامہ عبدالحی الحسنی نے لکھا ہے "واشتغل بالعلم علی مولانا یونس المفتی السندی و لازمہ مدۃ طویلۃ"[2] ترجمہ: (شیخ طیب) مولانا یونس مفتی سندھی سے تحصیلِ علوم میں مشغول ہو گئے - اور ایک طویل عرصے تک ان سے وابستہ رہے -

مولانا محمد غوثی، شطاری[3] اور مولانا محمد اسحاق بھٹی[4] نے بھی یہی تذکرہ کیا ہے - ان مجموعی بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کے والد ماجد شیخ ابو الطیب اور شیخ یونس مفتی دونوں آپ کے شیوخ تھے - اور یہ کہ آپ علم کے اس قدر حریص و مشتاق تھے کہ عالم ہونے کے باوجود بھی مزید علم سیکھنے سے کوئی عار محسوس نہیں کرتے - یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے وقت کے محدث کبیر اور علامۂ دہر و شیخ عصر بن گئے تھے - مولانا بھٹی آپ کا ترجمہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں "مولانا طیب بن ابو الطیب ٹھٹوی، سندھی، فحول علماء میں سے تھے - شیخ عصر،

1: - برہان پور کے سندھی اولیاء ص ۱۹۰ (مولانا محمد مطیع اللہ شاہ راشدی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۶ء

2: - نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۶۵ (علامہ عبدالحی الحسنی لکھنوی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء

3: - اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار ص ۳۲۷ (مولانا محمد غوثی شطاری) مترجم فضل احمد جیوری - مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور - اشاعت جدید ۱۳۹۵ھ -

4: - فقہائے ہند ج ۳ ص ۳۰۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء - طبع اول -

عالمِ اجل اور اپنے دور کے محدث تھے"۔[۵۱]

مولانا محمد غوثی آپ کے علمی و اخلاقی اوصاف میں لکھتے ہیں[۵۲]: "آپ حافظ، عالم، قاری، بے تکلف، شکستہ دل اور نمناک چشم تھے۔ اپنے گھر کی ضروریات خریدنے کے واسطے بازار جایا کرتے تھے"۔ اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ طیّب علمی و فنی فضائل کے ساتھ ساتھ روحانی و اخلاقی اعلیٰ خصائل سے بھی متصف تھے۔ ان میں تصنع و بناوٹ نہیں، دل خوفِ خدا سے لبریز ہے۔ جس کی وجہ سے اکثر رویا کرتے ہیں اور آنکھیں اشکبار رہتی ہیں۔ طبیعت میں تواضع و انکساری اور کردار و اطوار میں سنت و شریعت کی پیروی نظر آتی ہے۔

اسی طرح مولانا سید محمد مطیع اللہ راشدی نے بھی آپ کے علم و فضل کی تعریف و توصیف کی ہے[۵۳]۔

ترکِ وطن اور تدریسِ علم و فن۔

شیخ طیّب علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل سے فارغ ہو کر برار تشریف لے گئے اور وہاں شیخ طاہر المحدث سندھی (م ۱۰۴۰ھ) کے ساتھ ایلچپور میں اکٹھے رہنے لگے ان دونوں محدثین کے درمیان باہمی الفت و رفاقت کا ایک ایسا گہرا رابطہ قائم ہوا کہ دونوں آپس میں سگے بھائی معلوم ہوتے تھے۔

شیخ طیّب اپنی ایلچپور میں اقامت گزینی کے دوران درس[۵۴] و افادہ کا مشغلہ جاری رکھ کر خلقِ خدا کو فیضِ علم سے مستفیض و مستفید کرتے رہے۔ مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ جند اللہ نے وہاں آپ سے علوم اصول (یعنی اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ) اور فن کلام کی درسی کتابیں پڑھیں۔ ایلچپور میں آپ کافی عرصہ رہے

۵۱:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۰۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء۔

۵۲:- اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار ص ۳۷۰ (مولانا محمد غوثی شطاری ماندوی) مترجم فضل احمد جیوری، مطبوعہ لاہور اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۵ھ۔

۵۳:- برہان پور کے سندھی اولیا، ص ۱۹۰ (سید محمد مطیع اللہ راشدی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۹۵۷ء۔

۵۴:- تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۹۱-۹۲ (مولانا دین محمد وفائی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۹۷۴ء۔

سنہ ۹۸۱ ہجری (علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں برار کے علم دوست اور محسن علماء حاکم تغال خان نے وفات پائی - جو بالخصوص، ان سندھی مہاجر مشائخ کے بڑے محسن و معاون تھے - ان کی وفات کے بعد ملک کا نظم و نسق درہم برہم ہو گیا[۱] - دوسری طرف اکبر مغل بادشاہ کے حملے سے بھی برار میں انتشار پھیل گیا تھا۔ ان وجوہات کی بناء پر ان علماء کا، برار میں، رہنا دشوار ہو گیا تھا - لیکن چونکہ ان کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی شہرت دور و دراز ملکوں میں پھیل گئی تھی اس لئے[۲] حاکم خاندیس عادل شاہی فاروقی نے، جو علم و علماء کے بڑے قدر دان تھے، ان تینوں محدثین "شیخ طاہر، شیخ عیسٰے جند اللہ اور شیخ طیب ٹھٹھوی (صاحب ترجمہ) کو اپنے ملک برہان پور آنے کی دعوت دی - اور علامہ ٹھٹھوی کے لئے بہت اصرار کیا[۳] - چنانچہ آپ شیخ طاہر کے ساتھ برہان پور تشریف لے گئے - اور وہاں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو کر تدریس و تحدیث کا سلسلہ جاری کیا - اور تادم زیست علوم حدیث اور فنون شریعت وغیرہ کی خدمت و اشاعت میں مشغول و مصروف رہے -

علامہ عبدالحی الحسنی آپ کے ترک وطن اور اشاعت علم و فن کے بارے میں لکھتے ہیں[۴]، "ثم ترامی بہ الاغتراب الی ارض برار فسکن ببلدۃ ایلجبور زمانا ثم دخل برھان بور مع الشیخ طاھر بن یوسف السندی وکان یدرس ویفید - قرأ علیہ الشیخ عیسٰی بن قاسم بعض الکتب الدرسیۃ فی الاصول والکلام" ترجمہ:- پھر انہیں (شیخ طیب کو) مسافرت نے برار میں لے پھینکا - اور وہ ایک عرصہ تک ایلچپور شہر میں سکونت پذیر رہے - پھر شیخ طاہر بن یوسف سندھی کے ساتھ برہان پور میں داخل ہوئے -

---

۵۱:- فقہائے ہند ج۲ حصہ ۲ صفحہ ۲۹۰ ترجمہ شیخ عیسٰے جند اللہ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۸ء
۵۲:- ایضاً - ایضاً - ایضاً - ایضاً -
۵۳:- اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار صفحہ ۳۲۸ (مولانا محمد غوثی) مترجم فضل احمد جیوری - مطبوعہ لاہور، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۵ھ
برہان پور کے سندھی اولیاء، صفحہ ۱۹۰ (مولانا سید محمد مطیع اللہ راشدی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ سنہ ۱۹۵۷ء
۵۴:- نزہۃ الخواطر ج۴ صفحہ ۱۶۵ (علامہ عبدالحی الحسنی لکھنوی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء -
۵۵:- تذکرہ مشاہیر سندھ صفحہ ۹۱-۹۲ (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۵۰ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ سنہ ۱۹۷۴ء -
اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار صفحہ ۳۲۷-۳۲۸ -

اور ان کا کام ہی درس وافادہ تھا۔ شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی نے ان سے اصول اور کلام کی بعض درسی کتابیں پڑھیں۔

مولانا سید محمد مطیع اللہ راشدی نے آپ کی تعلیمی وتدریسی خدمات کا، ان الفاظ میں، بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں "نہ صرف آپ حافظ، قاری اور عالم بے بدل ہونے کے اعتبار سے خود فیض یافتہ تھے بلکہ اپنے سرچشمۂ علوم سے طالبانِ فضل وکمال کو سیراب کرنے کی فیض رسانی سے بھی دریغ نہ فرماتے۔ چنانچہ حضرت مسیح الاولیاء فقہ اور کلام میں آپ کے شاگرد ہیں"۔[۵۱]

مولانا راشدی صاحب آگے آپ کے سفرِ برہان پور اور وہاں کے نشرواشاعت علوم کے متعلق لکھتے ہیں "فاروقی بادشاہ نے حضرت شیخ طاہر کے علاوہ آپ سے بھی برہان پور تشریف لانے کے لئے اصرار کیا تو آپ بھی برہان پور آگئے۔ اور فیض رسانیٔ خلق کے مشاغل پر دس سال سے زائد عرصہ تک یہاں بھی کاربند رہے"۔[۵۲]

مولانا محمد اسحاق بھٹی اس سلسلے میں لکھتے ہیں "درس وافادہ ان کا اصل کام تھا۔ ساری زندگی اسی خدمت میں صرف کردی۔ متعدد حضرات نے ان سے علم حاصل کیا، شیخ عیسےٰ بن قاسم سندھی بھی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ انہوں نے ان سے اصول وکلام کی بعض درسی کتابیں پڑھیں"۔[۵۳]

اسی طرح مولانا محمد غوثی شطاری[۵۴] اور مولانا دین محمد وفائی[۵۵] نے اپنے اپنے تذکروں میں آپ کی تدریسی وتحدیثی خدمات وکارناموں کی تعریف وتوصیف کی ہے۔

۵۱:- برہان پور کے سندھی اولیاء صفحہ ۱۹ (مولانا سید محمد مطیع اللہ راشدی) مطبوعۂ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۷ء

۵۲:- ایضاً ایضاً ایضاً۔

۵۳:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۰۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعۂ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور سنہ ۱۹۷۶ء طبع اول۔

۵۴:- اذکار ابرار ترجمۂ گلزار ابرار ص ۳۲۷-۳۲۸ (مولانا محمد غوثی شطاری) مترجم فضل احمد جیوری۔ مطبوعۂ لاہور، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۵ء۔

۵۵:- تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۹۱-۹۲ (مولانا دین محمد وفائی ج ۱) مطبوعۂ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۷۴ء۔

تصنیف و تالیف۔

شیخ طیبؒ ٹھٹوی نے جہاں، علوم حدیث و فنون شریعت کی، تدریس و تحدیث سے، خدمت کی۔ وہاں انہوں نے تصنیف و تالیف سے بھی اس فن شریف کی، قابل قدر اشاعت کی۔ ان کی تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابیں ان کی یادگار ہیں۔

(۱) شرح رسالہ غوثیہ۔

(۲) حاشیہ مشکاۃ شریف۔

یہ مصنف کی مشہور یادگار اور شاہکار تصانیف میں شمار ہوتی ہیں۔ سارے مترجمین نے ان کتابوں کی بے حد تعریف کی ہے۔ مولانا سید محمد مطیع اللہ راشدی لکھتے ہیں، "آپ کی تالیفات سے رسالہ غوثیہ کی مفید شرح اور مشکواۃ پر عمدہ عمدہ حاشیے یادگار ہیں[۱]" مولانا محمد غوثی لکھتے ہیں،... "القصہ آپ نے ایک مفید شرح غوثیہ پر لکھی ہے اور آپ کے عمدہ عمدہ حاشیے مشکواۃ، حدیث، پر بھی ہیں[۲]"۔ اسی طرح علامہ عبدالحی الکھنوی[۳]، مولانا دین محمد وفائی[۴] اور مولانا محمد اسحاق بھٹی[۵] نے اپنے اپنے تراجم میں ان کا توصیفی تذکرہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں، علامہ عبدالحی بن فخر الدین الحسنی لکھنوی نے اپنی دوسری کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" میں ان کی ایک اور تصنیف "شرح سنن ترمذی" کا بھی ذکر کیا ہے۔ آپ اپنی کتاب کے "باب شروح جامع الترمذی" میں لکھتے ہیں، "و شرح علیہ للشیخ طیب بن ابی الطیب السندیؒ

ح ۱:۔ برہان پور کے سندھی اولیاء، ص ۱۹۰ (مولانا سید محمد مطیع اللہ راشدی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۷ء۔

ح ۲:۔ اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار، ص ۳۲۷-۳۲۸ (مولانا محمد غوثی شطاری) مترجم فضل احمد جیوری۔ مطبوعہ لاہور اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۵ھ۔

ح ۳:۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۶۵ (علامہ عبدالحی بن فخر الدین الحسنی لکھنوی) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء۔

ح ۴:۔ تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۹۱-۹۲ (مولانا دین محمد وفائی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۷۴ء۔

ح ۵:۔ فقہائے ہند ج ۳، ص ۲۰۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء۔

البرهان پوری[1]" یعنی، اس پر (سنن ترمذی پر) شیخ طیبؒ بن ابی الطیب سندھی برہان پوری کی ایک شرح ہے۔
اس طرح سے شیخ ٹھٹھوی کی تصانیف میں سے تین کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے لیکن کسی مترجم نے ان کے مخصوص نام و تراجم بیان نہیں کئے۔ اور نہ ہی ان کا اس ملک میں کوئی درک ملتا ہے۔ شاید فاضل مصنف کا یہ علمی ذخیرہ بھی ان کے ترکِ وطن وارتحال کے باعث یہاں سے منتقل و ناپید ہو گیا۔

وفات۔

شیخ طیب ٹھٹھوی نے دسویں صدی کے آخری دہے میں وفات پائی۔ لیکن متعین تاریخ، کتب تراجم میں، مذکور نہیں۔ مولانا سید محمدؒ مطیع اللہ راشدی لکھتے ہیں "غوثی کا بیان[2] ہے کہ دسویں صدی کے دسویں حصے میں (یعنی سنہ ۹۹۱ھ کے بعد کسی سنہ میں) انتقال فرمایا۔ اور شیخ ابراہیم بن عمر کے خطیرے میں دفن ہوئے[3]" علامہ عبدالحی لکھنوی نے بھی یہی روایت لکھی ہے[4]۔

ص[1]:۔ الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ص (مولانا عبدالحی بن فخر الدین م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دمشق سنہ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء
ص[2]:۔ اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار ص ۳۷۸ (مولانا محمدؒ غوثی) مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور سنہ ۱۳۹۵
ص[3]:۔ برہان پور کے سندھی اولیاء ص ۱۹ (مولانا سید محمدؒ مطیع اللہ راشدی) مطبوعہ:۔ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ سنہ ۱۹۵۷ء
ص[4]:۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۶۵ (علامہ عبدالحی بن فخر الدین الحسنی لکھنوی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۷۶ھ/سنہ ۱۹۵۶ء

شیخ رحمت اللہ رح

حسب و نسب :- آپ کا نام و نسب یہ ہے، شیخ رحمت اللہ بن شیخ عبداللہ القاضی بن ابراہیم عمری السندی الدربیلوی المتقی المہاجر المدنی -[۱]

شیخ رحمت اللہ قرن دہم کے ممتاز مشائخ محدثین و علماءِ عاملین سے ہیں -

آپ قصبہ دربیلہ (سندھ) کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے - اور اپنے علاقے میں نشو و نما پائی - خاندانی فضیلت و شرافت اور اپنے ذاتی فضل و کمال کی بدولت عوام و خواص میں بڑی عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے -[۲]

ترکِ وطن اور تحصیل علم و فن -

شیخ رحمت اللہ کی ابتدائی تعلیم و تحصیل کے بارے میں کوئی واضح اور تفصیلی ترجمہ دستیاب نہیں ہوتا - البتہ مولانا محمد اسحاق کے مندرجۂ ذیل بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد قاضی عبداللہ سے حاصل کی تھی - قاضی موصوف کا اپنے آبائی شہر دربیلہ میں دار العلوم جاری تھا - جس میں ان کی ہجرت اور روانگی گجرات (۹۳۲ھ) تک باقاعدگی سے تدریس و تحدیث کا سلسلہ جاری تھا - مولانا محمد اسحاق آپ کے والد قاضی عبداللہ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، " ابتداء میں اپنے اصل وطن دربیلہ میں رہتے تھے - اور وہاں ان کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا "-[۳]

مولانا موصوف آگے لکھتے ہیں، " قاضی عبداللہ کے تین خلیفے اور شاگرد تھے اور وہ تھے، شیخ صالح، شیخ رحمت اللہ اور شیخ حمید - شیخ رحمت اللہ اور شیخ حمید قاضی ممدوح کے فرزند تھے "-[۴]

---

۱ ، ۲ :- نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۱۳ (علامہ شیخ عبدالحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء
۲ :- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۷۰ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء - طبع اول -
۳ ، ۴ :- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۲۹ -

اسی طرح مولانا عبدالحی کا بیان بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے پہلے اپنے شہر وطن میں درس و فیض علوم حاصل کیا تھا۔ لکھتے ہیں، "ولد بدربیلہ من اعمال السند و نشأ بها علی افضل عظیم"[ع۱] ترجمہ:۔ (شیخ رحمت اللہ) دربیلہ میں، جو مواضعات سندھ سے ہے، پیدا ہوئے۔ اور وہاں ہی بڑے فضل و عظمت میں نشو و نمایائی۔ یعنی اپنے پیدائشی شہر دربیلہ میں علمی فضل و کمال کے تحت پلے بڑھے۔

شیخ رحمت اللہ ۹۳۲ھ میں اپنے والد ماجد قاضی عبداللہ کے ہمراہ گجرات چلے گئے[ع۲]۔ جہاں یہ لوگ ۹۴۷ھ تک مقیم رہے۔ اس اثناء میں شیخ عبداللہ المتقی الدربیلوی السندی بھی وہاں تشریف لائے۔ اور یہ ہم وطن فضلاء کچھ عرصہ کے لئے گجرات میں ہم صحبت رہے۔ پھر یہ سب دربیلوی مہاجرین ہم سفر ہو کر حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ اور ۹۷۷ھ تک وہاں سکونت پذیر ہوئے[ع۳]۔

شیخ رحمت اللہ نے وہاں کے مشائخ کبار و ائمہ حدیث سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ جن میں سے "تنزیہ الشریعۃ" کے مصنف شیخ علی بن محمد بن عراق الخطیب المدنی قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی آپ کے ارتحال و تحصیل علوم کے باب میں لکھتے ہیں، "ورحل الی گجرات مع ابیہ ثم سافر الی الحرمین الشریفین واخذ الحدیث عن الشیخ علی بن محمد بن عراق الخطیب المدنی صاحب تنزیہ الشریعۃ وعن غیرہ من ائمۃ الحدیث"[ع۴] ترجمہ:۔ (شیخ رحمت اللہ) اپنے والد کے ہمراہ گجرات کی طرف منتقل ہو گئے۔ پھر حرمین شریفین کا سفر کیا۔ اور حدیث اخذ کی شیخ علی بن محمد بن عراق الخطیب المدنی سے صاحب "تنزیہ الشریعۃ" سے۔ اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث سے۔

~~اور یہی بیان مولانا محمد اسحاق بھٹی اور قاضی عبدالنبی نے بھی کیا ہے~~ [کوکب نے بھی نقل کیا ہے]۔

علاوہ ازیں، مقالہ، "علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ" میں علامہ شیخ علی المتقی البرہانپوری کے

ع۱۔ نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۱۲ (علامہ عبدالحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء

ع۲۔

ع۳۔ فقہائے ہند ج۳ ص۱۷۷ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء۔ طبع اول

ع۴۔ فقہائے ہند ج۳ ص۲۲۶، ۲۳۴-۲۳۵، فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص۱۶۹، ۱۸۰ (قاضی عبدالنبی کوکب) (ج۲) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۶۳ء۔

نزیل مکۃ المکرمہ کو بھی آپ کے شیوخ میں شمار کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں، "مکہ معظمہ میں شیخ علی متقی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ چلے گئے" [۱]

مولانا دین محمد وفائی (م ۱۹۴۹ء) نے بحوالہ اخبار الاخیار مولانا شیخ عبداللہ المتقی اور صاحب ترجمہ شیخ رحمت اللہ المتقی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ دونوں فضلاء شیخ علی المتقی کے مرید تھے۔ اور مولانا محمد اسحاق بھٹی نے فقہائے ہند میں یہی بیان لکھا ہے [۲]

پھر مولانا دین محمد آپ کی سکونتِ مدینہ منورہ اور تحصیل حدیث کے بارے میں... لکھتے ہیں، [عہ] "شیخ رحمۃ اللہ مدینے (مطہرہ) ۾ رهی علم حدیث جی تحصیل کی انتہا تی پهچایو، خصوصاً "شیخ ابوالحسن البکری" جو ھن وقت دنیا جو وڈو محدث ۽ صوفی ھو. ھن کان حدیث جون بے نظیر سندون حاصل کیائین ۽ ٻین محدثن جی خدمت مان عالی درجے جون سندون حاصل کیائین"

ترجمہ:- شیخ رحمت اللہ نے مدینہ منورہ میں رہ کر تحصیل حدیث کو انتہا پر پہنچایا۔ خصوصاً شیخ ابوالحسن البکری، جو اس وقت دنیا کے بڑے محدث اور صوفی تھے، آپ نے ان سے حدیث کی بے نظیر سندیں حاصل کیں۔ اور دوسرے محدثین کی خدمت میں اعلیٰ درجے کی سندیں حاصل کیں۔

شیوخ واساتذہ۔

مترجمین کے مسطورہ بالا بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کے شیوخ واساتذہ بیشمار ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل مشائخ کا بالخصوص ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) شیخ علی المتقی البرہانپوری نزیل مکۃ المکرمہ، صاحب کنز العمال م ۹۷۵ھ

(۲) شیخ ابوالحسن البکری الشافعی

(۳) شیخ علی بن محمد بن عراق الخطیب المدنی، صاحب تنزیہ الشریعۃ عن الاحادیث الموضوعۃ

(۴) شیخ قاضی عبداللہ الدربیلوی السندی (والد شیخ رحمت اللہ صاحب ترجمہ)۔

۱:- علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ص ۳۲۷ (مولانا شاہد حسین رزاقی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء۔

عہ } ۱:- تذکرہ مشاہیر سندھ ص (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۴۹ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

۲:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۷ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء۔

درس و افادہ

شیخ رحمت اللہ ۹۷۰ھ میں شیخ عبداللہ المتقی کے ہمراہ واپس ہندوستان تشریف لائے اور دوبارہ گجرات میں اقامت گزین ہوکر سالہا سال تدریس و تحدیث میں مشغول و مصروف رہے ۔ اور بے شمار طلباء و علماء اور خلق خدا نے آپ سے سماعت و تحصیل حدیث کی ۔

چونکہ آپ ہجرتِ عرب سے قبل گجرات میں کافی عرصہ رہ چکے تھے اس لئے آپ یہاں نہایت آسانی سے کامیاب ہوئے ۔ مولانا سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں :

" ثم عاد الی الھند و معہ الشیخ عبداللہ بن سعد اللہ السندی فاقام بگجرات و کانت لہ کالوطن لطول اللبث وامتداد الاقامۃ بہا قبل الرحلۃ الی المشعر الحرام فدرس بہا اعواماً و اخذ عنہ خلق لایحصون لحدّ و عدّ "[۱]

ترجمہ :- پھر (شیخ رحمت اللہ) ہندوستان کی طرف مراجعت فرمائی اور آپ کے ساتھ شیخ عبداللہ بن شیخ سعد اللہ السندی تھے ۔ اور گجرات میں اقامت اختیار کی ۔ اور گجرات آپ کے لئے آپ کی ، قبل ہجرتِ حرمین شریفین ، وہاں طویل سکونت و اقامت کے باعث ، وطن اصلی بن چکا تھا تو آپ نے وہاں (گجرات میں) کئی سال درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا ۔ اور آپ سے اتنے لوگوں نے اخذ علوم کیا جن کا احصار و شمار نہیں کیا جا سکتا ۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی آپ کی مراجعتِ گجرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں " وہاں سالہا سال درس و افادہ میں مصروف رہے ۔ اور بیشمار لوگوں نے ان سے استفادہ کیا "[۲]

مولانا عبدالحی الحسنی اپنی دوسری کتاب " الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند " میں باب " الحدیث فی بلاد الھند " کے بیان میں لکھتے ہیں : " ثم وفق اللہ سبحانہ بعض العلماء ان رحلوا الی الحرمین الشریفین واخذوا الحدیث وجاءوا بہ فی الھند وانتفع بہم خلق کثیر ۔ کالشیخ عبداللہ بن سعد اللہ السندی والشیخ رحمۃ اللہ بن عبداللہ بن ابراھیم السندی المھاجرین الی الحجاز فانھما قدما الھند ودرسا بگجرات مدۃ طویلۃ ثم رجعا الی الحجاز "[۳] ترجمہ :- پھر اللہ تعالٰی نے بعض علماء کو توفیق عطا کی کہ وہ حرمین شریفین منتقل ہو گئے ۔ اور علوم حدیث کی تحصیل کر کے ہندوستان (واپس) آگئے اور ان سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا ۔ مثلاً شیخ عبداللہ بن سعد اللہ السندی اور شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ بن ابراہیم السندی (دونوں) مہاجرین حجاز تھے ۔ ہندوستان آئے اور ایک لمبے عرصے تک گجرات میں تدریس و تحدیث کا کام کیا ۔ پھر حجاز واپس چلے گئے ۔

۱ :- نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۱۲ - ۱۱۳ (مولانا عبدالحی بن فخر الدین م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء

۲ :- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۴۷ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء - طبع اول -

۳ :- الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند ص ۱۳۶ (مولانا عبدالحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دمشق ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء -

شیخ رحمت اللہ کا علم و عمل میں مقام

شیخ رحمت اللہ السندی اپنے قرن و زمانے کے مشائخ کبار و محدثین زخار سے تھے۔ آپ علوم حدیث و فنون شریعت میں یکساں طور پر ماہر و فاضل تھے۔ اس لئے آپ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی شمار کئے جاتے ہیں۔

مولانا عبدالقادر بن شیخ عبداللہ العیدروسی اپنی کتاب "النور السافر" میں آپ کو "الشیخ الفاضل العالم المحدث الفقیہ" کے القاب سے متصف کرتے ہیں[۱]

اسی طرح شیخ عبدالحی آپ کا ترجمہ "الشیخ العالم الکبیر المحدث" کے الفاظ سے شروع کرتے ہیں[۲]

مولانا عیدروسی نے امام ربانی شیخ احمد سرہندی کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ رحمت اللہ کو "شیخ الحرمین" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا[۳]

مولانا محمد اسحاق بھٹی آپ کا ترجمہ ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں، "اپنے دور کے شیخ، عالم و فاضل اور محدث و فقیہ تھے"۔ ایک جگہ پر لکھتے ہیں، "شیخ رحمت اللہ دسویں صدی ہجری کے ارض ہند کے وہ بزرگ تھے جو علم و فضل اور تقویٰ و صالحیت کے زیور سے آراستہ تھے[۴]۔ مولانا موصوف آپ کے والد شیخ قاضی عبداللہ کے ترجمے میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں، "قاضی عبداللہ کے بیٹے شیخ رحمت اللہ اپنے عہد کے یگانہ عالم دین تھے"۔[۵]

شیخ رحمت اللہ نہ صرف علم و فضل میں صاحب کمال تھے بلکہ وہ ورع و تقویٰ اور زہد و عمل کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ آپ جہاں محدث فاضل و رہبر شریعت تھے وہاں آپ مرشد کامل و پیر طریقت بھی تھے۔

علامہ نور الدین شیخ ملا علی القاری بن سلطان محمد الھروی (م ۱۰۱۴ھ) آپ کی کتاب لباب المناسک کا ترجمہ کرتے وقت یہ تمہید لکھتے ہیں، "لما رأیت لباب المناسک

۱:- النور السافر ص ۳۴۲ (علامہ عبدالقادر بن شیخ عبداللہ العیدروسی المغربی) مطبوعہ مطبعۃ الفرات بغداد ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء۔
۲:- نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۱۲ (مولانا عبدالحی بن فخرالدین بن عبدالعلی الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن طبع ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء،
۳:- النور السافر ص ۳۴۲۔
۴:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۷۰ ۵:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۲۹۔

مختصراً لنفع الناسك للعالم العلامة والفاضل الفهامة مرشد السالکین ومفید الناسکین الشیخ رحمة الله السندی رحمه الله الابدی سنح ببالی ان اشرحه [ا] ترجمہ:- جب میں نے، عالم علامہ اور فاضل فہامہ سالکین کے پیر طریقت اور عاملین حج کے افادہ کرنے والے شیخ رحمت اللہ السندی (انہیں اللہ ابدی رحمت کرے) کی (کتاب) لباب المناسک کو دیکھا کہ عامل حج کے افادے کے لئے مختصر تھی تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس کی تشریح کرلوں۔

شیخ رحمت اللہ السندی اور شیخ عبد اللہ المتقی دونوں فضلاء، علم وفضل اور عمل وصلاح اور زہد وتقویٰ میں ضرب المثل تھے۔ ان کو اِن اعلےٰ خصائل وفضائل کی بنا پر حرمین شریفین میں بہت بڑی عزت وجاہ حاصل تھی۔ اور اہل علم انہیں "شیخین" کے لقب سے ملقب کرتے تھے۔ عرب وہند میں وہ اس اعلےٰ لقب وخطاب سے مشہور تھے۔ جس سے فضلاء حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالےٰ عنہما) مراد لیتے ہیں۔

مولانا رحمٰن علی اپنی کتاب "تذکرہ علمائے ہند" میں اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"طلبۂ ایں دیار ایشاں را "شیخین" مے گفتند۔ خواجہ عبد الشہید عبد اللہی رہ می فرمودند کہ ایں شیخین یاد ازاں شیخین می دہند کہ ابوبکر صدیق وعمر فاروق باشند رضی اللہ تعالےٰ عنہما [۲]" ترجمہ:- اِس علاقہ کے طلباء ان کو (شیخ رحمت اللہ اور شیخ عبد اللہ المتقی کو) "شیخین" کہا کرتے تھے۔ خواجہ عبد الشہید عبد اللہی فرماتے تھے کہ یہ شیخین (شیخ رحمت اللہ اور شیخ عبد اللہ) ان شیخین کی یاد دلاتے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ہوتے ہیں رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔

۱:- اخبار الاخیار ص ۲۶۹ (علامہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ) مطبوعہ دار الاشاعت کراچی ۱۹۶۳ء۔

۲:- تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۲ (مولانا رحمٰن علی ۱۳۲۵ھ) مطبوعہ نول کشور ہند ۱۹۱۴ء۔

شیخ رحمت اللہ اس قدر اعلیٰ عزیمت و تقویٰ کے مالک تھے کہ باوجود شدید حاجت و ضرورت کے کسی سے کوئی تحفہ و نذرانہ قبول نہ فرماتے۔ جن دنوں آپ حجاز میں قیام پذیر تھے ان دنوں شیخ علی بن حسام الدین صاحب کنز العمال بھی وہاں مقیم تھے۔ اور آپ شیخ کے حلقۂ درس و فیض میں شامل تھے اس زمانے میں عثمانی حکومت مستحقین و مساکین اور حاجت مند اشخاص میں تقسیم کرنے کی خاطر وقتاً فوقتاً بہت سامال و نقدی شیخ علی بن حسام الدین کی خدمت میں بھیجا کرتی تھی۔ لیکن شیخ رحمت اللہ ان میں سے کچھ بھی نہیں لیتے تھے۔

اس سلسلے میں شیخ عبدالحی لکھتے ہیں[1]، وکان صاحب تقویٰ وعزیمۃ کان لایقبل النذور عند اقامتہ فی الحجاز لنوع شبہۃ فیھا۔ وکان السلطان العثمانی یبعث بھا الی الشیخ علی بن حسام الدین المتقی لقسمتھا علی المحاویج والعلماء

ترجمہ:۔ (شیخ رحمت اللہ) صاحب عزم و تقویٰ تھے۔ اپنی اقامت حجاز کے دوران نذر و تحائف کو ان میں ایک گونہ شبہ محسوس کرنے کے باعث، قبول نہیں کرتے تھے۔ حکومت عثمانی یہ رقومات محتاج لوگوں اور علماء میں تقسیم کرنے کی خاطر شیخ علی بن حسام الدین المتقی کی خدمت میں بھیجا کرتی تھی۔

[1]:۔ نزہتہ الخواطر ج۴ ص ۱۱۳ (علامہ عبدالحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء

تصانیف۔

شیخ رحمت اللہ تدریس و تحدیث کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی علوم حدیث و فنون شریعت کی خدمت کرتے رہے۔ مندرجہ ذیل کتابیں آپ کی تصنیفی یادگار ہیں :۔ ۵۰

(۱) جمع المناسک ونفع الناسک :۔ یہ، (۲۰۷) اوراق پر مشتمل مناسک حج میں ایک مفصل اور نہایت مفید کتاب ہے۔ زبان عربی اور سال تصنیف ۹۵۸ھ ہے اس کا آغاز حسب ذیل تحمیدی و تمہیدی الفاظ سے کیا گیا ہے :۔ ۵۱

"الحمد للہ الذی ھدانا الی الاسلام و کلفنا بالشرائع والاحکام۔"

یہ کتاب، احکام و مناسکِ حج میں فقہ حنفی کے مسلک پر ایک قابل قدر اور جامع و بسیط تصنیف ہے۔ بعض مقامات پر دوسرے مذاہب کا مسلک بھی بیان کیا گیا ہے۔ قاضی عبد النبی کوکب نے کتاب کے صرف نصف اول کے ابواب کی تفصیل دی ہے جو حسب ذیل ہے :۔ ۵۲

"باب آداب مرید الحج، باب شرائط فریضۃ الحج، باب فرائض الحج و ارکانہ وواجباتہ وسننہ وغیر ذالک باب المواقیت باب الاحرام باب دخول مکۃ وطواف القدوم، باب انواع الاطوفۃ واسمائھا و احکامھا، باب السعی بین الصفا والمروۃ، باب خروج الحاج من مکۃ الی عرفۃ والاحرام منھا وما یتعلق بذالک باب الوقوف بعرفۃ واحکامہ، باب المزدلفۃ باب طواف الزیارۃ، باب رمی الجمار واحکامہ، باب التمتع

۵۱
۵۲ } ۔ فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ج ۲ حصہ ۱۷۹، ص ۱۴۱، شمارہ ۵۳ (مرتبہ قاضی عبد النبی کوکب ایم اے)۔ مطبوعہ: پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ ۱۹۷۵ء طبع اول۔

۵۰ :۔ فہرست مخطوطات، نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۱۲-۱۱۳ (صرف دو کتابوں "کتاب المناسک اور منسک صغیر کا ذکر کیا گیا ہے)۔ فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۰۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔

اس کا ایک نسخہ بانکی پور لائبریری میں موجود ہے۔ اور اس کی طباعت کے متعلق قاضی عبدالنبی کوکب لکھتے ہیں کہ معجم المطبوعات کا بیان ہے کہ یہ کتاب ۱۲۸۹ھ میں آستانہ سے چھپی تھی۔ لیکن براکلمن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی محض تلخیص چھپی تھی۔[1] ... زاسے "مجمع المناسک و نفع المناسک" کے نام سے ذکر کیا ہے ... کر ... کتب خانہ سلیمانیہ میں موجود ہیں[2]

لباب المناسک اس کا پورا نام، فقہائے ہند[3] میں لباب المناسک و عباب المسالک مذکور ہے۔ یہ جمع المناسک کی تلخیص ہے۔ قاضی عبدالنبی اس سلسلے میں لکھتے ہیں، "مولف کی دوسری کتاب، اس موضوع پر لباب المناسک ہے۔ جسے خود مولف نے اپنی کتاب جمع المناسک زیر نظر سے تلخیص کیا تھا۔" کتاب کی ابتدا ان تحمیدی الفاظ سے ہوتی ہے۔ الحمد للہ اکمل الحمد علی ما ھدانا للاسلام[4]

ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی (م ۱۰۱۴ھ) نے اس کتاب کی ۱۰۱۲ھ میں، شرح لکھی جس کا نام انہوں نے "المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط" رکھا۔

اس کا آغاز ہے، "الحمد للہ الذی اوضح المحجۃ باوضح الحجۃ ... اما بعد .... فیقول ..... علی بن سلطان محمد القاری انی لما رائیت لباب المناسک مختصر لنفع الناسک للعالم العلامۃ والفاضل الفہامۃ مرشد السالکین و مفید الناسکین الشیخ رحمۃ اللہ السندی رحمہ اللہ الابدی سنح ببالی ان اشرحہ ...... واسمیہ المسلک المتقسط"[5]

یہ شرح ۱۳۰۳ھ میں قاہرہ میں طبع ہوئی تھی۔ اس کا خطی اور مطبوعی نسخہ بانکی پور لائبریری میں موجود ہے۔[6]

مولانا عبدالحی لکھنوی اور محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ ملا علی قاری نے کتاب المناسک کی

۱:- فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ج ب ص ۱۵۳ (قاضی عبدالنبی) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۵ء۔

۲:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۵۳ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء۔ طبع اول۔

۳:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۵۱ ۴:- فہرست مخطوطات ص ۱۲۳ ۵:- فہرست مخطوطات ص ۱۲۳ ۔ اخبار الاخیار ص ۲۶۹ (مولانا عبدالحق محدث دہلوی) مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۶۳ء

۶:- فہرست مخطوطات ص ۱۲۳ ۔

شرح لکھی ہے[۱] - لیکن ملا علی قاری کے اپنے الفاظ "لما رأیت لباب المناسک" صاف طور پر بتاتے ہیں کہ انہوں نے "لباب المناسک" کی شرح لکھی تھی -
دراصل، ان کے ترجمہ وکلمات آغاز سے یہ واضح ہوتا ہے کہ "کتاب المناسک" اور "لباب المناسک" دونوں ایک ہی تصنیف کے نام ہیں - البتہ محمد اسحاق بھٹی نے "کتاب المناسک" کا ترجمہ لکھنے کے بعد آگے "لباب المناسک" کا بھی بیان کیا ہے[۲] جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کو دو الگ الگ کتاب تصور کرتے ہیں -

(۳) مختصر فی مناسک الحج - جسے المنسک الصغیر بھی کہتے ہیں - قاضی عبد النبی لکھتے ہیں "اور تیسری تالیف کا نام ہے " مختصر فی مناسک الحج - اسے المنسک الصغیر بھی کہا جاتا ہے " ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بھی شرح لکھی ہے - جس کا نام "هدایة السالک فی نهایة المسالک" شرح کا سال تصنیف ۱۰۱۱ھ ہے اور الفاظ آغاز ہیں، "الحمد للہ الذی جعل الکعبة البیت الحرام قبلة للناس من العباد"[۳] -
اس شرح کا قلمی نسخہ بانکی پور لائبریری میں موجود ہے - حاجی خلیفہ چلپی[۴]، برا کلمن، مولانا عبد الحی لکھنوی[۵]، اور مولانا محمد اسحاق بھٹی[۶] نے بھی اس شرح کا ذکر کیا ہے -
مولانا محمد اسحاق بھٹی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شیخ رحمت اللہ کی، موضوع حج، پر چھ تصانیف شمار کرتے ہیں - مترجم موصوف اپنی کتاب فقہائے ہند ج ۳ صفحہ ۱۲۸ کی ابتدائی سطور میں لکھتے ہیں، "شیخ رحمت اللہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں ایک کا نام کتاب المناسک ہے" آگے لکھتے ہیں، "ان کی ایک اور تصنیف "منسک الصغیر" ہے - بھٹی صاحب اس کے بعد لکھتے ہیں، "شیخ رحمت اللہ درج ذیل کتابوں کے مصنف ہیں -
(۱) المناسک الصغیر -
(۲) لباب المناسک وعباب المسالک -
(۳) مجمع المناسک ونفع المناسک -
(۴) المناسک الاوسط -

۱:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۲۸ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور - طبع اول ۱۹۷۶ء -
نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۱۲، ۱۱۳ (علامہ عبد الحی بن فخر الدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۲ء طبع ۱
۲:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۲۸
۳:- فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص ۱۰۳ (قاضی عبد النبی کوکب) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۵ء طبع ۱
۴:- فہرست مخطوطات ص ۱۰۳ - ۵:- نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۱۳ - ۶:- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۲۸ -

حالانکہ شیخ رحمت اللہ کی، موضوع حج پر محض تین کتابیں ہیں۔ قاضی عبدالنبی کوکب لکھتے ہیں، "یہاں اس بات کی توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مولف نے احکام حج کے موضوع پر تین کتابیں تالیف کی تھیں" ۔ ۵۱

(۴) تلخیص تنزیہ الشریعۃ :- یہ علم حدیث میں، آپ کی ایک نادر تالیف ہے۔ تنزیہ الشریعۃ کا پورا نام "تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ" ہے۔ جو آپ کے استاذ شیخ علی بن محمد بن علی بن عبدالرحمٰن ابن العراقی، الکنانی الدمشقی کی کتاب ہے۔ جس میں انہوں نے علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی م ۵۹۷ھ اور امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی م ۹۱۱ھ کی بیان کردہ احادیث موضوع کو یک جا جمع کیا تھا۔ علامہ شیخ رحمت اللہ نے اس کی تلخیص لکھی۔ ۵۲

(۵) غایۃ التحقیق ونہایۃ التدقیق - اس کا دوسرا نام "رسالۃ فی الاقتداء بالشافعیۃ والخلاف بذالک" ہے۔ ع۵

اس کتاب میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ آیا، شافعی مسلک امام کے پیچھے "حنفی مذہب مقتدی کی نماز صحیح ہوگی یا نہ؟ ۵۳

اس کا ایک خطی نسخہ قاہرہ میں موجود ہے۔ ۵۴

---

۵۱ :- فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ج ۱ ص ۱۴۲ (قاضی عبدالنبی کوکب ایم ۔ اے) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۶۳ء طبع ۱

۵۲، ۵۳، ۵۴ :- فہرست مخطوطات ص ۱۷۰ - ۱۷۱ -

ع۵ :- فقہائے ہند ج ۳ ص ۱۴۸ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء، طبع اول -

وفات -

شیخ رحمت اللہ نے مکۃ المکرمہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔[ا] انہیں جب دفن کیا گیا تو فضا میں بادل چھائے۔ اور خوب بارش ہوئی۔ حالانکہ اس روز پہلے مطلع بالکل صاف تھا۔ شیخ محمد بن عبداللطیف الجامی الملکی مخدوم زادہ نے آپ کے مرثیہ میں ایک عمدہ قصیدہ لکھا ہے۔[۵۲] جس کا مندرجہ ذیل شعر اس واقعہ کی طرف دلالت کرتا ہے:۔

رحمۃ اللہ لا تفارق مثوی رحمۃ اللہ بالحیا والغمام۔

حقیقت میں یہ، خداوند قدوس کی جانب سے ان کی عزت و کرامت کی ایک کھلی دلیل ہے۔ دنیا میں اللہ کے بندوں کے یہاں بھی ان کی بہت بڑی قدر و منزلت تھی۔ لوگ انہیں شیخ الحرمین کے لقب سے پکارتے تھے۔[۵۳] اہل علم طبقہ انہیں اور شیخ عبداللہ المتقی السندی کو، بیاد شیخین (حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) الشیخین کہا کرتے تھے۔[۵۴]

شیخ رحمت اللہ کی تاریخ وفات کے بارے میں مولانا عبدالقادر عیدروسی لکھتے ہیں کہ وہ ۱۲۔ محرم الحرام ۹۹۳ھ میں وفات پاگئے۔[۵۵] مولانا امیر احمد المخدوم العباسی نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے تحفۃ الکرام کے حاشیہ میں اسے نقل کی ہے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی[۵۶] بھی اپنے ایک قول میں یہی روایت بیان کی ہے۔[۵۷]

لیکن چونکہ اس معاملے میں کافی اختلاف بھی ہے، لہٰذا یہ نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سالِ مختلفہ اقوال کو مع حوالہ پیش کیا جائے۔ ~~جو حسب ذیل ہیں۔~~

		سنہ	حوالہ
۱	مولانا عبدالقادر عیدروسی حضرمی۔	۹۹۳ھ۔	النور السافر ص۳۴۲۔
۲	مولانا مخدوم امیر احمد العباسی۔	۹۹۳ھ۔	حاشیہ تحفۃ الکرام ص۲۲۳ (اردو ترجمہ)
۳	مولانا محمد اسحاق بھٹی (ایک قول میں)	۹۹۳ھ۔	فقہائے ہند ج۳ ص۱۷۹۔
۴	مولانا خیر الدین زرکلی۔	۹۹۳ھ۔	اعلام (قاموس التراجم) ج۳ ص۲۰۸
۵	مولانا عبدالحی الحسنی۔	۹۹۴ھ۔	نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۱۳۔
۶	مولانا عبدالنبی کوکب۔	۹۹۴ھ۔	مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ج۱ ص۱۷۰
۷	مولانا محمد اسحاق بھٹی (ایک قول میں)	۹۹۴ھ۔	فقہائے ہند ج۳ ص۱۷۸۔

ا۔ النور السافر فی اخبار القرن العاشر ص۳۴۲ (مولانا عبدالقادر عیدروسی حضرمی) مطبوعہ
۲۔ تذکرہ علمائے ہند فارسی ص۶۲ (مولانا رحمان علی ۱۳۲۵ھ) مطبوعہ نولکشور (ہند) ۱۹۱۴ء طبع دوم
۳۔ فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری ج۱ ص۱۷۰ (مولانا عبدالنبی کوکب) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۶۵ء
۴۔ حاشیہ تحفۃ الکرام ص۲۲۳ (مخدوم امیر احمد عباسی ۱۳۲۷ھ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد۔ سندھ ۱۹۵۹ء۔

۵۲ تا ۵۳:۔ النور السافر ص۳۴۲، حاشیہ تحفۃ الکرام ص۲۲۳ - ۵۴:۔ تذکرہ علمائے ہند فارسی ص۶۲
۵۵:۔ النور السافر ص۳۴۲ حاشیہ تحفۃ الکرام ص۲۲۳ ۵۶:۔ فقہائے ہند ج۳ ص۱۷۹ (مولانا محمد اسحاق) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء

۸	شیخ عمر رضا کحالہ	سنہ ۹۷۸ھ	معجم المؤلفین ج ۷ ص ۱۵۴
۹	مولانا رحمٰن علی -	سنہ ۹۹۰ھ	تذکرہ علمائے ہند ص ۶۲ -
۱۰	مولانا دین محمدؒ وفائی -	سنہ ۹۹۰ھ	تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۸۴
۱۱	مخدوم امیر احمد عباسی	سنہ ۹۹۲ھ	سرزمین سندھ میں علم حدیث الرحیم جولائی سنہ ۱۹۶۳ء -

اس جدول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ متقارب اقوال سنہ ۹۹۳ھ اور سنہ ۹۹۴ھ کے ہیں - اور کثرت روایت بھی ان کی ہے - اور مشہور بھی یہی ہیں - لھذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحیح تاریخ سنہ ۹۹۳ھ یا سنہ ۹۹۴ھ ہوگی - واللہ اعلم بالصواب !

شیخ عباس پاتری ؒ

حسب ونسب :- آپ کا نام ونسب[1] شیخ عباس بن جلال پاتری، ہکوری سندھی ہے۔ آپ قرن دہم کے فضلائے متقین وفقہائے محدثین سے ہیں۔

شیخ عباس ۹۰۲ھ ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام) میں بمقام پاتر پیدا ہوئے اور وہاں نشو ونما پاکر علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل کی۔ اس لئے آپ کو پاتری کہا جاتا ہے لیکن ۹۴۷ھ کے اوائل میں پاتر سے منتقل ہوکر قریہ ہکور (علاقہ بھکر) تشریف لے گئے۔ اور مستقل طور پر وہاں سکونت اختیار کی[2]۔ اس نسبت سے آپ کو ہکوری کہتے ہیں۔

شیخ عباسؒ کے تفصیلی سوانح حیات اور تحصیل علوم واساتذہ کی تفصیلات کے بارے میں کتب تراجم میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن مترجمین حضرات آپ کے علم وفضل کی بے حد توصیف وتعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہکور میں سکونت پذیر ہوکر آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ارتحال ہکور (۹۴۷ھ) سے قبل علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل، اپنے آبائی واجدادی شہر وعلاقہ (پاتر) میں، کرکے درجۂ مشیخت وفضیلتِ شیخیت پر فائز ہوچکے تھے۔

---

[1] تاریخ معصومی حصہ ۳ صفحہ ۲۳۰ (مولانا سید میر محمد معصوم بن سید صفائی ۱۰۱۴ھ) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی (ہند) ۱۹۳۸ء

[2] نزہۃ الخواطر حصہ ۴ صفحہ ۱۶۹ (علامہ سید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۳ھ ۱۹۵۴ء

فقہائے ہند جلد ۳ صفحہ ۲۰۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔

تدریس و تحدیث۔

شیخ عباس ہبکور میں نزول فرما ہونے کے بعد ہمہ تن درس و افادہ میں مصروف ہو گئے۔ اور تا دم زیست یعنی آمد ہبکور (۹۴۷ھ) سے تاریخ وفات (۹۹۸ھ) تک پورے ۵۱ سال مسلسل تدریس و تحدیث سے علوم قرآن و حدیث اور فنون شریعت وغیرہ کی خدمت و اشاعت کرتے رہے۔ بے شمار علماء و فضلاء اور خلق خدا نے آپ سے علوم تفسیر و حدیث وغیرہ کی تحصیل و تکمیل کی۔

آپ کے تلامذہ و رواۃ میں شیخ قاضی عبد السلام اور خلق کثیر شامل ہیں۔ علامہ سید عبد الحی لکھنوی آپ کی ہجرت ہبکور اور وہاں درس و افادہ کے متعلق لکھتے ہیں، "وانتقل منہا فی اوائل سنۃ سبع واربعین وتسع مائۃ الی قریۃ ھبکور من اعمال بھکر فسکن بہا وعکف علی الدرس والافادۃ"[۵۱] ترجمہ:- (شیخ عباس پاتر سے) سنہ ۹۴۷ کے اوائل میں ہبکور کی طرف (جو بھکر کے مواضعات سے ہے) منتقل ہو گئے۔ اور اس میں سکونت پذیر ہو کر پوری طرح درس و افادہ میں مشغول و مصروف ہو گئے۔

مولانا عبد الحی لکھنوی آگے لکھتے ہیں، "اخذ عنہ القاضی عبد السلام السندی وخلق آخرون"[۵۲] یعنی ان سے قاضی عبد السلام سندھی اور دوسرے لوگوں نے (علوم) کی تحصیل کی۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں، "ہبکور میں سکونت اختیار کی اور ہر طرف سے منقطع ہو کر درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ اور بے شمار لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ ان کے تلامذہ میں قاضی عبد السلام سندھی اور خلق کثیر شامل ہے"[۵۳]

مولانا سید میر معصوم البھکری لکھتے ہیں کہ لوگوں کو قرآن و حدیث سنایا کرتے تھے اور بڑے عجز و نیاز اور احترام کے ساتھ درسِ حدیث دیتے۔ جب قال اللہ، قال الرسول پڑھاتے تو آپ کے آنسو بہنے لگتے۔ اور سامعین بھی رو دیتے[۵۴]

۵۱، ۵۲:- نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۶۷ (علامہ سید عبد الحی الحسنی م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء۔

۵۳:- فقہائے ہند ج۳ ص۲۰۱ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء، طبع اول۔

۵۴:- تاریخ معصومی ص۲۳ ح۳ (مولانا سید محمد معصوم الترمذی البھکری م ۱۰۱۴ھ) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی (ہند) ۱۹۳۸ء۔

شیخ عباسؒ کا علم و عمل میں مقام۔

شیخ عباس پاتری علم و فن کے میدان میں سندھ کے مشائخ کبار میں شمار ہوتے ہیں بالخصوص علوم تفسیر و حدیث اور فنون شریعت میں شیخ وقت اور یگانہ زمانہ مانے جاتے ہیں۔

لیکن آپ، جس طرح، ظاہری علم و فضل میں صاحب جاہ و کمال تھے، اِسی طرح باطنی فضائل، عفت و تقویٰ میں بھی عدیم المثال رجال سے تھے۔

علامہ سید عبدالحی، آپ کے ترجمے میں لکھتے ہیں، "الشیخ الفاضل عباس بن جلال پاتری السندی احد المشائخ المشہورین بالفضل والکمال"[۵۱]

یعنی، شیخ فاضل عباسؒ بن جلال پاتری سندھی فضل و کمال میں مشاہیر مشائخ سے ہیں۔ آگے لکھتے ہیں، "وکان عالماً کبیراً قانعاً عفیفاً ماہراً فی الفقہ والحدیث والتفسیر"[۵۲] ترجمہ:- اور وہ عالِم کبیر، قانع، پرہیزگار اور (علومِ) فقہ، حدیث اور تفسیر میں ماہر تھے۔

مولانا سیّد میر محمد معصوم الترمذی البھکری (م ۱۰۱۹ھ) لکھتے ہیں، "در علم تفسیر و حدیث و فقہ و سائر علوم کمال مہارت داشتہ و تحقیق و تدقیق مسائل بروجہ اتم و اکمل فرمودہ در وقت حدیث تخشع و تذلل می فرمودند"[۵۳] ترجمہ:- (شیخ عباسؒ) علم تفسیر، حدیث، فقہ اور سارے علوم میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ مسائل کی تحقیق و تدقیق پورے طور پر مکمل طریقے سے کرتے۔ اور حدیث (کے درس و روایت) کے وقت نہایت عجز و انکساری فرماتے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی آپ کی تعریف و توصیف میں لکھتے ہیں، "مولانا عباس بن جلال پاتری سندھی اپنے دور میں سرزمین سندھ کے شیخ اور فاضل بزرگ تھے"[۵۴]

۵۱، ۵۲:- نزہۃ الخواطر ج۴ ص۱۶۷ (علامہ ابوالحسنات سید عبدالحی بن فخرالدین م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء

۵۳:- تاریخ معصومی ص۲۴۰ (مولانا سید میر محمد معصوم بن سید مولانا صفائی الترمذی البکری م ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی (ہند) ۱۹۳۸ء

۵۴:- فقہائے ہند ج۳ ص۲۰۵ (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔

آگے لکھتے ہیں، "عالم کبیر، قانع و عفیف اور تفسیر، حدیث اور فقہ کے ماہر تھے اس نواح میں اپنے فضل و کمال میں بہت مشہور تھے" [۱]

لیکن افسوس کہ اس جلیل القدر علامۂ سندھ کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں ملتا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی بھی اس حسرت کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں۔ "دسویں صدی ہجری کے سندھ کے اس عظیم المرتبت عالم دین اور فقیہ کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔ اور نہ اس سے زیادہ ان کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکے ہیں" [۲]

وفات:-

شیخ عبّاس پاتری محدث و مفسر اور فقیہِ سندھ نے چھیانوے (۹۶) سال کی عمر پا کر مورخہ ۱۴۔ شعبان المعظم ۹۹۸ھ ہجری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام) میں وفات پائی [۳]۔ (رحمہ اللہ تعالٰے)

[۱، ۲] فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۰۶ (مولانا محمد اسحٰق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۶ء طبع اول۔

[۳] تاریخ معصومی ج ۳ ص ۲۲۰ (مولانا میر محمد معصوم الترمذی البھکری) مطبوعہ مطبع قیمہ بمبئی (ہند) ۱۹۳۸ء۔
نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۶۷ (علامہ سید عبدالحی الحسنی ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء۔
فقہائے ہند ج ۳ ص ۲۰۶۔

مراجع و مصادر

شمارہ	(ا)
۱	ابجد العلوم - (نواب ابو الطیب صدیق حسن خان آف بھوپال) مطبوعہ مطبع الصدیقیہ بھوپال ۱۲۹۵ھ -
۲	اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین (نواب ابو الطیب صدیق خان) مطبوعہ مطبع الصدیقیہ بھوپال ۱۲۹۵ھ -
۳	احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم (علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المقدسی م ۳۹۰ھ) مطبوعہ بریل لیڈن ۱۹۰۶ء -
۴	اخبار الاخیار (علامہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی) - مطبوعہ دار الاشاعت کراچی - ۱۹۶۳ء -
۵	اذکار ابرار (اردو ترجمہ گلزار ابرار) مولانا محمد غوثی - مترجم فضل احمد جیوری مطبوعہ لاہور اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور - ۱۳۹۵ھ
۶	اردو دائرہ معارف اسلامیہ (ڈاکٹر عبد اللہ واراکین پنجاب یونیورسٹی) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء طبع ۱
۷	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (علامہ ابن الاثیر علی بن محمد بن محمد م ۶۳۰ھ) مطبوعہ :
۸	الاعلام - قاموس التراجم (علامہ خیر الدین زرکلی) - مطبوعہ بیروت - طبع ۲ -
۹	الاکمال فی اسماء الرجال (علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبید اللہ الخطیب) مطبوعہ - نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۶۸ھ -
۱۰	امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی (علامہ مناظر احسن گیلانی) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی طبع ۵ ۱۹۶۸ء -

۱۱	الامام الصادق والمذاہب الاربعۃ (علامہ اسد حیدر نجف اشرف) مطبوعہ مکتبۂ تعمیر ادب لاہور ۱۹۷۹ء -
۱۲	انسائیکلوپیڈیا (اردو) - ڈاکٹر عبدالوحید (پی ایچ ڈی لندن) ورفقاء - مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء

(ب)

۱۳	برہان پور کے سندھی اولیاء (مولانا سید محمد مطیع اللہ شاہ راشدی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۷ء -
۱۴	بستان المحدثین (اردو ترجمہ) (علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی - مترجم مولانا عبدالسمیع) مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی ۱۳۳۷ھ -
۱۵	البیان والتبیین (علامہ ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ المعتزلی م ۲۵۵ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۶۶ھ -
۱۶	البینات (اشاعت خاص) (مقالہ، محدثین سندھ مولانا محمد یوسف لدھیانوی) مطبوعہ نیو ٹاؤن کراچی - ۱۳۹۸ھ -
۱۷	پاکستان میں فروغ عربی (مقالہ جزء الدیبلی مولانا عبدالرشید نعمانی) مطبوعہ یونیورسٹی آف کراچی - ۱۹۷۵ء -

(ت)

۱۸	تاج التراجم (علامہ ابوالعدل قاسم بن قطلوبغا الحنفی م ۸۷۹ھ) مطبوعہ مطبع العانی بغداد ۱۹۶۲ء -
۱۹	تاریخ ابن اثیر (الکامل فی التاریخ) علامہ شیخ ابوالحسن علی بن محمد بن محمد ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۲۹۰ھ -
۲۰	تاریخ ابن خلدون (اردو ترجمہ) (مترجم حکیم احمد حسین الہ آبادی) - مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی - ۱۹۶۶ء -

۲۱ تاریخ ابن عساکر (امام ابن عساکر علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ثقۃ الدین م ۵۷۱ھ)
مطبوعہ روضۃ الشام ۱۳۳۲ھ

۲۲ تاریخ اسلام (ڈاکٹر حمید الدین) مطبوعہ فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور ۱۹۵۹ء

۲۳ تاریخ اسلام (صاحبزادہ عبدالرسول) مطبوعہ ایم آر برادرز لاہور۔

۲۴ تاریخ اشاعت اسلام (محمد اسمٰعیل پانی پتی) مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس لاہور طبع اول ۱۹۶۱ء

۲۵ تاریخ اصفہان (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ) قلمی نسخہ
جو شیخ الاسلام مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲۶ تاریخ افکار و علوم اسلامی (اردو ترجمہ الثقافۃ الاسلامیۃ) مترجم افتخار احمد بلخی
مطبوعہ ادارہ معارف اسلامیہ کراچی۔ طبع اول ۱۹۶۸ء۔

۲۷ تاریخ برہان پور (مولانا خلیل الرحمٰن) مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۷ھ

۲۸ تاریخ بغداد (امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ)
مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۱ء۔

۲۹ تاریخ جرجان (علامہ ابوالقاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم السہمی الجرجانی م
مطبوعہ دائرۃ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن ۱۹۵۰ء۔

۳۰ تاریخ الحدیث (پروفیسر عبدالصمد صارم ازہری) ۔ مطبوعہ
آکسفورڈ اینڈ کیمبرج پریس لاہور ۱۹۶۳ء۔

۳۱ تاریخ الخلفاء (امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی م ۹۱۱ھ)
ترجمہ اردو مترجم اقبال الدین احمد مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء

۳۲ تاریخ سندھ (مولانا غلام رسول مہر) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۹۵۸ء

۳۳ تاریخ طبری (علامہ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری م ۳۱۰ھ) اردو ترجمہ ۔ مترجم سید محمد ابراہیم
مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء۔

۳۴ تاریخ الفقہ (قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہارہ ضلع بجنور) مطبوعہ مکتبہ معین الادب
اردو بازار لاہور ۱۹۷۳ء۔

۳۵ تاریخ الکبیر (امام ابن عساکر علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ثقۃ الدین م ۵۷۱ھ) - مطبوعہ روضۃ الشام ۱۳۳۲ھ -

۳۶ تاریخ معصومی فارسی (مولانا میر محمد معصوم بھکری م ۱۰۱۹ھ) مطبوعہ مطبع قیمیہ بمبئی ۱۹۳۸ء -

۳۷ تاریخ معصومی (اردو ترجمہ) مترجم اختر رضوی - مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء -

۳۸ تحفۃ الکرام (اردو ترجمہ) مترجم اختر رضوی - مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء

۳۹ تذکرہ امیر خانی (مولانا پیر حسام الدین شاہ راشدی) مطبوعہ، سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۶۱ء -

۴۰ تذکرۃ الحفاظ (امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز الذہبی م ۷۴۸ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۳ھ

۴۱ تذکرہ صوفیائے سرحد (مولانا اعجاز الحق قدوسی) مطبوعہ، مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۶ء

۴۲ تذکرہ علمائے دیبل (مقالہ مولانا عبد العلیم ندوی) پاکستان میں فروغ عربی - مطبوعہ کراچی یونیورسٹی ۱۹۷۵ء -

۴۳ تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) مترجم ایوب قادری - مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء -

۴۴ تذکرہ علمائے ہند فارسی (مولانا رحمٰن علی م ۱۳۲۵ھ) مطبوعہ نول کشور (ہند) ۱۹۱۴ء

۴۵ تذکرہ مشاہیر سندھ (مولانا دین محمد وفائی م ۱۹۴۹ء) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۹۷۴ء -

۴۶ تشریحات فتح نامہ سندھ (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ) مطبوعہ: سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۶۳ء -

۴۷ تہذیب التہذیب (حافظ ابو الفضل احمد بن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ -

(ث)

۴۸ الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند (علامہ عبدالحی بن فخرالدین الحسنی م ۱۳۴۱ھ)
مطبوعہ دمشق (شام) ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔

(ج)

۴۹ الجامع البخاری (امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم البخاری م ۲۵۶ھ)
مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی ۱۳۸۱ھ/۱۹۳۸ء۔

۵۰ جامع بیان العلم (حافظ ابوعمر یوسف بن عبدالبر القرطبی الاندلسی م ۴۶۳ھ)
مطبوعہ مصر۔ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ۔

۵۱ جامع الترمذی (امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی م ۲۷۹ھ)
مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی ۱۳۸۰ھ۔

۵۲ الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ (علامہ ابومحمد عبدالقادر بن ابی الوفا م ۷۷۵ھ)
مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ طبع اول ۱۳۳۲ھ۔

(ح)

۵۳ حاشیہ بخاری شریف (علامہ احمد علی سہارنپوری)
مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی ۱۳۸۱ھ/۱۹۳۸ء۔

۵۴ حاشیہ نزہۃ الخواطر (علامہ سید عبدالعلی بن سید عبدالحی)
مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ ۱۳۶۶ھ

۵۵ حلیۃ الاولیاء (حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ)
مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء۔

(خ)

۵۶ خلاصۃ تہذیب الکمال (علامہ صفی الدین) مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ھ۔

۵۷ خلاصۃ التواریخ (سبحان رائے بٹالوی) مطبوعہ مطبع مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۶ء۔

(ر، ڑ)

۵۸ رجال السند والہند (قاضی اطہر مبارکپوری)
مطبوعہ کتبیلری بازار بمبئی۔ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔

۵۹ رحلہ ابن بطوطہ (علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد ابن بطوطہ الطنجی م)
مطبوعہ مکتبۃ التجاریہ مصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۸ء۔

۶۰ الرسالۃ المستطرفہ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفہ (علامہ محمد بن جعفر الکتانی م ۱۳۴۵ھ) مطبوعہ

۶۱ ریاض التاریخ (پروفیسر خورشید حسین بخاری)۔ مطبوعہ،
سلطان آرٹس پریس لاہور ۱۹۶۹ء۔

۶۲ ریاض الفقہ (پروفیسر عبدالغنی قادری) مطبوعہ تاج بکڈپو
اردو بازار لاہور ۱۹۶۹ء۔

(س، ش)

۶۳ سرزمین سندھ میں علم حدیث (مقالہ مولانا امیر احمد مخدوم العباسی م ۱۹۸۲ء
الرحیم ۱۹۶۳ء مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ ۱۹۶۳ء

۶۴ سرمایہ عمر (پروفیسر محمد اسلم) مطبوعہ ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۶ء۔

۶۵ سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر (علامہ ابوالفضل محمد خلیل مرادآبادی)
مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ۔

۶۶ سنن ابن ماجہ (امام ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی م ۲۷۳ھ
مطبوعہ

۶۷ سنن ابی داؤد (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی م ۲۷۵ھ)
مطبوعہ، مطبع امدادیہ ملتان ۱۳۱۶ھ۔

۶۸ سنن نسائی مجتبیٰ (امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی نسائی م ۳۰۳ھ)
مطبوعہ اصح المطابع کراچی۔

(ش)

۶۹	شذرات الذہب (علامہ عبدالحی بن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ) مطبوعہ المطبع القدسی الازہر مصر ۱۳۵۰ھ۔
۷۰	شرح تراجم ابواب البخاری (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی م ھ) مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی ۱۳۸۱ھ/۱۹۳۱ء

(ص)

۷۱	صحیح مسلم (امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری نیشاپوری ۲۶۱ھ) مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔
۷۲	صفۃ الصفوۃ (علامہ ابن الجوزی ابوالفرج عبدالرحمن بن علی ۵۹۷ھ) مطبوعہ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۶ھ۔

(ض)

۷۳	ضمیمہ برہان پور کے سندھی اولیاء (مولانا سید محمد مطیع اللہ راشدی) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۶ء۔

(ط)

۷۴	طبقات ابن سعد (علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد م ۲۳۰ھ) (اردو ترجمہ) مترجم علامہ راغب رحمانی۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔ ۱۹۷۱ء۔
۷۵	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (امام تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن تقی الدین السبکی الشافعی م ۷۷۱ھ) مطبوعہ مطبع حسینیہ مصر۔

(ف)

۷۶	فتح نامہ سندھ (اردو ترجمہ) مترجم اختر رضوی مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ ۱۹۶۳ء۔
۷۷	فتوح البلدان (اردو ترجمہ) (علامہ ابوالعباس احمد بن یحیٰی البلاذری م ۲۷۹ھ) مترجم سید ابوالخیر مودودی۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۰ء طبع ۳
۷۸	فقہائے ہند (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۴ء طبع اول

۹۰ مروج الذہب ومعادن الجوہر (علامہ ابو الحسن علی بن الحسین بن علی م ۳۴۶ھ)
مطبوعہ مصر ۱۲۸۳ھ۔

۹۱ المسالک والممالک (علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطخری م ھ)

۹۲ مشکاۃ المصابیح (علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب)
مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی ۱۳۶۸ھ۔

۹۳ المعارف (علامہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ م ۲۷۶ھ)
مطبوعہ ۔ مصر ۱۲۹۰ھ۔

۹۴ معجم البلدان (علامہ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی م ۶۲۶ھ)
مطبوعہ بیروت ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء۔

۹۵ معجم المصنفین (شیخ محمود الحسن التونکی) ۔ مطبوعہ:۔

۹۶ معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ (علامہ شیخ یوسف الیانہ سرکیس)
مطبوعہ سرکیس مصر ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء۔

۹۷ معجم المولفین (شیخ عمر رضا کحالہ) مطبوعہ البرقی دمشق ۱۳۵۷ھ۔

۹۸ مقدمہ بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ (صلے اللہ علیہ والہ وسلم) مخدوم امیر احمد عباسی ۱۹۷۳ء
مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔

۹۹ مقدمہ ذب ذبابات الدراسات (مخدوم عبداللطیف بن مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی)
مطبوعہ ۔ سندھی ادبی بورڈ کراچی۔

۱۰۰ مقدمہ شرح صحیح مسلم (امام ابو زکریا یحیٰی بن اشرف النووی م ۶۷۶ھ)
مطبوعہ اصح المطابع نور محمد کراچی ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔

۱۰۱ مقدمہ فتح نامہ سندھ (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ
حیدر آباد سندھ ۱۹۶۳ء۔

۱۰۲ مقدمہ فقہائے ہند (مولانا محمد اسحاق بھٹی) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ
لاہور ۱۹۷۴ء۔

۱۰۳ مقدمہ المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ (مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی ناظم اعلےٰ شاہ ولی اللہ
اکیڈمی حیدر آباد سندھ)
مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء۔

۱۰۴ مقدمہ مقدمۃ کتاب التعلیم (مولانا محمد عبدالرشید نعمانی)۔
مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء طبع ۱

۷۹ فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری (قاضی عبدالنبی کوکب ایم اے) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور - ۱۹۷۵ء -

۸۰ الفہرست (اردو ترجمہ) (علامہ ابوالفرج محمد بن اسحاق ابن ندیم م ۳۸۵ھ) مترجم - مولانا محمد اسحاق بھٹی - مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۹ء طبع اول -

(ک)

۸۱ کتاب الانساب (امام ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد السمعانی الشافعی م ۵۶۲ھ) مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء -

۸۲ کتاب الجرح والتعدیل (علامہ ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ) مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۰ھ -

۸۳ کتاب المنتظم (علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی م ۵۹۷ھ) - مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۰ھ -

۸۴ کشف الظنون (حاجی خلیفہ) مطبوعہ مطبع بہیہ استنبول ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء -

(ل)

۸۵ لسان المیزان (حافظ ابوالفضل احمد بن علی ابن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ) مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۱ھ -

(م)

۸۶ مآثر الامراء (صمصام الدولہ شاہنواز خان) ترجمہ اردو، مترجم محمد ایوب قادری - مطبوعہ اردو بورڈ لاہور -

۸۷ مآثر رحیمی (مآثر نہاوندی) مولانا عبدالباقی نہاوندی) - مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ - ۱۹۲۵ء -

۸۸ مآثر الکرام (مولانا غلام علی آزاد بلگرامی ۱۲۰۰ھ) مطبوعہ - احیاء العلوم الشرقیہ لاہور ۱۹۷۱ء -

۸۹ مذاہب عالم اور اسلام (پروفیسر عبدالحی النور) - مطبوعہ :- اکیڈمک پریس لاہور ۱۹۶۹ء -

۱۰۵ منتخب التواریخ (ملا عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی ۱۰۰۴ھ)
مطبوعۂ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۹ء۔

۱۰۶ منتخب اللباب (محمد ہاشم خافی خان)
مطبوعۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ ۱۸۶۹ء۔

۱۰۷ میزان الاعتدال (امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی ۷۴۸ھ)
مطبوعۂ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۳۵ھ۔

(ن۔)

۱۰۸ نزہۃ الخواطر بہجۃ المسامع والنواظر (علامہ سید عبدالحی بن سید فخرالدین الحسنی لکھنوی ۱۳۴۱ھ)
مطبوعۂ دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء

۱۰۹ النور السافر فی اخبار القرن العاشر (مولانا عبدالقادر بن عبداللہ عیدروسی حضرمی ۱۰۳۸ھ)
مطبوعۂ مطبعۃ الفرات بغداد ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء

(ھ۔)

۱۱۰ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں (قاضی اطہر مبارکپوری)
مطبوعۂ مکتبۂ عارفین کراچی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء۔

انگریزی ماخذ۔

111 Indias Contribution to Hadith
(Dr. Muhammad Ishaq)
University of Dacca.
1955.

تمت بعون اللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ